INTERNATIONAL ISLAMIC UNIVERSITY ISLAMABAD

ماہنامہ

دعوة

اسلام آباد

دسمبر ۲۰۰۹ء - مارچ ۲۰۱۰ء　　دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد　　ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ - ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ

رحمة للعالمینؐ نمبر

ماہنامہ
دعوۃ
اسلام آباد

رحمۃ للعالمین ﷺ نمبر

سرپرست: ڈاکٹر انوار حسین صدیقی

مدیر اعلیٰ: پروفیسر ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمٰن

مدیر
زبیر طارق
مجلس مشاورت
ڈاکٹر ظفر اسحٰق انصاری، ڈاکٹر انیس احمد
ڈاکٹر محمود احمد غازی، ڈاکٹر محمد شاہد رفیع
ڈاکٹر لطف الرحمٰن فاروقی، حیران خٹک

دسمبر ۲۰۰۹ء مارچ ۲۰۱۰ء
ذی الحج ۱۴۳۰ھ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
جلد: ۱۶ شمارہ: ۷-۱۰
قیمت خصوصی شمارہ: -/350
رجسٹریشن نمبر آئی ڈی ۹۸

کمپوزنگ: محمد ظفر سرورق: محمد طارق اعظم
طباعت: ادارہ تحقیقات اسلامی پریس
دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی
پوسٹ بکس: 1485، اسلام آباد
فون: 9261751-54

اس شمارے میں

ادارے کا مقالہ نگاروں کی آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں

ماہنامہ دعوۃ .... اسلام آباد   جلد: ۱۶   شمارہ: ۷-۱۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ اوّل

آج دنیا میں ہر چہار اطراف سے چیخ و پکار بلند ہو رہی ہے۔ آگ برساتے جہاز اور گولیوں کی بوچھاڑ، بہو، بیٹیوں، ماؤں، بہنوں کی صدائے دل فگار، مختلف عصبیتوں کی شکار ہونے والی جوانیاں ہر ذی شعور کے ذہن پر دستک دے رہی ہیں کہ ان خوفناک حالات سے کیوں کر چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے، انسانیت کو اِن خوفناک اندھیروں سے کیسے نجات مل سکتی ہے، مظلوم کی دادرسی کیوں کر ممکن ہے، انصاف کا حصول کیسے ممکن بنایا جا سکتا ہے، عدالت، صداقت، شرافت، دیانت، امانت کا بول بالا کیسے کیا جا سکتا ہے؟

امن و آشتی کی یہ فضا قائم کرنے کے لیے ہمیں کسی ''رول ماڈل'' اور کسی مثالی لائقِ تقلید دور کا تعین کرنا ہوگا۔ ایسا ''رول ماڈل'' جس نے ترغیب و ترہیب سے بالاتر ہو کر کسی غیر منصفانہ امتیاز و تفریق کے بغیر رحمت کی برسات کی ہو، جس نے ظالم کا ہاتھ روک کر مظلوم کا حق دلوایا ہو، جس نے پیٹ پر پتھر باندھ کر بیچارگان کے حقوق کی نگہداشت کی ہو، جس نے کمالِ ایثار اور یقینِ کامل کے ساتھ وعدوں کے ایفا کا ڈھنگ سکھایا ہو، جس نے حق کی آواز کو بلند کرنے کے لیے وطن کو خیرباد کہہ دیا ہو۔ جس نے دشمنوں کے لیے اپنی چادر بچھا دی ہو، جس نے گالیاں سُن کر دُعائیں دی ہوں، جس نے چٹائی پر بیٹھ کر امورِ جہانبانی کی تعلیم دی ہو، جس نے دس سال میں تاریخ کا سب سے بڑا انقلاب برپا کر دیا ہو۔

آج ہمیں قوت و اقتدار کے خُمار، ظلم و جبر، دہشت گردی، بے انصافی، سیاسی و معاشرتی و معاشی عدل کے فقدان، اعلیٰ انسانی اقدار کی پامالی، اور سسکتی انسانیت کی زبوں حالی کے ان تاریک ایام میں اس روشن و درخشاں دور کی طرف پلٹنا ہوگا جہاں امیر ترین اور غریب ترین ایک دسترخوان پر نظر آتے ہوں۔ جہاں حکمرانِ وقت مٹی کی ٹوکری اٹھائے نظر آئے۔ جہاں کسی مرحلہ میں عدل کی پیشانی پر اقربا پروری کا خوف یا طمع کا داغ نظر نہ آئے۔ جہاں ہر انسان کی عزت و آبرو برابر ہو، محفوظ ہو۔ جہاں حکمران فی الحقیقت قوم کا خادم ہو اور قوم کے ادنیٰ سے ادنیٰ فرد کے سامنے جوابدہ ہو۔

اس تناظر میں تاریخ پر نگاہ ڈالیے تو ایک ہی ہستی ایسی ہے، جو ہمہ جہت ہے جو بلاشبہ محسنِ انسانیت ہے، جو کائنات کی ہر شے کے لیے باعث رحمت ہے، جس کا یہ ارشادِ زریں صفحاتِ تاریخ پر پوری آب و تاب سے جگمگا رہا ہے کہ: ''اگر فاطمہ بنتِ محمدؐ بھی چوری کرتی تو اس کے ہاتھ کاٹ دیے جاتے''۔ جس کے قلبِ اطہر پر نازل ہونے والے قرآن مجید کا یہ ارشاد بنی نوعِ انسان کے

لیے بلا قید زمان و مکان ایک ابدی ہدایت کی حیثیت رکھتا ہے کہ ''کسی قوم کے ساتھ دشمنی تمہیں عدل کی راہ سے نہ ہٹا دے، عدل کرو، یہی تقویٰ کے قریب تر ہے، یہی وہ مبارک و سعید وقت ہے کہ خاتم النبیینؐ کے اس اعلان کے ساتھ کہ "لا فضل لعربی عَلٰی عجمی لعجمی علی عربی ولا لاسوَدَ علی اَحَمر کُلُّکم اَبناءُ آدَمَ و ادم من تراب" رنگ ونسل کے تمام امتیازات دم توڑتے نظر آتے ہیں۔

آدھی دنیا امیرالمومنین سیّدنا عمر فاروقؓ کے زیرنگیں ہے، قیصر و کسریٰ کی شوکت و سطوت ہیبتِ فاروقی کے سامنے زمین بوس ہو چکی، مگر سیّدنا بلال حبشیؓ کی آمد پر وہ "بلالٌ سیّدنا و مولیٰ سیّدنا" (بلال ہمارے آقا کے غلام ہیں اور ہمارے سردار ہیں) کا عشق آموز و ایمان افروز نعرہ بلند کرتے ہوئے احتراماً کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اِسی زمانے کی برکات کا تسلسل خلفاءِ اربعہ کے دور میں نظر آتا ہے۔ سرورِ عالمﷺ نے فرمایا تھا کہ اس دین کی برکت سے وہ وقت عنقریب آنے والا ہے جب ''زیورات سے لدی ہوئی اکیلی خاتون، صنعا سے لے کر حضر موت تک اکیلی سفر کرے گی اور اسے کوئی خوف نہ ہوگا'' عدیؓ بن حاتم فرماتے ہیں کہ یہ منظر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ بھری مجلس میں ایک خاتون امیرالمومنینؓ سے اپنے حق کا مطالبہ کرتی ہے۔ ایک عام شخص امیرالمومنینؓ کا محاسبہ کرتا نظر آتا ہے۔

انتہائی محترم قارئین! ربیع الاوّل کے بابرکت مہینہ میں دعوۃ اکیڈمی کے ماہنامہ مجلّہ ''الدعوۃ'' کا خصوصی شمارہ ''رحمۃ للعالمین'' کے عنوان سے منظر عام پر آ رہا ہے۔ اس میں معاصر علما و فضلا کی تحریروں کے ساتھ اسلاف کی نگارشات کا انتخاب بھی شامل ہے۔

اُمید واثق ہے کہ یہ خصوصی شمارہ قارئین کی معلومات میں گراں قدر اضافہ کا موجب ہوگا۔ اللہ جل شانہٗ ہماری اس کاوش کو قبولیت کی خلعت سے سرفراز فرمائے اور ہمیں سیّد و سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، حبیبِ ربانی، فخرِ نوع انسانی، ہادی و راہبر نوعِ انسانی، خاتم الانبیاء، حضور محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰﷺ کے ساتھ سچی محبت اور آپؐ کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونے کی بھرپور توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین بجاہ سیّد الانبیاء والمرسلین۔

پروفیسر ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمٰن

ڈائریکٹر دعوۃ اکیڈمی

رسولِ رحمت ﷺ

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

پروفیسر ڈاکٹر خالد علویؒ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہتر زندگی گزارنے کے لیے عقل وفکر اور فطری شعور بخشنے کے ساتھ ساتھ اس کے لیے خارجی رہنمائی کا بھی مکمل انتظام کیا ہے۔ اس نے انسانی رہنمائی کے لیے وقتاً فوقتاً ایسے منفرد انسان بھیجے جو اس کا پیغام بندوں تک پہنچاتے رہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتے رہے اور ہر قسم کے بگاڑ کی اصلاح ان کی ذمہ داری تھی۔ انسانوں کی کوئی بستی ایسے مقدس اشخاص سے محروم نہیں رہی اور کوئی زمانہ ان نیک انسانوں سے خالی نہیں رہا۔ قرآن پاک میں ہے:

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (١)

اور کوئی قوم نہیں مگر اس میں ڈرانے والا گزر چکا۔

وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (٢)

اور ہر قوم کے لیے ایک راہ دکھانے والا ہے۔

انسان گمراہ ہوتا رہا اور اس کی ہدایت کا انتظام بھی ہوتا رہا۔ وہ ذہنی، شعوری اور تمدنی طور پر جوں جوں ترقی کرتا رہا اس کے لیے طریقِ ہدایت وتبلیغ میں بھی فرق آتا رہا تاآں کہ انسانیت شعور و احساس کی منزلیں طے کرتے کرتے ایک خاص مقام پر پہنچی۔ پختگی کے اس مقام پر اسے ایسی ہدایت کی ضرورت تھی کہ جامع اور کامل بھی ہو اور سہل اور واضح بھی۔ خالقِ کائنات نے اسی امر کے پیشِ نظر ہدایت کا آخری اور انوکھا انتظام فرمایا جسے قرآن کہاجاتا ہے۔اس قرآن کی تشریح وتعبیر اور احکامِ الٰہی کے نفاذ کے لیے ایسی شخصیت مبعوث کی جسے جامع کمالات بنایا۔ جس طرح یہ دین و ہدایت جامع اور مکمل تھی اسی طرح اس شخصیت کو بھی جامع و کامل بنایا۔ چوں کہ نبی ﷺ کو آخری نبی

بناکر بھیجا اس لیے آپؐ کی ذات میں سابقہ کی خصوصیات جمع کرنے کے ساتھ کچھ ایسی انفرادی خصوصیات بھی عطا فرمائیں جو اور کسی نبی میں نہیں پائی گئیں۔اس طرح حضورؐ جامع کمالات انبیا بھی ہیں اور تمام انبیا میں منفرد بھی۔ آپؐ کی نبوت عالمی نبوت ہے اور آپؐ کا دین عالم گیر اور قیامت تک رہنے والا ہے۔اس لیے اس انفرادیت کی خاص ضرورت تھی جسے اللہ تعالیٰ نے پورا فرمایا۔ مسلمانوں نے اپنے عظیم رہنما کے ساتھ عقیدت کے پیشِ نظر آپؐ کی تمام خصوصیات کو شمار کرنے اور تفصیل سے قلم بند کرنے کی سعی کی ہے۔ اس سلسلے میں قاضی عیاضؒ کی''الشفاء''،ابوسعید نیشاپوریؒ کی ''شرف المصطفیٰ''،سیوطیؒ کی''خصائص النبوت''اور شیخ عبدالحقؒ کی ''مدارج النبوۃ'' خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ہمارے دور میں سید سلیمان ندویؒ اور سید مودودیؒ نے بھی اختصار کے ساتھ خصائص مصطفیٰ بیان کیے ہیں لیکن قاضی سلیمان منصور پوریؒ نے تو اپنی مشہور تصنیف ''رحمۃ للعالمین'' کی جلد سوم کا پورا ایک حصہ اس کے لیے وقف کیا ہے۔ قاضی صاحبؒ نے قرآن پاک کی رو سے حضورؐ کے چھبیس خصائص بیان کیے ہیں۔ احادیث میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ عقیدت کی وجہ سے بعض عام چیزوں کو بھی خصوصیت قرار دیا گیا ہے لیکن اگر ان کو نکال بھی دیا جائے تو بھی آپ کے بے شمار خصائص باقی رہتے ہیں۔ (۳)

سید مودودیؒ کے نزدیک آپؐ کی خصوصیات میں تکمیلِ دین، ختمِ نبوت، نسخ ادیانِ سابقہ، عالم گیریت یا دعوتِ عام شامل ہیں۔(۴)

سید سلیمان ندویؒ نے آپ کی خصوصیات کی دو قسمیں قرار دی ہیں:(۵)

۱: ذاتی خصائص ۲: نبوی خصائص

حضورؐ نے خود اپنی خصوصیات کا ذکر فرمایا ہے، جسے بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے:

عن جابر قال قال رسول ﷺ اعطیت خمسا لم یعطھن احد قبلی نصرت بالرعب میسرۃ شھر و جعلت لی الارض مسجدا وطھوراً فأیما رجل من امتی ادرکته الصلوٰۃ فلیصل واحلت لی الغنائم ولم تحل لاحد قبلی واعطیت الشفاعۃ وکان النبی یبعث الی قوم خاصۃ وبعثت الی الناس عامۃ (۶)

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں ملیں:(الف) ابھی ایک ماہ کی مسافت ہو تو دشمن پر میرا رعب طاری ہوجاتا ہے۔(ب)ساری زمین میرے لیے مسجد اور پاکیزہ بنا دی گئی ہے جو جہاں چاہے نماز پڑھے۔(ج) غنیمت کا مال میرے لیے حلال کردیا گیا جو

پہلے کسی کے لیے حلال نہ تھا۔(د) مجھے شفاعت کا حق دیا گیا ہے۔(ہ) پہلے نبی اپنی قوم کے لیے خاص ہوا کرتے تھے مگر میں ساری دنیا کے لیے نبی ہو کر آیا ہوں۔

مسلم شریف کی ایک حدیث میں چھ چیزیں فرمائی گئی ہیں۔ سب روایات کو جمع کرنے سے مندرجہ ذیل امور حاصل ہوتے ہیں:

۱:	نصرت بالرعب	۲:	روئے زمین کا مسجد و طاہر ہونا
۳:	حلّتِ غنائم	۴:	عطائے منصب وشفاعت
۵:	بعثتِ عامہ	۶:	جوامع الکلم ہونا
۷:	ختمِ نبوت	۸:	خزائن الارض

رحمۃ للعالمین

حضورؐ کی ذاتِ با برکات کی سب خصوصیات اپنی جگہ مسلّم ہیں اور ان کا ہر پہلو بے نظیر اور بے مثال ہے۔ ہمارا مقصود ان سب خصوصیات کو بیان کرنا نہیں ہے۔ ہمیں حضورؐ کے جس پہلو کو آج زیرِ بحث لانا ہے وہ آپ کی ذات کا رحمت ہونا ہے۔ قرآن پاک نے آپؐ کی اس خصوصیت کا ذکر بڑی اہمیت کے ساتھ کیا ہے:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ (۷)

ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

آیت کی ترکیب پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ کی ذات رحمت ہی رحمت ہے۔ یعنی آپؐ کی بعثت سے رحمت کے سوا کچھ مقصود نہیں اس لیے آپؐ کو پوری کائنات کے لیے رحمت قرار دیا۔ قبل اس کے کہ ہم بیان کریں کہ آپؐ کس طرح رحمۃ للعالمین تھے، یہ ضروری ہے کہ رحمت کے مفہوم کی توضیح کر دیں۔

رحمت کا مفہوم

رحمت رحم یرحم کا مصدر ہے جس کے معنی بخشش و مہربانی کے ہیں۔ امام راغب لکھتے ہیں (۸) کہ رحمت وہ رقت ہے جو مرحوم کی طرف (یعنی جس پر رحم کیا جائے) احسان کی مقتضی ہو۔ اور کبھی اس کا استعمال مجرد رقت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے اور کبھی صرف احسان کے معنی میں جو رقت سے خالی ہو جیسے رحم اللہ فلانا. جب اس کی نسبت اللہ کی طرف ہو تو احسان مراد ہو گا اور جب

بندے کی طرف ہو تو رقت مراد ہو گی۔ مولانا ابوالکلامؒ آزاد ترجمان القرآن میں رحمت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:''عربی میں رحمت عواطف کی ایسی رقت اور نرمی کو کہتے ہیں جس سے کسی دوسری ہستی کے لیے احسان اور شفقت ارادۃً جوش میں آجائے۔پس رحمت میں محبت، شفقت،فضل و احسان سب کا مفہوم داخل ہے۔اور مجرد محبت، لطف اور فضل سے زیادہ وسیع اور حاوی ہے''۔(۹)

رقت کے اس مفہوم کے بعد تو رحمت کے معنی میں پیار، ترس، ہمدردی، غم گساری، محبت اور خیر خواہی سب شامل ہوں گے۔ عالم سے مراد ہر وجود پذیر شے کا ایک طبقہ ہے۔اس طرح اس کائنات میں کئی عالم ہیں اور چوں کہ آپؐ رحمۃ للعالمین ہیں اس لیے آپ کائنات کے ہر طبقہ کے لیے رحمت ہیں۔ رحمۃ للعالمین وہ ذات ہے جسے کائنات کی ہر شے سے ہمدردی اور محبت ہے، ہر ایک پر ترس کھاتی ہے اور ہر ایک کی غم گسار ہے۔

حضور ﷺ رحمت ہیں تو آپؐ کا رحمت ہونا دو اعتبار سے ہے:

۱: ذاتی اعتبار سے ۲: نبوت کے اعتبار سے

ذاتی رحمت

آپؐ اپنی ذات کے اعتبار سے مجسم رحمت تھے۔خاص انفرادی اور ذاتی معاملات میں بھی آپؐ کی یہ خصوصیت نمایاں رہی۔ مثلاً انسانیت سے ہمدردی اور دکھی اور مظلوم لوگوں کا خیال۔ یہ کیفیت آپؐ کے دل میں اس طرح راسخ تھی کہ آپؐ کسی لحہ بھی اس سے غافل نہ رہے۔ اعلانِ نبوت سے پہلے کی زندگی میں آپؐ کا محبوب مشغلہ ہی انسانیت کی ہمدردی خصوصاً مظلوم اور دکھی انسانوں کی ہمدردی تھی۔

جناب ابوطالب نے شاید اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا:(۱۰)

وابيض يستقى الغمام بوجهه

ثمال اليتامى عصمة للارامل

آپؐ کی طبیعت کی رحیمی نے حرب الفجار سے خصوصی اثر لیا۔ (۱۱) اور اس سے مظلومیت کی حمایت کا احساس اور زیادہ مستحکم ہوا اور مکہ کی وہ انجمن جس کا مقصد مظلوموں کی حمایت تھا،آپؐ کی کوشش سے اور زیادہ مضبوط ہوگئی۔(۱۲) قدرت نے آپؐ کی ذات میں رحمت کی یہ خصوصیت راسخ کی تھی اور یہی ''ملکہ راسخہ'' آگے چل کر نبوت اور فرائضِ نبوت کی انجام دہی میں مد ثابت ہوا۔ قرآن پاک نے اسے یوں بیان کیا :

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (۱۳)

سو اللہ کی رحمت سے تو ان کے لیے نرم ہے اور اگر تو سخت کلام، سخت دل ہوتا تو یہ تیرے ارد گرد سے بکھر جاتے۔

خالقِ کائنات نے حضور اکرمؐ کو اس لقب سے نوازا۔ رحمت کی بنیادی خصوصیت کو آپؐ کے دل میں قائم کیا اور اس کے بعد تربیت، ہدایت اور آگاہی سے اسے مستحکم کیا۔کئی ایک مقامات میں جہاں نبیؐ کو فرمایا گیا کہ آپؐ رحمت کا یہ طریقِ کار اختیار کریں، مصائب و آلام میں صبر کریں، مشکلات کا مقابلہ استقامت سے کریں اور ایذا رسانی کے مقابلے میں عفو اور درگزر سے کام لیں، ایک مقام پر طریقِ تبلیغ سمجھاتے ہوئے فرمایا:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (۱۴)

اپنے رب کے رستے کی طرف حکمت اور اچھے وعظ سے بلا اور ان کے ساتھ اس طریق پر بحث کر جو نہایت عمدہ ہو۔

دوسری جگہ رحیمانہ طرزِ عمل یوں سکھایا گیا:

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ (۱۵)

(بدی کو) بہت اچھے طریق سے دور کر، پھر تو دیکھے گا کہ وہ شخص کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی ہے، گویا وہ دل سوز دوست ہے۔

اس ودیعت اور تربیت کا اثر حضورؐ کی ذاتِ گرامی پر کامل طور پر ظاہر تھا۔طائف کے تبلیغی سفر میں جو سلوک آپؐ کے ساتھ ہوا ہم اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے اور اس کے جواب میں رحمۃ للعالمین نے جو کچھ فرمایا وہ ہمارے لیے تو محض وعظ کی شیرینی کا باعث ہے مگر حقیقت میں یہ رحمۃ للعالمینی کا ظہور ہے۔ پتھر کھا کر اور گالیاں سن کر فرمایا:

اللهم اهد قومي فانهم لا يعلمون (۱۶)

اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے بلاشبہ وہ نہیں جانتے۔

یہ کہنا دراصل اس خصوصیت کا اثر ہے جسے رحمت کہتے ہیں۔ رحمت کی یہ خصوصیت آپؐ کی پوری زندگی پر محیط ہے۔ مکی زندگی میں غلاموں کی آزادی میں آپ کی کوشش (۱۷) اور مدنی زندگی میں رئیس المنافقین کے جنازے میں چلے جانا(۱۸) اور اسے اپنا کرتہ پہنا دینا(۱۹)، مدینہ کے یہودیوں (۲۰) اور نجران کے عیسائیوں کے ساتھ آپ کا حسنِ سلوک(۲۱) نیز فتح مکہ کے موقع پر سنگ دل قریشیوں کو لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ(۲۲) (آج تم پر کوئی الزام نہیں) کا مژدہ سنانا صفتِ رحمت ہی کا عملی اظہار

ہے۔آپؐ کی ذات رحمت ہے، آپؐ کا انفرادی طرزِ عمل رحمت ہے بلکہ آپؐ مجسم رحمت ہیں۔

رحمتِ نبوی

''رحمۃ للعالمینی'' کا ظہور جس طرح آپؐ کی ذاتی زندگی میں ہوتا ہے اسی طرح اس پیغام اور تحریک میں بھی ہوتا ہے جو اسلام کے نام سے شروع کی گئی۔ گویا یہ تحریک اور پیغام ایک رحمت ہے جو اس کائنات میں حضورﷺ کی وساطت سے متعارف ہوا۔حضورؐ یوں تو جملہ مخلوقِ خدا کے لیے رحمت ہیں لیکن بالخصوص آپؐ انسانوں کے لیے رحمت ہیں کیوں کہ یہ اشرف المخلوقات ہیں۔

احادیث و سیرت کی کتابوں میں وہ تفصیلات موجود ہیں جہاں نبی کریم ﷺ نے حیوانوں سے حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے اور آدابِ زندگی میں یہ بات بتائی کہ کائنات کی ہر شے مصروفِ تسبیح ہے، تمہیں اس خیال کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ ہم یہاں رحمت کے صرف اسی پہلو کا ذکر کریں گے جس کا تعلق انسانوں سے ہے کیوں کہ بات کو مختصر کرنا ہے ورنہ مضمون پھیل جائے گا۔ آپؐ کی ذات کی طرح آپؐ کا پیغام انسانوں کے لیے خصوصی رحمت ہے کیوں کہ پیغامِ ربانی سے مسلسل انحراف اور خود ساختہ خداؤں کی بندگی نے عقل و فکر اور آزادی و آدمیت کی صحیح روح کو ختم کردیا تھا۔ کہیں کہیں روشنی کی کرن دکھائی دیتی تھی لیکن وہ بھی اتنی مدھم کہ اس سے رہنمائی کا کام نہیں لیا جاسکتا تھا۔ مذہبی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی لحاظ سے دھاندلی کا بازار گرم تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے رحیمانہ طرزِ عمل سے ایک عظیم انقلاب بپا کیا اور انسان کو اس کے حقیقی مقام سے روشناس کرایا۔ آپؐ کی صفت رحمۃ للعالمینی کا ظہور پوری انسانی زندگی کو محیط کرتا ہے لیکن ہم سہولت کے لیے انسانی زندگی کو چار بڑے حصوں میں تقسیم کرتے ہیں اور پھر دیکھتے ہیں کہ ان حصوں میں حضور اکرم ﷺ کی ذات اور آپؐ کے پیغام کے کیا اثرات مرتب ہوئے۔ یہ چار حصے صرف تعارف کے لیے ہیں ورنہ آپؐ کے فیض کو کسی ایک پہلو میں محدود کرنا درست نہیں۔ وہ چار پہلو یہ ہیں:

۱:مذہبی ۲:معاشرتی ۳:معاشی ۴:سیاسی

مذہبی زندگی

مذہبی زندگی سے وہ امور مراد ہیں جو عبودیت اور پرستش سے تعلق رکھتے ہیں۔ انسانی زندگی کا یہ حصہ جس قدر اہم تھا' اسی قدر مجروح تھا۔ شرک اور مذہبی جاگیرداری نے خود ساختہ شریعت کے ذریعے سے عوام کو مفلوج کر رکھا تھا۔ عقل و فکر کے استعمال پر قدغنیں تھیں۔ انسانی ذہن خرقِ عادت کی بازی گری سے آگے نہیں جاسکتا تھا۔ مذہبی خداؤں نے حلال و حرام کے اپنے پیمانوں سے انسانی

زندگی کو بوجھل بنادیا تھا۔ جہاں کہیں پیغامِ ربانی کی روشنی تھی اسے دور از کار تاویلات اور تحریفات سے تاریک تر کر دیا گیا تھا۔ انسان اسی تاریک ماحول میں آنکھ کھولتا اور تاریکی کے انہی دبیز پردوں کے اندر ابدی نیند سوجاتا۔ رحمتِ نبوی نے انسان کو اس تاریکی سے نجات دلانے کی سعی فرمائی۔ اس کے لیے آپؐ نے مندرجہ ذیل امور اختیار فرمائے:

۱:دعوتِ فکر و تدبر ۲:مذہبی خداؤں کی نفی ۳:خود ساختہ قوانین کی تردید

معجزات اور خرقِ عادات کے عادی انسان کو پہلی مرتبہ یہ بات سمجھائی کہ پختہ کردار اور درست سیرت سب سے بڑا معجزہ ہے۔ عقل و فکر کی قوتوں سے کام لے کر خود کو، اور خالقِ کائنات کی حکمتوں کو سمجھنا ہی سب سے بڑا کام ہے۔ قرآن پاک میں اس پہلو پر بڑے بلیغ انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثلاً

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا (۲۳)

کیا قران میں تدبر نہیں کرتے اور اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پاتے۔

۲: اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (۲۴)

تو کیا قرآن پر غور نہیں کرتے، یا دلوں پر ان کے تالے لگے ہوئے ہیں۔

مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

۳: یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (۲۵)

آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں فکر کرتے رہتے ہیں، ہمارے رب تو نے اسے بے فائدہ پیدا نہیں کیا' تو پاک ہے پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

عدم تفکر کو حیوانی زندگی کا خاصہ قرار دیتے ہوئے فرمایا:

۴: وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ کَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا ز وَلَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَا ز وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (۲۶)

اور یقیناً ہم نے بہت سے جنوں اور انسانوں کو دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے۔ ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں۔ وہ چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ

زیادہ گمراہ، یہی بے خبر ہیں۔
ان آیات میں تفکر و تدبر کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ مومن کی صفتِ تفکر اور کافر کی اس سے محرومی کو واضح کیا گیا ہے۔ معجزات کے جواب میں بڑا صاف انداز ہے کہ معجزہ پیام ہے، طرزِ عمل اور زندگی ہے۔ تم یوں ہی بھٹک رہے ہو:

۱: وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (۲۷)

اور کہتے ہیں اس پر اپنے رب کی طرف سے نشان کیوں نہ اتارے گئے، کہہ نشان صرف اللہ کے پاس ہیں اور میں صرف کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔

۲: وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ (۲۸)

اور جنہوں نے کفر کیا، کہتے ہیں اس پر اس کے رب کی طرف سے نشان کیوں نہیں اتار دیا جاتا۔

۳: وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۙ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۙ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۙ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ۚ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۚ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (۲۹)

اور کہتے ہیں ہم تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ تو ہمارے لیے اس زمین سے چشمہ بہا دے یا تیرا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو پھر تو اس کے اندر خوب نہریں بہا نکالے یا تو آسمان کو جیسا کہا کرتا ہے ٹکڑے ٹکڑے کرکے ہم پر گرا دے یا تو اللہ اور فرشتوں کو سامنے لے آئے۔ یا تیرا سونے کا گھر ہو یا تو آسمان میں چڑھ جائے اور ہم تیرے چڑھنے کو بھی نہیں مانیں گے، جب تک کہ تو ہم پر کتاب نہ اتارے جسے ہم پڑھ لیں۔ کہہ تیرا رب پاک ہے میں صرف ایک بشر رسول ہوں۔

خود ساختہ مذہبی خداؤں کی نفی

اس دعوتِ فکر کے ساتھ شرک اور مذہبی خداؤں کی خدائی کی نفی اس انداز سے کی کہ انسان خدا سے تعلق قائم کرنے لگا، بھولی ہوئی خدائی تک پہنچنے کا جذبہ پھر تازہ ہوا اور خدا سے باغی انسان اطاعتِ الٰہی سے سرشار ہوگیا۔ اس کے لیے بھی عقلی اور فکری انداز ملاحظہ فرمائیں:

۱: لَوْ کَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (۳۰)

اگر ان دونوں میں اللہ کے سوا (کوئی اور) معبود ہوتا تو دونوں بگڑ جاتے۔

۲: اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ، وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ، ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ (۳۱)

وہ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو ایک مکھی بھی پیدا نہیں کرسکتے، گو وہ سب اس کے لیے اکٹھے ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو اسے چھڑا نہیں سکتے۔ طالب اور مطلوب (دونوں) کمزور ہیں۔

۳: اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۳۲)

انہوں نے اپنے عالموں اور راہبوں کو اللہ کے سوا رب بنالیا ہے۔

اس کے علاوہ خود ساختہ شریعت کی نفی کی اور جو رسومات مذہبی تقدس کے طور پر اختیار کی گئیں ان کی تردید بڑے زور سے کی گئی:

۱: مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ ، بَحِیْرَةٍ وَّ لَا سَآئِبَةٍ وَّ لَا وَصِیْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ، وَّ لٰكِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ، وَاَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ (۳۳)

اللہ نے نہ کوئی بحیرہ بنایا ہے اور نہ صائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام لیکن جو کافر ہوئے وہ اللہ پر جھوٹ افترا کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر عقل سے کام نہیں لیتے۔

۲: اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْكُفْرِ (۳۴)

مہینوں کا پیچھے کر دینا کفر کی ایک زیادتی ہے۔

۳: وَرَهْبَانِیَّةَ ، ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَیْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ (۳۵)

اور رہبانیت انہوں نے خود نکالی ہم نے اسے ان پر لازم نہیں کیا، مگر اللہ کی رضا کو حاصل کرنے کے لیے (نکالی)۔

نبی ﷺ نے انسانیت کو حرام و حلال اور جائز و ناجائز کے ان خود ساختہ قوانین سے نجات دلا کر فطری زندگی کی طرف رہنمائی کی۔ قرآن پاک نے اسی انداز سے حضور اکرم ﷺ کا تعارف کرایا:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰةِ وَ الْاِنْجِیْلِ ، یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ، فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ، اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۳۶)

اور جو رسول نبی امّی کی پیروی کرتے ہیں، جسے وہ اپنے پاس توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ ان کو بھلی باتوں کا حکم دیتا اور ان کو بری باتوں سے روکتا اور ان کے لیے ستھری چیزیں حلال کرتا ہے اور ان پر ناپاک چیزیں حرام کرتا اور ان سے ان کا بوجھ اتارتا ہے اور وہ طوق بھی جو ان پر تھے۔ سو جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اس کو مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اتارا گیا ہے، وہی کامیاب ہوں گے۔

رحمتِ نبوی نے مذہبی زندگی کے باطل تصورات کومٹایا۔انسانوں کو اس بارِ گراں سے نجات دلائی جو از خود انہوں نے اٹھایا تھا یا انہیں اٹھوایا گیا تھا۔ یہودیت، مسیحیت اور مشرکانہ مذاہب کے پھیلائے ہوئے جال سے انسان کو نجات دلانے کی سعی فرمائی اور یہ رحمت کا سب سے بڑا ظہور تھا۔

معاشرتی زندگی

معاشرتی زندگی کا حال مذہبی زندگی سے کچھ اچھا نہ تھا۔نسلی امتیاز، غلامی و آقائی، عورت کی زبوں حالی اور غلط معاشرتی رسوم، معاشرتی زندگی کے وہ تاریک پہلو ہیں جن کے تصور سے روح کانپ اٹھتی ہے۔ رحمتِ نبوی نے نسلی امتیاز کے پردے کو چاک کیا اور سب انسانوں کو برابر کا درجہ دیا۔ مساواتِ نسلِ انسانی کا درس دیا۔ رنگ و خون اور وطن کی بنیادوں پر ہر قسم کے جاہلی امتیازات کو ختم کیا۔ غلاموں کو اپنے ساتھ بٹھایا۔ ان کی آزادی کا انتظام کیا۔ بلکہ ان کی آزادی کو مذہبی وجوب اور اخلاقی عظمت کی دلیل قرار دیا۔ ان سے حسنِ سلوک اور ان کی اچھی تربیت کو ذریعۂ نجات قرار دیا۔عورت کو ماں، بیٹی، بہن اور بیوی کی حیثیت سے بلند مقام دیا۔ اس کے حقوق کا تعین کیا اور ان کا تحفظ کیا۔ حیا، عفت اور غیرت کو دین کی بنیادی قدریں بتایا اور معاشرے میں اس کی ترویج و اشاعت پر زور دیا۔قتلِ اولاد اور دیگر غلط معاشرتی رسوم کا قلع قمع کیا اور اس کی جگہ پر فطری اور صالح نظامِ معاشرت جاری کیا جس میں حسن ظنی، تعاون، ہمدردی اور مساوات کا دور دورا تھا۔ قرآن و سنت کی مندرجہ ذیل نصوص سے ان امور پر روشنی پڑتی ہے۔ حضوراکرم ﷺ کا احسان ہے کہ آپ نے انسانیت کو وحدتِ نسلِ انسانی کا احساس دلایا:

۱: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ(۳۷)

اور یقیناً ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور ہم نے ان کو خشکی اور تری میں سواری دی اور ان کو اچھی چیزوں سے رزق دیا۔

۲: لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (۳۸)

یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت پر پیدا کیا۔

۳: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ (۳۹)

اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔ اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور اللہ کے (حقوق کی) جس کے ذریعے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو' اور رحموں کی نگہداشت کرو۔

۴: وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (۴۰)

اور تمہاری شاخیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۱: یامعشر قریش ان اللہ قد اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ وتعظمھا بالاباء. الناس من ادم و ادم من تراب (۴۱)

اے گروہِ قریش! اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے غرور اور آباء پر فخر کرنے کو دور کردیا ہے۔ لوگ آدم سے ہیں اور آدم مٹی سے تھے۔

۲: لافضل لعربی علی اعجمی ولا لاسود علی احمر الا بالتقوٰی (۴۲)

کسی عربی کو عجمی پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ سے۔

نسلی و لسانی امتیازات کو ختم کرنے کے ساتھ ساتھ ان مظالم اور ناروا تفریقات کو بھی ختم کردیا جو طبقۂ نسواں کے سلسلہ میں انسانوں نے روا رکھی تھیں۔ آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر خصوصی طور پر عورتوں کے حقوق کا ذکر کیا۔ عورتوں کے ضمن میں چند ایک ارشادات یہ ہیں:

۱: وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (۴۳)

اور ان کے لیے پسندیدہ طور پر (حقوق) ہیں جیسے ان پر (حقوق) ہیں۔

۲: لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۚ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ (۴۴)

مردوں کا حصہ ہے جو وہ کمائیں اور عورتوں کا حصہ ہے جو وہ کمائیں۔

۳: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۴۵)

جو کوئی اچھا کام کرتا ہے مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہے، ہم یقیناً اسے ایک پاک زندگی میں زندہ رکھیں گے اور ہم انہیں بہترین اعمال کا، جو وہ کرتے ہیں، اجر دیں گے۔

احادیث

۱: فاتقوا اللہ فی النساء (۴۶)

عورتوں کے سلسلہ میں اللہ سے ڈرو۔

۲: النساء شقائق الرجال (۴۷)

عورتیں مردوں کی نظر و مثیل ہیں۔

۳: عن عبداللہ بن عمر قال کنا نتقی الکلام والانبساط الی نساء نا علی عہد النبی ﷺ ہیبة ان ینزل فینا شیء فلما توفی رسول اللہ ﷺ تکلمنا وانبسطنا (۴۸)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ نبیؐ کے عہد میں اپنی عورتوں سے کھلی باتیں کرتے ہوئے ڈرتے تھے، اس اندیشے کے پیش نظر کہ کہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نازل نہ ہوجائے۔ جب رسول اللہ کا انتقال ہوا تو ہم جی کھول کر باتیں کرنے لگے۔

۴: قال رسول اللہ ﷺ حبب الیّ من الدنیا النساء والطیب وجعلت قرة عینی فی الصلوٰة (۴۹)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا میں سے مجھے عورتیں اور خوشبو عزیز ہے اور نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

عورت کے حقوق کا تحفظ، اس کی صحیح تربیت اور اس کے صحیح معاشرتی مقام کے لیے نبی رحمتؐ نے خصوصی انتظام فرمایا۔ اسلام سے پہلے کی جاہلیت اور دورِ جدید کی جاہلیت میں عورت کو جس طرح حرص و ہوا کا نشانہ بنایا گیا وہ بالکل واضح ہے۔ یہ نبی ﷺ کی رحمۃ للعالمینی ہے کہ آپؐ نے عظمتِ انسان بیان کرتے ہوئے عورت کو انسانیت کا ایک لازمی حصہ قرار دیا۔ نکاح و طلاق کے قوانین کی اصلاح فرما کر آپؐ نے عورت کو ظلم و ستم سے نجات دلائی۔ اس کے لیے دائرہ عمل متعین فرمایا تاکہ اس کا تحفظ ہو سکے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے:

المرأة راعیة علی اهل بیتها وهی مسئولة (۵۰)

عورت اپنے اہلِ بیت کی نگران ہے اور اس کے لیے جواب دہ ہے۔

اسلام میں پہلی مرتبہ عورت نے بحیثیت ماں، بیٹی، بیوی اور بہن، اپنا صحیح مقام حاصل کیا۔ انسانی معاشرت کے سکون کو برباد کرنے کے لیے چند ایسے امور راہ پاگئے تھے جنھوں نے اجتماعی زندگی کو بھی مستحکم نہ ہونے دیا اور آج بھی انسانی معاشرت انہی سے پریشان ہے۔ ان میں باہمی بے اعتمادی و منافرت اور دوسرے کے لیے احساسِ ہمدردی و ایثار کی کمی ہے۔ آپؐ نے دونوں امور کی طرف خصوصی توجہ دلائی۔ آپؐ نے کبائر، بدگمانی، تجسس، حسد و بغض، ناجائز حمایت، غیبت اورجھوٹی گواہی وغیرہ سے منع فرمایا:

۱: عن ابی ھریرة قال قال رسول اللہ ﷺ اجتنبوا السبع الموبقات قالوا یا رسول اللہ ﷺ ماھن قال الشرك باللہ والسحر وقتل النفس التی حرم اللہ الابالحق واکل الربا واکل مال الیتیم والتولی یوم الزحف وقذف المحصنات المومنات الغافلات (۵۱)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سات ہلاک کردینے والی باتوں سے بچو! لوگوں نے پوچھا : یا رسول اللہ! وہ کون سی باتیں ہیں؟ فرمایا کسی کو خدا کا شریک ٹھہرانا، جادو کرنا، اس جان کو مارنا جس کو مار ڈالنا خدا نے حرام قرار دیا ہو سوائے حقِ شرعی کے، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، لڑائی کے روز پشت دکھانا، پاک دامن مومن اور بھولی بھالی عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا۔

۲: عن ابی ھریرة قال قال رسول اللہ ﷺ ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث ولاتحسسوا ولا تجسسوا ولاتناجشوا ولا تحاسدوا ولاتباغضوا ولاتدابروا وکونوا عباداللہ اخوانا (۵۲)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا بدگمانی سے بچ کر رہو کیوں کہ بدگمانی سب سے بڑھ کر جھوٹ بات ہے اور نہ کسی کی راز جوئی کرو اور نہ کسی کی جاسوسی کرو اور نہ قیمت بڑھانے کی بولی دو اور نہ ایک دوسرے سے بغض رکھو اور نہ باہم روگردانی کرو اور اللہ کے بندو بھائی بھائی ہو جاؤ۔

۳: عن اوس بن شرحبیل انہ سمع رسول اللہ ﷺ یقول: من مشیٰ مع ظالم لیقویہ وھو یعلم انہ ظالم فقد خرج من الاسلام (۵۳)

اوس بن شرحبیلؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہؐ کو فرماتے سنا جس نے ظالم کے ساتھ اس کی تقویت کی خاطر قدم اٹھایا اور وہ اسے جانتا ہے کہ وہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے نکل گیا۔

معاشرتی زندگی کا ایک اور اہم اصول

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۔ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَان (۵۴)

نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور زیادتی میں باہم کسی کی مدد نہ کرو۔

ہمدردی اور ایثار

ہمدردی و خیر خواہی اور ایثار و قربانی کا جذبہ دراصل انسانی بے غرضی اور بے لوثی کی دلیل ہے۔ حدیث کی کتابوں میں الحب فی اللہ، کے عنوان سے ایک مستقل باب ہے۔اس جذبہ کے بغیر معاشرہ، معاشرہ نہیں ایک بھیڑ ہے۔آپؐ نے فرمایا:

۱: عن ابی امامۃ قال:قال رسول اللہ ﷺ:من احب للہ وابغض للہ واعطی للہ ومنع للہ فقد استکمل الایمان (۵۵)

حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے محبت کی خدا کے واسطے اور بغض رکھا خدا کے واسطے اور (کسی کو کچھ) دیا خدا کے واسطے اور منع کیا خدا کے واسطے، اس نے اپنے دین کو کامل کیا۔

۲: عن ابی ذر قال:قال رسو ل اللہ ﷺ:افضل الاعمال الحب فی اللہ والبغض للہ (۵۶)

حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، خدا کے لیے محبت کرنا اور خدا کی راہ میں بغض رکھنا بہترین اعمال میں سے ہے۔

۳: عن انس قال:قال رسول اللہ ﷺ:والذی نفسی بیدی لایومن احدکم حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ (۵۷)

حضرت انسؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کوئی بندہ اس وقت تک کامل ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہ (بھلائی) نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔

ان کے علاوہ بعض اہم اصول مثلاً احساسِ ذمہ داری، نظافت و طہارت، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، اخوت اور مساوات نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔

معاشی زندگی

جاہلیت کی معاشرتی زندگی کی طبقاتی تقسیم نے معاشی جدوجہد کو بھی متاثر کیا تھا۔ لوٹ

کھسوٹ اور بدنظمی، معاشی زندگی کی خصوصیت تھی۔ سرمایہ دار طبقہ نے سود جیسی لعنت مسلط کررکھی تھی جس سے غریب کا خون نچڑ رہا تھا۔ معاشی زندگی کی برائی شراب نے جوئے کے ساتھ مل کر معاشی جدوجہد کو مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔ ذرائع آمدنی پر مخصوص لوگوں کا قبضہ تھا۔ طریقِ صرف میں کسی اخلاقی اصول کا لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا اور ہر معاشی جدوجہد خود غرضی اور سنگ دلی پر مبنی تھی۔

رحمۃ للعالمینؐ نے اس میدان میں بھی انسانیت کے لیے بہترین اصول اور طرزِ عمل عطا کیا۔ سود کو ختم کیا اور سب سے پہلے اپنے چچا کے سود کو باطل قرار دیا۔ (۵۸) آئندہ کے لیے سودی کاروبار کرنے والوں کو اللہ اور اس کے رسولؐ کا باغی قرار دیا۔ بیع و شرائع کے تمام باطل طریقے ختم کیے (۵۹) اوررزقِ حلال کی دعوت دی۔ جوئے اور شراب کو بند کیا اور اس کے ذریعے سے پیدا ہونے والی فضول خرچی کو شیطانی فعل سے تعبیر کیا۔ اقتصاد اور اعتدال کو معاشی زندگی کی روح قرار دیا۔ تمام غیر اخلاقی اور ظالمانہ طریقے بند کیے تا کہ انسانوں کا کوئی طبقہ بھی ظلم کا شکار نہ ہو۔ رحمتِ نبوی نے مظلوم انسانیت کو سہارا دیا۔ قرآن و سنت نے آپؐ کا رحیمانہ طرزِ عمل بیان کیا۔ شراب اور جوئے کے بارے میں فرمایا:

۱: يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيهِمَآ إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ؕ وَإِثْمُهُمَآ أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا (۶۰)

تجھ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ! ان دونوں میں بڑی برائی ہے اور لوگوں کے لیے فائدے بھی ہیں اور ان کی برائی ان کے فائدے سے بڑھ کر ہے۔

۲: إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ (۶۱)

شراب اور جوا اور بت اور پاسے ناپاک کام صرف شیطان کے عمل سے ہیں۔ سو اس سے بچو۔

۳: يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَوٰا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ (۶۲)

اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

۴: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَوٰا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ (۶۳)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقویٰ کرو اور جو کچھ سود سے باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔ پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول

کے ساتھ لڑائی کے لیے خبردار ہوجاؤ۔

۵: وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ (۶۴)

اور اپنے مالوں کو آپس میں ناجائز طور پر نہ کھاؤ اور (نہ) ان کے ذریعے سے حاکموں تک پہنچو، تاکہ لوگوں کے مال کا ایک حصہ گناہ کے ساتھ کھا جاؤ۔

۶: اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا (۶۵)

مال اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکر گزار ہے۔

۷: وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا (۶۶)

اور اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ اسے حد سے زیادہ کھول ورنہ تو ملامت کیا ہوا درماندہ ہوکر بیٹھ رہے گا۔

احادیث

عن جابر قال لعن رسول الله ﷺ اكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء(۶۷)

جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سود خوار، سود دینے والے، سودی دستاویز لکھنے والے اور گواہی دینے والوں پر لعنت کی ہے اور فرمایا کہ خدا کی پھٹکار میں یہ سب برابر ہیں۔

۲: عن فضالة بن عبيد انه قال كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا(۶۸)

فضالہ بن عبیدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو قرض بھی نفع کھینچتا ہے وہ سود ہی کی اقسام میں سے ہے۔

آپؐ نے معاشی زندگی کے استحکام کی خاطر چند زریں اصول دیے۔ ان کو اپنانے سے وہ تمام ناہمواریاں ختم ہوجاتی ہیں جو انسانوں کے ظالمانہ نظاموں نے پیدا کررکھی ہیں۔

۱: معاشی جدوجہد کی پاکیزگی

آپؐ نے معاشی جدوجہد کو پاکیزہ بنایا اور تمام ناجائز ذرائع کو خارج کردیا۔ اسی طرح ہوسِ زر اور حبِ مال کی مذمت کی اور مال کو جمع کرنے کی ممانعت کردی۔ ارشاد خداوندی ہے:

۱: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا

فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا (۶۹)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے مالوں کو آپس میں ناحق مت کھاؤ سوائے اس کے کہ تمہاری باہمی رضامندی سے تجارت ہو اور اپنے لوگوں کو قتل نہ کرو۔ بے شک اللہ تم پر رحم کرنے والا ہے۔ اور جو شخص حد سے نکل کر اور ظلم سے ایسا کرے گا ہم اسے آگ میں داخل کریں گے۔

۲: وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (۷۰)

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک عذاب کی خبر دو۔

۳: وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ (۷۱)

اور وہ لوگ جو اس میں بخل کرتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے یہ خیال نہ کریں کہ یہ ان کے لیے اچھا ہے بلکہ وہ ان کے لیے برا ہے۔

احادیث

عن عبداللہؓ قال قال رسول اللہ ﷺ طلب کسب الحلال فریضة بعد الفریضة (۷۲)

عبداللہؓ سے روایت ہے، رسول اللہؐ نے فرمایا، حلال معیشت کا طلب کرنا اللہ کے فریضۂ عبادت کے بعد سب سے بڑا فریضہ ہے۔

عن ابی بکرؓ ان رسول اللہ ﷺ قال لایدخل الجنة جسد غذی بالحرام (۷۳)

حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جس بدن نے مالِ حرام سے پرورش حاصل کی ہو وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ من اشتری ثوبا لعشرة دراھم وفیه درھم حرام لم یقبل اللہ صلوته مَادَامَ علیه (۷۴)

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ جو شخص (مثلاً) ایک کپڑا دس درہم میں خریدے اور ان میں ایک درہم حرام مال ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی نماز اس وقت تک قبول نہیں کرے گا جب تک وہ کپڑا اس کے جسم پر ہو۔

عن ابی ھریرة .... ثم ذکر الرجل یطیل السفر اشعث اغبر یمد یدیه الی السماء یارب

یارب ومطعمه حرام ومشربه حرام وملبسه حرام وغذی بالحرام فَانّٰی یستجاب لذلک (۷۵)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے......پھر آپؐ نے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جو طویل سفر کرتا ہے، پراگندہ بال اور غبار آلودہ، اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتا ہے اور کہتا ہے اے پروردگار (یہ دے اور وہ دے) حالاں کہ اس کا کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام اور حرام میں پرورش کیا گیا۔ پھر کیوں کر اس کی دعا قبول کی جائے۔

۲:فلاحِ عامہ کا احساس

معاشی جدوجہد میں تمام افرادِ معاشرہ یکساں صلاحیت نہیں رکھتے۔ فطری، حادثاتی اور طبقاتی معذوریوں کے پیشِ نظر ہر آدمی مطلوبہ نتائج نہیں پیدا کرسکتا۔ رسول اللہﷺ نے ایک ایسا معاشی نظم تجویز فرمایا جو ان مزاحمتوں کا علاج مہیا کرتا ہے اور تمام افراد کے لیے معاشی سہولتوں کی راہ کھول دیتا ہے۔ اس کے لیے آپؐ نے کچھ امور تجویز فرمائے مثلاً زکوٰۃ، انفاق اور وراثت وغیرہ۔ اس طرح آپؐ نے دو مقاصد حاصل کیے' ایک یہ کہ دولت ایک جگہ پر مرتکز نہ ہونے پائے اور دوسرا یہ کہ کوئی فردمحروم المعیشت نہ رہے۔اس سلسلہ میں چند نصوص ملاحظہ ہوں:

۱: اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (۷۶)

نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔

۲: عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ بعث معاذا الی الیمن، فقال :انک تاتی قوماً اھل کتاب، فادعھم الی شھادۃ ان لاالٰہ ا لا اللہ وان محمدا رسو ل اللہ فانھم اطاعوا لذلک فاعلمھم ان اللہ قد فرض علیھم خمس صلوۃ فی الیوم واللیلۃ فان ھم اطاعوا لذلک فاعلمھم ان اللہ قد فرض علیھم صدقۃ توخذ من اغنیاء ھم فترد علی فقراء ھم فان ھم اطاعوا لذلک فایاک وکرائم اموالھم واتق دعوۃ المظلوم فانہ لیس بینھا وبین اللہ حجاب (۷۷)

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے معاذؓ کو یمن کی طرف(حاکم بناکر) بھیجا تو فرمایا کہ تو ایک ایسی قوم کی طرف جا رہا ہے جو اہلِ کتاب ہے۔ پس تو ان کو اس امر کی شہادت کی طرف بلا کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمدؐ خدا تعالیٰ کے رسول ہیں، اگر وہ اس کو مان لیں یعنی اسلام قبول کر لیں تو ان کو بتلاکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں رات اور دن میں۔ اگر وہ اس کو قبول کرلیں تو پھر ان کو بتلا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ فرض کی

ہے جو دولت مندوں سے لی جائے گی اور غربا پر تقسیم کی جائے گی۔ اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو پھر ان کا بہترین مال نہ لے (زکوٰۃ وصول کرنے میں)۔ مظلوم کی دعا سے اپنے آپ کو بچا اس لیے کہ مظلوم کی دعا اور خدا تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ۔

۳: يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۥ قُلِ الْعَفْوَ (۷۸)

اور وہ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں تو آپ فرما دیں کہ جو کچھ (حاجت سے) بڑھ کر ہے۔

۴: وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (۷۹)

اور ان کے مالوں میں سوالی اور نہ مانگنے والے محتاج کا حق ہے۔

۵: اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ يَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا(۸۰)

شیطان تم کو تنگ دستی سے ڈراتا ہے اور تمہیں بخل کا حکم دیتا ہے اور اللہ تمہیں اپنی طرف سے مغفرت اور فضل کا وعدہ دیتا ہے۔

۶: وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَ يَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِه (۸۱)

اور اس سے جو ہم نے انہیں دیا چھپ کر اور ظاہر خرچ کرتے ہیں۔ وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو تباہ نہیں ہو گی تاکہ وہ انہیں ان کے اجر پورے دے اور اپنے فضل سے بڑھ کر دے۔

۷: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (۸۲)

ان کے مالوں سے زکوٰۃ لے تاکہ اس سے تو انہیں پاک اور صاف کرے۔

۸: عن ابی هريرة قال رسول الله ﷺ من تصدق بعدل ثمرة من كسب طيب ولا يقبل الله الا الطيب فان الله يتقبلها بيمينه، ثم يربيها لصاحبها كما يربي احدكم فلوه حتى تكون مثل الجبل (۸۳)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص پاک کمائی سے کھجور کے برابر خیرات کرے اور خدا پاک حلال ہی کو قبول کرتا ہے، وہ اسے داہنے ہاتھ سے قبول کرتا ہے اور پھر پالتا، بڑھاتا ہے خیرات کرنے والے کے

لیے جس طرح کوئی اپنے بچھیرے کو پالتا ہے حتیٰ کہ وہ پہاڑ کی مانند ہوجائے۔

۹: عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ مامن مسلم یغرس غرسا اویزرع زرعا فیاکل منه انسان اوطیرا وبھیمة الا کانت له صدقة (۸۴)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی مسلمان درخت لگائے یا کھیتی بوئے اور اس میں سے انسان، پرند اور چرند کھائیں تو یہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے۔

اس حدیث کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے صرف انسانوں کا نہیں پرندوں اور جانوروں کا بھی خیال فرمایا۔

۳: اقتصاد

نبی اکرم ﷺ نے گردشِ زر کے عمدہ اصولوں کے ساتھ دولت کے بارے میں ایک نقطۂ نظر دیا۔ اسراف اور بخل کے درمیان اعتدال کی راہ سکھائی۔ قرآن پاک میں ہے:

۱: وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا (۸۵)

اور اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ اسے حد سے زیادہ کھول ورنہ تو ملامت کیا ہوا درماندہ ہوکر بیٹھ رہے گا۔

۲: وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (۸۶)

اور وہ، جو جب خرچ کرتے ہیں، نہ بے جا خرچ کرتے ہیں اور نہ (موقع پر) تنگی کرتے ہیں اور (ان کا خرچ) ان (دو حالتوں) کے درمیان اعتدال پر ہے۔

۳: وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا (۸۷)

اور قریبی کو اس کا حق دے اور مسکین کو اور مسافر کو (بھی) اور بے جا خرچ کرکے (مال کو) نہ اڑاؤ۔ مال اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکر گزار ہے۔

حضورؐ نے معیشت میں میانہ روی کو پسند فرمایا۔ آپؐ کا ارشاد ہے: الاقتصاد نصف المعیشة۔ (۸۸)

حضرت کعبؓ بن مالک کہتے ہیں کہ جب میں نے اپنے کل مال کو صدقہ کا ارادہ کیا تو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

امسك عليك بعض مالك فهو خير لك وقلت امسك سهمي الذي بخيبر (۸۹)

اپنے مال میں سے کچھ بچا لو یہ تمہارے حق میں بہتر رہے گا۔ تب میں نے عرض کیا کہ خیبر کی زمین میں جو میرا حصہ ہے وہ میں نے بچالیا ہے۔

ان اصلاحات کے ساتھ ساتھ قرضِ حسنہ اور ہمدردی و ایثار کے اصول عملی طور پر جاری کیے جس سے نہ صرف معاشرہ معاشی طور پر خود کفیل ہو گیا بلکہ ہر شخص عزتِ نفس کا پاس کرنے لگا۔ لوگ اپنے اپنے حقوق کے ساتھ دوسروں کے حقوق کا تحفظ کرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ معاشی میدان میں بددیانتی، رشوت، لوٹ کھسوٹ اور فریب دہی کی لعنتیں ختم ہوگئیں۔ اسی طرح معاشی جدوجہد کو خالص اخلاقی بنیادوں پر استوار کیا تاکہ کوئی انسان خود غرضی کا شکار ہوکر ابنائے جنس پر ظلم نہ کرے۔

سیاسی زندگی

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ انسان نے سب سے زیادہ ظلم اس وقت کیا ہے جب اسے سیاسی اقتدار ملا ہے۔ سیاسی اقتدار کے شر سے انسانوں کو تو متاثر ہونا ہی ہوتا ہے، زمین، فضا، حیوانات، نباتات اور جمادات تک بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ایک انسان جب دوسرے انسان کا گلا کاٹتا ہے، فصلیں تباہ کرتا ہے، پانی میں زہر ملاتا ہے، زمین کو تہ بالا کرتا ہے اور فضا کو مکدر کرتا ہے تو پوری کائنات اس سے پناہ مانگتی ہے۔ انسان کی مذہبی خدائی بھی بڑی خطرناک ہے لیکن اس سے کہیں زیادہ خطرناک انسان کی سیاسی خدائی ہے۔ انسانیت کے سیاسی خداؤں کی فہرست بڑی طویل اور دلچسپ ہے لیکن ایک پہلو ان سب میں مشترک ہے کہ وہ اپنی ذات کے تحفظ میں ہر ظلم، ہر زیادتی اور ہر خرابی کو صحیح سمجھتے ہیں۔ عام انسان ان کے بندھنوں میں جکڑے ہوتے ہیں۔

مظلوم انسانوں کا وجود ان کی نظرِ التفات کا مرہونِ منت ہوتا ہے۔ حاکم محکوم کی اس تقسیم نے ظلم و جور کے وہ کارنامے دکھائے ہیں کہ آدمی اس کا تصور نہیں کرسکتا۔ معاہدات، بددیانتی، کمزوروں پر دراز دستی اور صلح و امن کی خلاف ورزی کی داستان اتنی ہی طویل ہے جتنی انسان کی تاریخ۔ انسان نے سیاسی استحکام و تسلط کی جتنی صورتیں تصنیف کی ہیں، ظلم و جور کو بڑھانے والی ہی ثابت ہوئی ہیں، عام انسانیت کو ان سے کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچا۔

رحمۃ للعالمین ﷺ نے اس پہلو پر بھی توجہ فرمائی اور اصلاح و انقلاب سے اسے نیا رنگ دیا۔ انبیا میں غالباً آپؐ ہی ایک تنہا شخصیت ہیں جنہوں نے سیاسی انصاف و استحکام میں نمایاں کام سرانجام

دیے۔ موسیٰؑ، داؤدؑ اور سلیمانؑ کی شخصیتیں بے شک اہم ہیں لیکن ان کا کام بھی اس نہج اور اس سطح کا نہیں جو حضورﷺ کا ہے۔ آپؐ نے سیاسی زندگی میں اصولوں کا نیا رنگ بھرا۔ ان میں چند ایک یہ ہیں:

۱: حاکمیتِ الٰہی

حضور اکرم ﷺ نے یہ بتایا کہ حاکم و محکوم کی تفریق غلط ہے۔ حاکم صرف اللہ کی ذات ہے اور انسان اس کا انتظامی نائب ہے لہٰذا کسی انسان کو یہ حق نہیں کہ وہ دوسرے انسانوں کو محکوم بنا کر اپنا بندہ بنائے۔ وہ مالک نہیں منتظم ہے۔اسے خود بھی معصیتِ خداوندی سے اجتناب کرنا چاہیے اور دوسروں کو بھی معصیتِ الٰہی میں اپنی اطاعت نہیں کرانی چاہیے۔ کتاب و سنت میں اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

۱: اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (۹۰)

حکم صرف اللہ کا ہے۔

۲: مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ (۹۱)

ملک کا مالک، تو جسے چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک لے لیتا ہے۔

۳: قُلْ مَنْ ، بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ (۹۲)

کہہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے۔

۴: فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ (۹۳)

سو پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے۔

۵: فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِیِّ الْكَبِیْرِ (۹۴)

حکم اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو بلند اور بڑا ہے۔

۶: اَلَا لَهُ الْحُكْمُ (۹۵)

سن لو کہ حکم اسی کا ہے۔

احادیث

۱: لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق (۹۶)

خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں۔

۲: قال رسول الله ﷺ مامن امتی ولی عن امر الناس شیئا لم یحفظهم بما حفظ به

نفسہ و اھلہ الا لم یجد رائحۃ الجنۃ (۹۷)

حضورؐ کا ارشاد ہے' میری امت میں جو شخص لوگوں کے معاملات میں سے کسی امر کا والی بنا پھر اس نے لوگوں کو ان امور سے نہ بچایا جن سے اپنے آپ کی حفاظت کرتا ہے، وہ جنت کی ہوا بھی نہیں پائے گا۔

۲:شوریٰ

دوسری اہم چیز شوریٰ ہے۔ یہاں کسی امیر کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ اپنی مرضی اور خواہش سے احکام نافذ کرے۔ اسے احکامِ خداوندی کی پیروی کرنا ہوگی اور اجتہاد و استنباط اور اس کے نفاذ میں اسے مقتدر اور ذمہ دار افراد سے مشورہ کرنا ہوگا:

۱: وَ أَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (۹۸)

اور ان کا کام آپس میں مشورے سے ہوتا ہے۔

۲: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ(۹۹)

اور معاملات میں ان سے مشورہ لے۔ پھر جب پختہ ارادہ کرے تو اللہ پر ہی بھروسا کر۔ اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

۳: عن علیؓ عنہ قال سئل رسول اللہ ﷺ عن العزم قال مشاورۃ اھل الرای ثم اتباعھم (۱۰۰)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ اسے عزم کے بارے میں سوال کیا گیا۔آپؐ نے فرمایا اہل الرائے سے مشورہ کرنا اور پھر ان کی پیروی کرنا۔

۴: عن عمر بن الخطاب قال لا خلافۃ الاعن مشورۃ (۱۰۱)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:''مشورے کے بغیر کوئی خلافت نہیں''۔

حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے:

من دعا الی امارۃ نفسہ اوغیرہ من غیر مشورۃ من المسلمین فلا یحل لکم ان لاتقتلوہ (۱۰۲)

جو شخص مسلمانوں کے مشورے کے بغیر اپنی یا کسی اور شخص کی امارت کے لیے دعوت دے تو تمہارے لیے حلال نہیں کہ اسے قتل نہ کرو۔

حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

اجمعوا العابدین من امتی واجعلوا بینکم شوریٰ ولا تقضوا برای خاصۃ (۱۰۳)

میری امت کے عابد لوگوں کو جمع کرکے باہمی مشورہ کرو اور کسی ایک رائے پر

فیصلہ نہ کرو۔

۳:عدل و انصاف

تیسری اہم چیز عدل و انصاف ہے۔ کسی دشمنی، کسی مفاد اور کسی خواہش کی وجہ سے اسے مجروح نہیں کیا جاسکتا:

۱: تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۔ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (۱۰۴)

نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور زیادتی میں باہم کسی کی مدد نہ کرو۔

۲: وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۔ اِعْدِلُوْا ۔ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (۱۰۵)

اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو یہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔

۳: وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۔ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ (۱۰۶)

اور چاہیے کہ معاف کریں اور درگزر کریں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہاری مغفرت کرے۔

حضور ﷺ نے ہدایتِ ربانی کے تحت عظیم اصول عطا فرمائے:

۱: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۔ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (۱۰۷)

ہم نے اپنے رسولوں کو دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔ اور ہم نے لوہا اتارا، اس میں شدت کی سختی ہے اور لوگوں کے لیے فائدے بھی۔

۲: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۔ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا (۱۰۸)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، انصاف پر قائم ہونے والے، اللہ کے لیے گواہی دینے والے رہو۔ گو (معاملہ) تمہاری اپنی ذات یا ماں باپ اور قریبیوں کے خلاف ہو۔ اگر کوئی امیر ہو یا غریب تو اللہ دونوں کا (تمہاری نسبت) زیادہ خیر خواہ ہے۔ سو تم خواہش کی پیروی نہ کرو تاکہ عدل کرسکو اور اگر تم پیچ دار بات

کرو یا (حق سے) اعراض کرو تو یقیناً جو تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔

۳: إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا لا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (۱۰۹)

اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کو ادا کر دو اور جب لوگوں میں فیصلہ کیا کرو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔

جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا:

انما هلك من كان قبلكم انهم يقيمون الحد على الوضيع ويتركون الشريف والذى نفسى بيده لو فاطمة (بنت محمد ﷺ) فعلت ذلك لقطعت يدها (۱۱۰)

تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں وہ اس لیے تباہ ہوئیں کہ وہ لوگ کم تر درجہ کے مجرموں کو قانون کے مطابق سزا دیتے اور اونچے درجے والوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

حقوقِ انسانی کا تحفظ

انسانی تاریخ میں حضور ﷺ کا یہ کارنامہ بے مثل ہے کہ آپؐ نے انسانی حقوق کا تحفظ کیا ہے۔ آج دورِ جدید میں جن بنیادی حقوق کی بات ہوتی ہے ان کی رحمۃ للعالمین نے بہت پہلے رہنمائی دے دی ہے۔ مثلاً

جان و مال کی حفاظت، عزت و ناموس کی حفاظت، شخصی آزادی کا تحفظ، عقیدے اورمسلک کی حفاظت، حقِ ملکیت کا تحفظ اور قانون کے سامنے تمام انسانوں کی مساوات وغیرہ۔ اس ضمن میں آپؐ کے بعض ارشادات ملاحظہ ہوں:

۱: قال رسول الله ﷺ من صلى صلوتنا واستقبل قبلتنا واكل ذبيحتنا فذلك المسلم الذى له ذمه فلا تخفر فى ذمة الله (۱۱۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے ہمارے طریقہ پر نماز پڑھی، ہمارے قبلہ کی طرف رخ کیا اور ہمارا ذبیحہ کھایا تو وہ مسلم ہے جس کے لیے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ قائم ہوچکا ہے۔ تو اللہ کے ساتھ اس کی دی ہوئی ضمانت میں دغا بازی نہ کرو۔

حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

۱: فان دماء کم واموالکم واعراضکم حرام الی ان تلقوا ربکم کحرمة یومکم هذا(۱۱۲)

بلاشبہ تمہاری جان و مال اور آبرو ایک دوسرے کے لیے اسی طرح محترم ہے جس طرح آج کا یہ دن۔ حتیٰ کہ تم اللہ سے جا ملو۔

۲: کل المسلم علی المسلم حرام دمه وماله وعرضه (۱۱۳)

مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے، اس کا خون بھی، اس کا مال بھی اور اس کی آبرو بھی۔

شخصی آزادی

آپ نے فرد کو ہر قسم کے حاکمانہ جبر و استیصال سے نجات دلائی اور فرمایا:

۱: عن مقدام بن معد یکرب وابی امامة عن النبی ﷺ قال ان الامیر اذابتغی الریبة فی الناس افسدهم (۱۱۴)

مقدامؓ بن معدیکرب اور ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "امیر جب لوگوں کے اندر شبہات کی تلاش کرے تو ان کو بگاڑ دیتا ہے"۔

حضورؐ کا یہی واقعہ شخصی آزادی کے تحفظ کے لیے کافی ہے جسے کتبِ حدیث نے نقل کیا ہے:

عن بهز بن حکیم عن ابیه انه ای جده قام الی النبی وهو یخطب فقال جیرانی بما اخذوا ؟ فاعرض عنه مرتین ثم ذکر شیئا فقال النبی خلوا له عن جیرانه (۱۱۵)

بہز بن حکیم اپنے باپ سے اور وہ اِن کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ (ان کے دادا) حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے درآں حالیکہ آپؐ خطبہ دے رہے تھے۔ انہوں نے سوال کیا کہ میرے پڑوسیوں کو کس قصور میں گرفتار کیا گیا ہے۔ نبی ﷺ نے دو مرتبہ اس سے صرفِ نظر کیا تو انہوں نے پھر کچھ کہا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: اس کے پڑوسیوں کو چھوڑ دو۔

میثاقِ مدینہ، رائے اور مسلک کی آزادی کا بہترین نمونہ ہے۔ اس کے علاوہ حجۃ الوداع کا پورا خطبہ انسانی حقوق کے تحفظ کا ایک چارٹر ہے۔

ہم نے زندگی کے چند پہلو گنوائے ہیں اور ان کے متعلق بھی محدود اور مختصر معلومات پیش کی ہیں۔ حضورِاکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی جامع الصفات اور پوری زندگی کے لیے رحمت ہے، بلکہ کائنات کی ہر شے کے لیے رحمت ہے۔ اسی طرح آپؐ کا پیغام بھی رحمت ہے۔ حقیقت میں آپؐ اپنی ذات کے

اعتبار سے بھی اور پیغام کے اعتبار سے بھی رحمت ہیں۔ آپؐ کی ذات، ذاتی اور نبوی رحمۃ للعالمینی کا کامل ظہور ہے۔ یہاں ایک بات خاص طور پر قابلِ ذکر معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ کہ رحمۃ للعالمینی کا ظہور اس وقت ہوا جب انسان اس کامل شخصیت اور مکمل پیغام کے اہل ہو چکا تھا۔ اس سے پہلے اس کی ارتقائی منازل میں اس کے فہم کے مطابق کام کیا۔ جونہی وہ پختہ ہوگیا، رحمۃ للعالمینؐ کو پیدا کیا۔

علامہ اقبال نے غالباً اسی جانب اشارہ کیا ہے

خلق و تقدیر و ہدایت ابتداست
رحمۃ للعالمینی انتہا است

(تخلیق، تقدیر اور ہدایت سے ابتدا ہوتی ہے اور رحمت نبوی سے تکمیل)

رحمۃ للعالمین ﷺ نے اپنی زندگی کو ایک نمونہ بنا کر پیش کیا جو مسلموں اور غیر مسلموں کے لیے رحمت ہے۔ آپؐ نے تکمیلِ اخلاق کی، اور عمل کا اظہار اس طرح کیا جو حسنِ خلق، رحمت و شفقت اور ایثار و ہمدردی کے لیے ضرب المثل بن گیا۔ اپنی گزارشات کو حالی مرحوم کے اشعار پر ختم کرتا ہوں۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا — مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا — وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی، غلاموں کا مولا
خطا کار سے درگزر کرنے والا — بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا — قبائل کا شیر و شکر کرنے والا
اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا — اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

اللھم صلی علی محمد والہ واصحابہ اجمعین۔ امین

حوالہ جات

۱: فاطر، ۳۵: ۲۴ — ۲: الرعد، ۱۳: ۷
۳: سیرۃ النبی، ۳/ ۸۳۱ — ۴: اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی/ ۲۱۸
۵: سیرۃ النبی، ۳/ ۳۸۲
۶: صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ باب قول النبیﷺ جعلت لی الارض مسجدا و طہورا، ۱/ ۱۱۳، صحیح مسلم، کتاب

المساجد،۲/۶۴

۷: الانبیاء، ۲۱:۱۰۷

۸: مفردات القرآن، رحمت ۳۴۲

۹: ترجمان القرآن، ۱/۶۲

۱۰: مسند،۸/۶۲

۱۱: ابن سعد،۱/۲۶

۱۲: ایضاً ۱/۱۲۸

۱۳: آل عمران،۳ : ۱۵۹

۱۴: النحل، ۱۶:۱۲۵

۱۵: حم السجدۃ، ۴۱: ۳۴

۱۶: ابن سعد، ۱/ ۲۱۰

۱۷: ابن ہشام، ۱/ ۳۳۹-۳۴۳

۱۸: ابن ہشام، ۲ / ۳۷۸

۱۹: کتاب الجہاد، باب الکسوۃ للاساری، ۴/۱۹

۲۰: بخاری، کتاب الخلق، باب اتیان الیہود النبی حین قدم المدینہ، ۴/۲۶۹

۲۱: ابن کثیر، ۲/۳۶۷-۷۱

۲۲: ابن سعد، ۲ / ۱۴۲

۲۳: النساء، ۴:۸۲

۲۴: محمد، ۴۷:۲۴

۲۵: آل عمران، ۳:۱۹۱

۲۶: الاعراف، ۷:۱۷۹

۲۷: العنکبوت،۲۹:۵۰

۲۸: الرعد، ۱۳:۲۷

۲۹: بنی اسرائیل، ۱۷:۹۰-۹۳

۳۰: الانبیاء، ۲۱:۲۲

۳۱: الحج، ۲۲: ۷۳

۳۲: التوبۃ، ۹:۳۱

۳۳: المائدۃ،۵:۱۰۳

۳۴: التوبۃ، ۹:۳۷

۳۵: الحدید، ۵۷:۲۷

۳۶: الاعراف، ۷: ۱۵۷

۳۷: بنی اسرائیل، ۱۷: ۷۰

۳۸: التین، ۹۵:۴

۳۹: النساء، ۴:۱

۴۰: الحجرات، ۴۹:۱۳

۴۱: ابن ہشام، ۴/۵۴

۴۲: مسند احمد، ۵/۴۱۱

۴۳: البقرۃ، ۲: ۲۲۸

۴۴: النساء، ۴:۳۴

۴۵: النحل، ۱۶:۹۷

۴۶: ابن ماجہ، کتاب المناسک، باب حجۃ رسول اللہ، ۲/۱۰۲۵

۴۷: مسند، ۶/۲۵۶، دارمی، کتاب الطہارۃ، ۱/۹۴

۴۸: بخاری، کتاب النکاح باب الوصاۃ بالنساء، ۳ / ۱۴۵ ، ابن ماجہ باب ذکر وفات النبی ﷺ ودفنہ، ۱ / ۵۲۳

۴۹: النسائی، کتاب عشرۃ النساء، باب حب النساء، ۷/۶۲

۵۰: بخاری، کتاب النکاح، باب قوا انفسکم واھلیکم نارا، ۶/۱۴۶

۵۱: بخاری، کتاب الوصایا، باب قول اللہ، ان الذین یاکلون، ۳/۱۹۵، ابوداؤد، کتاب الوصایا، باب ماجاء فی التشدید فی اکل مال الیتیم، ۳/۲۹۴

۵۲: بخاری، کتاب النکاح، باب لایخطب علی خطبۃ اخیہ، ۱۳۶/۶– ۱۳۷، ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی الظن، ۲۱۶/۵_۲۱۷

۵۳: مشکاۃ، کتاب الادب، باب الظلم،۶۴۱/۲ — ۵۴: المائدہ،۵: ۲

۵۵: ابوداؤد، کتاب السنۃ، باب الدلیل علی زیادۃ الایمان، ۶۰/۵ — ۵۶: ایضاً، باب مجانبہ اھل الاھواء، ۷/۵

۵۷: مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی ان من خصال الایمان ان یحب، ۴۹/۱

۵۸: ابن ہشام، ۲۵۱/۴ — ۵۹: بخاری، کتاب البیوع، ۴۲/۳-۴۳

۶۰: البقرۃ، ۲۱۹/۲ — ۶۱: المائدہ، ۹۰/۵

۶۲: البقرۃ، ۲۷۶/۲ — ۶۳: البقرۃ، ۲۷۸/۲

۶۴: البقرۃ، ۱۸۸/۲ — ۶۵: بنی اسرائیل، ۲۷/۱۷

۶۶: بنی اسرائیل، ۲۹/۱۷ — ۶۷: مسلم، کتاب البیوع باب لعن آکل الربا وموکلہ ۵۰/۵

۶۸: بیہقی، کتاب البیوع، ۳۵/۵ — ۶۹: النساء، ۲۹/۴-۳۰

۷۰: التوبۃ، ۳۴/۹ — ۷۱: آل عمران، ۱۸۰/۳

۷۲: مشکوٰۃ، باب الکسب وطلب الحلال،۷۸/۲ — ۷۳: ایضاً، ۷۹/۲

۷۴: ایضاً، ۸۰/۲ — ۷۵: ایضاً، ۷۳/۲

۷۶: البقرۃ، ۴۳/۲

۷۷: مسلم، کتاب الایمان،باب الامر بالایمان باللہ،۳۷/۱-۳۸

۷۸: البقرۃ، ۲۱۹/۲ — ۷۹: الذاریات، ۱۹/۵۱

۸۰: البقرۃ، ۲۶۸/۲ — ۸۱: فاطر، ۲۹/۳۵-۳۰

۸۲: التوبۃ، ۱۰۳/۹

۸۳: بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب الصدقۃ،۱۱۳/۲ مسلم،کتاب الزکوٰۃ، باب قبول الصدقۃ، ۸۵/۳

۸۴: مسلم، کتاب البیوع، باب فضل الفرس، ۲۷/۵، ترمذی، کتاب الاحکام، باب ماجاء فی الفرس، ۶۶۶/۳

۸۵: بنی اسرائیل، ۲۹/۱۷ — ۸۶: الفرقان، ۶۷/۲۵

۸۷: بنی اسرائیل، ۲۶/۱۷-۲۷ — ۸۸: کنزالاعمال، ۱۲/۲

۸۹: بخاری،، کتاب ا لزکوٰۃ، باب لاصدقۃ الا عن ظہرغنی، ۱۱۷/۲

۹۰: یوسف،۶۷/۱۲

۹۱: آل عمران، ۲۶/۳

۹۲: المؤمنون، ۸۸/۲۳

۹۳: یٰسین، ۸۳/۳۶

۹۴: المؤمن، ۴۰/۱۲
۹۵: الانعام، ۶/۶۲
۹۶: مشکوۃ، کتاب الامارۃ، ۲/۲۳
۹۷: طبرانی
۹۸: الشوریٰ، ۴۲/۳۸
۹۹: آل عمران، ۳/۱۵۹
۱۰۰: ابن کثیر، ۱/۴۲۰
۱۰۱: کنز العمال، ۵/۱۳۹
۱۰۲: ایضاً
۱۰۳: روح المعانی ۲۵/۴۲
۱۰۴: المائدہ، ۵/۲
۱۰۵: المائدہ، ۵/۸
۱۰۶: النور، ۲۴/۲۲
۱۰۷: الحدید، ۵۷/۲۵
۱۰۸: النساء، ۴/۱۳۵
۱۰۹: النساء، ۴/۵۸
۱۱۰: بخاری، کتاب الحدود، باب کراھیۃ الشفاعۃ، ۸/۲۶۸
۱۱۱: بخاری، کتاب الصلوۃ فضل استقبال القبلہ، ۱/۱۰۲
۱۱۲: ابن ہشام، ۴/۲۵۰
۱۱۳: مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم، ۸/۱۱۱، ابوداؤد، کتاب الادب، باب تحریم الظلم، ۵/۱۹۶
۱۱۴: ابوداؤد، کتاب الادب، باب النہی عن التجسس، ۵/۲۰۰
۱۱۵: ابوداؤد، کتاب الاقضیہ ۳/۳۲۷

ماہنامہ دعوۃ.......... اسلام آباد جلد: ۱۶ شمارہ: ۷۔۱۰

رحمۃ للعالمینؐ بحیثیت معلّمِ اخلاق

پیر محمد کرم شاہؒ

یہ جہانِ رنگ و بو جلوہ گاہِ حیات ہے۔ زندگی کی بوقلموں رنگینیوں کے باعث یہ جہاں آباد ہے۔ گو نباتاتی اور حیوانی زندگی میں بھی رنگینیوں کے بڑے دل کش اور دل ربا مینا بازار سجے ہوئے ہیں لیکن انسانی زندگی میں جو رعنائیاں اور ندرت آفرینیاں ہیں' یہاں تخلیقی قوتوں کے جو سمندر موجزن ہیں وہ کسی دوسری جگہ نظر نہیں آتے۔ یہ انسان ہی ہے جس کو خلعتِ وجود بخشنے کے بعد اس کے خالق نے فرمایا: لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم. اس قدرت و طاقت والے نے عرش وفرش' کائنات کی لامتناہی پنہایوں کو لفظ کُن سے پیدا کیا۔ لیکن آدمِ خاکی کی آفرینش کا ذکر کیا تو فرمایا خلقته بیدی (میں نے اسے اپنی قدرت کے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا ہے)۔علم اور عمل' فکر اور تخلیق' تدبیر اور تعمیر کی جو بے پناہ صلاحیتیں اس پیکرِ خاکی میں ودیعت فرمائیں' ان کا تذکرہ "نفخت فیه من روحی" کے معنی خیز الفاظ سے کیا۔ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ حکمت' علم اور قدرت کا یہ شاہکار سب سے الگ تھلگ انفرادی زندگی بسر کرے' خلاقِ عالم کو یہ گوارا نہ ہوا۔ اگر وہ عزلت اختیار کرتا تو وہ بے پایاں صلاحیتیں بے مصرف ہو جاتیں۔اس چشمۂ حیواں سے کوئی تشنہ لب اگر سیراب نہ ہوتا تو اس کی حیات بخش تاثیر کا کسے علم ہوتا' ان صفات کے ودیعت فرمانے والے کے حضور فرطِ عقیدت سے جبینِ نیاز کون جھکاتا۔ حکمتِ الٰہی کا تقاضا ہے کہ انسان' اجتماعی اور معاشرتی زندگی بسر کرے' اپنے بنی نوع انسان سے استفادہ بھی کرے اور انہیں فائدہ بھی پہنچائے۔ دوسروں کے علوم و فنون سے رہنمائی بھی حاصل کرے اور اپنے فکر و نظر کے چراغ روشن کر کے شبستانِ وجود کو منوّر بھی کرے۔ وہ ماں باپ کا بیٹا بھی ہو اور اپنے بیٹے بیٹیوں کا باپ بھی۔ اس کے خاندان کے افراد اس کے لیے تقویت کا باعث ہوں۔ ضرورت کے وقت وہ ان کا سہارا بنے حتیٰ کہ اس کے تعلقات کا حلقہ سارے ملک اور ساری

قوم کو اپنے احاطہ میں لے لے۔

ان معاشرتی تعلقات کے باعث حقوق و فرائض کا معرضِ وجود میں آنا ناگزیر ہے۔ معاشرے کا ہر فرد جب تک اپنے فرائض پوری ذمہ داری سے ادا نہیں کرے گا نیز جب تک اسے اپنے حقوق کی بازیابی کا یقین نہ ہو گا اس وقت تک صحت مند معاشرہ وجود میں نہیں آ سکتا۔اس لیے حقوق و فرائض میں اعتدال اور توازن برقرار رکھنا اہم اور بنیادی ضرورت ہے۔ اس کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو قانون کی طاقت سے اس توازن کو برقرار رکھا جائے اور جو شخص بھی اس توازن کو بگاڑنے کا مرتکب ہو اس کی سرکوبی کر دی جائے اور یا اس کی اخلاقی قوتوں کو بیدار کیا جائے اور ایسے خطوط پر ان کی نشو و نما کر دی جائے کہ پھر ہر قسم کے حالات میں وہ راہِ اعتدال پر ثابت قدمی سے چلتا رہے۔ قانون کی عمل داری انسانی زندگی کے صرف چند گوشوں تک ہے۔ انسانی زندگی کے بہت سے ایسے گوشے ہیں جہاں قانون کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔ نیز ہر کام اگر قانون کے زور سے کرایا جائے تو خلوص و ایثار اور محبت و پیار کے غنچے کھل کر پھول نہیں بن سکیں گے۔ اسلام نے حقوق و فرائض میں توازن پیدا کرنے، پھر اسے برقرار رکھنے کے لیے اور معاشرہ کو ہر قسم کی بے راہ روی سے بچانے کے لیے اخلاقی تربیت پر اسی لیے بہت زیادہ توجہ دی ہے۔

اس سے قبل کہ میں ''حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام بحیثیت معلم'' کے عنوان پر اظہارِ خیال کروں، مناسب سمجھتا ہوں کہ لفظ خلق کی تشریح کر دوں تا کہ کسی قسم کا ابہام نہ رہے۔

علامہ ابن منظور لغت کی مشہور کتاب لسان العرب میں لکھتے ہیں:

الخُلْق و الخُلُق:السجیة و هو الدین والطبع و السجیة و حقیقته انه لصورة الانسان الباطنة و هی نفسه و اوصافها و معانیها المختصّة بمنزلة الخَلق لصورته الظاهرة و اوصافها و معانیها.

خُلق اور خُلُق کا معنی فطرت اور طبیعت ہے۔ انسان کی باطنی صورت کو مع اس کے اوصاف اور مخصوص معانی کے خُلق کہتے ہیں۔ جس طرح اس کی ظاہری شکل و صورت کو خلق کہا جاتا ہے۔

امام غزالیؒ جو دانشِ ایمانی اور دانشِ برہانی دونوں سے مالا مال ہیں، جو حکمت و فلسفہ کے علاوہ نفسیاتِ انسانی کے بھی ماہر ہیں، خلق کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فالخلق عبارة عن هیئة فی النفس راسخة عنها تصدر الافعال بسهولة و یسر من غیر حاجة الی فکر و رویة (احیاء العلوم)

یعنی خلق، نفس کی اسی راسخ کیفیت کا نام ہے جس کے باعث اعمال بڑی سہولت

اور آسانی سے صادر ہوتے ہیں۔ ان کے کرنے کے لیے سوچ بچار کے تکلف کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ وہ اعمال جو کسی سے اتفاقاً صادر ہوتے ہیں یا کسی وقتی جذبہ اور عارضی جوش سے ان کا ظہور ہوتا ہے وہ خواہ کتنے اعلیٰ اور عمدہ ہوں' انہیں خلق نہیں کہا جائے گا۔

خلق کا اطلاق انہی خصائل و عادات پر ہو گا جو پختہ ہوں ۔ جن کی جڑیں قلب و روح میں بہت گہری ہوں۔ انہی غیر متزلزل اور پختہ صفات پر کامیاب زندگی کا محل تعمیر کیا جا سکتا ہے۔ انہی پر اعتماد کرتے ہوئے قومی ترقی اور اصلاح کے منصوبے بنائے جاتے ہیں اور ان پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ کسی ترنگ میں آ کر اگر کوئی شخص غریبوں اور محتاجوں کی امداد کے لیے اپنے خزانوں کے منہ کھول دے تو ہم اسے سخی نہیں کہیں گے۔ جو شخص کسی وقتی جوش کے ماتحت اپنے دشمن پر حملہ کر کے اسے مار گرائے' اسے ہم شجاع نہیں کہیں گے۔ اس سے یہ توقع عبث ہے کہ جب بھی اسے میدانِ جہاد میں سر بکف آنے کی دعوت دی جائے تو وہ اسے قبول کرے گا۔

اس لیے نیک اور عمدہ خصال کو پیدا کرنا پھر ان کو اس طرح پختہ اور استوار کرنا کہ ان سے مطلوبہ اعمال کا ظہور اس طرح بے تکلفی سے ہو جس طرح چشمہ سے پانی ابلتا ہے' یا آنکھ اپنے گرد و پیش کو دیکھتی ہے' یا کان آواز سنتے ہیں۔ یہ کیفیت افراد و اقوام کی صحت مند ترقی کے لیے جس قدر اہم اور ضروری ہے اسی قدر مشکل اور کٹھن بھی ہے۔ اسی کٹھن اور خطرناک مہم کو سر کرنے کے لیے حکما و فلاسفہ نے بڑی کوششیں کیں لیکن ان کے باہمی اختلافات اور ان کی نظریاتی کش مکش نے ان کی محنت کو بے ثمر کر دیا۔ وہ یہ طے نہ کر سکے کہ خیر و شر کا معیار کیا ہے؟ ابی قور اور اس کے ساتھی لذت و الم کو خیر و شر کا معیار ثابت کرنے میں اپنی ذہنی قابلیتیں کھپاتے رہے۔ ان کے معتقدات کے معبد میں مدتوں لذت کے صنم کی پرستش بڑی دھوم دھام سے ہوتی رہی۔ زینو جو ایک مستقل مکتبۂ فکر (مدرسہ رواقیہ) کا مؤسس تھا' اس نے اس کے برعکس نفس کشی' اور لذات سے کلی اجتناب کو خیر کا سرچشمہ قرار دیا۔ افلاطون استاد ہے اور ارسطو شاگرد' اقلیم دانش و حکمت کے دونوں تاجور ہیں' دونوں کی عبقریت شک و شبہ سے بالاتر ہے' دونوں کا زمانہ بھی ایک ہے' لیکن یہ دو بھی متفقہ طور پر فیصلہ نہ کر سکے کہ خیر و شر کا معیار کیا ہے؟ استاد مثل علیا اور غیر محسوس جہاں کے طواف میں سرگرداں ہے اور اس کا شاگرد ارسطو' عالم محسوسات سے باہر قدم رکھنا پسند نہیں کرتا۔

یہ ذہنی خلفشار صرف اُسی زمانہ کی خصوصیت نہیں جب کہ حکمت و فلسفہ اپنے ابتدائی مراحل

میں تھے بلکہ آج بھی جب کہ فکرِ انسانی کی یلغار سے خلا میں کہرام برپا ہے' بے یقینی کی وہی کیفیت ہے۔ ہربرٹ سپنسر' جان لوک اور ہیگل وغیرہ جن فلسفیوں نے علمِ اخلاق کے موضوع پر اظہارِ خیال کیا ہے' ان کی گنجلک تحریریں پڑھ کر آپ کا سر چکرانے لگے گا۔ انہوں نے روحوں کو اضطراب اور عقلوں کو بے یقینی کے سوا کچھ نہیں دیا۔ انہوں نے کسی ایسی راہ کی نشان دہی نہیں کی جو مسافر کو منزل تک پہنچا دے۔ البتہ انہوں نے آبلہ پا راہروؤں کے راستے میں تشکیک کے کانٹے بڑی کثرت سے بکھیرے ہیں۔ یقین کی ٹمٹماتی ہوئی شمع جس کی مدھم لو میں افتاں و خیزاں وہ سوئے منزل رواں تھے' وہ بھی بجھ گئی۔ ترجمانِ حقیقت حضرت اقبال نے کیا خوب فرمایا ہے

ہیگل کا صدف گہر سے خالی
ہے اس کا طلسم سب خیالی
انجام خود ہے بے حضوری
ہے فلسفہ زندگی سے دوری
افکار کے نغمہ ہائے بے صوت
ہیں ذوقِ عمل کے واسطے موت

ان کو اپنا رہبر بنانے والوں پر قیامت ٹوٹ پڑتی ہے' جب پردہ اٹھتا ہے اور وہ اپنے ممدوح کو اس کے صحیح روپ میں دیکھتے ہیں۔ وہ فضائل' وہ خصالِ حمیدہ' وہ اخلاقِ عالیہ' جن کی تعریف میں اس نے صدہا ورق سیاہ کیے تھے اس کی عملی زندگی میں تو ان کا نام و نشان تک نہیں' بلکہ وہ تو رذائل کی دلدل میں کمر تک دھنسا ہوا ہے۔

ان کے علاوہ دوسرا گروہ جس نے اپنی قوم کے اخلاق کو درست کرنے کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں وہ انبیائے کرام کا گروہ تھا۔ ان کی باتیں سادہ اور واضح تھیں۔ ان کی تعلیمات میں الجھاؤ اور التباس نہیں تھا۔ ان کے ہاں پیچیدہ علمی اصطلاحات کی بھرمار نہیں تھی۔ بلکہ ان کے ارشادات عام فہم اور دلوں میں گھر کر جانے والے تھے۔ انہوں نے خیر و شر کا معیار لذت و الم' نفس پرستی یا نفس کشی کو قرار نہیں دیا ۔ انہوں نے اخلاقِ حسنہ کی غرض و غایت بیان کرنے کے لیے سعادت' مسرت' قوت' غلبہ کے مبہم الفاظ استعمال نہیں کیے تاکہ ان کا شارح حسب منشا ان کو معانی کا لباس پہناتا رہے بلکہ اس کدوکاوش اور جدوجہد کی غرض و غایت رضائے الٰہی کو قرار دے کر ان تمام فکری الجھنوں کو ختم کر دیا۔

اس سے بھی زیادہ جس چیز نے گروہِ انبیا کی تعلیمات کو قبولِ عام بخشا اور ان کے لیے دلوں کے دریچے کھول دیئے وہ ان نفوسِ قدسیہ کے قول وعمل کی ہم آہنگی اور یکسانیت تھی۔ وہ دوسروں کو جس کام کے کرنے کا حکم دیتے پہلے خود اس پر کاربند ہوتے۔ مزید یہ کہ ان کے یہ اعمال کسی ذاتی غرض اور منفعت سے وابستہ نہ تھے۔ ان کے اقوال کی دل نشینی' ان کے اعمال کا بانکپن اور ان کے خلوص کی مہک نے ان لوگوں کی کایا پلٹ دی جن کو ان کی صحبت کا فیضان نصیب ہوا۔

لیکن انبیائے سابقین کا دائرہ کار محدود تھا۔ ان کی نصیحت کا مقصد کسی ایک قوم کی یا کسی ایک ملک کے باشندوں کی اصلاح تھا اور وہ بھی محدود وقت تک کے لیے۔ بارگاہِ الٰہی سے یہ شرف اور یہ اعزاز فقط عبد مکرم' رسول معظم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارزانی ہوا کہ آپؐ کی رسالت ہر اسود و احمر' عربی و عجمی' شرقی و غربی کے لیے تھی۔ ارشاد الٰہی ہے و ما ارسلنك الا كافة للناس بشيرا و نذيرا. ہم نے آپ کو تمام بنی آدم کی طرف بشیر و نذیر بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ آپؐ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔ آپؐ کا آفتابِ نبوت تا قیامت نور افشانی کے لیے طلوع ہوا ہے۔

اصلاحِ اخلاق کا فریضہ جو ہر نبی نے اپنے مقام اور حیثیت کے مطابق انجام دیا' اس مقصد کی تکمیل کے لیے حضور علیہ الصلوۃ و السلام نے اپنے آپ کو وقف فرمایا۔ ارشاد ہے:

بعثت لاتمم مكارم الاخلاق

مجھے اس لیے مبعوث کیا گیا ہے کہ میں مکارمِ اخلاق کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دوں۔

تکمیلِ اخلاق کا یہ فریضہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس حسن و خوبی سے انجام دیا اس کو سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل امور پر غور کرنے کی ضرورت ہے:

۱: اخلاقی تعلیم کی جامعیت

۲: اندازِ تعلیم

۳: معلّم کی شخصیت

سابقہ انبیا کرام کی تعلیمات جو ہم تک پہنچی ہیں' ان سے صرف زندگی کے چند گوشوں میں راہنمائی ملتی ہے۔ حضرت ایوبؑ ہمیں مصائب و امراض میں صبر و استقامت کی ایک چٹان نظر آتے ہیں۔ حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹے کے فراق میں آنسوؤں کی لڑیاں پروتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کی شریعت میں شدت اور سختی کا عنصر غالب ہے۔ اور حضرت عیسیٰؑ کوہِ زیتون پر کھڑے اپنے سامعین کو عفوودرگزر' رحمت و شفقت کی تلقین کرتے سنائی دیتے ہیں۔ زندگی کے ایسے گوشے بھی ہیں جہاں ان نفوسِ

قدسیہ نے قدم نہیں رکھا اور ایسے نقوش نہیں چھوڑے جن سے آنے والی نسلیں اپنی منزل کا سراغ لگا سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے زندگی کے تمام مہجور و متروک گوشوں کو نورِ ہدایت سے منور کرنے کے لیے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رحمت للعالمین کی خلعتِ زیبا عطا فرما کر اپنی مخلوق کی چارہ گری کے لیے مبعوث فرمایا۔ حضورؐ کی سیرتِ طیبہ پر اگر سرسری نظر ڈالی جائے تو ہمیں وہاں زندگی کی بوقلمونیوں کا ایک حسین و جمیل مرقع نظر آتا ہے۔ وہاں جنگ کی شعلہ سامانیاں بھی ہیں اور صلح کی رأفت و رحمت بھی؛ دشمن نفرت کے انگارے بھی برساتے ہیں اور عقیدت مند اپنی محبت و مؤدت کے رنگین پھول بھی نچھاور کر رہے ہوتے ہیں۔ ہم نے محبوبِ خدا کو حلقہ یاراں میں بھی دیکھا ہے اور حملہ آوروں کے نرغے میں بھی۔ ہم نے ان کی کاروباری مصروفیتوں کا بھی مطالعہ کیا ہے اور غارِ حرا کی خلوتوں میں ان کے سوزوگداز کا جائزہ بھی لیا ہے۔ ہم نے انہیں اپنے وطن سے بظاہر انتہائی بے بسی اور بے کسی میں ہجرت کرتے بھی دیکھا ہے اور پھر چند سال بعد اسی شہر میں فاتحانہ انداز میں داخل ہونے کا منظر بھی ملاحظہ کیا ہے۔ اپنے اہل و عیال کے ساتھ ان کے برتاؤ کا ریکارڈ بھی ہمارے سامنے ہے اور اپنے جاں نثار اور وفا شعار ساتھیوں سے حسنِ سلوک کی تفصیلات بھی ہمارے پیشِ نظر ہیں۔ الغرض زندگی کے وسیع و عریض میدان کا کوئی کونا ایسا نہیں جہاں حبیب کبریاؐ نے اپنے اسوۂ حسنہ کے حسین و جمیل نقوش نہ چھوڑے ہوں۔ یہ جامعیت، یہ ہمہ گیری اسوۂ محمدی کے علاوہ کہیں بھی نظر نہیں آتی۔

زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والا ہر آدمی اسی آبِ زُلال سے اپنی پیاس بجھا سکتا ہے۔ اس دارِ شفا میں انسانیت کے ظاہری و باطنی، سیاسی و معاشی، سماجی اور اخلاقی ہر قسم کے ناقابلِ علاج روگوں کے لیے اکسیر موجود ہے۔ خاتم الانبیاء کو بارگاہِ الٰہی سے جو کتابِ منیر مرحمت ہوئی اس کے مندرجہ ذیل مقامات کا ہی اگر آپ مطالعہ کریں تو آپ کو حضورؐ کا لایا ہوا نظامِ اخلاق اپنی تمام تر رعنائیوں اور جملہ زیبائیوں کے ساتھ جلوہ فگن ملے گا: سورہ بقرہ کی آیات ۱۷۶ اور ۱۷۷، سورہ المومنون کی ابتدائی آیات، سورہ الفرقان کی آیات ۶۳ تا ۷۴۔

اندازِ تعلیم

مذکورہ بالا آیات میں اخلاقِ حسنہ کی اہمیت اور افادیت کو جس انداز سے بیان کیا گیا ہے اس سے کوئی سلیم الطبع متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے وہ ارشادات جن میں اخلاقِ حسنہ کو اپنانے کی تلقین کی گئی ہے، وہ بھی بڑے دل نشین اور روح پرور ہیں۔ چند نمونے ملاحظہ فرمایئے۔ سرورِ کائنات علیہ التحیات و التسلیمات نماز میں اکثر یہ دعا مانگا کرتے :

اللھم اھدنی لاحسن الاخلاق لا یھدی لاحسنھا الا انت واصرف عن سیئاتھا لا یصرف عنی سیئاتھا الا انت (مسلم شریف)

اے اللہ بہترین اخلاق کی طرف میری راہنمائی فرما۔ تیرے سوا بہترین اخلاق کی طرف کوئی راہنمائی نہیں کر سکتا۔ اور برے اخلاق کو مجھ سے دور کر دے کیوں کہ تو ہی برے اخلاق کو مجھ سے دور کر سکتا ہے۔

یہ اس پاک ہستی کی دعا ہے جس کے اخلاقِ حسنہ کی گواہی عالم الغیب و الشہادہ نے یوں دی ہے: و انك لعلى خلق عظيم. یہ اس پیکرِ خصائل حمیدہ کی دعا ہے جس کا دامن ہر قسم کی نازیبا حرکات کے داغ سے پاک ہے۔ ایسی ہستی جب عجز و نیاز سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ التجا کرتی ہو گی تو خود سوچیے صحابہ کرام کے دلوں پر اخلاقِ حسنہ کی اہمیت کے نقوش کس طرح ثبت ہوتے ہوں گے۔

اہل ایمان کے نزدیک ایمان سے بڑھ کر کوئی قیمتی دولت نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماننے والوں کو جب یہ ارشاد فرمایا ہو گا تو اخلاقِ کریمہ کی اہمیت ان کی نگاہوں میں کتنی بڑھ گئی ہو گی۔ ارشاد نبوی ہے:

اکمل المومنین ایمانا احسنھم خلقا

جس شخص کا خلق بہترین ہو گا تمام مومنین میں سے اس کا ایمان اعلیٰ اور اکمل ہو گا۔

ہر نیک دل انسان عبادتِ الٰہی میں لذت و سرور محسوس کرتا ہے اور اس کا جی چاہتا ہے کہ یادِ الٰہی کی شمع فروزاں رہے اور وہ بصد جان اس پر قربان ہوتا رہے۔ ہو سکتا تھا کہ کوئی شخص کثرتِ عبادت پر ناز کرنے لگے اور اخلاقِ حسنہ کی اہمیت اس کی نگاہوں میں کم ہو جائے اس افتاد سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ کے محبوب نے تنبیہ فرمادی:

ان المؤمن لیدرك بحسن خلقه درجة قائم اللیل و صائم النھار (ابو داؤد)

مومن اپنے اخلاق کے باعث اس درجہ پر فائز ہو جاتا ہے جو رات بھر ذکر الٰہی میں کھڑے رہنے والے اور عمر بھر روزہ رکھنے والے کو نصیب ہوتا ہے۔

کون بندہ ہے جس کے دل میں اپنے پروردگار کی رضا و محبت کی تمنا چٹکیاں نہ لے رہی ہو۔ اس کا طریقہ بتا دیا:

احب عباد الله الى الله احسنھم اخلاقا (طبرانی)

اللہ تعالیٰ کے بندوں میں اس کے نزدیک سب سے زیادہ وہ محبوب ہوتا ہے جس کے اخلاق پسندیدہ ہوں۔

اس طرح ہر مومن کی یہ خواہش ہو گی کہ اس کے ہادی و مرشد ﷺ کی اس پر نگاہِ لطف و کرم ہو اور قیامت کے روز اسے اپنے آقا کے قرب میں جگہ ملے۔ چناں چہ اپنے مشتاقانِ جمال کو یہ فرما کر بشارت دی:

ان احبکم الیّ و اقربکم منی یوم القیامۃ محاسنکم اخلاقا و ان ابغضکم الی و ابعدکم منی مساویکم اخلاقا

تم میں سے مجھے سب سے پیارا اور آخرت میں سب سے زیادہ میرے قریب وہ شخص ہو گا جو خوش خلق ہے' اور تم میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور روزِ قیامت مجھ سے دور وہ شخص ہو گا جو بدخلق ہے۔

بے شمار ارشاداتِ نبویؐ میں سے یہ چند اقوال پیشِ خدمت ہیں۔ اخلاقِ حسنہ کو اپنانے کی تڑپ پیدا کرنے کے لیے اس سے زیادہ مؤثر اور دل نشین اسلوب کوئی کہاں سے لائے گا۔

جن چیزوں کو اخلاقِ حسنہ کہا گیا وہ کیا ہیں!

انسانی معاشرے کا فرد ہوتے ہوئے معاشرہ کے دوسرے افراد کے جو حقوق انسان پر واجب ہیں ان کو حسن و خوبی سے انجام دینا ہی حسنِ خلق کہلاتا ہے۔ ماں باپ' بیوی بچے' پڑوسی' یتیم' بیوہ' سائل' بیمار' مسافر' مجاہد سب کے ساتھ مروت و احسان کرنے کی تاکید ارشاداتِ نبوت میں موجود ہے۔ یہ تعلیم اتنی جامع اور ہمہ گیر ہے کہ انسان تو انسان حیوانات و نباتات بھی اس میں داخل ہیں۔ شیر دار جانوروں کو تلف کرنے' پھل دار درختوں کو کاٹنے' لہلہاتے ہوئے کھیتوں کو ویران کرنے' بستے ہوئے گھروں کو اجاڑنے' ان سب چیزوں سے منع کر دیا گیا ہے۔ اسلوبِ تخاطب اتنا شیریں ہے کہ اس کی مٹھاس اور عذوبت روح کی گہرائیوں میں سرایت کر جاتی ہے۔ بخاری شریف میں ایک فاحشہ عورت کا تذکرہ ہے جس کے عمر بھر کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے معاف فرمایا کہ اس نے پیاس سے تڑپتے ہوئے ایک کتے کو پانی پلا دیا تھا۔ بیوہ عورتوں' مسکین لوگوں کی خدمت کو جہاد فی سبیل اللہ کا درجہ دیا گیا ہے۔ بخاری شریف میں ہے:

الساعی علی الارملۃ و المسکین کالمجاھد فی سبیل اللہ او کالذی یصوم النھار و یقوم اللیل

بیوہ اور غریب کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والا خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے اور اس عابد کی مانند ہے جو دن بھر روزہ رکھتا ہے اور رات بھر نماز

پڑھتا ہے۔

یتیم کی حفاظت اور کفالت کے شوق کو یوں مہمیز لگائی ہے:

انا و كافل اليتيم فى الجنة هكذا

میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں یوں ساتھ ساتھ ہوں گے(جس طرح ہاتھ کی یہ دو انگلیاں)۔

بے شک معلّمِ اخلاق کی تعلیمات ہمہ گیر اور عالم گیر ہیں اور اس کا اسلوبِ بیان بھی دل نشین اور لذیذ ہے لیکن معلّم کریمؐ کی شخصیت میں جو دل ربائیاں اور رعنایاں ہیں وہ قلب و نظر کو مسحور کر رہی ہیں۔ اس کی ایک جھلک دیکھ کر دل دیوانہ اور روح سرشار ہو جاتی ہے۔ ان کی ذات والا صفات میں جو بانکپن اور نکھار ہے اس نے ان کی دعوت کو چار چاند لگا دیے ہیں۔

کوئی ایسی بات نہیں فرمائی جس پر خود عمل کر کے نہ دکھایا ہو۔ لوگوں کو سچ بولنے اور امانت میں دیانت کو ملحوظ رکھنے کی تاکید کی تو خود راست گفتاری اور امانت داری کا وہ بلند معیار پیش کیا کہ خون کے پیاسے بھی صادق اور امین کہنے پر مجبور ہو گئے۔لوگوں کو وعدہ پورا کرنے کی تلقین کی تو خود اس پر یوں کاربند ہوئے کہ دشمن بھی عش عش کر اٹھے۔ آپ کو معلوم ہے کہ جب قیصر روم نے ابوسفیان کو اپنے دربار میں طلب کیا تاکہ حضورؐ کے اخلاق و کردار کے بارے میں دریافت کرے' ابوسفیان اس وقت اسلام اور رسولِ اسلام کا بدترین دشمن تھا' لیکن اس کو بھی مجبوراً یہ کہنا پڑا کہ آپؐ کے اخلاق بڑے بلند ہیں' وہ قول کے پکے اور بات کے سچے ہیں۔ عرب کے بدو اور اجڈ لوگ حضورؐ کے اخلاقِ کریمانہ کو دیکھ کر حضورؐ کے گرویدہ ہو گئے تھے۔ مسجد نبوی کی تعمیر کا وقت آتا ہے۔ صحابہ کرام اس کی بنیادیں کھود رہے ہیں' پتھر اور گارا اٹھا اٹھا کر لا رہے ہیں' اللہ تعالیٰ کا حبیب بھی ان کے ساتھ کام میں برابر کا شریک ہے۔ غزوہ احزاب کے موقع پر جب عرب کے سارے مشرک قبائل نے مدینہ طیبہ پر دھاوا بول دیا' اسلام کے اس مرکز کے دفاع کے لیے خندق کھودنے کا منصوبہ طے ہوا۔ صحابہ کرام کی طرح حضورﷺ ہاتھ میں کدال لیے خود بھی خندق کھودنے میں مصروف ہیں۔ گیسوئے عنبریں پر مٹی گر رہی ہے' روئے زیبا پر گرد پڑ رہی ہے' اس روح پرور منظر کو دیکھ کر مجاہدینِ اسلام پر کیف و مستی کا عالم طاری ہو جاتا ہے اور وہ بے خودی کی حالت میں یہ شعر پڑھتے ہیں

نحن الذين بايعوا محمدا
على الجهاد ما بقينا ابدا

ہم وہ جاں فروش ہیں جنہوں نے محمد مصطفیٰ ؐ کے دستِ مبارک پر تا دمِ واپسیں جہاد کی بیعت کی ہے۔

سرور عالم ہادی برحقؐ ان کے جوش ایمانی کو دیکھ کر جواباً فرماتے ہیں

اللھم لا عیش الا عیش الآخرۃ
فاغفر الانصار و المھاجرہ

اے اللہ ! زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے۔ الٰہی میرے انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔

لشکرِ اسلام میدان بدر کی طرف کوچ کر رہا ہے۔ تین تین سپاہیوں کے لیے ایک سواری کا انتظام ہو سکا ہے۔ حضور سرور عالم ﷺ نے بھی اپنی سواری میں سیدنا علیؓ اور مرثدؓ بن ابی مرثد کو شریک کر لیا ہے۔ مدینہ طیبہ سے جب قدسیوں کا یہ لشکر نکلتا ہے تو حضورؐ اونٹ پر سوار ہیں' مقررہ مسافت طے کرنے کے بعد حضورؐ اتر جاتے ہیں اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیتے ہیں کہ ان میں سے ایک سوار ہو جائے۔ وہ عرض کرتے ہیں کہ ان کی باری میں بھی حضورؐ ہی سوار رہیں' اس سے انہیں روحانی مسرت ہو گی۔ حضورؐ جانتے ہیں کہ یہ پیش کش صدقِ دل سے کی جا رہی ہے لیکن حضورؐ کو اچھی طرح علم ہے کہ آپؐ کا مقام اقدارِ عالیہ کے معلم اور استاد کا ہے' حضورؐ ان کی اس مخلصانہ پیش کش کو قبول نہیں فرماتے بلکہ انہیں یوں جواب دیتے ہیں:

ما انتما باقوی منی و لا انا اغنیٰ عنکما من الاجر

نہ تم مجھ سے طاقت ور ہو اور نہ یہ بات ہے کہ تمہیں مجھ سے زیادہ اجر و ثواب کی ضرورت ہے۔

چرخِ پیر نے بھی یہ منظر کاہے کو دیکھا ہو گا کہ لشکر کا سپہ سالار' امّت کا سردار' اور مجاہدین کا محبوب قائد ناقہ کی نکیل ہاتھ میں لیے پیدل چل رہا ہے اور ایک سپاہی اونٹنی پر سوار ہے۔

یہی وہ اسوۂ حسنہ ہے جس نے سب کے دلوں کو موہ لیا' یہی وہ اخلاقِ کریمانہ تھے جنہوں نے سب کو حضورؐ کی محبت کا اسیر بنا لیا۔ یہی وہ سیرت کا بلند معیار تھا جس نے عرب جیسی وحشی درندہ صفت اور درشت قوم کو کاروانِ انسانیت کا امام بنا دیا۔ اس معلمِ اخلاق کی تربیت کے نتیجے میں وہ امّت تیار ہوئی جس کے بارے میں خالقِ دو جہاں نے فرمایا:

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس.

ماہنامہ دعوۃ.......... اسلام آباد جلد: ۱٦ شمارہ: ۷۔۱۰

رحمۃ للعلمین

ڈاکٹر محمد خالد مسعود

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو کئی ناموں سے یاد کیا ہے اور آپؐ کی کئی صفات بیان کی ہیں لیکن ان میں سے آپؐ کی صفتِ رحمت سب سے ممتاز ہے کیوں کہ اس کا ذکر رسالت کے ساتھ بلکہ اس کے مقصدِ وحید کے طور پر ہوا ہے۔ سورہ انبیاء کی آیت ۱۰۷ میں ارشاد ہوا:

وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

(اے نبیؐ) ہم نے تم کو صرف اس لیے (رسول بنا کر) بھیجا کہ تم (سے) تمام دنیا کے لیے رحمت (کا ظہور) ہو۔

یہ آیت اپنے مطالب کے لحاظ سے اتنی جامع ہے کہ اس میں نبوت و رسالت اور تشریع و عقائد کے بہت سے نکات سما گئے ہیں۔ اس میں رسالت اور رحمت کے بنیادی رشتے کا ذکر بھی ہے اور رحمت کی عالم گیریت کا بیان بھی۔ ذیل کی سطور میں ہم نبی کریمؐ کی رحمۃ للعالمینی کے ان پہلوؤں پر تفسیری اسلوب میں بحث کریں گے۔

رحمت کے دو پہلو

لغت میں رحمت کے بنیادی معنی نرم دلی اور محبت کے بیان ہوئے ہیں البتہ اس کے اضافی معنی بے شمار ہیں۔ بعض علمائے لغت نے اس کا لغوی رشتہ رحم (مادر) کے لفظ سے قائم کیا ہے چناں چہ یہی وجہ ہے کہ رحمت کے ایک معنی صلۂ رحمی یعنی رشتہ داروں سے تعلق اور نیکی کے بھی بیان ہوئے ہیں۔ اس طرح رحمت دراصل اس جذبے اور احساس کا اظہار ہے جو ماں کو اپنے بچے سے ہوتا ہے۔ اس میں محبت کا جذبہ بے پایاں ہوتا ہے اور دوسرے کی تکلیف پر تڑپنے کا احساس ہوتا ہے اسی رعایت سے لغتِ عرب میں رحمت کا لفظ مجازی طور پر ایسے معنوں میں استعمال ہوتا ہے جن میں یہ مفہوم پایا جاتا ہو۔ قرآن کریم میں رحمت مغفرت کے معنوں میں بھی آیا ہے اور لطف و احسان کے

معنوں میں بھی۔ اس کے علاوہ قرآن نے رزق، نبوت، ہدایت اور علم وغیرہ کا بھی رحمت کے نام سے ذکر کیا ہے۔ بادلوں کو ''رحمت من اللہ'' اور قرآن مجید کو ''شفا و رحمت'' کہا ہے۔ عربوں کے ہاں اسی رعایت سے مکہ مکرمہ کو ام الرحم اور مدینہ منورہ کو الرحومہ کہا جاتا ہے۔

رحمت کے ان مختلف معانی میں فرق واضح کرنے کے لیے ابن منظور نے یہ قاعدہ بیان کیا کہ اگر رحمت کا ذکر انسان کے تعلق سے ہو تو اس کے معنی رقتِ قلب، نرم دلی اور محبت کے ہوں گے اور اگر اس کا ذکر اللہ تعالیٰ کی نسبت سے ہو تو اس کے معنی لطف و احسان اور رزق و مغفرت کے ہوں گے۔ امام راغب اصفہانی نے رحمت کی تعریف یوں کی ہے کہ ''رحمت سے مراد رقتِ قلب کا وہ جذبہ ہے جو رحم کیے جانے والے شخص پر احسان کا تقاضا کرے''۔

ان تشریحات کو سامنے رکھتے ہوئے اب زیر بحث آیتِ قرآنی پر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں ''رحمت'' اپنے معانی کے دونوں پہلوؤں کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کی عطف و احسان کی صفات اپنے مکمل معانی کے ساتھ آپؐ کی ذات میں جلوہ گر ہیں۔ اس کے ساتھ ہی چوں کہ رحمت کی نسبت آپؐ کی طرف کی گئی ہے اس لیے نرم دلی، محبت اور شفقت کی وہ تمام صفات بھی آپؐ کی سیرت میں موجود ہیں جو آپؐ کے انسانِ کامل اور خلقِ عظیم کے حامل ہونے کا پتہ دیتی ہیں۔ رحمت کو صلۂ رحمی کے معنوں میں لیا جائے تو اس میں اخوتِ انسانی کا پیغام اور آپؐ کی انسان دوستی کی صفت کا بھی اشارہ موجود ہے۔

اس آیت میں دوسرا نکتہ یہ ہے کہ یہاں آپؐ کی رسالت کا مقصدِ وحید آپؐ کا تمام جہانوں کے لیے رحمت ہونا بیان کیا گیا ہے۔

رحمت کی بیکرانی

رحمت کے مذکورہ بالا دونوں پہلو آپؐ کی ذات میں جمع ہوئے تو آپؐ کی رحمت کی حدیں وسیع تر ہو گئیں۔ آپؐ کی یہ رحمت تمام جہانوں کے لیے ہے۔ عربی لغت میں عالم کا لفظ جہان اور جہان میں بسنے والوں دونوں کے لیے آتا ہے۔ چناں چہ آپؐ کی رحمت ان تمام کے لیے ہے جو ان جہانوں میں بستے ہیں، وہ مومن ہوں یا کافر اس میں علاقوں، مذہبوں، نسلوں اور رنگوں کی کوئی تفریق نہیں۔ علمائے تفسیر کے ہاں البتہ اس پر اختلاف رہا ہے کہ مومن و کافر دونوں کے لیے رحمت ہونے کا مفہوم کیا ہے۔

ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

قال من آمن بالله واليوم الآخر كتب له الرحمة في الدنيا والآخرة ومن لم يؤمن بالله ورسوله عوفي مما اصاب الامم من الخلف والقذف

جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لے آئے اس کے لیے دنیا اور آخرت میں رحمت لکھ دی گئی (البتہ) جو اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان نہ لائے اس کو (بھی) وہ ذلت وتحقیر (کی سزا اور عذاب) معاف کر دی گئی جو گزشتہ قوموں پر مسلط کر دی جاتی تھی۔

ابن زید اس کی تفسیر قدرے مختلف انداز سے کرتے تھے، ان کے نزدیک رحمت صرف مؤمنوں کے لیے ہے اس سے کافر مراد نہیں:

قال العلمون من آمن به و صدقه قال:" وان ادرى لعله فتنة لكم و متاع الى حين" قال فهو لهؤلاء فتنة و لهؤلاء رحمة وقد جاء الأمر مجملا رحمة للعالمين والعلمون ههنا من آمن به و صدقه واطاعه

عالموں (جہانوں اور اس کے باشندوں) سے مراد محض وہ لوگ ہیں جو رسول اللہؐ پر ایمان لائے اور ان کی نبوت کی تصدیق کی۔ چناں چہ (قرآن کی اگلی آیتوں میں) ارشاد ہوا "میں نہیں جانتا، ہو سکتا ہے کہ یہ تمہارے لیے آزمائش ہو اور کچھ وقت تک مہلت دی گئی ہو"۔ (ابنِ زید نے) کہا کہ بات مختصراً تمام جہانوں کے لیے رحمت کہہ کر بیان کر دی گئی مگر عالموں سے یہاں مراد صرف وہ لوگ ہیں جو آپؐ پر ایمان لائے، آپؐ کی رسالت کی تصدیق کی اور فرماں برداری کی۔

علامہ طبری نے اس تفسیری اختلاف پر محاکمہ کرتے ہوئے ابن عباسؓ کے قول کی حمایت کی ہے البتہ اس کی توجیہہ یوں کی کہ:

واولى القولين في ذلك بالصواب القول الذى روى عن ابن عباس وهو ان الله ارسل نبيه محمدا رحمة لجميع العالم مؤمنهم و كافرهم فأما مؤمنهم فان الله هداه به و ادخله بالايمان به وبالعمل بما جاء من عندالله الجنة و اما كافرهم فانه دفع به عنه اهل البلاء الذى كان ينزل بالأمم المكذبة و مما من قبله

دونوں میں زیادہ صحیح قول ابن عباسؓ کا ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمدؐ کو تمام دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا، اس میں مومن بھی شامل ہیں، کافر بھی۔

مومنوں کے لیے رحمت ہونے کا مطلب ہے کہ انہیں آپؐ کے ذریعے سے صحیح راستہ دکھایا اور اللہ کی طرف سے جو کچھ نازل ہوا اس پر ایمان اور عمل کے سبب جنت میں داخل فرمایا۔ کافروں کے لیے رحمت ہونے کا مطلب ہے کہ ان پر سے وہ عذاب اور آزمائشیں ہٹا دیں جو رسولوں کو جھٹلانے پر پہلی امتوں پر مسلط کر دی جاتی تھیں۔

ان تفاسیر سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تاریخ انسانی کا ایک نیا باب شروع ہوتا ہے۔ پہلے ایمان اور کفر کی جزا اور سزا فوری طور پر ملتی تھی، مکافاتِ عمل میں آئینِ فطرت، دینی عقائد اور اخلاقی ضابطے ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ ایسے افراد اور اقوام جو خدا کے احکام سے سرتابی کرتے یا رسولوں کی نافرمانی کرتے یا دوسرے الفاظ میں خدا کے اخلاقی نظام کی قانون شکنی کرتے ان پر فوراً عذاب نازل ہوتا، زمین اور آسمان سے بلائیں ان کو آ لیتیں۔ قرآن کریم میں ایسی بہت سے امتوں کا تذکرہ ہے جو ان نافرمانیوں کی بنا پر نیست و نابود کر دی گئیں لیکن بعثتِ نبویؐ کے بعد قانونِ فطرت اور اخلاقی ضابطوں کی مطابقت ہٹا لی گئی۔ آپؐ کے دور سے انسانی عقل اپنی پختگی کو پہنچتی ہے، اپنے برے بھلے کی تمیز کی اب وہ خود ذمہ دار ہے۔ اب اس کی ہدایت کے لیے کوئی نبی نہیں آئے گا۔ انسان کی خلافتِ ارضی اپنی تکمیل کو پہنچتی ہے۔ نیکی و بدی کا پیمانہ اب مکافاتِ عمل اور فطری قوتوں کی سزا اور جزا کو نہیں بلکہ انسان کے اپنے احساسِ ذمہ داری اور تقویٰ کو ٹھہرایا جاتا ہے۔ انسانی اعمال کے طبعی نتائج کا قانون وہی ہے لیکن اس کے اخلاقی نتائج کو فطری قوانین سے الگ کر کے ان کے نفاذ کو مؤخر کر دیا گیا۔

یہ ہے مفہوم رحمتِ عالم کے ظہور کا جس سے تاریخِ انسانی ایک نئے دور میں داخل ہوئی۔ اس دور کی ابتدا کے لیے ربِ دو جہان نے ایک ایسی ہستی کا انتخاب کیا جس نے اس دورِ رحمت کے آغاز کا اعلان صرف اپنے قول ہی سے نہیں اپنے عمل سے بھی کیا۔

نبی کریم ﷺ کی ذات رحمتِ ربانی کی وسعتوں اور پنہائیوں کا مظہر ہے۔ خدا نے ایک ایسا نبیؐ بھیجا جس کا دل رحمت و شفقت کا ایک بے کنار سمندر تھا جو ان لوگوں کو بھی سیراب کرنے کے لیے بے چین رہا جو اپنی تنگ دلی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس مہلت سے فائدہ نہیں اٹھاتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کی رحمت وہ تھی جو اپنے بیگانے میں فرق کی قائل نہیں تھی۔ وہ مومن ہو یا کافر کسی کا دکھ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ قرآن آپؐ کی سیرت کے اس پہلو کے ذکر سے بھرا پڑا ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (التوبہ، ۹:۱۲۸)

تمہارے پاس اللہ کا رسول آ گیا ہے جو تم ہی میں سے ہے۔ تمہارا رنج و تکلیف میں پڑنا اس پر بہت شاق گزرتا ہے۔ وہ تمہاری بھلائی کا بڑا خواہش مند ہے، وہ مومنوں کے لیے شفقت رکھنے والا اور رحمت والا ہے۔

مومنوں کی ہی نہیں مشرکین و کفار کی رنج و تکلیف بھی اسے ملول و دل گیر رکھتی ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا (الکھف، ۱۸:۶)

(اے نبیؐ) تمہاری حالت تو ایسی ہو رہی ہے کہ اگر یہ لوگ یہ بات نہ مانے تو عجب نہیں تم ان کے پیچھے افسوس کے مارے اپنی جان کو بھی ہلاکت میں ڈال دو۔

رب کائنات تو جانتا ہے کہ ہدایت کے ردّ و قبول میں انسان طبقات میں بٹ چکے ہیں، ان میں سے بعض کے دلوں پر خود غرضی اور مفادات کے تالے پڑ چکے ہیں اس لیے ان کا سچے راستوں کو قبول کرنا ناممکن ہے اور ان سے اس کی امید رکھنا حقیقت کے خلاف ہے۔لیکن رحمتِ عالمؐ یہ معلوم ہونے پر بھی اپنی کوشش میں مصروف ہیں کہ کسی طرح یہ لوگ بھی سچی راہ پر آ جائیں:

وَ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ (الانعام، ۶:۳۵)

اگر ان لوگوں کی روگردانی تم پر کٹھن گزرتی ہے تو تم اگر کر سکتے ہو تو زمین کے اندر سرنگ ڈھونڈ نکالو یا آسمان میں سیڑھی لگا لو اور ان کے لیے کوئی نشانی لے آؤ (لیکن یقین رکھو کہ یہ ایسی ناممکنات کے واقع ہونے پر بھی نہیں مانیں گے)۔ اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو دینِ حق پر جمع کر دیتا۔ (لیکن ایسا نہیں ہو سکتا) اس لیے تم ان میں سے نہ ہو جاؤ جو حقیقت کے خلاف سوچتے ہیں۔

قرآن کریم کے ساتھ ساتھ احادیث میں بھی نبی کریمؐ کی سیرت کے اس پہلو کا ذکر ملتا ہے:

ابی امامة قال :قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ بعثنی رحمة للعالمین وھدی للمتقین (ابو نعیم : الدلائل)

حضرت ابی امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے تمام جہانوں کے لیے رحمت اور ذمہ داری محسوس کرنے والوں کے لیے نورِ ہدایت بنا کر بھیجا ہے۔

یہ آپؐ کی صفتِ رحمت ہی تھی کہ ان لوگوں سے جو عمر بھر آپؐ کو تکلیف و ایذا پہنچاتے رہے انتقام تو درکنار، انہیں برا بھلا بھی کہنے کو تیار نہیں تھے۔

عن ابی هريرة قال: قيل يا رسول الله ا ادع على المشركين. قال انی لم ابعث لعانا و انما بعثت رحمة (مسلم)

حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا کہ مشرکین کے لیے بددعا کیجیے۔ آپؐ نے فرمایا میں اس لیے نہیں بھیجا گیا کہ لوگوں پر لعنت بھیجوں، میں تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

نبی کریم ﷺ نے مکہ فتح کیا تو عام امان دے دی اور "لا تثریب" کا عام اعلان کر دیا۔ پھر بھی چند لوگ تھے جنہوں نے یہ امان قبول نہ کی اور مسلمانوں کے خلاف تلوار اٹھائی۔ ان میں سے ایک عکرمہ تھے جو مسلمانوں کے خلاف جنگوں میں ہمیشہ پیش پیش رہے تھے۔ کچھ مدت بعد یہ ڈرتے ڈرتے بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے ان کی بھی معافی کا اعلان کر دیا اور وہ اسلام لے آئے۔ انہی سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ قریش نے آپ کو اتنی تکلیفیں پہنچائیں لیکن آپ نے کبھی ان پر لعنت تک نہیں بھیجی؟ آپؐ نے فرمایا:"میں لعنت نہیں، رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔

آپؐ کی اس بے کراں رحمت و نرم دلی کے واقعات پڑھ کر یہ گمان ہونے لگتا ہے کہ آپؐ کی ہستی مافوق البشر تھی یعنی آپؐ نفرت،غصہ اور انتقام کے جذبات ہی سے آگاہ نہیں تھے۔ نہیں ہرگز نہیں، یہ آپؐ کی شانِ رحمت کی تنقیص ہوگی۔ جس کو غصے پر قدرت ہی نہ ہو وہ اس سے فروتر ہے جو غصے کی قدرت رکھتے ہوئے غصہ نہ کرے۔ احادیث میں اس بات کی وضاحت آئی ہے:

عن سلمان ان رسول الله ﷺ قال :أيما رجل من امتی سببته سبة فی غضبی اولعنته لعنة فانما انا رجل من ولد آدم اغضب كما تغضبون و انما بعثنی رحمة للعالمين. (مسند احمد، ابی داؤد ، طبرانی)

حضرت سلمانؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر اپنی امت میں سے کسی بھی شخص کو میں نے غصے میں برا بھلا کہا یا لعنت ملامت کی تو واضح رہے کہ میں بنی آدم میں سے ایک انسان ہوں، مجھے بھی تمہاری طرح غصہ آتا ہے البتہ میں تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

شارحینِ حدیث نے اس کی صراحت کی ہے کہ اس حدیث سے یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا

کہ نبی کریم ﷺ نے واقعۃً کسی پر سبّ و لعن کیا کیوں کہ سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث اس بات کی تصدیق یا تردید کے لیے نہیں بلکہ اس بات کی وضاحت کے لیے ارشاد ہوئی کہ آپؐ کے رحمۃ للعالمین ہونے سے آپؐ کی بشریت کی نفی نہیں ہوتی اور اسی طرح آپؐ کی بشریت آپؐ کے رحمتِ عالم ہونے کے منافی نہیں۔

ذاتی زندگی میں آپؐ کی رحمت و شفقت زیر بحث آیت کی تفسیر کا صرف ایک رخ ہے۔ اس کا دوسرا رخ یہ ہے کہ آپؐ اپنی ذات ہی سے نہیں بلکہ اپنی رسالت و تعلیمات کی بنا پر بھی تمام دنیا کے لیے رحمت ہیں۔ ہم اس مختصر مضمون میں تفصیلات میں نہیں جا سکتے اس کے چند نمایاں پہلوؤں کی طرف محض اشارات پر اکتفا کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ سے قبل دین کے دعوے داروں نے خدائی پیغام میں تصرفات کر کے دین اور عبادات کو رسوم و ظواہر کا گورکھ دھندا بنا دیا تھا۔ انسان اور خدا کے درمیان بہت سے واسطے اور وسیلے قائم کر دیے تھے۔ قواعد و ضوابط کی پابندیاں اور عقائد و عبادات کی پیچیدگیاں اتنی بڑھ گئی تھیں کہ دین کا مقصد و مفہوم ختم ہو چکا تھا۔ دین کا انسانی معاشرے اور اس کی بہبود سے کوئی تعلق نہیں رہا تھا۔ اسے روحانیت اور ما بعد الطبیعیات کے پردوں میں اتنا لپیٹ دیا گیا تھا کہ عام آدمی کی اس تک دسترس نہیں رہی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ دین کی طرف رغبت کا مطلب یہ رہ گیا تھا کہ اس دنیا سے قطع تعلق کر لی جائے۔ دنیا میں اپنی عائلی اور معاشرتی ذمہ داریوں کو نظر انداز کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی جائے تو اسے دین کا نام دیا جاتا تھا۔

رحمتِ عالمؐ نے دین کے مفہوم پر سے ان تمام جالوں کو صاف کیا۔ رہبانیت کو بدعت اور غیر پسندیدہ فعل قرار دیا۔ دنیا کی بے مقصدیت کے تصور کی نفی کی۔ کاروبارِ معیشت میں حصہ لینے کو فضل و رحمت قرار دیا۔ دنیا میں عائلی اور معاشرتی ذمہ داریوں کو پورا کرنے پر زور دیا۔ بلکہ اس مادی دنیا کو روحانی دنیا میں پہنچنے کا زینہ قرار دیا۔ آخرت میں سرخروئی تبھی ہو سکتی ہے جب اس دنیا میں انسان اپنی تمام ذمہ داریوں کو پورا کرے۔

دین کے اس مفہوم کی وضاحت کے لیے قرآن کریم نے مختلف پیرائے اختیار کیے۔ ان میں سے ایک کی مثال ہم دیتے ہیں۔ قرآن کریم میں رحمت کا لفظ بہت کثرت سے آیا ہے۔ اگر ان تمام آیات کو جمع کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان آیات میں ایسے تمام اوہام و تصورات کی نفی کرنے کے لیے جنہیں دین کا جزو بنا لیا گیا تھا اللہ تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ انسانی فلاح و بہبود کے تمام

مظاہر و وسائل کے لیے رحمت کا لفظ استعمال کیا ہے۔

اکثر مذاہب میں اس کائنات کو محض ایک فریب اور دھوکا اور رنج و تکلیف کا مقام کہا گیا ہے۔ ان کے نزدیک نجات اسی میں ہے کہ کائنات کو عبث سمجھتے ہوئے اس سے بے تعلقی اختیار کر لی جائے۔ لیکن قرآن کریم نے بار بار اس بات پر زور دیا کہ کائنات اللہ کی تخلیق کا شاہکار ہے' اس کی ربوبیت کی آیت و علامت ہے بلکہ اس پر غور و فکر اللہ کی معرفت کا ایک وسیلہ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کائنات ہر ہر قدم پر رحمتِ الٰہی کا مظہر ہے۔ ارشاد ہوا:

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ قُلْ لِّلّٰهِ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (الانعام، ۶:۱۲)

پوچھیے کہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کا ہے، کہہ دیجیے اللہ کا (وہ ذات) جس نے اپنے لیے ضروری ٹھہرا لیا ہے کہ (دنیا کی تخلیق میں) رحمت (کا ظہور) ہو۔

رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (الاعراف، ۷:۱۵۶)

میری رحمت دنیا کی ہر چیز کو گھیرے میں لیے ہوئے ہے۔

کائنات کی ہر چیز اس کی رحمت کا ظہور ہے۔ زمین اور چاند کی گردش، دن اور رات کا فرق، موسموں کا تغیر و تبدل ہر ایک میں اس کی رحمت کا پہلو نمایاں ہے۔ فرمایا:

وَ مِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (القصص، ۲۸:۷۳)

یہ اس کی رحمت کی کارسازی ہے کہ تمہارے لیے رات اور دن بنائے تاکہ تم رات کے وقت راحت پاؤ اور دن میں اس کا فضل تلاش کرو۔ تاکہ تم اللہ کی رحمت کے شکر گزار ہو۔

اس آیت میں دین کے غلط تصور کی ان بنیادوں کی طرف اشارہ ہے جن کی رو سے بعض مذاہب میں عائلی زندگی اور کسبِ معاش کو دین کے خلاف تصور کیا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا فضل قرار دیا۔ عائلی زندگی کے بارے میں ارشاد ہوا:

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (الروم، ۳۰:۲۱)

یہ اس کی رحمت کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے جوڑے پیدا کر دیے تاکہ اس کی وجہ سے تمہیں سکون حاصل ہو اور تمہارے

درمیان مؤدت اور رحمت کا جذبہ پیدا کر دیا۔ غور و فکر کرنے والوں کے لیے ان میں نشانیاں ہیں۔

اوپر کی آیت میں کسبِ معاش کو فضلِ خداوندی قرار دیا تھا، تو اس آیت میں ازدواجی تعلقات کو اپنی رحمت کی نشانی بیان کیا۔

انسان کے کاروبارِ معیشت میں جانوروں کو بے حد اہمیت حاصل ہے، وہ نہ صرف اس کے لیے خوراک کی کاشت میں مددگار ہیں بلکہ خوراک مہیا بھی کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ باربرداری کی وجہ سے مواصلات میں بہت اہم کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی ان خوبیوں سے اپنی رحمت پر استدلال فرمایا:

وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ . وَ لَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَ حِيْنَ تَسْرَحُوْنَ . وَ تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (النحل، ١٦:٥-٦)

اللہ نے تمہارے لیے چوپائے پیدا کیے جن میں تمہارے لیے جاڑے کا لباس بھی ہے اور طرح طرح کے اور منافع بھی۔ تم ان سے غذا بھی حاصل کرتے ہو۔ جب ان کے غول شام کو چراگاہوں سے واپس آتے ہیں اور جب چراگاہوں کے لیے نکلتے ہیں تو اس کے منظر میں تمہارے لیے خوشنمائی اور جمال رکھ دیا ہے۔ یہ جانور تمہارا بوجھ دوسرے شہروں تک اٹھا لے جاتے ہیں جہاں تم جان جوکھوں میں ڈال کر ہی پہنچ پاتے۔ بے شک تمہارا رب نرم دل اور رحمت والا ہے۔

دین کا یہی فطری تصور تھا جس نے تاریخ عالم میں ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ دین کے نام پر اور ماورائی قوتوں کے انتقام کے خوف پر مبنی مذہبی سیادتیں ختم ہوئیں۔ اسلام نے ایک ایسے معاشرے کا آغاز کیا جس کی بنیاد شوریٰ پر تھی، جہاں سیاسی طاقت قرآن و سنت سے برتری کا دعویٰ نہیں کر سکتی تھی۔ اس سے قانون کی حکمرانی کا آغاز ہوا۔ کوئی مذہبی طبقہ نہیں تھا کہ علم کا حصول صرف اسی کا طرۂ امتیاز ہو۔ اس سے علم کا شوق عام ہوا۔ فکر و تحقیق کے میدان میں وسعت ہوئی۔ دنیا کی دوسری قوموں کے علوم کا بھی مطالعہ ہوا۔ کائنات پر غور و فکر کو باقاعدہ اور منظم شکل ملی۔ ثقافتوں کے تغیرات کو وحدتِ انسانی میں ترتیب دینے کی کوشش کی گئی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اسلام کا پیغام بڑی سرعت سے ساری دنیا میں پھیلا اور جہاں جہاں اسلام پھیلا وہاں علم کی لگن، قانون کی حکمرانی، انسان کی عظمت

اور دنیاوی ذمہ داریوں کے احساس کی اقدار بھی پہنچیں۔ چناں چہ یہی وجہ تھی کہ جب تیرھویں اور چودھویں صدی کا یورپ سیاسی اور مذہبی جنگوں سے تنگ آ کر نئی روشنی کی تلاش میں نکلا تو اسلامی تہذیب میں اسے وہ شمع ملی جس سے اسے ایک نئی کائنات اور نئی دنیا نظر آئی۔ اور اب یورپ بھی قرونِ وسطٰی کی تاریکیوں سے نکل کر دورِ جدید میں داخل ہوا، وہ دور جدید جس کا آغاز نبی کریمؐ کی بعثت سے ہوا اور جس کے لیے قرآن نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ ”ہم نے تمہیں اس لیے بھیجا ہے کہ تم سے دنیا میں رحمت کے نئے دور کا ظہور ہو“۔

ماہنامہ دعوۃ.......... اسلام آباد   جلد: ۱۶   شمارہ: ۷۔۱۰

سرورِ کائنات ﷺ اور امنِ عالم

ڈاکٹر انعام الحق کوثر

لیفٹیننٹ کرنل پی ایم کول نے اپنی کتاب دی اَن ٹولڈ سٹوری (اَن کہی کہانی) میں لکھا ہے کہ حضرت انسان کی پانچ ہزار سالہ تحریری تاریخ میں پندرہ ہزار جنگیں ہوئی ہیں۔ گویا اوسطاً تین جنگیں فی سال ہوتی رہیں۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس پانچ ہزار سالہ دور میں صرف تین سو ایسے خوش قسمت سال تھے جب باقاعدہ اور گرم جنگ نہیں ہوئی گویا اس دور کا صرف چھ فیصد حصہ جنگ سے محفوظ رہا لیکن وہ بھی زیادہ تر اس لیے کہ یہ کسی جنگ کے بعد کا وقفہ تھا یا کسی نئی جنگ کی تیاری کا زمانہ تھا۔ اور جنگ کا مطلب کیا ہے؟ انسانوں کی موت' مرگِ انسانیت! پہلی عالم گیر جنگ میں آٹھ ملین انسان مارے گئے اور دوسری جنگِ عالم گیر میں پچاس ہزار ملین موت کے گھات اُتار دیے گئے۔ ۱۹۴۵ء سے ۱۹۸۵ء کے عرصے میں کوئی بڑی اور عالم گیر جنگ تو نہیں ہوئی لیکن ڈیڑھ سو چھوٹی چھوٹی جنگیں ہوئیں جن میں تیس ملین انسان کام آئے۔ ۶/ اگست ۱۹۴۵ء کو ہیروشیما پر گرائے جانے والے ایک ہی ایٹم بم نے (جسے ''چھوٹا لڑکا'' کا ستم ظریفانہ نام دیا گیا تھا) ایک لاکھ اکتالیس ہزار انسانوں کی جانیں قبض کر لیں اور آج قریباً پچاس ہزار ایٹم بم موجود ہیں اور نیوکلیئر آلات کا عالمی ذخیرہ دوسری جنگِ عالم گیر کے مجموعی بارود سے دو ہزار چھ سو گنا زیادہ بارودی طاقت رکھتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ تباہ کاری کے آلات ایٹم بم سے بھی آگے بڑھ کر ہائیڈروجن بم' نیوٹرون بم' کروز میزائل اور سٹار وار تک جا پہنچے ہیں!

کیا یہ آلات بقائے انسانی کے لچھن ہیں؟ کیا یہ پُرخطر اور دہشت انگیز حالات جنگ کے خاتمے یا نقضِ امن کے سدِ باب یا عالمی امن کے قیام کے لیے ممد و معاون ثابت ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں! کہا جا سکتا ہے کہ امریکہ اور روس کے درمیان تخفیفِ اسلحہ کا جو معاہدہ ہوا ہے اور اس کی بنا پر جو عملی اقدامات کیے گئے ہیں وہ صحیح سمت میں پیش رفت ہے' خوش آئند ہے' ایک عمدہ مثال ہے اور

اس سے کم از کم فوری فنائے انسانیت کا خطرہ ٹل گیا ہے' لیکن یہ صرف خوش فہمی ہے۔ امریکہ اور روس آج بھی رابرٹ جے اوپن ہیمر کے الفاظ میں ایک ہی بوتل میں دو بچھو ہیں' ایک دوسرے کو مارنے پر قادر لیکن اپنی موت کا خطرہ مول لے کر' وہ آج بھی بقول رینالڈ ریگن ''دو ایسے آدمی ہیں جو ایک دوسرے کی کنپٹی پر پستول رکھے ہوئے ہیں''۔

اگر بفرض محال یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ امریکی اور روسی واقعی اب انسان کشی کی اس دوڑ سے تائب ہو گئے ہیں تو بھی ان دو بڑوں کے علاوہ کم و بیش نو اور ملک یا طاقتیں بھی نیوکلیئر ہیں اور آئندہ ایک دو دہائیوں میں ان کی تعداد اس سے بھی زیادہ ہو جائے گی جب کہ پلوٹونیم اتنا زیادہ ہو گا کہ ہیروشیما والے ایٹم بم سے زیادہ بڑے سائز کے ناگا ساکی بم (جسے ''موٹا آدمی'' کا نام دیا گیا تھا اور جو ۱۹/ اگست ۱۹۴۵ء کو گرایا گیا تھا اور جس نے آدھا ناگا ساکی ملیا میٹ کر دیا تھا) جیسے پچھتر لاکھ بم سالانہ تیار کیے جا سکتے ہوں گے!

تو پھر ان امن سوز اور حوصلہ فرسا حالات میں ''دوستو! سوچنا چھوڑ دو'' کے مصداق یعنی ''سوچنے سے انکار'' سے کام لیا جائے؟ مگر یہ کوئی رویہ نہیں یا پھر یہ گھر پھونک تماشا دیکھنے کا رویہ ہے' خود سوزی اور خودکشی کا رویہ ہے جو حضرتِ انسان کے لیے نہ مستحسن ہے نہ اس کے شایانِ شان! انسان کی تو پہچان ہی یہ ہے کہ خطرہ جتنا مہیب ہو گا اُس کی جدوجہد' تدابیر آزمائی اور جگر کاری اتنی ہی عظیم ہو گی! نیّرِ فضائی کی کرنیں ڈوب سکتی ہیں لیکن نیّرِ امید کی کرنیں کبھی نہیں ڈوبتیں۔ اس نیّرِ امید کو ہم مذہب بھی کہتے ہیں اور اسلام بھی! اور اس نیّرِ امید کی ایک کرن وہ آیۂ کریمہ ہے جو اس مضمون کی محرک بنی ہے۔

يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ (الانفال، ۸:۲۴)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر لبیک کہو جب کہ رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے۔

بات صرف اتنی ہے کہ موجودہ انسان اپنا اندازِ فکر بدلے۔ یہ تبدیلی نہ صرف موجودہ دل دوز حالات کا تقاضا ہے بلکہ خود نظریۂ ارتقا کا منطقی مطالبہ بھی ہے۔ جیسے قدیم دور کا انسان فرد سے خاندان میں بدلا اور متوسط دور کا انسان خاندان سے اوپر اٹھ کر قبیلے میں ضم ہوا اور جیسے موجودہ دور کا انسان قبیلے سے اوپر اٹھ کر قوم میں مدغم ہوا' ایسے ہی موجودہ بلکہ آئندہ انسان کو قوم سے اوپر اٹھ کر امتِ واحدہ [''یہ لوگ ہیں تمہارے دین کے' سب ایک دین پر (اُمتِ واحدہ) اور میں ہوں رب

تمہارا، سو میری بندگی کرو"۔ (الانبیا،۲۱:۹۲) "اور یہ لوگ ہیں تمہارے دین کے، سب ایک دین پر اور میں ہوں تمہارا رب، سو مجھ سے ڈرتے رہو" (المومنون،۲۳: ۵۲) میں ضم ہونا ہو گا۔ اس میں نہ بد دل ہونے کی کوئی بات ہے نہ چیں بجبیں ہونے کی! نہ خاندان کا وجود فرد کی نفی تھا اور نہ قبیلے کا وجود خاندان کی نفی۔ نہ قوم کا وجود قبیلے کی نفی تھا اور نہ اُمتِ واحدہ کا وجود قوم کی نفی ہو گا۔ فرق صرف یہ پڑا کہ فرد اور خاندان میں تقدم خاندان کو حاصل ہوا اور خاندان اور قبیلے میں تقدم قبیلے کو ملا اور قبیلے اور قوم میں تقدم قوم کو نصیب ہوا اور قوم اور امتِ واحدہ میں تقدم امتِ واحدہ کو حاصل ہو جائے گا۔

عملاً اس کا مطلب یہ ہوا کہ افراد کی صلاحیتیں خاندان کی فلاح و بہبود پر صرف ہونے لگیں۔ خاندانی صلاحیتیں قبیلے کی اصلاح و ترقی اور قبیلے کی صلاحیتیں قوم کی پیش رفت پر استعمال ہونے لگیں۔ ایسی ہی قومی امکانیتیں امتِ واحدہ کی بہبود پر مرکوز ہوں گی۔ فرد کا دائرۂ کار ایک گھر تک محدود تھا۔ خاندان ایک گاؤں پر پھیل گیا۔ قبیلہ ایک علاقے پر محیط ہو گیا اور قوم ایک ملک کی مالک ٹھہری اور اُمتِ واحدہ براعظموں، شمالی اور جنوبی کرّے اور مشرقی اور مغربی نصف کرّے کے بجائے پورے کرۂ ارض پر محیط ہو گی۔ فرد تو اپنا امیر، وزیر اور مشیر خود ہی تھا مگر خاندان کو افراد کے تجربہ کی روشنی میسر ہو گئی۔ قبیلے کی قیادت خاندانوں کے بہترین افراد کو ملی۔ قوم کو قبیلوں کے نمائندوں کی سربراہی نصیب ہوئی۔ ایسے ہی امتِ واحدہ کی باگ ڈور اقوام کے بہترین نمائندوں کے ہاتھ میں ہوگی۔

اُمتِ واحدہ کا تصوّر بے حد دلربا، روح افروز اور مخمور کن ہے اور اس کے نقش و نگار اور خدوخال کی نقشہ کشی ایک بہت ہی دلچسپ اور پر امید مشغلہ و منصوبہ ہے۔ لیکن نہ تو امتِ واحدہ کا ظہور و قیام اتنا آسان ہے اور نہ اس کا ظہور و شہود ہی ہمہ سطحی قیامِ امن کی ضمانت ہے۔ اسے واقعی ایک عمل پذیر اور مؤثر ادارہ بنانے کے لیے جنگ کے اصلی (نہ کہ روایتی) محرکات اور قیامِ امن کے اصلی (نہ کہ روایتی) لوازمات کا ادراک ایک بنیادی شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس نقطۂ نظر سے تاریخِ عالم پر نہایت تعمیق و تدقیق سے غور و فکر کیاجائے تو صاف مترشح ہوتا ہے کہ جنگ و امن کا مسئلہ اصل میں فطرتِ انسانی کا مسئلہ ہے جو عبارت ہے متضاد و متصادم عناصر سے۔ انسان کے اندر بہم تخالف جذبات کارفرما ہیں۔ آپ انہیں خیر و شر کہیں یا ایثار و استحصال یا مثبت و منفی، تمام انسانی جنگیں اصلاً نتیجہ ہیں شر، استحصال اور منفی جذبات اور ان سے جنم لینے والے عزائم اور جارحانہ کارروائیوں کا، لہٰذا جب تک یہ تخریبی جذبات مسخر نہ کیے جائیں اس وقت تک جنگ

کا خاتمہ بھی ناممکن ہے اور امن کا قیام بھی!

لیکن عجیب بات ہے کہ یہی منفی، تخریبی، استحصالی اور شرانگیزانہ جذبات ہی انسان کی قوتِ محرکہ ہیں۔ اگر انہیں سرے سے ختم کر دیا جائے جیسا کہ بعض فلسفیوں نے کوشش کی ہے تو انسان ادھ موا ہو جائے گا اور نیم انسان بن کر رہ جائے گا اور اپنی کسی ماقبل شکل کی طرف لوٹ جائے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر ان ہلاکت خیز اور جہاں سوز جذبات کو مسخر کر لیا جائے، انہیں تصرف میں لایا جائے، انہیں منضبط کیا جائے اور انہیں مثبت جذبات کی پشت پناہی پر مامور کیا جائے تو یہ خیر و برکت، ایثار و اقدار، امن و سلامتی، اخوت و مساوات، عدل و احسان اور حریت و انسانیت کے قوی ترین ایکسیلریٹر ثابت ہوتے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان ناگزیر جذبات کو تابع کیسے بنایا جا سکتا ہے؟ کیا انسان محض اپنے علم و عقل کی بدولت ایسا کر سکتا ہے؟ اگر ایسا ممکن ہوتا تو شاید یورپ اس وقت اس کرۂ ارض کا منضبط ترین حصہ ہوتا کیوں کہ یورپ اس وقت علم و خرد کے لحاظ سے بلند درجے پر فائز ہے۔ مگر کثرتِ علم و وفورِ عقل نے اسے ان منفی جذبات پر قابو پانے کی توفیق نہیں دی بلکہ اس نے ان جذبات کو پہلے سے کئی گنا زیادہ مہیب اور گھمبیر بنا دیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عقل و فہم اور علم و فن نے موجودہ انسان کو زیادہ سے زیادہ فوائد پہنچائے ہیں۔ اُس کی تہذیب کو ایک اعلیٰ درجے تک پہنچایا ہے اور ارض و سما میں مزید پیش قدمی کے راستے کھولے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ ہوائے نفس بھی بڑھی ہے اور انسان کے سامنے آج بھی سب سے بڑا اور بنیادی مسئلہ یہی ہے کہ کیا انسان اپنی حرص و ہوا پر قابو پا سکتا ہے؟ کیا بحر و بر، فضا و خلا اور ارض و سما پر کمندیں ڈالنے والا انسان اپنے آپ کو لگام دے سکتا ہے؟ مختصراً کیا انسان اپنے آپ کو اپنے آپ سے بچا سکتا ہے؟

قنوطیت پرست اس کا جواب نفی میں دے گا اور وہ ایک ایسا حل تجویز کرے گا جس سے انسان اپنی زندگی کے جوہر ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے مگر رجائیت پسند اس کا جواب اثبات میں دے گا کیوں کہ زندگی امید ہی سے پھلتی پھولتی ہے، امید ہی سے پیہم رواں دواں اور ہر دم جوان رہتی ہے۔

لہٰذا انسان کا ترقی یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ بہتر و برتر انسان بننے کا ہر امکان موجود ہے اور مایوسی کا نہ کوئی جواز ہے نہ گنجائش بشرطِ کہ وہ اپنے اُوپر، از خود کسی اعلیٰ تر پابندی کا قائل ہو جائے، اپنے اُوپر ایک ازلی و ابدی گرفت کو مان لے، اپنی زندگی کو ایک امتحان، ایک آزمائش اور ایک

چیلنج سمجھ لے اپنے آپ کو موردِ احتساب گردان لے اور اپنے آپ کو کسی ارفع تر اور مافوق البشر ہستی کے سامنے جواب دہ تسلیم کرے۔ دوسرے الفاظ میں وہ توحید کا دامن تھام لے اور کسی ایسے بشرِ کامل کے حلقۂ ارادت میں چلا جائے جو خالص ترین توحید کا حامل، عامل اور قیم ہو! کم از کم مسلمانوں کے نزدیک ایسا بشرِ کامل اور ایسا ہادیٔ اکمل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ و اسوہ حسنہ میں موجود ہے اور اسے ہر صحیح الفکر اور مستقیم الذہن غیر مسلم حکیم و دانش ور نے بھی تسلیم کیا ہے۔ وہ ایک طرف بشریت کا عمدہ ترین نمونہ ہیں تو دوسری طرف خاتم الانبیاء اور امام الانبیاء بھی ہیں۔ وہ ایک جانب انسان کی جسمانی و مادی امکانیتوں کا ظہور ہیں تو دوسری جانب اس کی اخلاقی و روحانی رفعتوں اور عظمتوں کا پیکر بھی! ان پر نازل شدہ قرآن کریم تمام کتبِ الہامی و صحائفِ آسمانی پر محیط ہے اور وہ اُن تمام پر مہیمن ہے جیسے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات۔

ان کا منصب داعی الی اللہ (الاحزاب۳۳:۴۶) کا ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو واحد القہار ہے، احسن الخالقین اور احسن الرازقین ہے، جو خیر الحاکمین، خیرالغافرین، خیرالفاصلین، خیرالفاتحین، خیرالماکرین، خیرالناصرین اور خیرالرازقین ہے، جو خالق الحب و النویٰ اور خالق الاصباح ہے، جو خالق، محی اور ممسک الکائنات ہے، جو قاضی الامور اور مدبرّ الامور ہے اور جو رب العالمین اور احکم الحاکمین ہے، اور سرورِ کائنات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اسی لطیف و خبیر رب العزت کی طرف بلاتے ہیں! اور خدائے قدوس کا ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (الانفال۸:۲۴) "اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور رسول کا جس وقت بلائے تم کو اس کام کی طرف جس میں تمہاری زندگی ہے"۔

قرآنِ حکیم ہر دور کے انسان کے لیے اس کی پوری زندگی کا لائحہ عمل ہے اور مذکورہ بالا آیۂ کریمہ اسی کی نشان دہی کرتی ہے۔ قرآن حکیم کی ایک اہم خوبی بلکہ اس کا طغرائے امتیاز یہ ہے کہ یہ انسانی زندگی کی جزئیات پر بھی اتنی ہی توجہ دیتا ہے جتنا اصولیات و اساسیات پر، اور پھر اس کی بلاغت تو اپنی نظیر آپ ہے۔ یہ ایک بہت وسیع مضمون کو اپنے مخصوص اور بے تکلف انداز میں اتنے اختصار سے بیان کر دیتا ہے کہ اس کے ایک چھوٹے سے جملے پر سیکڑوں صفحات لکھے جا سکتے ہیں اور تاریخِ عالم کا ایک خاص سلسلۂ واقعات اسی کی مناسبت سے اُس کی پشت پر کھڑا ہوتا ہے۔

اس آیہ کریمہ میں تو صرف زندگی بخش کام کی طرف اشارہ ہے لیکن قرآن حکیم میں جا بجا زندگی بخش کاموں کی تشریح ملتی ہے۔ جن میں چند مثالیں درجِ ذیل ہیں:

۱: زمین میں فساد نہ پھیلاؤ (البقرہ۲: ۱۱)

۲: لوگوں کے ساتھ اچھی بات کرو (ایضاً: ۸۳)

۳: نیکیوں کی طرف سبقت کرو (ایضاً: ۱۴۸)

۴: اللہ کے راستے میں خرچ کرو (ایضاً:۱۹۵)

۵: ایک دوسرے کے ساتھ بھلائی کرنا مت بھولو (ایضاً:۲۳۷)

۶: جو کچھ جاتا رہا اس کا افسوس نہ کرو (آل عمران،۳:۱۵۳)

۷: نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو (المائدہ،۵:۲)

۸: عدل کرو' یہ تقویٰ کے قریب ہے (ایضاً:۸)

۹: کرۂ ارض پر پھرو (الانعام،۶:۱۱)

۱۰: اور تم لوگ برا نہ کہو جن کو وہ پکارتے ہیں اللہ کے سوا' کہ وہ برا کہہ بیٹھیں اللہ کو بے ادبی سے' بن سمجھ (ایضاً:۱۰۹)

۱۱: کھاؤ پیو لیکن اسراف نہ کرو (الاعراف،۷:۳۱)

۱۲: جب تک وہ تم سے سیدھے رہیں تم ان سے سیدھے رہو (التوبہ،۹:۷)

۱۳: اور مت جھکو ظالموں کی طرف ورنہ تمہیں لگے گی آگ (ہود،۱۱:۱۱۳)

۱۴: اللہ کے ذکر سے دِلوں کو اطمینان ملتا ہے (الرعد،۱۳:۲۸)

۱۵: اگر تم شکر کرو گے تو ہم تمہیں اور دیں گے (ابراہیم،۱۴:۷)

۱۶: اگر تم نیکی کرتے ہو تو اپنے ہی لیے (بنی اسرائیل،۱۷:۷)

۱۷: اور نہ پسار اپنی آنکھیں اس چیز پر جو برتنے کو دی ہم نے ان بھانت بھانت لوگوں کو(ایضاً:۱۳۱)

۱۸: سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے اگر تم نہیں جانتے (الانبیاء،۲۱:۷)

۱۹: بری بات کے جواب میں وہ کہہ جو بہتر ہے (المومنون،۲۳:۹۶)

۲۰: نہ چلو شیطان کے قدموں پر (النور،۲۴:۲۱)

۲۱: پورا بھر دو ماپ اور نہ ہو نقصان دینے والے (الشعرا،۲۶:۱۸۱)

۲۲: اور تولو سیدھی ترازو (ایضاً:۱۸۲)

۲۳: اور نہ بھولو اپنا حصہ دنیا سے (القصص،۲۸:۷۷)

:۲۴ اور آخر بھلا ہے تقویٰ والوں کا (ایضاً:۸۳)

:۲۵ اپنے گال نہ پھلا لوگوں کی طرف اور مت چل زمین پر اِتراتا (لقمان،۳۱:۱۸)

:۲۶ اور چل بیچ کی چال اور نیچی رکھ اپنی آواز (ایضاً:۱۹)

:۲۷ کہو سیدھی بات (الاحزاب،۳۳:۷۰)

:۲۸ اور برائی کا داؤ الٹے گا اسی داؤ والوں پر (فاطر،۳۵:۴۳)

:۲۹ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو (الزمر،۳۹:۵۳)

:۳۰ کہیں آدمی کو ملتا ہے جو چاہے؟ (النجم،۵۳:۲۴)

:۳۱ اور آدمی کو وہی ملتا ہے جو اُس نے کمایا (ایضاً:۳۹)

:۳۲ اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں؟ (الصف،۶۱:۲)

:۳۳ بے شک بھلا ہوا اُس کا جو سنورا (الاعلیٰ،۸۷:۱۴)

:۳۴ البتہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے (نشرح،۹۴:۶)

:۳۵ اور سجدہ کر اور قریب ہو جا! (العلق،۹۶:۱۹)

حقیقت یہ ہے کہ یہ اور اسی قبیل کے چھوٹے چھوٹے قرآنی جملے موتیوں جیسے خوبصورت جملے خودبخود انسان کے دل میں اترتے چلے جاتے ہیں اور پھر جب یہ جملے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پرتاثیر زبان سے ادا ہوں اور ان کے اسوۂ حسنہ سے مترشح ہوں تو وہ ایک لاکھ بیس ہزار کیا' پانچ ارب کو بھی مسخر کر سکتے ہیں' اُن کا اوڑھنا بچھونا بن سکتے ہیں' ان کا روزمرہ کا معمول بن سکتے ہیں اور یہ دل سوختہ اور اطمینان باختہ زمین امن و آشتی اور اخوت و مساوات کا گہوارہ بن سکتی ہے۔ انسان اپنی جہالت و حماقت اور اپنی حرص و آز کی وجہ سے دنیا کو دارالمحن بناتا رہتا ہے لیکن حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نہایت تحمل و بردباری اور شفقت و محبت سے قرآن حکیم اور احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں اسے ہر وقت دارالسلام یعنی دارالامن بنانے میں لگے رہتے ہیں۔

''امن'' سہ حرفی مادہ ہے ایمان کا۔ گویا ایمان کی بنیاد' اسلام کی اساس ہی امن ہے اور ایمان کا جزو لاینفک امن ہی ہے۔ اس پیغامِ امن و سلامتی کو اسلام کے ایک ہمہ گیر شعار ''السلام علیکم'' کے ذریعے سے پھیلانے کا حکم دیا گیا ہے۔ السلام علیکم کا مطلب یہ ہے کہ تم پر اللہ کی سلامتی ہو۔ یہ ایک مختصر سا دعائیہ جملہ ہے مگر اس میں ایک مستقل سلامتی کی ضمانت موجود ہے۔ ایک مسلمان جب اپنے بھائی کے لیے اس سے ملاقات کے وقت اس کی سلامتی کی دعا کرتا ہے تو گویا وہ اس کو

اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ میری طرف سے تیری جان و مال کو کسی قسم کا کوئی خطرہ لاحق نہیں۔ میں تو تیرے لیے سلامتی کا طالب ہوں۔ جواباً وعلیکم السلام دوسری طرف سے اسی ضمانت کا اظہار ہے اور یوں ایک فرد ایک ہی دن میں بیسیوں افراد سے ملتے ہوئے اور کروڑوں افراد ایک ہی دن میں ایک دوسرے سے ملتے ہوئے ایک دوسرے کو باہمی سلامتی کا یقین دلاتے ہیں۔ اسی لیے حدیث شریف میں آیا: "افشوا السلام" یعنی سلام پھیلاؤ۔ ''سلام کرنے سے آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے''۔

حدیث صرف کہنے ہی کی بات نہیں بلکہ یہ تو اظہار ہے فرمانِ الٰہی پر اولاً آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس نفیس عمل کرنے کا اور ثانیاً اسے اپنے صحابہ و صحابیات کرام اور دیگر ملاقاتیوں میں پھیلانے اور نافذ کرنے کا! فرمانِ الٰہی تھا:

"وَالصُّلْحُ خَيْرٌ" یعنی صلح خیر ہے۔ (النسا۴:۱۲۸)

''تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں لہٰذا ان میں صلح کروا دو'' (الحجرات،۴۹:۱۰) ''اگر وہ (یعنی کفار) لڑائی کرتے کرتے اس سے گریز کریں (تم سے نہ لڑیں) اور تمہیں صلح کی پیش کش کریں تو پھر اللہ تمہیں ان سے لڑنے کی اجازت نہیں دیتا'' (النساء،۴:۹۰) ''اگر دشمن صلح و صفائی کا ہاتھ پھیلائے تو تم بھی اپنا ہاتھ آگے کر دو اور اللہ پر توکل کرو۔ وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اگر وہ تم سے دھوکا کرنا چاہیں تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کافی ہے'' (الانفال،۸: آیت ۶۱)

یہ اور اسی طرح کے دیگر فرامینِ الٰہی پر حضور پاک ﷺ نے کس طرح اور کس حد تک عمل کیا؟ کم از کم آنحضورؐ کی حیاتِ طیبہ اور تاریخِ طیبہ اور تاریخِ اسلام میں اس کی دو مثالیں ایسی ہیں جو پوری تاریخِ عالم میں اپنی مثال آپ ہیں۔ دونوں مواقع پر حضور پاک ﷺ اپنے صحابہ کرام کے ہمراہ غالب قوت کے مالک تھے اور تمام آثار و قرائن اور اسباب و وسائل ان کے حق میں تھے لیکن انہوں نے غالب ہونے کے باوجود صلح نامہ حدیبیہ کو ایک مغلوب کی طرح قبول کرنے میں بھی ذرا سا تامل نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے ''فتح مبین'' بنا دیا۔ اور فتح مکہ تو گویا اُن کا شاہکار ہے اور پوری تاریخِ انسانی اس کے سامنے دست بستہ اور سربسجدہ ہے۔ ایک طرف بیس سالہ ظلم و تشدد، وحشت و بربریت، ریشہ دوانی و دسیسہ کاری اور دوسری طرف رحمت للعلمین کا یہ اعلان جس پر حرف بحرف عمل ہوا کہ ''آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو''۔ انتقام کا شائبہ تک نہیں، محبت و مودت، رافت و رحمت اور امن و سلامتی کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے، ایک ایسی فتح جس میں نہ کوئی فاتح تھا نہ مفتوح، نہ کوئی غالب تھا نہ مغلوب، نہ کوئی قابض تھا نہ مقبوض، نہ کوئی غاصب تھا نہ مغضوب، ایک

ایسی فتح جسے فتح الفتوح کہا جا سکتا ہے' ایک ایسی فتح جو فتح الخیر تھی' فتح الایثار تھی' فتح الایمان تھی' فتح الاسلام تھی اور یہ اس لیے کہ آنحضورﷺ فرمانِ الٰہی پر ایسے عمل کرتے تھے جیسے فنا فی العمل ہو گئے ہوں' انتہائی حد تک انتہا الانتہا کی حد تک!!

یہیں پر بس نہیں' یہ تو خارجی دنیا کے ساتھ تعلقات کا پہلو تھا' داخلی دنیا میں کیا لیل و نہار تھے' کیا کیفیت و کمیت تھی' کیا وطیرہ و رویہ تھا؟ اہلِ مکہ کی ستم رانیوں اور سازشوں کی وجہ سے آنحضورؐ فرمانِ الٰہی کے مطابق مکہ سے ہجرت فرما کر یثرب (جسے ان کی آمد پر مدینۃ النبیؐ کا نام دیا گیا) تشریف لا چکے تھے' جہاں ایک مکمل معاشرہ و مملکتِ اسلامی کو ظہور پذیر و جلوہ نما ہونا تھا۔ وہ چودہ روز قبا میں ٹھہرے تو انہوں نے مسجدِ قبا تعمیر فرمائی اور مدینہ میں تشریف آوری ہوئی تو یہاں بھی اوّلین عملی اقدام مسجدِ نبوی کی صورت میں رونما ہوا۔ مسجد جو عبادت گاہ بھی تھی اور درس گاہ بھی' دارالمشاورت بھی اور جامع الناس بھی' اسمبلی بھی اور کمیونٹی ہال بھی! افسوس کہ بعد کی مسجدیں تعداد میں تو بڑھتی گئیں اور کرۂ ارض کے ہر حصے میں پھیلتی گئیں لیکن چند مساجد کے سوا وہ اپنے اس ہمہ گیر منصب سے ہٹ کر جوئے کم آب بن کر رہ گئیں۔ مسجد کی تعمیر کے بعد پہلا معاشرتی اقدام مواخات تھا جو جتنا اہم' بنیادی' وقت گیر اور امکان پرور تھا اتنا ہی اسے تاریخ' حکومتوں اور بعد کے اسلامی معاشروں نے نظر انداز کیا۔

مکہ میں تو قریش ہی کا طوطی بولتا تھا جو کاروباری اور تجارت پیشہ لوگ تھے اور کافی حد تک خوش حال۔ مکہ کی قداحت و عظمت کی وجہ سے وہ متولیانِ کعبہ تھے اور لاکھوں زائرین کی سالانہ آمد و رفت ان کی آمدنی کا ایک بہت بڑا ذریعہ تھی۔ لیکن ان کے تجارتی قافلے بھی ہر سمت میں جاتے تھے جن سے انہیں بہت کمائی ہوتی تھی۔ اس کے برعکس مدینہ میں عددی اکثریت تو عربوں ہی کو حاصل تھی لیکن سرمایہ داری کی وجہ سے بالا دست یہودی تھے۔ عرب دو قبائل حمیری یا یمنی قبائل اوس اور خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ زراعت کار اور باغبان تھے اور تجارت سے بالکل بے بہرہ۔ کچھ اپنی جاہلانہ قبائلیت کی وجہ سے اور کچھ طاقت ور یہودیوں کی شہ پر یہ ہمیشہ آپس میں دست و گریباں رہتے تھے۔ یہودی انہیں بہ دل و جان قرض دیتے اور پھر سود در سود کے چکر سے ان کی زمینوں اور باغات کے مالک بن بیٹھتے۔ کاروبارِ امن ہو یا جنگ' عرب ان کے شرمندۂ احسان تھے۔ آنحضورﷺ کے متعلق ان کا نظریہ یہ تھا کہ وہ واقعی وہی نبی ہیں جن کی پیشین گوئی تورات و انجیل میں کی گئی تھی لہٰذا وہ ایمان لائے بغیر ان کی آمد کو مدنی عربوں پر اپنے استیلا و استعمار کے لیے کارآمد گردانتے تھے۔

ان دو موجود عناصر کے علاوہ حضور پاک ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی آمد کی وجہ سے مدینہ میں ایک تیسرا عنصر بھی در آیا تھا اور وہ تھا مہاجر عنصر! سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اوّلین اور اہم ترین معاشرتی و سیاسی مسئلہ انہی تین عناصر سے معاملہ بندی کا تھا۔ اگر یہودی (اور عیسائی) اپنی الہامی کتب کی پیشین گوئیوں کی بنا پر آنحضورؐ پر ایمان لے آتے تو اسلام اور دنیا کی تاریخ بالکل مختلف ہوتی لیکن ان کے مفاد میں پیوستہ مذہبی پیشواؤں نے قریشِ مکہ کی طرح نہ ایسا کیا نہ ایسا ہونے دیا بلکہ الٹا حضور پاک ﷺ کے نامِ نامی اور اسلام کو اپنی مطلب براری کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کی لہٰذا ان سے معاملہ بندی (جو میثاقِ مدینہ کی صورت میں رونما ہوئی' بجائے خود اسلامی رواداری کی ایک روشن ترین مثال اور اقلیتوں کے تحفظ کے سلسلے میں تاریخِ عالم میں پہلا منشور) سے پہلے آنحضور ﷺ نے دوسرے دو عناصر پر توجہ دی۔

اوس اور خزرج کافی حد تک مسلمان ہو چکے تھے اور بہت تیزی سے آغوشِ اسلام میں آ رہے تھے۔ اُن میں نوواردوں کا جوش و جذبہ تھا لیکن قدیم عادات و روایات بھی بہت راسخ تھیں لہٰذا حضور پاکؐ نے اپنے اخلاقِ فاضلہ اور موعظۂ حسنہ سے انہیں اوس و خزرج کے محدود و مسدود درجے سے اٹھا کر ایک بلند ترین درجے پر فائز کر دیا یعنی انہیں انصار بنا دیا' مددگار' مدد و معاون' دست گیر' دستِ راست۔ مہاجر تھوڑے سے تھے' مگر یہ وہ لوگ تھے جو مکہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے اور کفر و ضلالت کی بادِ صرصر میں چٹان کی طرح کھڑے رہے تھے۔ اُن سے ماضی کا خول بالکل اتر چکا تھا اور وہ سر تا پا کندن بن چکے تھے لیکن وہ ایک عجیب صورتِ حال کے مظہر تھے۔ اُن کے کاروبار' مال و منال اور اہل و عیال مکہ میں تھے اور وہ اکثر و بیشتر تن تنہا' بے درم و دام' صرف تن کے کپڑوں میں چھپ چھپا کر مدینہ پہنچ گئے تھے۔ پھر بھی وہ بے حد خوش تھے' مطمئن تھے' مدینۃ النبی تو ان کی منزلِ مقصود تھی اور مجلسِ حبیب ہی ان کا منتہائے حیات تھی! ملال کا شائبہ تک نہ تھا۔ ملال تھا تو ان کے قائد کو' ان کی صعوبتوں' محرومیوں اور تنہائیوں کا احساس تھا تو ان کے میرِ کارواں کو! ایک ایسا میرِ کارواں جس کی نظیر نہ اس سے پہلے ملتی ہے نہ اس کے بعد۔ جو دیکھتا تھا' محسوس کرتا تھا' سوچتا تھا اور پھر دل نوازی و دلداری کا سائبان اتنا وسیع کرتا تھا کہ صدیوں کے دلدر دُور ہو جاتے تھے!

یہ کسی امیر کبیر یا کسی شہزادۂ ذی وقار یا کسی شاہِ تزک و احتشام کا دربار نہیں! یہ ایک سیدھے سادے' عاجز ترین' حساس ترین لیکن مقتدر ترین انسان کا دربار ہے' یہاں چوب داروں اور نقیبوں کا دخل نہیں' یہاں انسان کا براہِ راست انسان سے رابطہ ہے' ایک ایسے خدا مست انسان سے

جو عرشِ بریں پر بھی انسان فراموش نہ ہوا' ایک ایسا انسان جس کی جنبشِ ابر و تقدیر کے شہپر ہیں' جس کی لب کشائی زندگی کی حرکت و حرارت ہے' جس کی سوچ ازل تا ابد محیط ہے اور جس کی دھڑکن سمندروں کا مدوجزر ہے! آں حضورﷺ حضرت انس بن مالک ﷛ کے دولت کدہ پر تشریف فرما ہیں۔ انصار بھی ہیں اور مہاجر بھی۔ آپؐ انصار میں سے ایک کو بلاتے ہیں اور مہاجرین میں سے ایک کو' اور فرماتے ہیں ''یہ تمہارا بھائی ہے'' اور یوں پینتالیس چھیالیس مہاجرین کو پینتالیس انصار کے ساتھ رشتہ مواخات میں پرو دیتے ہیں' اس طرح کہ عمر' مزاج اور سماجی مرتبے کا بھی لحاظ رکھتے ہیں تاکہ یہ سب تسبیحِ وحدت کے دانے بن جائیں اور یوں حضرت ابوبکرؓ حضرت اوسؓ بن ثابت کے' حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف حضرت سعدؓ بن ربیع کے' حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح حضرت سعدؓ بن معاذ کے' حضرت بلالؓ حضرت ابو رویحہؓ کے' حضرت ابو حذیفہؓ بن عتبہ بن ربیعہ' حضرت عبادؓ بن بشیر کے' حضرت مصعبؓ بن عمیر حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے' حضرت سلمان فارسیؓ حضرت ابو درداءؓ کے بھائی قرار پاتے ہیں۔ رسمی یا موروثی بھائی نہیں بلکہ دینی بھائی' اسلامی بھائی۔ آں حضورﷺ کے نامزد کردہ بھائی اسم با مسمیٰ انصار بھائی جنہوں نے اپنے گھر کی سوئیوں سے لے کر اپنے سرسبز و شاداب باغات کے پیڑوں تک کے نصف کو دل و جان سے اپنے مہاجر بھائیوں کے لیے وقف کر دیا' اپنی جائیدادوں کا وارث بنا دیا۔ حتیٰ کہ سعدؓ بن ربیع نے اپنے خداداد بھائی حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے حضور میں اپنی ننگ و ناموس' اپنی دو بیویاں بھی پیش کر دیں کہ وہ جسے پسند فرمائیں اسے طلاق دے دی جائے تاکہ وہ ان کی منکوحہ بن سکے! یہ قابیل و ہابیل والا دنیاوی بھائی چارہ نہ تھا' یہ حضور پاک ﷺ کا قائم کردہ نظامِ مواخات تھا اور اِنما المومنون اخوۃ کی ''جیتی جاگتی'' زندۂ جاوید عملی تصویر! اس مواخات پر' اس اقتصادی تعاون و توازن پر' اس قلبی و نظریاتی یگانگت پر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی معاشرے کو استوار کیا اور اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک غیر فانی اصول اور لاثانی نمونہ بنا دیا کہ جب بھی کوئی معاشرہ رفعت وعظمت کی طرف صعود کرے گا تو اس کی خشتِ اوّل' اس کی بنیاد اسی مواخات پر ہو گی اور جو معاشرہ اس سے برگشتہ ہو جائے گا اور مواخات سے محروم ہو جائے گا تو پھر وہ ٹوٹ پھوٹ جائے گا' بگڑ تگڑ جائے گا' بے نور و بے حضور ہو جائے گا جیسا کہ دورِ حاضر کے ایک ارب مسلمانوں کا معاشرہ ہے' من وعن اوس وخزرج کے معاشرے کی مانند!

یہ الگ بات ہے کہ نہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے حضرت سعدؓ بن ربیع کی اس جاں بازانہ پیشکش کو قبول کیا اور نہ اکثر مہاجرین نے اپنے انصار بھائیوں پر بوجھ ڈالنا پسند کیا۔ صرف

تھوڑی سی مالی امداد اور کاروباری راہنمائی حاصل کر کے خود جدوجہد کی اور کچھ ہی عرصے بعد اپنے اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔ انصار کا جذبۂ امداد بھی اسلام کا مرہونِ منت تھا اور مہاجرین کا جذبۂ ترقی بھی اسلام ہی کا پیدا کردہ تھا اور غالبًا اسلام سادہ ترین الفاظ میں نام ہی باہمی امدادِ باہمی کی ترقی کا ہے۔ ایک ایسی امداد جو امدادِ حسنہ ہو اور ترقی کا پیش خیمہ ہو اور ایک ایسی ترقی جو ترقیِ مستقیم ہو اور جس کا مقصد باہمی امداد ہو!

اُمتِ واحدہ کا تصوّر تاریخ انسان کی منطق کے عین مطابق ہے لیکن یہ ایک زندہ حقیقت اُسی وقت بنے گا جب یہ امن و اخوت پر استوار ہو گا۔ وہ امن جو حضور پاک ﷺ نے صلح نامہ حدیبیہ اور فتح مکہ کی صورت میں قائم کیا جو نصابِ انسانیت کا باب اوّل ہونا چاہیے اور جس پر عبور اور عمل درآمد جابر حکمرانوں اور مملکتوں کے لیے بھی لازمی ہونا چاہیے خواہ وہ چنگیز و ہلاکو ہوں، خواہ امریکہ و روس! وہ اخوت جو سرورِ کائنات ﷺ نے مواخات کے اسلوب سے قائم کی اور جو نصاب انسانیت پسند قوتوں کے لیے لازمی ہونا چاہیے خواہ وہ مسلمان ہوں یا عیسائی، ہندو ہوں یا بدھ، پاکستانی ہوں یا عرب، مغربی ہوں یا مشرقی!!

سوئے من آ که ترا یارِ وفادار منم | هر چه داری بمن آر که خریدار منم
گر تو شادی و دِلت عزم تماشا دارد | برِ من آی که باغ و گل و گلزار منم
وگراز ریخ معاصی دل تو گشته ملول | سوئے من آ که طبیبِ دلِ بیمار منم
بیدلی کم کن و از بیکسیِ خویش منال | که ترا در همه جا دلبرد دلدار منم

ماہنامہ دعوۃ........... اسلام آباد　　　جلد: ١٦　　　شمارہ: ٧۔١٠

نبی کریم ﷺ اپنے گھر میں

سید سلیمان ندویؒ

حضورؐ کا گھر

حضرت عائشہؓ جس گھر میں رخصت ہو کر آئی تھیں‘ وہ کوئی بلند اور عالی شان عمارت نہ تھی۔ بنی نجار کے محلہ میں مسجدِ نبویؐ کے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے متعدد حجرے تھے‘ ان ہی میں سے ایک حجرہ حضرت عائشہؓ کا مسکن تھا۔ یہ حجرہ مسجد کی شرقی جانب واقع تھا۔ اس کا ایک دروازہ مسجد کے اندر غربی رخ اس طرح واقع تھا کہ گویا مسجدِ نبویؐ اس کا صحن بن گئی تھی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی دروازہ سے ہو کر مسجد میں داخل ہوتے تھے۔

حجرہ کی وسعت چھ سات ہاتھ سے زیادہ تھی۔ دیواریں مٹی کی تھیں اور کھجور کی پتیوں اور ٹہنیوں سے مسقف تھا۔ اوپر سے کمبل ڈال دیا گیا تھا کہ بارش کی زد سے محفوظ رہے‘ بلندی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہوتا تو ہاتھ چھت تک پہنچ جاتا۔ دروازہ میں ایک پٹ کا کواڑ تھا‘ لیکن وہ عمر بھر کبھی بند نہ ہوا۔ پردہ کے طور پر ایک کمبل پڑا رہتا تھا۔ حجرہ سے متصل ایک بالا خانہ تھا‘ جس کو مشربہ کہتے تھے۔

گھر کی کل کائنات ایک چارپائی‘ ایک چٹائی‘ ایک بستر‘ ایک تکیہ جس میں چھال بھری تھی‘ آٹا اور کھجور رکھنے کے ایک دو مٹکے‘ پانی کے ایک برتن اور پینے کے ایک پیالہ سے زیادہ نہ تھی۔ مسکن مبارک گو منبعِ انوار تھا لیکن راتوں کو چراغ جلانا بھی صاحبِ مسکن کی استطاعت سے باہر تھا۔ کہتی ہیں کہ چالیس چالیس راتیں گزر جاتی تھیں اور گھر میں چراغ نہیں جلتا تھا۔

گھر میں کل آدمی دو تھے‘ حضرت عائشہؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کچھ دن کے بعد بریرہؓ نامی ایک لونڈی کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

گھر کے کاروبار کے لیے بہت زیادہ اہتمام و انتظام کی ضرورت نہ تھی۔ کھانا پکنے کی بہت کم نوبت آتی تھی۔ خود حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ کبھی تین دن متصل ایسے نہیں گزرے کہ خاندانِ

نبوت نے سیر ہو کر کھانا کھایا ہو۔ فرماتی تھیں، گھر میں مہینہ مہینہ بھر آگ نہیں جلتی تھی، چھوہارے اور پانی پر گزارہ تھا۔ فتحِ خیبر کے بعد آنحضرتؐ نے ازواجِ مطہرات کے سالانہ مصارف کے لیے وظائف مقرر کر دیے تھے۔ ۸۰ وسق (بارِ شتر) چھوہارا اور ۲۰ وسق جو۔ لیکن ایثار و فیاضی کی بدولت سال بھر کے لیے یہ سامان کبھی کافی نہ ہوا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ آپؐ باہر سے تشریف لاتے اور دریافت کرتے کہ عائشہؓ کچھ ہے؟ جواب دیتیں کہ یا رسول اللہﷺ کچھ نہیں۔ اور پھر گھر بھر روزہ ہوتا، کبھی بعض انصار دودھ بھیج دیا کرتے تھے، اسی پر قناعت کر لیتے۔

اس عقل و شعور کے باوجود جو فطرتاً فیاضِ قدرت کی طرف سے ان کو عطا ہوا تھا، کم سنی کی غفلت اور بھول چوک سے وہ بَری نہ تھیں۔ گھر میں آٹا گوندھ کر رکھتیں اور بے خبر سو جاتیں، بکری آتی اور کھا جاتی۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ انھوں نے اپنے ہاتھ سے آٹا پیسا، اس کی ٹکیاں پکائیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا انتظار کرنے لگیں۔ شب کا وقت تھا۔ آپؐ آئے تو نماز میں مشغول ہو گئے۔ ایک پڑوسی کی بکری آئی اور سب کھا گئی۔ دوسری مُسن بیبیوں کے مقابلے میں کھانا بھی اچھا نہیں پکاتی تھیں۔

معاشرتِ ازدواجی

اسلام کا صراطِ مستقیم افراط و تفریط کے وسط سے نکلا ہے۔ وہ نہ عورت کو خدا جانتا ہے، نہ زندگی کی راہ کا کانٹا سمجھتا ہے۔ اس نے عورت کی بہترین تعریف یہ کی کہ وہ مرد کے لیے اس کش مکش گاہِ عالم میں تسکین و تسلی کی روح ہے۔ ''اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے خود تمھاری جنس سے تمھاری بیویاں پیدا کیں کہ تم ان کے پاس پہنچ کر تسلی پاؤ اور اسی نے تم دونوں کے درمیان لطف و محبت پیدا کیا''۔ (روم۳۰:۲۱)

یہ بحث مقصود نہیں کہ اسلام میں عورت کا کیا درجہ ہے اور اس کے کیا حقوق ہیں۔ یہاں ہم کو صرف یہ دکھانا ہے کہ آں حضرتؐ اور حضرت عائشہؓ کی خانگی زندگی میں عملاً ازدواجی تعلقات کا کیا حال تھا۔

آں حضرتؐ فرماتے ہیں: ''تم میں اچھا وہ ہے جو اپنی بیوی کے لیے سب سے اچھا ہے، اور میں اپنی بیویوں کے لیے تم سب سے اچھا ہوں''۔

بیوی سے محبت

آں حضرتؐ حضرت عائشہؓ سے نہایت محبت رکھتے تھے، اور یہ تمام صحابہؓ کو معلوم تھا۔ چناں چہ

لوگ قصداً اسی روز ہدیے اور تحفے بھیجتے تھے، جس روز حضرت عائشہؓ کے ہاں قیام کی باری ہوتی۔ ازواجِ مطہرات کو اس کا ملال ہوتا تھا، لیکن کوئی ٹوکنے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔ آخر سب نے مل کر حضرت فاطمہؓ کو آمادہ کیا۔ وہ پیام لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں۔ آپؐ نے فرمایا، لختِ جگر، جس کو میں چاہوں اس کو تم نہیں چاہو گی! سیدہ عالمؓ کے لیے اتنا ہی کافی تھا، وہ واپس چلی آئیں۔ ازواج نے پھر بھیجنا چاہا، مگر وہ راضی نہ ہوئیں۔ آخر لوگوں نے حضرت امِ سلمہؓ کو بیچ میں ڈالا۔ وہ نہایت سنجیدہ اور متین بی بی تھیں۔ انہوں نے موقع پا کر متانت اور سنجیدگی کے ساتھ درخواست پیش کی۔ آپؐ نے فرمایا، امِ سلمہ، مجھ کو عائشہ کے معاملے میں دق نہ کرو، کیوں کہ عائشہ کے علاوہ کسی اور بیوی کے لحاف میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوئی۔

ایک دفعہ کہیں سے کوئی ہار آیا، آپؐ نے فرمایا، یہ میں اس کو دوں گا جو دنیا میں مجھ کو سب سے محبوب ہو گا۔ سب نے کہا، یہ ابنِ ابی قحافہ کی بیٹی (عائشہؓ) کے ہاتھ لگا۔ لیکن آں حضرتؐ کی پاک و خالص محبت رنگین لباسوں اور طلائی زیوروں کے پردہ میں کبھی نہیں ظاہر ہوئی، اس لیے آپؐ نے وہ ہار اپنی کمسن نواسی، زینبؓ کی صاحب زادی امامہؓ کو عنایت فرمایا۔

ایک دفعہ ایک سفر میں حضرت عائشہؓ کی سواری کا اونٹ بدک گیا اور ان کو لے کر ایک طرف کو بھاگا۔ آں حضرتؐ اس قدر بے قرار ہوئے کہ بے اختیار زبان مبارک سے نکل گیا، واعروسا، ہائے میری دلہن!

اک دفعہ آں حضرتؐ باہر سے تشریف لائے۔ حضرت عائشہؓ کے سر میں درد تھا۔ اس لیے کراہ رہی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا ''ہائے میرا سر''! اسی وقت آں حضرتؐ کی بیماری شروع ہوئی اور یہی آپؐ کا مرض الموت تھا۔ مرض الموت میں بار بار دریافت فرماتے تھے کہ آج کون سا دن ہے۔ لوگ سمجھ گئے کہ حضرت عائشہؓ کی باری کا انتظار ہے۔ چناں چہ آپؐ کو لوگ ان کے حجرے میں لے گئے اور آپؐ تا وفات وہیں مقیم رہے اور وہیں حضرت عائشہؓ کے زانو پر سر رکھے وفات پائی۔

فرمایا کرتے تھے کہ الٰہی، جو چیز میرے امکان میں ہے (یعنی بیویوں میں معاشرت اور لین دین کی برابری) میں اس عدل سے باز نہیں آتا، لیکن جو میرے امکان سے باہر ہے (یعنی عائشہؓ کی قدر و قیمت) اس کو معاف کرنا۔

شوہر سے محبت

حضرت عائشہؓ کو بھی رسول اللہؐ سے نہ صرف شدید محبت تھی بلکہ شغف و عشق تھا، اس محبت کا

کوئی اور دعویٰ کرتا تو ان کو ملال ہوتا تھا۔ کبھی راتوں کو حضرت عائشہؓ بیدار ہوتیں اور آپؐ کو پہلو میں نہ پاتیں تو بے قرار ہو جاتیں۔

ایک بار شب کو آنکھ کھلی تو آپؐ کو نہ پایا۔ راتوں کو گھروں میں چراغ نہیں جلتے تھے' ادھر ادھر ٹٹولنے لگیں۔ آخر ایک جگہ آں حضرتؐ کا قدم مبارک ملا۔ دیکھا تو آپؐ سربسجود مناجاتِ الٰہی میں مصروف ہیں۔ ایک دفعہ اور یہی واقعہ پیش آیا تو شک سے خیال کیا کہ آپؐ کسی اور بیوی کے ہاں تشریف لے گئے ہیں۔ اٹھ کر ادھر اُدھر دیکھنے لگیں۔ دیکھا تو آپؐ تسبیح و تہلیل میں مصروف ہیں۔ اپنے قصور پر نادم ہوئیں' اور بے اختیار زبان سے نکل گیا ''میرے ماں باپ قربان! میں کس خیال میں ہوں اور آپؐ کس عالم میں ہیں''۔

ایک شب کا اور واقعہ ہے کہ آنکھ کھلی تو آں حضرتؐ کو نہ پایا۔ شب کا نصف حصہ گزر چکا تھا۔ اِدھر اُدھر ڈھونڈا' لیکن محبوب کا جلوہ نظر نہیں آیا۔ آخر تلاش کرتی ہوئی قبرستان پہنچیں۔ دیکھا تو آپؐ دعا و استغفار میں مشغول ہیں۔ الٹے پاؤں واپس آئیں اور صبح کو آپؐ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا' ہاں رات کوئی کالی کالی چیز سامنے جاتی معلوم ہوتی تھی' وہ تم ہی تھیں۔

ایک سفر میں حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ دونوں آپؐ کے ساتھ تھیں۔ رات کو بلاناغہ حضرت عائشہؓ کے محمل میں تشریف لاتے' اور جب تک قافلہ چلا کرتا' باتیں کیا کرتے۔ ایک دن حضرت حفصہؓ نے کہا' لاؤ ہم دونوں اپنا اپنا اونٹ بدل لیں۔ رات ہوئی تو حسبِ معمول آپؐ حضرت عائشہؓ کے محمل میں تشریف لائے۔ دیکھا تو حضرت حفصہؓ تھیں۔ آپؐ سلام کر کے بیٹھ گئے۔ حضرت عائشہؓ تشریف آوری کی منتظر تھیں۔ جب قافلہ نے پڑاؤ ڈالا تو حضرت عائشہؓ سے ضبط نہ ہو سکا' محمل سے اتر پڑیں' دونوں پاؤں گھاس پر رکھ دیئے اور بولیں' خداوندا' میں ان کو تو کچھ نہیں کہہ سکتی' تو کوئی بچھو یا سانپ بھیج جو مجھ کو آ کر ڈس لے۔

دیکھو اس فقرہ میں کس قدر نسوانی خصوصیات کی جھلک ہے۔

غزوۂ موتہ میں حضرت جعفر طیارؓ کی شہادت کی خبر آئی تو آپؐ کو سخت ملال ہوا۔ اسلام میں نوحہ ممنوع ہے۔ ایک صاحب نے آ کر اطلاع دی کہ حضرت جعفرؓ کے ہاں عورتیں نوحہ کر رہی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا' منع کر دو۔ وہ گئے اور واپس آئے کہ نہیں مانتیں۔ آپؐ نے فرمایا' ان کے منہ میں خاک ڈال دو۔ وہ پھر گئے اور واپس آ کر کچھ کہنے لگے۔ حضرت عائشہ دروازہ کی دراز سے دیکھ رہی تھیں اور بے قرار ہو رہی تھیں کہ نہ یہ صاحب جو آپؐ کہتے ہیں وہ کرتے' اور نہ آپؐ کی جان چھوڑ

کر جاتے۔

آپؐ اکثر حضرت عائشہؓ کے زانو پر سر رکھے سو جاتے۔ آپؐ ایک دفعہ اسی طرح آرام فرما رہے تھے کہ ایک خاص سبب سے حضرت ابوبکرؓ غصہ میں اندر تشریف لائے اور بیٹی کے پہلو میں کونچا دیا۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں صرف اس خیال سے نہیں ہلی کہ آپؐ کے خوابِ راحت میں خلل واقع ہوگا۔

بیوی کی مدارات

آں حضرتؐ کی زندگی انسانی معاشرت کے لیے نمونہ تھی' اس بنا پر' صرف اس تعلیم کے لیے' کہ شوہر کو اپنی بیوی کی خوشنودی کی کس طرح کوشش کرنی چاہیے' آپؐ کبھی کبھی ان کے ساتھ غیر معمولی انبساط کے ساتھ پیش آتے تھے۔

آپؐ حضرت عائشہؓ کے کھیل کود پر بھی مسرت ظاہر فرماتے تھے۔ (کہتی ہیں: میں رسول اللہؐ کے پاس گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی۔ پھر جب آپؐ تشریف لاتے تو میری سہیلیاں شرم سے چھپ جایا کرتی تھیں۔ آپؐ انہیں میرے پاس بھیجا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپؐ تشریف لائے تو گھر کے بڑے طاق پر پردہ پڑا تھا' جس کا ایک کونہ ہوا سے کھل گیا' اور حضرت عائشہ کی گڑیاں نظر آئیں۔ حضورؐ نے پوچھا' عائشہ، یہ کیا ہے؟ بولیں' یہ میری گڑیاں ہیں۔ ان گڑیوں میں آپؐ نے ایک گھوڑا دیکھا جس کے دو پر تھے۔ پوچھا' یہ میں ان گڑیوں کے درمیان کیا دیکھ رہا ہوں؟ بولیں' یہ گھوڑا ہے۔ فرمایا' اس کے یہ پر کیسے ہیں؟ بولیں' کیا آپؐ نے سنا نہیں کہ حضرت سلیمانؑ کے گھوڑے کے پر تھے؟ یہ سن کر حضورؐ ہنس پڑے)۔

حضرت عائشہؓ نے ایک انصاری لڑکی کی پرورش فرمائی تھی۔ اس کی شادی ہونے لگی تو اس تقریب کو معمولی سادگی کے ساتھ انجام دینے لگیں۔ آپؐ باہر سے تشریف لائے' تو فرمایا ''عائشہ گیت اور راگ تو ہے نہیں''۔

ایک دفعہ عید کا دن تھا۔ حبشی عید کی خوشی میں نیزے ہلا ہلا کر پہلوانی کے کرتب دکھا رہے تھے۔ حضرت عائشہ نے یہ تماشا دیکھنا چاہا۔ کہتی ہیں: میں نے نبی کریمؐ کو دیکھا کہ آپؐ میرے گھر کے دروازہ پر کھڑے ہیں۔ رسول اللہؐ نے اپنی چادر سے پردہ کر دیا تاکہ میں ان کا کھیل دیکھ لوں۔ میں آپؐ کے پیچھے کھڑی ہو گئی اور آپؐ کے کان اور مونڈھے کے درمیان کھیل دیکھنے لگی۔ آپؐ اس وقت تک میری خاطر کھڑے رہے' جب تک میں کھڑی رہی۔ تم خود ہی اندازہ کر لو کہ ایک نوجوان

لڑکی جو کھیل تماشا کی شائق ہو' کتنی دیر کھڑی رہی ہو گی۔

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ بڑھ کر بول رہی تھیں۔ اتفاق سے حضرت ابوبکرؓ آ گئے۔ انہوں نے یہ گستاخی دیکھی تو اس قدر برہم ہوئے کہ بیٹی کو مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوراً آڑے ہو گئے۔ جب حضرت ابوبکرؓ چلے گئے تو فرمایا کہو میں نے تم کو کیسا بچایا۔

ایک دفعہ ایک لونڈی کو لیے ہوئے آپؐ حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے' پھر پوچھا کہ تم اس کو پہچانتی ہو' عرض کیا' نہیں یا رسول اللہؐ۔ فرمایا' کہ فلاں شخص کی لونڈی ہے' تم اس کا گانا سننا چاہتی ہو۔ انہوں نے اپنی مرضی ظاہر کی۔ وہ تھوڑی دیر تک گاتی رہی۔ آپؐ نے گانا سن کر فرمایا' اس کے نتھنوں میں شیطان باجا بجاتا ہے۔ یعنی اس قسم کے گانے کو آپؐ نے بذاتہٖ مکروہ سمجھا۔

دل بہلانا

کبھی کبھی دل بہلانے کو آپؐ کہانی بھی کہا کرتے تھے۔ ایک دفعہ اثنائے گفت گو میں خرافہ کا نام آیا۔ فرمایا' خرافہ کو جانتی ہو کون تھا؟ قبیلہ عذرہ کا ایک آدمی تھا' اس کو جن اٹھا کر لے گئے۔ وہاں اس نے جو بڑے بڑے عجائبات دیکھے تھے' واپس آ کر ان کو لوگوں سے بیان کیا تھا۔ اس بنا پر جب کوئی عجیب بات آپ لوگ سنتے ہیں تو کہتے ہیں' یہ تو خرافہ کی بات ہے۔

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے کہانی کہنی شروع کی۔ (یہ کہانی گیارہ سہیلیوں کے بارہ میں تھی' جو ایک دن مل بیٹھی تھیں۔ باہم طے پایا کہ ہر ایک اپنے اپنے شوہر کا حال بے کم و کاست سنائے۔ چناں چہ ہر ایک نے اپنے شوہر کا حال بیان کیا۔ حضرت عائشہؓ نے ساری کہانیاں سنائیں۔ آخری عورت امِ زرع نے اپنے شوہر کی بے حد تعریف کی)۔ آں حضرتؐ تحمل کے ساتھ دیر تک یہ کہانی سنتے رہے۔ پھر فرمایا' عائشہؓ میں تمہارے لیے ویسا ہی ہوں' جیسا ابو زرع' ام زرع کے لیے۔

لیکن عین اس وقت جب آپؐ اسی قسم کی لطف و محبت کی باتوں میں مصروف ہوتے' دفعتہً اذان کی آواز آتی' آپؐ اٹھ کھڑے ہوتے۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ پھر یہ معلوم ہوتا کہ آپؐ ہم کو پہچانتے ہی نہیں۔

(بے تکلفی کا یہ عالم تھا' کہتی ہیں کہ ''میں نبی اکرمؐ کے سامنے اس انداز میں سوئی ہوتی تھی کہ میرے پیر آپؐ کے قبلہ کی جگہ ہوتے تھے۔ جب آپؐ سجدہ کرنے لگتے تو ہاتھ سے اشارہ کرتے' تو میں اپنے پاؤں سمیٹ لیا کرتی۔ جب آپؐ کھڑے ہو جاتے تو میں دوبارہ پھیلا لیتی۔ ان دنوں

ہمارے گھروں میں چراغ نہ ہوتے تھے"۔ مزید فرمایا:"رسول اللہؐ نماز کے لیے وضو کر کے نکلتے تو مجھے بوسہ دیتے' اور پھر نماز کے لیے تشریف لے جاتے' اور دوبارہ وضو نہ کرتے"۔

ساتھ کھانا

آپؐ اکثر حضرت عائشہؓ کے ساتھ ایک دستر خوان' بلکہ ایک ہی برتن میں کھانا کھاتے تھے۔ ایک دفعہ ایک ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ حضرت عمرؓ گزرے۔ آپ نے ان کو بھی بلا لیا' اور تینوں نے ایک ساتھ کھانا کھایا۔ (اس وقت تک پردہ کا حکم نہیں آیا تھا) کھانے میں بھی محبت کا یہ عالم تھا۔ (کہتی ہیں: نبی کریمؐ مجھ سے برتن لے کر اسی جگہ منہ مبارک رکھ کر پانی پیتے' جہاں سے میں نے پیا ہوتا۔ اسی طرح میں ہڈی سے گوشت کترتی تو اس کے بعد نبی کریمؐ مجھ سے ہڈی لیتے اور اسی جگہ منہ مبارک رکھ کر گوشت کھاتے جہاں سے میں نے کھایا ہوتا۔ (حالانکہ آپ حائضہ ہوتیں)۔ راتوں کو گھر میں چراغ نہیں جلتا تھا' اس لیے کبھی کبھی دونوں کا ہاتھ ایک ہی بوٹی پر پڑ جاتا تھا۔

ایک دفعہ ایک ایرانی پڑوسی نے آپؐ کی دعوت کی' آپؐ نے فرمایا' عائشہؓ بھی ہوں گی؟ اس نے کہا' نہیں۔ ارشاد ہوا' تو میں بھی قبول نہیں کرتا۔ میزبان دوبارہ آیا' اور یہی سوال و جواب ہوا' اور وہ واپس چلا گیا تیسری دفعہ پھر آیا۔ آپؐ نے پھر فرمایا' عائشہؓ کی بھی دعوت ہے؟ عرض کیا' جی ہاں! اس کے بعد آپؐ اور حضرت عائشہؓ اس کے گھر گئے۔

سفر میں تمام ازواج تو ساتھ نہیں رہ سکتی تھیں اور کسی کو خاص طور پر ترجیح دینا بھی خلاف انصاف تھا' اس بنا پر آپؐ سفر کے وقت قرعہ ڈالتے تھے۔ جن کا نام آتا وہ شرفِ ہمراہی سے ممتاز ہوتیں۔ حضرت عائشہؓ بھی متعدد سفروں میں آپؐ کے ساتھ رہی ہیں۔ حدیبیہ کے سفر میں بھی حضرت عائشہؓ ہمراہ تھیں' اور حجۃ الوداع میں تو اکثر ازواج ساتھ تھیں' جن میں ایک یہ بھی تھیں۔

ساتھ دوڑنا

ایک غزوہ میں حضرت عائشہؓ رفیقِ سفر تھیں۔ تمام صحابہؓ کو آگے بڑھ جانے کا حکم دیا۔ حضرت عائشہؓ سے فرمایا' آؤ دوڑیں' دیکھیں کون آگے نکلتا ہے۔ یہ دبلی پتلی تھیں' آگے نکل گئیں۔ کئی سال کے بعد اسی قسم کا پھر ایک موقع آیا۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ اب میں بھاری بھرکم ہو گئی تھی۔ اب کی بار آں حضرتؐ آگے نکل گئے اور فرمایا' عائشہ یہ اس دن کا جواب ہے۔

ناز و انداز

دریائے محبت کی بہت سی لہریں عورت کی خالص نسوانی خصوصیات کے اندر پنہاں ہیں۔ ناز و

انداز عورت کی فطرت ہے۔ اس قسم کے واقعات جو احادیث میں مذکور ہیں' لوگ ان کو قابلِ تنقید سمجھتے ہیں۔ وہ ان کو اس نظر سے دیکھتے ہیں کہ ایک امتی کا اپنے پیغمبر کے ساتھ یہ خطاب ہے' اور اس کو بھول جاتے ہیں کہ ایک بیوی اپنے شوہر سے باتیں کر رہی ہے۔ چناں چہ اس قسم کے جو چند واقعات صحاح میں ہیں' وہ اسی حیثیت کے ہیں اور ان کو اسی نظر سے پڑھنا اور سمجھنا چاہیے۔

فرماتی ہیں کہ جب یہ حکم اترا کہ اگر کوئی عورت اپنے آپ کو پیغمبر کے حوالے کر دے (یعنی مہر معاف کر کے زوجیت میں داخل ہو) تو جائز ہے' تو مجھے غیرت آئی کہ کیا کوئی عورت ایسا بھی کر سکتی ہے۔ لیکن جب ارجاء کی آیت اتری' جس میں آپؐ کو اختیار دیا گیا تھا کہ آپؐ جس بیوی کو چاہیں پاس بلائیں یا اس کے پاس رات گزاریں اور جس کو چاہیں نہ بلائیں' تو میں نے کہا کہ ''آپؐ کا خدا' دیکھتی ہوں کہ آپؐ کی ہر خواہش کو جلد پوری کر دیتا ہے''۔ (حضرت عائشہؓ کے اس قول کا منشا نعوذباللہ اعتراض نہیں بلکہ بیوی کا محبوبانہ ناز ہے۔ آں حضرتؐ کا معمول اس اجازتِ الٰہی کے بعد بھی یہی رہا۔ آپؐ ہر روز ازواج سے باری کی اجازت طلب فرما لیا کرتے تھے)۔

آپؐ حضرت خدیجہؓ کو اکثر یاد کیا کرتے تھے' جس سے دوسری مدعیِ محبت بیویوں کو تکلیف ہوتی تھی۔ ایک دفعہ آں حضرتؐ نے حضرت خدیجہؓ کی تعریف شروع کی' اور بہت دیر تک تعریف فرماتے رہے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ مجھے اس پر رشک آیا' تو میں نے کہا' یا رسول اللہؐ، آپؐ قریش کی بوڑھیوں میں سے ایک بوڑھی عورت کا' جس کے ہونٹ لال تھے اور جس کو مرے ہوئے ایک زمانہ ہو چکا' اتنی دیر سے اتنی تعریف فرما رہے تھے' آپؐ کو ان سے بہتر بیویاں خدا نے دی ہیں۔ یہ سن کر حضورؐ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ پھر فرمایا' یہ میری وہ بیوی تھی کہ جب لوگوں نے میرا انکار کیا تو وہ ایمان لائی' اور جب لوگ مجھے جھٹلا رہے تھے تو اس نے میری تصدیق کی' اور جب لوگ مجھے اپنی امداد سے محروم کر رہے تھے تو اس نے اپنی دولت سے میری غم خواری کی' اور اس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد عطا کی' جب کہ دوسری بیویوں سے مجھے اولاد سے محروم کیا۔

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے سر میں درد تھا۔ آں حضرتؐ کا مرض الموت شروع ہو رہا تھا' آپؐ نے فرمایا کہ اگر تم میرے سامنے مرتیں' تو میں تم کو اپنے ہاتھ سے غسل دیتا' اور اپنے ہاتھ سے تمہاری تجہیز و تکفین کرتا' تمہارے لیے دعا کرتا۔ عرض کیا' یا رسول اللہؐ آپ میری موت مناتے ہیں' اگر ایسا ہو جائے تو آپؐ اسی حجرے میں نئی بیوی لا کر رکھیں۔ آں حضرتؐ نے یہ سن کر تبسم فرمایا۔

کہیں سے کوئی قیدی گرفتار ہو کر آیا تھا اور وہ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں بند تھا۔ یہ

اِدھر عورتوں سے باتیں کر رہی تھیں، وہ اُدھر لوگوں کو غافل پا کر نکل بھاگا۔ آپؐ تشریف لائے تو گھر میں قیدی کو نہ پایا۔ دریافت کیا تو واقعہ معلوم ہوا۔ غصہ میں فرمایا ''تمہارے ہاتھ کٹ جائیں''۔ پھر باہر نکل کر صحابہؓ کو خبر کی۔ وہ گرفتار ہو کر آیا۔ آپؐ جب اندر تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت عائشہؓ اپنے ہاتھوں کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہی ہیں۔ پوچھا، عائشہ کیا کرتی ہو۔ عرض کیا ''دیکھتی ہوں کہ کون سا ہاتھ کٹے گا''۔ آپؐ متاثر ہوئے اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔

آپؐ نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ عائشہؓ جب تم مجھ سے خوش رہتی ہو یا ناراض ہوتی ہو تو مجھ کو پتا لگ جاتا ہے۔ ناراض ہوتی ہو تو، ابراہیم کے خدا کی قسم، اور خوش رہتی ہو تو محمدؐ کے خدا کی قسم، کھاتی ہو۔ عرض کیا یا رسول اللہؐ صرف زبان سے نام چھوڑ دیتی ہوں۔

خدمت گزاری

گھر میں اگرچہ خادمہ موجود تھی، لیکن حضرت عائشہؓ آپؐ کا کام خود اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں، آٹا خود پیستی تھیں، خود گوندھتی تھیں، کھانا خود پکاتی تھیں، بستر اپنے ہاتھ سے خود بچھاتی تھیں۔ وضو کا پانی خود لا کر رکھتی تھیں۔ آپؐ قربانی کے جو اونٹ بھیجتے، ان کے لیے خود قلادہ بٹتی تھیں۔ آں حضرتؐ کے سر میں اپنے ہاتھ سے کنگھا کرتی تھیں۔ جسم مبارک میں عطر مل دیتی تھیں۔ آپؐ کے کپڑے اپنے ہاتھ سے دھوتی تھیں۔ سوتے وقت مسواک اور پانی سرہانے رکھتی تھیں، مسواک کو صفائی کی غرض سے دھویا کرتی تھیں۔ گھر میں آپؐ کا کوئی مہمان آتا تو مہمانی کی خدمت انجام دیتیں۔ چناں چہ حضرت قیس غفاریؓ جو صفہ والوں میں سے تھے، بیان کرتے ہیں کہ ایک دن آں حضرتؐ نے ہم لوگوں سے فرمایا کہ چلو عائشہ کے گھر چلو۔ جب حجرہ میں پہنچے تو فرمایا، عائشہ ہم لوگوں کو کھانا کھلاؤ۔ جو چونی کا پکا ہوا کھانا لائیں۔ آپؐ نے کھانے کی کوئی اور چیز مانگی، تو چھوہارے کا حریرہ پیش کیا۔ پھر پینے کی چیز مانگی تو ایک بڑے پیالے میں دودھ حاضر کیا۔ اس کے بعد ایک اور چھوٹے پیالے میں پانی لائیں۔

(خود نبی کریمؐ گھر کے کاموں میں پوری طرح شریک رہتے تھے۔ فرماتی ہیں: رسول اللہؐ اپنی جوتیاں خود گانٹھ لیتے تھے، اپنا کپڑا خود سی لیتے تھے، اور اپنے گھر میں اسی طرح کام کرتے تھے جس طرح تم کرتے ہو۔ (فرمایا) آپؐ آدمیوں میں سے ایک آدمی ہی تھے۔ اپنے کپڑوں کی جوئیں تک خود دیکھ لیتے تھے، اپنی بکری خود دوہ لیتے تھے، اور اپنے کام خود کر لیتے تھے)۔

احکام کی پیروی

حضرت عائشہؓ نے نو برس کی شب و روز کی طویل صحبت میں آپؐ کے کسی حکم کی کبھی مخالفت نہیں کی بلکہ انداز و اشارہ سے بھی کوئی بات ناگوار سمجھی تو فوراً ترک کر دی۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے بڑے شوق سے دروازہ پر ایک مصور پردہ لٹکایا۔ آپؐ نے اندر داخل ہونے کا قصد کیا تو پردہ پر نظر پڑی' فوراً تیوری پر بل پڑ گئے' حضرت عائشہؓ یہ دیکھ کر سہم گئیں' عرض کیا' یا رسول اللہ! قصور معاف' مجھ سے کیا خطا سرزد ہوئی۔ فرمایا' جس گھر میں تصویریں ہوں فرشتے نہیں داخل ہوتے۔ یہ سن کر حضرت عائشہ نے فوراً پردہ چاک کرڈالا اور اس کو اور مصرف میں لے آئیں۔

واقعہ اِفک

(یاد رہے کہ واقعہ اِفک میں منافقین نے حضرت عائشہؓ پر الزام لگا کر' خانۂ نبویؐ میں آگ لگانے اور اسلام کے اتحاد میں رخنہ ڈالنے کی مہم چلائی۔ یہ دور حضورؐ کے لیے سخت آزمائش کا دور تھا)۔

آپؐ حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ بسترِ علالت پر پڑی تھیں۔ آنکھیں آنسوؤں سے پرنم تھیں۔ والدین داہنے بائیں تیمارداری میں مصروف تھے۔ آپؐ قریب جا کر بیٹھ گئے اور حضرت عائشہؓ سے خطاب کر کے فرمایا' عائشہ اگر تم مجرم ہو تو توبہ کرو' خدا قبول کرے گا۔ ورنہ خدا خود تمہاری طہارت اور پاکی کی گواہی دے گا۔ والدین کو اشارہ کیا کہ آپؐ کو جواب دیں' لیکن ان سے کچھ کہتے نہ بنا۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میرے آنسو دفعتہً خشک ہو گئے' ایک قطرہ بھی آنکھوں میں نہ تھا' دل نے اپنی براءت کے یقین کی بنا پر اطمینان محسوس کیا' پھر خود جواب میں اس طرح گویا ہوئیں' اگر میں اقرار کر لوں' حالانکہ خدا خوب جانتا ہے کہ میں بالکل بے گناہ ہوں' تو اس الزام کے صحیح ہونے میں کس کو شک رہ جائے گا؟ اگر انکار کروں تو لوگ کب باور کریں گے؟ میرا حال اس وقت یوسفؑ کے باپ ـــــ کہتی ہیں کہ سوچنے پر بھی حضرت یعقوبؑ کا نام یاد نہ آیا ـــــ کا سا ہے' جنہوں نے کہا تھا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ۔

اب وہ وقت تھا کہ عالمِ غیب کی زبان گویا ہو' بالآخر وہ گویا ہوئی۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آپؐ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی' پھر مسکراتے ہوئے سر اٹھایا۔ پیشانی پر پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلک رہے تھے' اور آیتیں (جو نازل ہوئی تھیں) تلاوت فرمائیں۔

(ماں نے کہا' لو بیٹی' اٹھو اور شوہر کے قدم لو۔ تنک کر نسوانی غرور و ناز کے ساتھ جواب دیا' میں صرف اپنے خدا کی شکرگزار ہوں جس نے میری براءت ظاہر فرمائی' کسی اور کی ممنون نہیں)۔

تحریم، ایلا اور تخییر

تحریم

معمول شریف یہ تھا کہ نماز عصر کے بعد تھوڑی تھوڑی دیر تمام ازواج کے پاس جا کر بیٹھتے تھے۔ اگرچہ آپؐ کے عدل کا یہ حال تھا کہ ذرا کسی کی طرف پلہ جھک نہیں سکتا تھا—— لیکن اتفاقاً حضرت زینبؓ کے ہاں چند روز تک معمول سے زیادہ دیر تک تشریف فرما رہے—— اس لیے اوقاتِ مقررہ پر تمام ازواج کو آپؐ کی آمد کا انتظار رہتا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت زینبؓ کے کسی عزیز نے شہد بھیجا ہے۔ چوں کہ شہد آپؐ کو بے انتہا مرغوب ہے، وہ روز آپؐ کے سامنے شہد پیش کرتی ہیں اور آپؐ اخلاق سے انکار نہیں فرماتے۔ اس سے روزانہ معمول میں ذرا فرق آ گیا ہے۔

حضرت عائشہؓ نے حضرت حفصہؓ اور حضرت سودہؓ سے ذکر کیا کہ اس کی کوئی تدبیر کرنی چاہیے۔ آپؐ نظافت پسند تھے، ذرا سی بو بھی نہایت ناگوارِ خاطر ہوتی تھی۔ شہد کی مکھیاں جس قسم کا پھول چوستی ہیں شہد کی مٹھاس میں اسی قسم کی لذت اور بو ہوتی ہے۔ عرب میں مغافیر ایک قسم کا پھول ہوتا ہے جس کی بو میں ذرا نبیذ کی سی کرختگی ہوتی ہے۔ حضرت عائشہؓ نے دونوں کو سمجھا دیا کہ آں حضرتؐ جب تشریف لائیں تو پوچھنا چاہیے کہ یا رسول اللہ، آپ کے منہ سے یہ بو کیسی آتی ہے؟ جب آپؐ یہ فرمائیں کہ شہد کھایا ہے، تو کہنا چاہیے کہ شاید مغافیر کا شہد ہے۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا اور آپؐ کو شہد سے کراہت پیدا ہوئی اور عہد کیا کہ اب شہد نہ کھاؤں گا۔

اگر یہ عام انسانوں کا واقعہ ہوتا تو کوئی ایسی بات نہ تھی لیکن یہ ایک شارعِ اعظم کا فعل تھا جس کی ایک ایک بات پر بڑے بڑے قانون کی بنیاد پڑ جاتی ہے، اس لیے خدائے پاک نے اس پر عتاب فرمایا اور سورہ تحریم کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں۔

ایلا

تحریم ہی کے سلسلہ میں ایلا کا واقعہ پیش آیا۔ اس وقت عرب کے دور دراز صوبے زیرِ نگیں ہو چکے تھے۔ مالِ غنیمت، فتوحات اور سالانہ محاصل کا بے شمار ذخیرہ وقتاً فوقتاً مدینہ آتا رہتا تھا۔ بایں ہمہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی جس زہد و قناعت کے ساتھ بسر ہوتی تھی، اس کا ایک دھندلا سا خاکہ خانہ داری کے عنوان میں گزر چکا ہے۔

فتحِ خیبر کے بعد' غلہ اور کھجوروں کی جو مقدار ازواجِ مطہراتؓ کے لیے مقرر تھی ایک تو وہ خود کم تھی' پھر فیاضی اور کشادہ دستی کے سبب سال بھر تک بہ مشکل کفایت کر سکتی تھی۔ آئے دن گھر میں فاقہ ہوتا تھا۔ ازواج مطہراتؓ میں بڑے بڑے رؤسائے قبائل کی بیٹیاں بلکہ شہزادیاں داخل تھیں' جنہوں نے اس سے پہلے خود اپنے یا اپنے شوہروں کے گھروں میں ناز و نعم کی زندگیاں بسر کی تھیں اس لیے انہوں نے مال و دولت کی یہ بہتات دیکھ کر آپؐ سے مصارف میں اضافہ کی خواہش کی۔

یہ واقعہ حضرت عمرؓ نے سنا تو نہایت مضطرب ہوئے۔ پہلے اپنی صاحب زادی کو سمجھایا کہ تم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مصارف کا تقاضا کرتی ہو' تم کو جو کچھ مانگنا ہو' مجھ سے مانگو۔ خدا کی قسم' حضورؐ میرا لحاظ فرماتے ہیں ورنہ تم کو طلاق دے دیتے۔ اس کے بعد عمرؓ ایک ایک بی بی کے دروازے پر گئے اور ان کو نصیحت کی۔ حضرت ام سلمہؓ نے کہا' عمر! تم ہر چیز میں تو دخل دیتے ہی تھے اب آپؐ کی بیویوں کے معاملہ میں بھی دخل دیتے ہو۔ حضرت عمرؓ اس جواب سے افسردہ ہو کر خاموش ہو گئے۔

ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ بیچ میں آپؐ ہیں اور ادھر اُدھر بیویاں بیٹھی ہیں اور مصارف کی مقدار بڑھانے پر مصر ہیں۔

(آپؐ اس وقت فکر مند اور خاموش تھے۔ (راوی کا بیان ہے) حضرت عمرؓ نے اپنے دل میں کہا کہ میں کوئی ایسی بات کہوں جس سے نبی کریمؐ ہنس پڑیں۔ آخر انہوں نے کہا: یا رسول اللہ' اگر بنتِ خارجہ (حضرت عمر کی بیوی) مجھ سے زیادہ خرچ مانگے تو میں کھڑے ہو کر اس کی گردن مروڑ دوں۔ رسول اللہؐ یہ سن کر ہنس پڑے' اور فرمایا: یہ عورتیں جو میرے گرد بیٹھی ہیں' مجھ سے زیادہ خرچ مانگ رہی ہیں! یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے کھڑے ہو کر حضرت عائشہؓ کی گردن پر ہاتھ مارا' اور حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر حضرت حفصہؓ کی گردن پر۔ دونوں نے کہا: تم رسول اللہؐ سے وہ مانگتی ہو جو آپؐ کے پاس نہیں)۔ انہوں نے عرض کیا ہم آئندہ کبھی بھی آں حضرتؐ کو زائد مصارف کے لیے تکلیف نہ دیں گے۔

دیگر ازواج اپنے مطالبہ پر قائم رہیں۔ اتفاقاً اسی زمانہ میں آپؐ گھوڑے سے گر پڑے' پہلوئے مبارک میں ایک درخت کی جڑ سے خراش آ گئی۔ حضرت عائشہؓ کے حجرہ سے متصل ایک بالاخانہ تھا' جو گویا ان گھروں کا توشہ خانہ تھا' آں حضرتؐ نے یہیں قیام فرمایا' اور عہد کیا کہ ایک مہینہ تک ازواجِ مطہراتؓ سے نہ ملیں گے۔ منافقین نے مشہور کر دیا کہ آپؐ نے بیویوں کو طلاق دے

دی۔ صحابہؓ مسجد میں جمع ہو گئے' گھر گھر ایک ہنگامہ برپا ہو گیا' ازواجِ مطہراتؓ رو رہی تھیں۔ صحابہؓ میں سے کسی نے خود آپؐ سے واقعہ کی تحقیق کی جرأت نہ کی۔

حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو وہ مسجدِ نبویؐ میں آئے۔ تمام صحابہؓ ملول اور چپ تھے۔ حضرت عمرؓ نے آں حضرتؐ کی خدمت میں باریابی کی اجازت چاہی' دوبار کوئی جواب نہ ملا' تیسری دفعہ اجازت ہوئی۔ دیکھا کہ آں حضرتؐ ایک کھری چارپائی پر لیٹے ہیں' جسم مبارک پر بان سے بدھیاں پڑ گئی ہیں۔ ادھر ادھر نظر اٹھا کر دیکھا تو رحمتِ عالمؐ کے توشہ خانہ میں چند مٹکے برتن اور چند سوکھی مشکوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہ دیکھ کر ان کی آنکھیں بھر آئیں' اور عرض کیا' یا رسول اللہؐ! کیا آپؐ نے بیویوں کو طلاق دے دی۔ ارشاد ہوا، نہیں۔ عرض کیا' میں یہ بشارت عام مسلمانوں کو نہ سنا دوں؟ اجازت پا کر زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا۔

یہ مہینہ ۲۹ روز کا تھا۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں' میں ایک ایک روز گنتی تھی۔ ۲۹ دن ہوئے تو آپؐ بالا خانہ سے اتر آئے۔ سب سے پہلے حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ انہوں نے عرض کیا' یا رسول اللہؐ، آپ نے ایک مہینہ کے لیے عہد فرمایا تھا' ابھی تو انتیس ہی دن ہوئے ہیں۔ ارشاد ہوا' مہینہ کبھی ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔

تخییر

(اللہ تعالیٰ نے ازواجِ مطہرات کو دنیوی سازو سامان لے کر رخصتی کا اختیار دیا' تو) آپؐ سب سے پہلے حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ عائشہؓ میں تمہارے سامنے ایک بات پیش کرنا چاہتا ہوں' اس کا جواب اپنے والدین سے مشورہ کر کے دینا۔ عرض کیا' ارشاد فرمایئے۔ آپؐ نے آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ گزارش کی کہ یا رسول اللہؐ، میں کس امر میں اپنے والدین سے مشورہ لوں۔ میں خدا اور اس کے رسولؐ، کو اختیار کرتی ہوں۔ یہ جواب سن کر آپؐ کے چہرے پر خوشی کے آثار نمایاں ہوئے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا ''یا رسول اللہؐ، میرا جواب دوسری بی بیوں پر ظاہر نہ ہو''۔ ارشاد ہوا کہ'' میں معلم بن کر آیا ہوں' جابر بن کر نہیں آیا''۔

ہے ان کی یاد کا عالم بھی بندگی کی طرح
غموں میں بھی مجھے لذّت سی ہے خوشی کی طرح

جو نام لیوا ہے ان کا دور ہو کہ قریب
نظر ہر ایک پہ ہے مخصوص امتی کی طرح

یہ آرزو ہے درِ مصطفیٰ پہ دم نکلے
یہ فرض بھی ہو ادا، قرضِ زندگی کی طرح

غمِ رسول فروزاں ہے جن کے سینوں میں
وہ ظلمتوں سے گزرتے ہیں روشنی کی طرح

عیاں ہیں جن پہ شہادت کے راز اے دانش
وہ لوگ موت پہ گرتے ہیں زندگی کی طرح

(احسان دانشؒ)

ماہنامہ دعوۃ........... اسلام آباد　　　　جلد: ۱٦　　شمارہ: ۷۔۱۰

رسولِ رحمت ﷺ کاشانہ نبوی میں

نعیم صدیقیؒ

اکثر بڑے لوگ وہ کہلاتے ہیں جو پبلک لائف کے لیے ایک مصنوعی کردار کا جبہ پہنے رکھتے ہیں، جو نجی زندگی میں اتر جاتا ہے۔ باہر دیکھیے تو بڑی آن بان ہے، گھر پہنچے تو انتہائی پستی میں جا گرے۔ باہر سادگی اور تواضع دکھائی، گھر کو پلٹے تو عیش و نعم میں ڈوب گئے۔ پبلک اور پرائیویٹ زندگی میں کسی شخص کے ہاں جتنا زیادہ اختلاف اور فاصلہ ہو، اتنا ہی اس کا مرتبہ ادنیٰ ہوتا ہے۔ حضورؐ کو دیکھیے تو ایک ہی رنگ گھر میں بھی ہے اور گھر سے باہر بھی۔

حضرت عائشہؓ سے کسی نے دریافت کیا: ''رسولِ خداﷺ اپنے گھر میں کیا کیا کرتے تھے؟'' انہوں نے جواب میں فرمایا: ''آپؐ آدمیوں میں سے ایک آدمی تھے۔ اپنے کپڑوں کی دیکھ بھال خود ہی کر لیتے، بکری کا دودھ خود دوہتے اور اپنی ضرورتیں خود ہی پوری کر لیتے۔ نیز اپنے کپڑوں کو خود ہی پیوند لگا لیتے۔ اپنے جوتے کی مرمت کر لیتے اور یہ کہ اپنے ڈول کو ٹانکے لگا لیتے، بوجھ اٹھاتے، جانوروں کو چارہ ڈالتے، کوئی خادم ہوتا تو اس کے ساتھ مل کر کام کرا دیتے، مثلاً اسے آٹا پسوا دیتے، کبھی اکیلے ہی مشقت کر لیتے۔ بازار جانے میں عار نہ تھی۔ خود ہی سودا سلف لاتے اور ضرورت کی چیزیں ایک کپڑے میں باندھ کر اٹھا لاتے''۔

لوگوں نے یہ بھی دریافت کیا کہ رسولِ خداﷺ جب گھر میں ہوتے تو کیا رنگ رہتا؟ حضرت عائشہؓ بتاتی ہیں الین الناس بساما ضاحکا (سب سے زیادہ نرم خو، متبسم، خندہ جبین)۔ اور اس نرم خوئی کی شان یہ تھی کہ ''کبھی کسی خادم کو جھڑکا نہیں''۔ حق یہ ہے کہ ''رسولِ خداﷺ سے بڑھ کر کوئی بھی اپنے اہل و عیال کے لیے شفیق نہ تھا''۔ (مسلم)

ایک بار حضرت امام حسینؓ کے پوچھنے پر حضرت علیؓ نے بیان کیا کہ رسولِ خداﷺ گھر میں

آتے تو اپنا وقت تین طرح کے کاموں میں صرف کرتے' کچھ وقت خدا کی عبادت میں صرف ہوتا' کچھ وقت اہل و عیال کے لیے تھا اور کچھ وقت اپنے آرام کے لیے۔ پھر انہی اوقات میں سے ایک حصہ ملاقاتیوں کے لیے نکالتے' جن میں مسجد کی عام مجالس کے علاوہ خصوصی گفتگو کرنے والے احباب یا مہمان آ آ کر ملتے یا کچھ لوگ ضروریات و حاجات لے کر آتے۔ دیکھا جائے تو آرام کے لیے بہت ہی کم وقت رہ جاتا تھا۔

ازواجِ مطہراتؓ کے نان و نفقہ اور مختلف ضروریات کا انتظام بھی آپؐ کو کرنا ہوتا' پھر ان کی تعلیم و تربیت بھی آپؐ کے ذمہ تھی۔ پھر انہی کے ذریعہ سے طبقۂ خواتین کی اصلاح کا کام جاری رہتا۔ عورتیں اپنے مسائل لے کر آتیں اور ازواج مطہراتؓ کی معرفت دریافت کرتیں۔ اس کے باوجود گھر کی فضا آپؐ نے کبھی خشک اور بوجھل نہ بننے دی اور نہ اس میں کوئی مصنوعی انداز پیدا ہونے دیا۔ گھر ایک انسانی گھر کی طرح تھا جس کی فضا میں فطری جذبات کا مدوجزر رہتا۔ اس میں آنسوؤں کی چمک بھی ہوتی اور مسکراہٹوں کی جھلک بھی' محبتیں بھی کارفرما تھیں اور کبھی کبھار رشک کا کھچاؤ بھی پیدا ہوتا' پریشانیاں بھی رہتیں اور تفریح کے لمحات بھی آتے۔ حضورؐ اس باغ میں آتے تو نسیم کے جھونکے کی طرح آتے اور ایک عجیب شگفتگی پھیل جاتی۔ بات چیت ہوتی' کبھی کبھی قصہ گوئی بھی ہوتی اور دلچسپ لطائف بھی وقوع میں آتے۔ مثلاً اپنا ایک واقعہ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے خزیرہ تیار کیا (اس کے لیے گوشت کا قیمہ کر کے پانی میں پکاتے اور پھر اس پر آٹا چھڑکتے جو ساتھ ہی پکتا)' حضرت سودہؓ سے کہا کہ کھاؤ۔ انہوں نے انکار کیا۔ پھر اصرار سے کہا کہ کھاؤ' انہوں نے دوبارہ انکار کیا۔ پھر اصرار سے کہا کہ تمہیں ضرور کھانا ہو گا' انہوں نے پھر انکار کیا۔ اِدھر سے پھر کہا گیا کہ اس میں سے کھاؤ' ورنہ میں اٹھا کر تمہارے منہ پر مل دوں گی۔ حضرت سودہؓ نے بھی ہٹ دھرمی دکھائی۔ حضرت عائشہؓ نے خزیرہ میں ہاتھ ڈالا اور واقعی حضرت سودہؓ کے چہرے پر لیپ دیا۔ اس بے تکلفی پر حضورؐ خوب ہنسے اور سودہؓ سے کہا کہ تم اس کے منہ پر ملو تاکہ حساب برابر ہو جائے۔ چناں چہ سودہؓ نے ایسا ہی کیا۔ حضورؐ مکرر ہنسے۔

ایک موقع پر حضرت ابوبکرؓ آئے تو حضرت عائشہؓ کو حضورؐ کے ساتھ شوخی سے بات کرتے پایا۔ غضب ناک ہو کر مارنے کو چلے۔ حضورؐ نے ان کو ٹھنڈا کیا کہ کوئی خاص بات نہیں۔ اسی غصے میں جناب صدیقؓ چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد آپؐ نے بڑے تیکھے انداز میں حضرت عائشہؓ سے کہا: "دیکھا ہم نے تمہیں اس شخص سے بچا لیا"۔

گھریلو زندگی کے اس فطری اتار چڑھاؤ کو بعض لوگ اسلامیت کے تصور سے فروتر پاتے ہیں اور خصوصاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا نقشہ کچھ ایسا ذہن میں رکھتے ہیں کہ اس میں کوئی غیر انسانی پتلے رہتے تھے' جن میں نہ کوئی جذبہ تھا نہ خواہش.......... حالاں کہ وہ گھر انسانوں کا گھر تھا اور اس میں سارے انسانی جذبے کام کرتے تھے' مگر اس گھر میں معصیت نہ تھی۔ اس لحاظ سے وہ نمونے کا گھر تھا۔ راتوں کو جب حضورؐ بستر پر ہوتے تو اہل و عیال سے عام باتیں ہوتیں۔ کبھی گھریلو امور پر' کبھی عام مسلمانوں کے مسائل پر' یہاں تک کہ کبھی قصہ کہانی بھی سناتے۔ ایک بار آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے ام زرع کی کہانی بیان کی۔ اس کہانی میں گیارہ عورتیں اپنے اپنے خاوندوں کا کردار آپس میں بیان کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک عورت ام زرع اپنے خاوند ابو زرع کا من موہنا کردار پیش کرتی ہے۔ یہ کہانی ادبی لحاظ سے بڑی دلچسپ ہے۔ خاتمے پر حضورؐ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ میں بھی تمہارے حق میں ویسا ہی ہوں جیسا کہ ابو زرع' ام زرع کے لیے تھا۔ اسی طرح کسی دوسرے موقع پر کوئی قصہ سنایا تو سننے والیوں میں سے ایک نے کہا کہ یہ تو خرافہ کے قصوں جیسا ہے (عرب میں خرافہ کی ایک روایتی شخصیت تھی' جس سے بہت سے حیرت ناک قصے منسوب تھے) حضورؐ نے کہا کہ جانتی بھی ہو کہ خرافہ کی کیا حقیقت تھی؟ پھر آپؐ نے خرافہ کی روایتی شخصیت کا قصہ بیان کیا کہ بنو عذرہ کے اس آدمی کو جن پکڑ کر لے گئے تھے اور کچھ عرصے بعد واپس چھوڑ گئے۔

عمر بھر معمول رہا کہ رات کے دوسرے نصف حصے کے اوائل میں بیدار ہو کر مسواک اور وضو کے بعد تہجد ادا فرماتے۔ قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے ہوئے بعض اوقات اتنا لمبا قیام فرماتے کہ قدم مبارک متورم ہو جاتے۔ صحابہؓ نے اس مشقت پر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تو آپؐ کو غفرانِ خاص سے نوازا ہے: قد غفرلك الله ما تقدم من ذنبك و ما تاخر پھر اس قدر حضورؐ جان کیوں گھلاتے ہیں؟ فرمایا: "افلا اکون عبدا شکورا" (کیا میں خدا کا احسان شناس اور شکر گزار بندہ نہ بنوں؟)

گھر اور اس کے ساز و سامان کے متعلق آپؐ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ زندگی اس طرح گزاری جائے جیسے مسافر گزارتا ہے۔ فرمایا کہ میری مثال اس مسافر کی سی ہے جو تھوڑی دیر کے لیے سائے میں آرام کرے اور پھر اپنی راہ لے۔ مراد یہ ہے کہ جو لوگ آخرت کو منتہا بنائیں اور دنیوی زندگی کو ادائے فرض یا امتحان کے طور پر گزاریں اور جنہیں یہاں کسی بڑے نصب العین کے لیے جدوجہد کرنی ہو' ان کے لیے کیا موقع ہے کہ اعلیٰ درجہ کے مسکن بنائیں اور ان کو ساز و سامان سے آراستہ کریں اور پھر ان میں مگن رہ کر لطف اٹھائیں۔ چناں چہ آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں نے اعلیٰ درجے کی عمارتیں

بنائیں' نہ ان میں اسباب جمع کیے اور نہ ان کی زینت و آرائش کی۔ ان کے گھر بس بہترین مسافرانہ قیام گاہیں تھیں۔ ان میں گرمی' سردی سے بچنے کا اہتمام تھا' جانوروں کی مداخلت سے بچاؤ کا انتظام تھا' پردہ داری کا بندوبست تھا' اور حفظانِ صحت کے ضروری پہلو ملحوظ تھے۔ حضورؐ نے مسجد کے ساتھ ازواج کے لیے حجرات (چھوٹے چھوٹے کمرے) بنوا لیے تھے۔ بجز صفائی کے اور کسی طرح کی آرائش نہ تھی۔ صفائی میں ذوقِ نبوت یہاں تک تھا کہ صحابہؓ کو تاکید فرمائی: ''گھروں کے آنگن صاف رکھو''۔

ساز و سامان میں چند برتن نہایت سادہ قسم کے تھے۔ مثلاً ایک لکڑی کا پیالہ (بادیہ) تھا' جس پر لوہے کے پتر لگے تھے اور کھانے پینے میں اس کا بکثرت استعمال ہوتا تھا۔ خوراک کا سامان جمع تو کیا ہوتا' روز کا روز بھی کافی مقدار میں میسر نہ ہوتا۔ بستر چمڑے کے گدے پر مشتمل تھا' جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ بان کی بنی ہوئی چارپائی رکھتے۔ ٹاٹ کا بستر بھی استعمال میں رہا' جو دوہرا کر کے بچھایا جاتا۔ ایک بار چوہرا کر کے بچھایا گیا تو صبح دریافت فرمایا کہ رات کیا خصوصیت تھی کہ مجھے گہری نیند آئی اور تہجد چھوٹ گئی۔ معلوم ہونے پر حکم دیا کہ بستر کو پہلے ہی حال پر رہنے دیا جائے۔ زمین پر چٹائی بچھا کر بھی لیٹنے کا معمول تھا۔ بعض اوقات کھری چارپائی کے نشانات بدن پر دیکھ کر رفقائے خاص (مثلاً حضرت عمرؓ و عبداللہؓ بن مسعود) رو دیے۔

اکل و شرب

کھانے پینے کا ذوق بہت نفیس تھا۔ گوشت سے خاص رغبت تھی۔ زیادہ ترجیح دست' گردن اور پیٹھ کے گوشت کو دیتے۔ نیز پہلو کی ہڈی پسند تھی۔ ثرید (گوشت کے شوربے میں روٹی کے ٹکڑے بھگو کر یہ مخصوص عربی کھانا تیار کیا جاتا تھا) تناول فرمانا مرغوب تھا۔ پسندیدہ چیزوں میں شہد' سرکہ' خربوزہ' ککڑی' لوکی' کھچڑی' مکھن وغیرہ اشیا شامل تھیں۔ دودھ کے ساتھ کھجور کا استعمال بھی اچھا لگتا اور مکھن لگا کے کھجور کھانا بھی ذوق میں شامل تھا۔ کھرچن (تہ دیگی) سے بھی اُنس تھا۔ ککڑی نمک لگا کر اور خربوزہ شکر لگا کر بھی کھاتے۔ مریضوں کی پرہیزی غذا کے طور پر حریرہ کو اچھا سمجھتے اور تجویز بھی فرماتے۔ میٹھا پکوان بھی مرغوب خاص تھا۔ اکثر جو کے ستو بھی استعمال فرماتے۔ ایک مرتبہ بادام کے ستو پیش کیے گئے تو یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ امراء کی غذا ہے۔ گھر میں شوربا پکتا تو کہتے کہ ہمسائے کے لیے ذرا زیادہ بنایا جائے۔

افراد کا الگ الگ بیٹھ کر کھانا ناپسند تھا' اکٹھے بیٹھ کر کھانے کی تلقین فرمائی۔ میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے کو اپنی شانِ فقر کے خلاف سمجھتے۔ اسی طرح دسترخوان پر چھوٹی چھوٹی پیالیوں اور طشتریوں

میں کھانا رکھا جانا بھی خلافِ مزاج تھا۔ سونے چاندی کے برتنوں کو بالکل حرام فرما دیا تھا۔ کانچ' مٹی' تانبے اور لکڑی کے برتن استعمال میں لاتے رہے۔ دسترخوان پر ہاتھ دھونے کے بعد جوتا اتار کر بیٹھتے۔ سیدھے ہاتھ سے کھانا لیتے اور اپنے سامنے کی طرف سے لیتے' برتن کے وسط میں ہاتھ نہ ڈالتے۔ ٹیک لگا کر کھانا پینا بھی خلافِ معمول تھا' دو زانو یا اکڑوں بیٹھتے۔ ہر لقمے پر بسم اللہ پڑھتے۔ ناپسندیدہ کھانا بغیر عیب نکالے خاموشی سے چھوڑ دیتے۔ زیادہ گرم کھانا نہ کھاتے۔ کبھی کبھار پکا ہوا گوشت چھری سے کاٹ کاٹ کر بھی کھایا ہے' مگر یہ پرتکلف طریقہ مرغوب نہ تھا۔ کھانا ہمیشہ تین انگلیوں سے لیتے اور ان کو لتھڑنے نہ دیتے۔ کبھی کبھار میوہ یا پھل کھڑے ہو کر یا چلتے ہوئے بھی کھا لیا۔ دو پھل اکٹھے بھی کھائے مثلاً ایک ہاتھ میں خربوزہ لیا اور دوسرے میں کھجور۔ کھجور کی گٹھلی الٹے ہاتھ سے پھینکتے۔

آپؐ دعوت ضرور قبول فرماتے اور اگر اتفاقاً کوئی دوسرا آدمی (بات چیت کرتے ہوئے یا کسی اور سبب سے) ساتھ ہوتا تو اسے لے تو جاتے مگر صاحبِ خانہ سے اس کے لیے اجازت لیتے۔ مہمان کو کھانا کھلاتے تو بار بار اصرار سے کہتے کہ اچھی طرح بے تکلفی سے کھاؤ۔ کھانے کی مجلس سے بہ تقاضائے مروت سب سے آخر میں اٹھتے۔ دوسرے لوگ پہلے فارغ ہو جاتے تو ان کے ساتھ ہی آپؐ بھی اٹھ جاتے۔ فارغ ہو کر ہاتھ ضرور دھوتے' دعا کرتے جس میں خدا کی نعمتوں کے لیے ادائے شکر کے کلمات ہوتے' نیز طلبِ رزق فرماتے اور صاحبِ خانہ کے لیے برکت چاہتے۔ کھانے کی کوئی چیز آتی تو حاضر دوستوں کو بہ اصرار شریک کرتے اور غیر حاضر دوستوں کا حصہ رکھ دیتے۔ پھل وغیرہ کھانے کی مجلس میں ایک ایک دانہ لینے کی تربیت آپؐ نے دی۔ پانی غٹ غٹ کی آواز نکالے بغیر پیتے اور بالعموم تین بار پیالہ منہ سے الگ کر کے سانس لیتے اور ہر بار آغاز ''بسم اللہ'' سے اور اختتام ''الحمد للہ و الشکر للہ'' پر کرتے۔ عام طریقہ بیٹھ کر پانی پینے کا تھا' مگر کبھی کبھی کھڑے ہو کر بھی پیا ہے۔

پینے کی چیز مجلس میں آتی تو بالعموم داہنی جانب سے دور چلاتے۔ اور جہاں ایک دور ختم ہوتا' دوسرا وہیں سے شروع کرتے۔ بڑی عمر کے لوگوں کو ترجیح دیتے' مگر داہنے ہاتھ والوں کے مقررہ استحقاق کی بنا پر ان سے اجازت لے کر ہی ترتیب توڑتے۔ احباب کو کوئی چیز پلاتے تو خود سب سے آخر میں پیتے اور فرماتے: ''ساقی آخر میں پیا کرتا ہے''۔ کھانے پینے کی چیزوں میں پھونک مارنا یا ان کو سونگھنا ناپسند تھا۔ سانس میں بو کا ہونا چوں کہ خلافِ مزاج تھا' اس لیے کچے پیاز اور لہسن کا

استعمال ہمیشہ ناپسند رہا۔ کھانے پینے کی چیزوں میں ڈھانکنے کا حکم دیا۔ کوئی نیا کھانا سامنے آتا تو کھانے سے پہلے اس کا نام معلوم فرماتے۔ زہر خورانی کے واقعے کے بعد معمول ہو گیا تھا کہ اگر کوئی اجنبی شخص کھانا کھلاتا تو پہلے ایک آدھ لقمہ خود اسے کھلاتے۔ فرمایا "اکل کما یا کل العبد" (میرا کھانا پینا ایسا ہے جیسے کسی بندے کا ہونا چاہیے)۔

نشست و برخاست

کبھی اکڑوں بیٹھتے، کبھی دونوں زانوؤں کے گرد حلقہ زن ہو لیتے، کبھی ہاتھوں کے بجائے کپڑا (چادر وغیرہ) لپیٹ لیتے۔ بیٹھے ہوئے ٹیک لگاتے تو بالعموم الٹے ہاتھ پر۔ فکر یا سوچ کے وقت بیٹھے ہوئے زمین کو لکڑی سے کریدتے۔ سونے کے لیے سیدھی کروٹ سوتے اور دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر داہنا رخسار رکھ لیتے۔ کبھی چت بھی لیٹتے اور پاؤں پر پاؤں بھی رکھ لیتے، مگر ستر کا اہتمام رکھتے۔ پیٹ کے بل اوندھا لیٹنا سخت ناپسند تھا اور اس سے منع فرماتے۔ کھلی چھت پر جس کی پردے کی دیوار نہ ہو سونا اچھا نہ سمجھتے۔ وضو کر کے سونے کی عادت تھی اور سوتے وقت مختلف دعائیں پڑھنے کے علاوہ آخری تین سورتیں (سورۃ اخلاص اور معوذتین) پڑھ کر بدن پر دم کر لیتے۔ سوتے ہوئے ہلکی آواز سے خراٹے لیتے۔ رات میں قضائے حاجت کے لیے اٹھتے تو فارغ ہونے کے بعد ہاتھ منہ ضرور دھو لیتے۔ سونے کے لیے ایک تہ بند علیحدہ تھا۔ کرتا اتار کر ٹانگ دیتے۔

بشری حاجات

ضرورت کے لیے چوں کہ اس دور میں گھروں میں بیت الخلا نہ تھے، اس لیے حضورؐ جنگل میں جاتے۔ عموماً اتنی دور تک جاتے (دو دو میل) کہ نظروں سے اوجھل ہو جاتے۔ ایسی نرم زمین تلاش کرتے کہ چھینٹے نہ اڑیں۔ موقع حاجت پر پہلے بایاں قدم رکھتے پھر دایاں۔ بیٹھتے ہوئے زمین کے بالکل قریب ہو کر مقامِ ستر سے کپڑا کھولتے۔ کسی ٹیلے وغیرہ کی آڑ ضرور لیتے۔ ضرورت کے لیے ہمیشہ جوتا پہن کر اور سر ڈھک کر نکلتے۔ قبلہ کی طرف منہ یا پشت کرنے سے اجتناب تھا۔ رفع حاجت کے وقت انگوٹھی الگ کر دیتے۔ (واضح رہے کہ اس پر خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء کندہ تھے)۔ آبدست بالالتزام بائیں ہاتھ ہی سے کرتے۔ جائے ضرورت سے الگ ہوتے ہوئے پہلے دایاں پاؤں اٹھاتے، پھر بایاں۔

غسل کے لیے پردہ ضروری قرار دیا تھا۔ گھر میں نہاتے تو کپڑے کا پردہ تانا جاتا۔ کبھی بارش وغیرہ میں نہاتے تو تہ بند باندھ لیتے۔ چھینک پست آواز سے لیتے اور ہاتھ یا کپڑا منہ پر رکھ لیتے۔

جذبات

انسانیت کا کوئی تصور ہم جذبات سے الگ رکھ کر نہیں کر سکتے۔ حضورؐ میں بھی انسانی جذبات بہترین اسلوب پر کارفرما تھے۔ آپؐ بہت ہی صاحب حساس ہستی تھے اور خوشی میں خوش اور غم میں غم سے متاثر ہوتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام نام نہاد بڑے لوگوں میں سے نہ تھے جو دنیا جہان کے غم میں گھلتے جاتے ہیں' لیکن گھر کے لیے سنگ دل اور تغافل کیش ثابت ہوتے ہیں۔ باہر کی زندگی پُر ہنگامہ ہوتی ہے' گھر کی پھیکی اور بدمزہ۔ آپؐ کو ازواج کے ساتھ سچی محبت تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ایک ہی پیالے میں پانی پیتے اور جہاں وہ منہ لگاتیں' وہیں منہ لگاتے۔ انصار کی بچیوں کو بلواتے' تاکہ وہ ان کے ساتھ کھیلیں۔ حبشیوں کے ورزشی کرتب اس انداز سے دکھائے کہ حضرت عائشہؓ کی ٹھوڑی آپؐ کے کندھے پر تھی۔ بار بار پوچھتے ''کیا تم سیر ہو گئی ہو؟'' وہ کہتیں: ''ابھی نہیں'' دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ حضرت صفیہؓ کو اونٹ پر سوار کرانے کے لیے آپؐ اپنا گھٹنا بڑھا دیتے اور اس پر آں جناب اپنا پیر رکھ کر سوار ہو جاتیں۔ ایک مرتبہ سفر میں اونٹنی کا پاؤں پھسلا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب صفیہ رضی اللہ عنہا دونوں گر پڑے۔ ابو طلحہؓ ہمراہ تھے۔ دوڑے ہوئے آپؐ کے پاس آئے۔ آپؐ نے فرمایا: ''پہلے خاتون کی طرف توجہ کرو''۔ ایک بار پھر ساربان نے اونٹوں کو تیز چلایا تو فرمانے لگے: ''دیکھو! آبگینے ہیں آبگینے! ذرا احتیاط سے''۔ اسی محبت کی وجہ سے ایک بار شہد نہ کھانے کی قسم کھا لی تھی' جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ حلال شے کو حرام نہ کریں۔

اپنے بچوں کے لیے بھی حضور ﷺ کے جذبات بڑے گہرے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کو رضاعت کے لیے ایک لوہار کے گھر میں مدینے کے بالائی حصے میں رکھا گیا تھا۔ ان کو دیکھنے کے لیے خاصا فاصلہ چل کر تشریف لے جاتے۔ گھر میں دھواں بھرا ہوتا' مگر وہاں بیٹھتے اور بچے کو گود میں لے کے پیار کرتے۔

حضرت فاطمہؓ آتیں تو اٹھ کر استقبال کرتے۔ خود تشریف لے جاتے۔ اپنی کہتے' ان کی سنتے۔ ان کے صاحب زادوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے بہت ہی پیار تھا۔ ان کو گود میں لیتے' کندھوں پر سوار کرتے' ان کے لیے گھوڑا بنتے۔ حالتِ نماز میں بھی انہیں کندھوں پر بیٹھنے دیتے۔ ایک بار اقرعؓ بن حابس نے آپؐ کو جناب حسنؓ کا بوسہ لیتے دیکھا تو تعجب سے کہا کہ ''میرے تو دس بیٹے ہیں' میں نے کبھی کسی کو پیار نہیں کیا' مگر آپؐ بوسہ لیتے ہیں''۔ فرمایا: ''جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم

نہیں کیا جاتا"۔ انہی ابراہیمؓ صاحب زادے کی وفات ہوئی تو صدمے سے آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ اسی طرح ایک صاحب زادی کی وفات آپؐ کی موجودگی میں ہوئی۔ ام ایمنؓ (کنیز) چلا چلا کر رونے لگیں۔ حضورؐ نے منع فرمایا تو وہ کہنے لگیں کہ آپؐ خود بھی تو رو رہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ ایسا رونا منع نہیں' یہ رونا جس رقت کی وجہ سے ہے' وہ اللہ تعالیٰ کی ایک رحمت ہے۔ اپنی صاحبزادی ام کلثومؓ کی قبر پر کھڑے ہوئے تو اس وقت بھی آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ عثمانؓ بن مظعون کی میت کے سامنے بھی آپؐ کی آنکھیں اشکبار تھیں اور آپؐ نے ان کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ اپنے رونے کی کیفیت خود بیان فرمائی: "آنکھیں اشک آلود ہیں' دل غم زدہ ہے' مگر ہم اپنی زبان سے اس کے ما سوا کچھ نہیں کہتے جو ہمارے رب کو پسند ہے"۔ غم کی حالت میں اکثر زبان سے یہ الفاظ ادا ہوتے: حسبی اللہ نعم الوکیل۔ رونے میں اونچی آواز نہ نکلتی' بلکہ ٹھنڈا سانس لیتے اور ہانڈی کے ابلنے جیسی آواز سینے سے نکلتی۔

یہ دلِ حساس جب اپنے خدا کے حضور میں عرض و نیاز کر رہا ہوتا یا قرآن وردِ زبان ہوتا تو ایسی حالت میں بھی بسا اوقات پلکوں پر موتی چمکنے لگتے۔ ایک بار عبداللہؓ بن مسعود سے فرمائش کر کے قرآن سنا۔ وہ جب سورہ نساء کی اس آیت پر پہنچے: "فکیف اذا جئنا......" (اس وقت کیا حال ہو گا جب کہ ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کو اٹھا کر کھڑا کریں گے اور ان لوگوں پر تمہیں گواہ بنا کر لائیں گے) تو آنکھوں سے سیلِ اشک رواں ہو گیا۔

تفریحات

متوازن زندگی کا ایک لازمی جز تفریحات بھی ہیں۔ مزاح کی طرح یہ جز ساقط ہو جائے تو زندگی بوجھ بن جاتی ہے اور جس نظامِ حیات میں تفریحات کی گنجائش نہ رکھی گئی ہو اسے کوئی معاشرہ دیر تک اٹھا نہیں سکتا۔ حضورؐ کو بھی بعض تفریحات پسند تھیں اور جائز حدوں میں ان کے لیے راستے نکالتے۔

شخصی طور پر آپؐ کو باغوں کی سیر کا شوق تھا۔ کبھی تنہا اور کبھی رفقا کے ساتھ باغوں میں چلے جاتے اور وہیں مجلس آرائی بھی ہو جاتی۔

تیرنے کا مشغلہ بھی تھا۔ اور احباب کے ساتھ کبھی کبھار تالاب میں تیرا کرتے۔ دو دو ساتھیوں کے جوڑ بنائے جاتے اور پھر ہر جوڑ کے ساتھی دور سے تیر کر ایک دوسرے کی طرف آتے۔ ایک موقع پر اپنا ساتھی حضورؐ نے جناب ابوبکر صدیقؓ کو پسند کیا۔

وقفے کے بعد بارش پڑتی تو تہ بند باندھ کر پھوار میں نہایا کرتے۔ کبھی تفریحاً کسی کنوئیں میں پاؤں لٹکا کے اس کے دہانے پر بیٹھتے۔

دوڑوں اور تیر اندازی کے مقابلے کراتے اور اکھاڑے میں خود پوری دلچسپی سے شریک رہتے۔ ایسے موقعوں پر ہنسی بھی ہوتی۔

خوشی کے مواقع پر

مسرت کے موقعوں پر پسند تھا کہ دف بجائی جائے یا بچیاں گیت گائیں' چناں چہ عید کی تقریب پر حضرت عائشہؓ کے پاس دو لڑکیاں گیت گا رہی تھیں۔ حضورؐ قریب ہی لیٹے تھے۔ ابوبکر صدیقؓ آئے تو غصے میں ڈانٹا کہ خدا کے رسول کے گھر میں یہ کیا شیطانی ہنگامہ مچا رکھا ہے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ انہیں گانے دو۔

شادی بیاہ کے لیے بھی فرمایا کہ ایسے موقعوں پر دف بجائی جائے (روایت عائشہؓ و محمدؐ بن حاطب الجمحی)۔ حضرت عائشہؓ ہی بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس ایک انصاری لڑکی رہتی تھی۔ میں نے اس کا نکاح کر دیا تو حضورؐ نے فرمایا: ''عائشہ! تم گانے کا انتظام نہیں کراتیں حالانکہ قبیلہ انصار گانے کو پسند کرتا ہے''۔ ایک دوسری روایت میں (غالباً اسی موقعے سے متعلق) یہ آتا ہے کہ ''تم لوگ کسی گانے والے کو لڑکی کے ساتھ بھیجتے جو کہتا: "اتینا کم اتینا کم، فحیانا و حیاکم" (ہم تمہارے پاس آئے' ہم تمہارے پاس آئے' پس تم بھی سلامت رہو' ہم بھی سلامت رہیں)۔ ایسی ہی ایک بزمِ عروسی میں بچیاں گا رہی تھیں۔ حضرت عامرؓ بن سعد نے بعض حاضرین سے بطور اعتراض کہا: ''اے صحابیانِ رسول! اے شرکائے بدر! تمہارے سامنے یہ کچھ ہو رہا ہے؟'' جواب ملا: ''جی چاہے تو بیٹھ کر سنو ورنہ چلے جاؤ۔ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے اس کی اجازت دی ہے۔

ازاں جملہ حضورؐ نے شعر سے بھی دلچسپی لی ہے۔ عرب میں جو شعر پرستی رائج تھی' اس سے آپؐ کو بُعد تھا۔ آپؐ کو نغمہ الہام کی جاذبیتیں اتنا موقع ہی نہ دیتی تھیں کہ شعر و سخن کی طرف زیادہ توجہ ہو' مگر دوسری طرف ذوقِ شعر سے قدرت نے محروم نہیں رکھا۔ اچھے شعر (بہ لحاظ مقصد) کی قدر فرماتے بلکہ کہنا چاہیے کہ حضورؐ نے ایک نیا ذوق معاشرے کو دیا۔ جابرؓ بن سمرہ کا بیان ہے کہ حضورؐ کی خدمت میں ایک سو سے زائد مجالس میں شریک ہوا ہوں جن میں جاہلیت کے قصے بھی ہوتے تھے اور صحابہ شعر بھی سنایا کرتے۔ شاعرانِ عرب کے کلام میں سے ایک بار لبید کا یہ مصرع پسندیدگی سے پڑھا: الا کل شی ماخلا اللہ باطل (آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کے سوا ہر چیز فانی ہے) اور دوسرا مصرع ہے: و

کل نعیم لا محالته زائل (دنیا کی ساری نعمتیں زائل ہونے والی ہیں)۔

حضرت ثریدؓ سے ایک سفر میں یکے بعد دیگرے فرمائش کر کے امیہ ابن ابی صلت کے سو شعر سنے۔ آخر میں فرمایا کہ یہ شخص اسلام لانے کے قریب پہنچ گیا تھا۔ بعض اوقات خود بھی (خصوصاً میدانِ جنگ میں) بلا ارادہ شعر کے انداز پر کلمات فرمائے ہیں۔ حضرت حسانؓ اور کعب بن مالکؓ سے دشمنانِ اسلام کے ہجویہ اشعار کے جواب میں شعر کہلاتے اور کبھی کبھی حضرت حسان کو اپنے منبر پر بٹھا کر ان سے پڑھواتے اور کہتے کہ یہ ''اشعار دشمنوں کے حق میں تیر سے زیادہ سخت ہیں''۔ یہ بھی فرمایا کہ ''مومن تلوار اور زبان دونوں سے جہاد کرتا ہے''۔

ماہنامہ دعوۃ.......... اسلام آباد　　جلد: ۱۶　　شمارہ: ۷۔۱۰

برصغیر میں سیرت نگاری

پروفیسر عبدالجبار شاکرؒ

اس کائناتِ ارضی میں انسان کی حیثیت اشرف المخلوقات کی ہے۔ یہ شرف و منزلت کسی تخلیقی وحدت کے باعث نہیں بلکہ اس فکری اور شعوری استعداد کی بنا پر ہے جو حق تعالیٰ نے اس کی فطرت اور جبلّت میں ودیعت کیا ہے۔ اسی وجہ سے انسان اس سرزمین پر خلیفۃ اللہ کے منصب پر سرفراز ہوا۔ نیابتِ الہیہ کی اس گراں قدر ذمہ داری کو قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا گیا ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً (البقرہ۲:۳۰)

اورجب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں (اپنا) خلیفہ بنانے والا ہوں......

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (الاحزاب ۳۳:۷۲)

ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں پر، زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کیا، لیکن سب نے اس کو اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے (مگر) انسان نے اسے اٹھا لیا، وہ بڑا ہی ظالم جاہل ہے۔

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند

وحی الٰہی سے انسان کی زندگی اور وجود کا مقصد اور نصب العین معلوم ہوتا ہے۔ اس مقصد کے لیے اس حضرتِ انسان کو کیسے تیار کیا جائے، اس کے لیے دو طرح کے انتظامات دکھائی دیتے ہیں۔ ایک طرف مقرب اور معتمد فرشتے کے ذریعے سے وحی الٰہی یا آسمانی ہدایت کو نازل کیا گیا، تو دوسری جانب اس وحی کو ان برگزیدہ بندوں نے وصول کیا جنہیں ہم انبیا و رسل علیہم السلام کہتے ہیں۔

یہ انبیائے کرامؑ محض اس وحی کو انسانوں کے سامنے بیان ہی نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی ذاتی زندگی کے حوالے سے اس کی شہادت بھی فراہم کرتے تھے۔انبیا علیہم السلام کی انہی ذاتی شہادتوں کو ان کی سیرت قرار دیا گیا ہے۔انسانیت کے نصب العین اور تقاضوں کی تکمیل ان سیرتوں کے بغیر ممکن نہ تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام اس راہِ ہدایت کی اوّلین سیرت کا نمونہ تھے۔ اس کے بعد مختلف زمانوں اور زمینوں میں ہزار ہا ہادی اور مرسل مبعوث کیے گئے جو اسی ایک راہِ ہدایت کی طرف بندگانِ خدا کو متوجہ اور متنبہ کرتے رہے۔ حقیقت میں انبیا و رسل علیہم السلام کا یہ سارا سفر اور سلسلہ اس آخری نبوت و رسالت کی تکمیل میں صرف ہوا جو بالآخر نبوتِ محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

دعائے خلیلؑ کو چھبیس سو سال گزر چکے اور بشارتِ مسیح کی نوید کو سننے اور دیکھنے کے لیے بھی تقریباً پونے چھ سو سال ہونے کو آ رہے تھے کہ کوہِ فاران کی چوٹیوں سے بالآخر وہ نغمۂ توحید پھوٹ پڑا جو انسانیت کے مقصدِ وجود کی تکمیل کے لیے آسمانی ہدایت کا آخری 'کامل' مکمل اور جامع پیغام تھا۔ اس پیغامِ آخریں کے حامل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو خاتم النبیین کے شرف سے متصف ہوئے۔ الغرض انسان کی ایمانی ضرورت' اخلاقی تربیت اور روحانی بالیدگی کا سچا اور خالص پیغام صرف انبیائے کرامؑ کی سیرتوں نے فراہم کیا ہے مگر افسوس صد افسوس کہ ان تمام انبیا کی سیرتیں ایک استثنائے واحد کے سوا تاریخ کے جھمیلوں میں اوجھل ہوگئیں یا ان کے پیرو کاروں نے ان کے موافق کوئی معاشرہ اور ریاست اولاً تو تشکیل نہ دی اور اگر ایسا ہوا تو پھر اس کے تسلسل اور تواتر کو برقرار نہ رکھ سکے۔ یوں آج انسانیت کے دامن میں سیرت کی سچی' حقیقی' مکمل' جامع اور قابلِ عمل ایک ہی شخصیت ایسی ہے جسے ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نامِ نامی اور اسم گرامی کی حیثیت سے جانتے ہیں ۔

حسنِ یوسف' دمِ عیسیٰ' ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ختمِ نبوت کے اٹل عقیدے کا یہ حتمی نتیجہ تھا کہ نہ صرف آخری وحی کے متن کو اس کے تمام تر لوازم کے ساتھ محفوظ بنایا گیا بلکہ دوسری جانب اس الہامی متن کی تشریح و تفسیر اور تعبیر و تعیین کو سیرتِ مصطفویؐ اور اسوۂ حسنہ کی صورت میں محفوظ کیا گیا تاکہ تا ابد قیامِ قیامت تک انسانیت کی تعلیم و تزکیہ کی ضرورتوں کی تکمیل کر دی جائے۔ چودہ صدیوں سے تاریخ اس حقیقت کی گواہی پیش کر رہی

ہے۔ سیرتِ نبوی کا سب سے کامل اور جامع اظہار خود قرآنِ مجید کی سورتوں اور آیاتِ مبارکہ میں ہوا ہے۔ قرآنِ مجید سیرتِ نبوی اور وقائع رسالت کا سب سے معتبر اور مستند ماخذ ہے۔ سیرت نگاروں کے ایک خاص طبقے نے صرف اسی ایک چشمۂ مبارک سے سیرتِ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کرنے کی کامیاب کوششیں کی ہیں۔

مسلمانوں نے اپنے عقیدہ وعمل کی حفاظت، تحقیق، تدریس اور تعلیم کے لیے بیسیوں علوم و فنون پیدا کیے ہیں مگر اسلامی ادبیات کے اس ذخیرے میں حدیث اور سیرت کو سب سے نمایاں مقام حاصل ہے، بالخصوص سیرت تو ایک سدا بہار موضوع ہے۔ فنِ سیرت، منہجِ سیرت، اسلوبِ سیرت، وقائعِ سیرت، موضوعاتِ سیرت، فقہیاتِ سیرت، کلامیاتِ سیرت اور کتابیاتِ سیرت پر مختلف زبانوں میں ہزاروں کتب لکھی جا چکی ہیں اور ہنوز مرحلۂ اوّل کا سا سماں دکھائی دیتا ہے۔ سیرت کے آغاز و ارتقا پر نگاہ ڈالیں تو یہ مغازی، سیر، شمائل، دلائل، مدارج، معارج، خصائص، مولود ناموں، معراج ناموں، حلیہ ناموں، نور ناموں، جنگ ناموں، وفات ناموں، درد ناموں اور درجنوں دوسری اصناف میں وسعت پذیر ہے۔ دورِ حاضر میں سیرت نگاری کا جو موضوعاتی دبستان پیدا ہوا ہے، اس کے تحت اس قدر متنوع موضوعات پر سیرت نگاری کا سلسلہ جاری ہے کہ سیرت کے نو بہ نو عنوانات سامنے آ رہے ہیں۔ زمانہ اور تمدن اپنے ارتقا کی جو منازل طے کر رہا ہے اور اس سفر کے دوران میں جو نت نئے مسائل اور تحدیات (Challenges) پیدا ہو رہے ہیں، سیرت نگار ان تمام پہلوؤں پر ذخائرِ سیرت سے اختصاصی رہنمائی اور حکمت و بصیرت فراہم کر رہے ہیں۔ موضوعات کا یہ تنوع ذخیرۂ سیرت کے حوالے سے ایک ایسے امتیاز کو پیش کرتا ہے جو تاریخِ عالم میں صرف ایک شخصیت کے ساتھ وابستہ ہے اور وہ ختمی مرتبت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم سوانح اور کامل سیرت ہے ۔

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا، فروغِ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل، وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ

اہلِ علم اور اربابِ تحقیق اس امر پر متفق ہیں کہ سیرت کی اوّلیں دستیاب اور مطبوعہ کتاب ''مغازیٔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' ہے، جسے عروہؓ بن زبیرؓ (م۹۴ھ) نے لکھا اور ماضی قریب میں ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی نے مرتب و مدوّن کر کے شائع کیا ہے۔ اس کا ایک اردو ترجمہ محمد سعید الرحمٰن

علوی نے کیا ہے جو ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور سے شائع ہو چکا ہے (طبع سوم ۲۰۰۰ء)۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہدِ خلافت میں مغازی نگاری نے ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ مختلف شہروں میں مغازی کے خصوصی حلقے قائم ہوئے۔ پیشِ نظر رہے کہ عروہؓ بن زبیرؓ کے علاوہ ابانؒ بن عثمانؓ، ابن اسحٰق، ابن ہشام، زہری، موسیٰ بن عقبہ اور واقدی وغیرہ نے اس فن کے ابتدائی لوازمے کو فراہم اور مرتب کیا ہے۔ معروف سیرت نگار اور عظیم محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ''سیرت ابن اسحٰق'' کو مرتب کیا ہے۔ یہ محمد بن اسحٰق بن یسار (۸۵۔۱۵۱ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ نسخہ ۱۹۷۶ء میں "معهد الدراسات والابحاث للتعریب" مطبعة محمد الخامس۔ فاس (المغرب) سے شائع ہوا۔ اس کے مقدمہ میں انہوں نے مستشرق وستنفلد (Wustenfeld) کی تصنیف "مؤرخو العرب" کے حوالے سے ان ستائیس افراد کے نام لکھے ہیں جو ابن اسحٰق کی اس تصنیف سے پہلے مغازی نگاری کے فن میں اپنا علمی نقش قائم کر چکے تھے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس فہرست میں ابان بن عثمانؓ بن عفان، عاصم بن عمر بن قتادہ، شرحبیل بن سعد، ابوالاسود یتیم عروہ، سلیمان بن طرخان التیمی اور ولید بن کثیر المخزومی کے ناموں کا اضافہ کیا ہے۔

سیرتِ نبوی کا ذخیرہ آج دنیا کی کم و بیش سو زبانوں میں ہزاروں کتب و تراجم کی شکل میں دستیاب ہے۔ ہمیں اس سے اتفاق ہے کہ اس موضوع کا معتبر اور مستند ذخیرہ عربی زبان میں شائع ہوا ہے مگر گزشتہ ڈیڑھ سو برس میں اردو زبان میں اس موضوع پر جس کثرتِ اسالیب اور تنوعِ موضوعات کا اظہار ہوا ہے، تاریخِ ارتقائے سیرت میں یہ اپنی مثال آپ ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں سیرت نگاری کے ارتقا پر نظر دوڑائیں تو اس کا آغاز دوسری صدی ہجری میں دکھائی دیتا ہے۔ ابو معشر نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی مدنی (م ۱۷۰ھ) نے ''مغازی'' کے نام سے سیرت کی ایک کتاب لکھی ہے جس کا تذکرہ ابن ندیم کی ''الفہرست'' میں بھی موجود ہے۔ ابوجعفر محمد بن ابراہیم دیبلی (م ۳۲۲ھ) یہاں سے ہجرت کر کے مکہ مکرمہ چلے گئے اور وہیں پر مدفون ہوئے، انہوں نے عمرو بن حزم سے مروی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ۲۵ مکاتیب جمع کر رکھے تھے۔ تذکروں میں لکھا ہے کہ حافظ شمس الدین محمد بن علی ابن طولون (م۹۵۳ھ) نے جب "اعلام السالکین عن کتب سید المرسلینؐ" مرتب کی تو اس کے اواخر میں ابو جعفر دیبلی کا "جزو مکاتیب النبیؐ" درج کیا۔ جامعہ کراچی میں ادبیاتِ عربی کے استاد ڈاکٹر محمد عبدالشہید نعمانی کی تحقیق کے مطابق یہ اس موضوع پر اوّلین کتاب کا درجہ رکھتی ہے۔ انہوں نے اس کا ترجمہ ''فرامینِ نبویؐ'' کے عنوان سے کیا ہے۔ مذکورہ دونوں کتب کے ذکر سے اندازہ ہوا کہ برصغیر میں بھی سیرت نگاری کا آغاز عربی

زبان میں ہوا۔ ان ہر دو کتب کے علاوہ عربی زبان میں مزید جن کتب کا سراغ ملتا ہے' ان میں برصغیر میں نو وارد یمنی عالم محی الدین عبدالقادر عید روس احمد آبادی (م ۱۰۳۸ھ) سے سیرۃ النبیؐ پر درج ذیل پانچ کتب کا ذکر ملتا ہے:

۱: الحدائق الحضره فی سیرۃ واصحاب العشره

۲: اتحاف الحضرۃ العزیزہ لعیون السیرۃ الوجیزہ

۳: آلانموذَجُ اللطیف فی اهل بدر الشریف

۴: المنتخب المصطفیٰ من اخبار المولد المصطفیٰ

۵: المنہاج الی معرفۃ المعراج

برصغیر کے قصبے برہان پور میں ایک سندھی نژاد مصنف شیخ طاہر بن یوسف (م ۱۰۰۴ھ) نے "المواہب اللدنیہ" کا خلاصہ و انتخاب کیا ہے۔ اسی طرح شیخ محمد بن احمد فاکہی (م۹۹۲ھ) نے ابن سید الناس اندلسی کی "نور العیون فی تلخیص سیرۃ الامین والمامون" حفظ کر رکھی تھی جسے وہ عام مجالس میں بیان کرتے تھے۔ مالابار کے علاقے میں شیخ زین الدین (م ۹۲۸ھ) نے ''قصص الانبیاء'' کے سلسلے میں جو کتاب مرتب کی' اس میں ان کی ایک تصنیف ''سیرۃ النبیؐ' پر بھی ملتی ہے۔ شیخ ادحدالدین مرزا خاں برکی جالندھری کی "نظم الدرر والمرجان فی تلخیص سیر سید الانس والجان" بھی سیرت پر لائق ذکر کاوش ہے۔ دورِ حاضر میں مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری کی تصنیف ''الرحیق المختوم' اوّلاً عربی زبان ہی میں تصنیف کی گئی جس کا اب دنیا کی متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ راقم کے نزدیک برصغیر میں عربی زبان کی کتبِ سیرت میں اس تصنیف کو گلِ سرسبد قرار دیا جا سکتا ہے۔

عربی زبان کے علاوہ فارسی زبان کی علمی اور درسی حیثیت بھی برصغیر میں ایک مسلّم مقام رکھتی ہے۔ ہمارے علم و تحقیق کے مطابق شیخ علی ہجویریؒ کی ''کشف المحجوب' برصغیر میں فارسی نثر کی پہلی باقاعدہ کتاب ہے۔ قاضی منہاج سراج جوزجانی (م ۶۵۸ھ) نے اپنی معروف تصنیف ''طبقات ناصری' کے الطبقۃ الاولیٰ میں آدم علیہ السلام سے حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیا و رسل علیہم السلام کا اختصاراً ذکر کیا ہے۔ آپؐ کی نبوت کے سلسلے میں آپؐ کے اجداد' خصائص' معجزات' اسماء و القاب اور ہجرت تا رحلت کے وقائع کو درج کیا ہے۔ میر سید علی ہمدانی نے دو صفحات پر مبنی عربی زبان میں لکھے گئے ایک حلیہ نامے کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔ اغلبًا یہ سیرت کے سلسلے میں کسی عربی کتاب کا پہلا فارسی ترجمہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ شیخ رکن الدین دبیر کاشانی نے اپنے مرشد حضرت برہان الدین غریب (م۷۳۸ھ) کی فہمائش پر تصوف میں ایک کتاب "شمائل الاتقیاء" لکھی جس کا

باب سوم سیرت کے بارے میں ہے۔ اسی کتاب کا دکنی زبان میں ایک ترجمہ ۱۰۷۸ھ میں میراں یعقوب دکنی نے کیا ہے۔ فارسی ادبیاتِ سیرت کے ضمن میں درج ذیل حوالے اس کے ارتقا کو سمجھنے کے لیے ناگزیر ہیں:

عبدی نے ۸۱۹ھ میں ایک منظوم سیرت لکھی ہے۔علی بن حسان متقی (م۹۷۸ھ) نے ایک رسالہ ''شمائل النبیؐ'' کے عنوان سے لکھا ہے۔محمد بن خواندشاہ محمود المعروف بہ میر خواند نے "روضة الصفافی سیرة الانبیاء والملوك و الخلفاء" کا اختصار "حبیب السیر فی اخبار افراد البشر" کے نام سے کیا ہے۔سید عبدالاول بن علاء الحسینی جونپوری (م ۹۶۸ھ) نے مجدد الدین فیروز آبادی (م۸۱۷ھ) کی ''سفر السعادہ'' کا فارسی زبان میں خلاصہ کیا جس کی فہمائش خان خاناں بیرم خاں نے کی تھی۔اکبر اعظم کے دربار سے وابستہ مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری (م۹۹۰ھ) نے ''شرح شمائل النبیؐ'' اور ''عصمۃ الانبیاء'' کے عنوان سے دو کتابیں سیرت کے موضوع پر تحریر کی ہیں۔اکبری عہد ہی میں مصلح الدین لاری نے ''شمائلِ ترمذی'' کی شرح کی ہے جب کہ حاجی محمد کشمیری نے ''شمائلِ ترمذی'' کے ترجمہ پر اکتفا کیا ہے۔ محمد حسین حافظ بن باقر ہروی نے ''شمائلِ ترمذی'' کا فارسی میں ترجمہ کیا اور ''نثر الشمائل'' نام رکھا۔شیخ عیسٰی جند اللہ برہان پوری (م۱۰۳۱ھ) نے قصیدۂ بردہ کی شرح فارسی زبان میں لکھی ہے۔شیخ العالم اکبر آبادی نے "نادر المعراج وبحر الاسراء" کے عنوان سے ۱۰۴۴ھ میں قصہ خوانوں کے لیے سیرت کی ایک کتاب لکھی ہے۔محمد باقر بن شرف الدین نے ۱۰۷۵ھ میں ''حلیہ رسالت مآبؐ'' کے عنوان سے ایک مختصر کاوش پیش کی۔ اسی سال میں خواجہ معین الدین کاشمیری (م۱۰۸۵ھ) نے ''خصائصِ مصطفیؐ'' کے نام سے اپنی تصنیف پیش کی۔شیخ شیر محمد مشہدی غوث پوری ملتانی نے ۱۰۷۶ھ میں ''انیس العاشقین'' لکھی۔

سید باب اللہ جعفری نے ''اخلاق النبیؐ'' اور عبید اللہ نے ۱۰۵۷ھ میں ''زبدہ'' کے نام سے شمائل کی ایک شرح لکھی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے فرزند نور الحق دہلوی (م ۱۰۷۳ھ) نے بھی ''شرح شمائل النبیؐ'' تحریر کی ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے ایک مرید محمد صفی اللہ بن ہبۃ اللہ ترک دہلوی بخارائی نے "اشرف الوسائل فی شرح الشمائل" کے عنوان سے ایک کتاب لکھ کر اورنگ زیب عالمگیر کے نام معنون کی۔ اسی دور میں ایک شیعہ عالم محمد مسیح بن ہمت خان مخاطب بہ اسلام خان بہادر حسینی بدخشانی نے ''شرحِ شمائل'' کے نام سے ایک کتابِ سیرت لکھی ہے۔ شمائل کا یہ موضوع اس قدر محبوب تھا کہ اسی موضوع پر نظام الدین محمد بن رستم بن عبداللہ خجندی ایمن آبادی اور عبدالہادی

بن محمد معصوم نے بھی شمائل کی شرحیں لکھیں۔ عہدِ عالمگیری کے نامور طبیب حکیم محمد اکبر ارزانی نے جلال الدین سیوطی (م۹۱۱ھ) کی کتاب "المنهج السوي والمنهل الروي في الطب النبويّ" کا فارسی زبان میں ترجمہ ''الطب النبویؐ'' کے عنوان سے کیا۔ لطف اللہ مہندس اور عبدالقادر نظام نے ''قصیدہ بانت سعاد'' کی فارسی میں شروحات لکھی ہیں۔ اگر کوئی محقق کاوش کرے تو قصیدۂ بردہ اور بانت سعاد کی بیسیوں مزید فارسی شروحات کا اضافہ کر سکتا ہے۔ پیشِ نظر رہے کہ بعض فارسی سیرت کی کتب کے عمدہ اردو تراجم بھی ہوئے جن میں ملامعین واعظ کاشفی الھردی کی ''معارج النبوت'' اور نور الدین عبدالرحمٰن جامی کی ''شواھد النبوۃ'' اہم ہیں۔ یہاں فارسی نثر میں کتبِ سیرت کا صرف ایک اجمالی جائزہ پیش کیا گیا ہے جس سے برصغیر میں سیرت و سوانح کے ارتقا کا اندازہ ہوتا ہے۔ اگر تجزیاتی اور تنقیدی اعتبار سے دیکھا جائے تو برصغیر میں اس زبان میں بہت اعلیٰ درجے کی تحقیقی اور سوانحی کتبِ سیرت کا فقدان دکھائی دیتا ہے۔ برصغیر میں فارسی کتبِ سیرت کا معیاری اور مفید نمونہ جن کاوشوں کو قرار دیا جا سکتا ہے' ان میں مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کی نگارشاتِ سیرت ایک خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ ان کی تصنیف ''اثباۃ نبوۃ'' میں تو منصب نبوت اور معجزات پر قلم اٹھایا گیا ہے مگر ان کے ''رسالہ تہلیلیہ'' میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل' معجزات اور اخلاق و اوصاف پر لطیف نکات پیش کیے گئے ہیں۔ ان کے گراں قدر مکاتیب ہر چند سیرت کی کتاب نہیں مگر ان میں جا بجا سیرت کے حوالے سے ایسے عجیب' مثبت اور ایمان افروز نکات بیان ہوئے ہیں کہ اگر کوئی محقق اور صاحبِ دل ان کو ایک خاص موضوعی ترتیب سے جمع کرے تو سیرت کی ایک منفرد تالیف تیار ہو سکتی ہے جس میں آپؐ کے طریقِ تعلیم و تزکیہ کی تمام جزئیات سمٹ آئیں گی۔

برصغیر میں فارسی سیرت کی سب سے معتبر اور جامع کتاب "مدارج النبوۃ و درجاۃ الفتوۃ" ہے جسے شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) نے لکھا ہے۔ ان کی ایک مزید کاوشِ سیرت "جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب" (تالیف ۹۹۸ھ) ہے' جو سیرت کی مشہور کتاب "سفر السعادۃ" کی شرح پر مشتمل ہے۔ "مطلع الانوار البھیّہ فی حلیۃ النبویّۃ" بھی آپ کی نگارشاتِ سیرت میں شامل ہے۔ ان تمام کتب کا مطالعہ کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ مغل شہنشاہ اکبر کے دینِ الٰہی نے جو فتنہ سامانیاں پیدا کر رکھی تھیں' اس الحاد و دہریت کے ازالے کی کوشش بھی ان کتب کی ایک غایت معلوم ہوتی ہے۔

برصغیر میں اردو زبان میں سیرت نگاری کے آغاز و ارتقا پر نظر ڈالی جائے تو ہمیں متعدد

حضرات کے متنوع مولود نامے، معراج نامے، جنگ نامے، نور نامے، حلیہ نامے، شمائل نامے، وفات نامے اور درد نامے دکھائی دیتے ہیں۔ مزید تخصیص سے مطالعہ کیا جائے تو اس صنف اور صف میں میلاد ناموں کو خصوصیت حاصل ہے۔

برصغیر میں اردو سیرت نگاری کے آغاز و ارتقا کا سراغ لگائیں تو اس ضمن میں اوّلین کاوشیں میلاد ناموں کے عنوان سے سامنے آتی ہیں۔ انھی کے لیے تولد نامے، مولود نامے، پیدائش نامے، مولدنامے، ولادت نامے اور پیغمبر نامے کی اصطلاحات بھی استعمال ہوئی ہیں۔ اسی نوع سے ملتی جلتی چند دوسری اصطلاحات کے حوالے سے بھی کچھ کتابچے نظم ونثر میں لکھے گئے ہیں جن کے لیے معراج نامے، نور نامے، شمائل نامے، مبشرات نامے، ارشاد نامے، وفات نامے، درد نامے،حلیہ نامے اور معجزاتِ رسولؐ کی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں۔ ان میں سب سے اہم موضوع میلاد ناموں کا ہے۔ اس میلادیہ ادب میں آپؐ کی ولادتِ باسعادت اور اس سے پہلے کی بشارات، نسب نامہ، نورِ محمدی، معراجِ محمدی، حلیۂ مبارک اور ولادت سے وصال تک کے وقائع بیان کیے جاتے ہیں۔میلادناموں میں عموماً درود و سلام کے ساتھ آپؐ سے استمداد اور استغاثہ کا اسلوب بھی پیش کیا جاتا ہے۔ ان میلاد ناموں کو چوں کہ مجالس اور محافل میں پڑھا جاتا تھا، اس لیے مولود خواں انھیں زیادہ سے زیادہ جاذب بنانے کی کوشش کرتے تھے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان میلاد ناموں کی تحریک آپؐ کے ساتھ گہری محبت اور عقیدت کے باعث ہوتی ہے، اس لیے مولود خواں اس کو خیرجوئی، حصولِ ثواب اور شفاعت طلبی کے انداز میں پیش کرتا ہے۔ ایسے تمام میلادی ادب میں واقعات کی صحت اور درستی سے کوئی تعلق نہیں رکھا جاتا، اسی باعث ان میں کثرت سے ضعیف اور موضوع روایات رواج پا گئی ہیں بلکہ بعض میلاد ناموں میں مقامی تمدنی اور ثقافتی اثرات اس درجہ راہ پا گئے ہیں کہ ان میں مقامی ماحول حجاز اورحرمین کے بجائے کاشی اور متھرا کا دکھائی دیتا ہے ع

سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل

اس نوع کا میلادی ادب تحقیقی اعتبار سے کمزور اور ناقص ہونے کے باوجود عامۃ الناس میں بہت مقبول رہا ہے۔ مولدٗ مولود اور میلاد کے لفظوں کو ذخیرۂ حدیث میں تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور جہاں کہیں کسی بھی علمی یا واقعاتی رعایت سے اس لفظ کو استعمال کیا گیا، اسے میلاد ناموں کے جواز کے طور پر ایک دلیل قرار دے دیا گیا ہے۔ یہی باعث ہے کہ اربابِ علم اور اصحابِ دین کے ہاں ان میلاد ناموں میں پیش کیے جانے والے لوازمے کو ہمیشہ کمزور اور تاریخی اعتبار سے ضعیف قرار

دیا گیا۔ عقیدت کی اس تلاش میں ابو عبداللہ محمد بن الواقدی (م۲۰۷ھ) کی ''مولد النبیؐ'' کو اس موضوع پر پہلی باقاعدہ تصنیف قرار دیا گیا ہے۔ فارسی زبان میں بھی بہت سے مولود ناموں کا ذکر ملتا ہے۔ خصوصیت سے ''قصیدۂ بردہ شریف'' اور ''قصیدہ بانت سعاد'' کے بہت سے تراجم اور شروحات فارسی اور اردو زبان میں لکھی گئیں جو بلا مبالغہ سیکڑوں کی تعداد تک پہنچتی ہیں۔ ہم برصغیر میں فارسی ادب سیرت کا ذکر کرتے ہوئے چند حوالوں کو اوراقِ گزشتہ میں درج کر چکے ہیں۔

معروف سیرت نگار سیّد سلیمان ندوی (م۱۳۷۳ھ) کی تحقیق کے مطابق میلاد کی مجالس کا رواج چوتھی صدی ہجری میں ہوا۔ (بحوالہ سیرۃ النبیؐ جلد سوم ص ۲۶۴) مگر اولاً عرب میں موصل کے ایک شخص عمر بن محمد نے ربیع الاوّل میں مولود کی ایک محفل کا انتظام اور انعقاد کیا' جس کی پیروی ابو سعید مظفر (۵۴۱۔۶۳۲ھ) نے کی جو اربل کا بادشاہ تھا۔ اس سلطان کو تقریب میلاد کے ساتھ جنون کی حد تک عقیدت تھی۔ اس دور میں ابوالخطاب عمر بن حسن المعروف بہ ابن دحیہ کلبی بلنسی (۵۴۴۔۶۳۲ھ) نے مولود کی ایک کتاب "التنویر فی مولد السراج المنیر" لکھی' جسے بعض محققین کے نزدیک میلاد ناموں کی خشتِ اوّل قرار دیا جاتا ہے۔ ابن خلکان (م ۶۸۱ھ) صاحب ''وفیات الاعیان'' نے لکھا ہے کہ ابن دحیہ کلبی نے سلطان اربل کے سامنے اپنے مولود کو پڑھا اورایک ہزار اشرفی انعام حاصل کیا۔ اسی زمانے سے میلاد کے جواز اور عدم جواز پر سیکڑوں کتابوں کے ہزاروں صفحات لکھے جا چکے ہیں۔

اردو زبان میں میلاد ناموں کا سراغ دکنی ادب میں ملتا ہے۔ شاہ علی محمد جیو گام دھنی (م۱۵۶۵ء) کی ایک نظم ''معراجِ نبویؐ'' کے عنوان سے ملتی ہے۔ شاہ برہان الدین جانم (م۱۵۸۲ء)' غلام مصطفیٰ احمد آبادی' محمد قلی قطب شاہ (م ۱۰۲۰ھ)' عبدالمالک بھروچی' ملک خوشنود' عبدالرسول' سید بلاقی حیدر آبادی' ملاوجہی (م۱۶۵۹ء)' سیّد شاہ حسین ذوقی' عبداللطیف' محمد مختار' نصرتی (م۱۶۷۵ء) شاہ امین الدین اعلیٰ (م۱۶۷۵ء)' عالم گجراتی' پیر مشائخ' شیخ احمد گجراتی' محی الدین فاتحی' جنونی گجراتی' محمد امین گجراتی' امامی دکنی' سید میراں شاہ ہاشمی بیجا پوری (م ۱۱۰۹ھ) صاحباں عثمان' شاکر' علی بخش دریا' معظم قادری' شریف' عبدالرحمٰن ترین' اعظم دکنی' مخدوم حسینی' عنایت شاہ قادری (م۱۱۵۵ھ) میرولی فیاض ویلوری' کریم الدین سرمست' غریب اللہ' محمد بن مجتبیٰ مہدوی' شاہ ابوالحسن قربی (م۱۷۶۸ء) راحت افصحی' نوازش علی شیدا (اعجاز احمدی ان کا معروف مجموعۂ کلام ہے)' شاہ کمال الدین (م ۱۲۰۵ھ) غلام اعزاز الدین نامی (م۱۸۲۴ء)' مولانا محمد باقر آگاہ (۱۷۴۵۔۱۸۰۵ء) (انہوں نے سیرت پر آٹھ منظوم رسائل ''ہشت بہشت'' کے عنوان سے لکھے ہیں) جان محمد عاجز' سید امیر الدین حسینی' محمد خان اور

فضل رسول جنوبی ہند کے معروف میلاد نامے لکھنے والے شاعر یا ادیب ہیں جن کے نمونۂ ہائے کلام اور مزید تفصیلی حالات ''اردو میں میلاد النبیؐ'' از محمد مظفر عالم جاوید صدیقی کے ہاں دیکھے جا سکتے ہیں۔ ڈاکٹر انور محمود خالد نے بھی اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے ''اردو نثر میں سیرتِ رسولؐ'' کے ابتدائی ابواب میں اس موضوع پر عمدہ، تحقیقی معلومات فراہم کی ہیں۔

شمالی ہند کے میلاد نامہ لکھنے والے ادیبوں اور شاعروں کی تعداد بھی ۱۸۵۷ء تک پچاس سے متجاوز ہے، جن میں شاہ رفیع الدین دہلوی، کرامت علی شہیدی، شاہ رؤف احمد رافت، سرسید احمد خان، غلام امام شہید، امیر مینائی اور محسن کاکوروی کے نام بہت نمایاں ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی سے بیسویں صدی عیسوی تک سو کے قریب میلاد نگاروں کے نام ملتے ہیں جن میں مفتی عنایت احمد کاکوروی، مولانا کرامت علی جونپوری، خواجہ الطاف حسین حالی، مولانا نقی علی خان بریلوی، محسن الملک سید مہدی علی، مولانا احمد رضا خان بریلوی، حافظ ابراہیم علی خاں خلیل، نواب صدیق حسن خان (ان کا میلاد نامہ "الشمامته العنبریه من مولد خیرالبریه" ۱۸۸۷ء میں شائع ہوا جو نثر میں ہے اور ۱۲۶ صفحات پر مشتمل ہے) میر مہدی مجروح، محمد جعفر علی ملیح آبادی اور سید عبدالفتاح اشرف علی کے نام معروف ہیں۔

بیسویں صدی عیسوی کے نصف اوّل میں ساٹھ سے متجاوز مولود نامے لکھے گئے جن میں مولانا حسن رضا خان حسن، خواجہ محمد سلامت اللہ سونی پتی، مولوی ابراہیم بناری، مولانا عبدالحلیم شرر (م۱۹۲۶ء نے ۱۹۱۹ء میں ''سوانح خاتم المرسلینؐ'' کے عنوان سے میلاد کی ایک کتاب لکھی ہے جس کی ضخامت ۵۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ ان کی ''جویائے حق'' والی سیرت بطرزِ ناول کے علاوہ ہے)، حاجی رحیم بخش، سید محمد بشیر الدین احمد، مرزا عزیز لکھنوی، عبدالرزاق ندوی، مولانا محمد اشرف علی تھانوی (م۱۹۴۳ء سیرت کے علاوہ مولود سے متعلق ان کی دو کتابیں ''میلاد النبیؐ'' اور "تلج الصدور فی حقوق ظهور النور" کے نام سے لکھی گئی ہیں) بیدم وارثی، خواجہ محبوب عالم اور علامہ نور بخش توکلی معروف ہیں۔

بیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں بھی پچاس سے زائد حضرات نے مولود نامے کے طرز کی تحریریں لکھی ہیں۔ ایسے میلاد نگاروں میں مفتی محمد شفیع، حبیب الرحمٰن خان شروانی، آرزو لکھنوی، سیماب اکبر آبادی، شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی، خواجہ حسن نظامی، سید مناظر احسن گیلانی، مولانا ابوالکلام آزاد، سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، مفتی انتظام اللہ شہابی، احترام الدین شاغل، بہزاد لکھنوی، خواجہ محمد شفیع دہلوی، حفیظ جالندھری، حافظ محمد رحیم دہلوی، محشر رسول نگری، سیّد احمد سعید کاظمی، مولانا کوثر نیازی اور سیّد محمود

احمد رضوی کے اسمائے گرامی زیادہ معروف ہیں۔ میلاد ناموں کا یہ سلسلہ نظم و نثر ہر دو میں ہنوز جاری و ساری ہے۔ اس ضمن میں خواتین میلاد نویسوں کا تذکرہ ایک الگ بیان کا متقاضی ہے۔ برصغیر کی مسلم خواتین نے بھی عقیدت و محبت کے پھول آپؐ کی ذاتِ گرامی پر نچھاور کیے ہیں۔

ادبیاتِ عالم کا جائزہ لیں تو دنیا کے ہر ادبی سرمائے میں نظم کی کاوشیں ابتدا میں ترتیب پاتی ہیں جب کہ نثری کارنامے بعد میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ یہی کیفیت موضوعاتِ سیرت کے ساتھ بھی وابستہ ہے کہ سیرت کی ابتدائی کاوشیں نظم میں لکھی گئیں۔ مذکورہ صفحات میں مولود ناموں کا جو ذکر ہوا' ان میں ایک کثیر تعداد نظم میں پیش کی گئی ہے۔ اردو زبان میں مولود ناموں کو چھوڑتے ہوئے بھی سیرت کی چھوٹی بڑی سو کے قریب منظوم کتابیں موجود ہیں۔ان میں نوازش علی شیدا کی ''اعجاز احمدی'' اور مولانا محمد باقر آگاہ کی ''ہشت بہشت'' اپنی قدامت میں خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔ ''اعجاز احمدی'' ۱۱۸۷ھ کی یادگار ہے جب کہ ''ہشت بہشت'' ۱۱۸۴ھ سے ۱۲۰۶ھ کے درمیانی سالوں میں ترتیب دی گئی ہے۔ قدیم سیرت کے حوالے سے ''فتوح الشام'' کا ایک منظوم ترجمہ ''صمصام الاسلام'' کے نام سے کیا گیا ہے۔ یہ بنیادی طور پر مغازی کی کتاب ہے۔ یہ اپنے موضوع کے لحاظ سے ہزارہا اشعار پر مبنی طویل ترین مثنوی ہے جسے منشی حافظ سیّد محمد عبدالرزاق حسنی حسینی متخلص بہ کلامی خلف سید محمد سعید نے ۱۲۹۷ھ میں منشی نولکشور لکھنو سے شائع کرایا ہے۔ واقدی کے اس منظوم اردو ترجمے میں ۲۵ ہزار اشعار ہیں جو اگرچہ آپؐ کی وفات کے بعد فتوحات کی تفصیلات پر مبنی ہیں مگر ان میں سیرت کے بہت سے اجزا موجود ہیں۔ منظوم سیرت کے نمونوں میں محشر رسول نگری کی ''فخرِ کونین'' ۱۹۶۱ء میں' آغا نوری درّانی کی ''معجزات'' کی طبعِ اوّل ۱۹۴۷ء میں' سیّد منیر علی جعفری کی ''تاریخِ اسلام'' بہ مناسبت عہدِ رسالت ۱۹۶۶ء میں' نواب علی قاضی کی ''رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم'' ۱۹۸۴ء میں' سید ضمیر علی دل' طالب نگری کی ''حیات طیبہ و سیرت مطہرہ'' ۱۹۷۰ء میں' لالہٗ صحرائی کی ''غزوات رحمۃ للعالمینؐ'' ۱۹۹۷ء میں' قیصر الجعفری کی ''چراغِ حرا'' ۱۹۹۷ء میں' شمیم یزدانی کی ''بقعۂ انوار'' ۱۹۷۷ء میں' راجہ عبداللہ خاں نیاز کی ''یہ کارنامے رسولِ خداؐ کے''، علامہ جاوید القادری کی ''سیرتِ طیبہ'' دو جلدوں میں' حافظ کرناٹکی کی ''ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم'' ۲۰۰۷ء میں معروف ہیں۔ ابوالاثر حفیظ جالندھری کا ''شاہنامۂ اسلام'' چار جلدوں میں شائع ہوا' اس کا ایک بڑا حصہ بھی منظوم سیرت کی ذیل میں شمار کیا جانا چاہیے۔ خورشید ناظر کی ''بلغ العلٰی بکمالہ'' بھی ۲۰۰۸ء میں ادارۂ نشریات' لاہور سے ان شاء اللہ شائع ہو جائے گی' جسے صحتِ واقعات اور فنی خصائص کے لحاظ سے منظوم سیرت کا ایک عظیم

ترنمونہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

اردو نثر میں سیرت النبیؐ کے آغاز و ارتقا کے بیان کے لیے ایک مستقل دفتر اور کتاب درکار ہے اور اس سلسلے میں متعدد فہارسِ سیرت ہمارے سامنے موجود ہیں۔ مگر ان کا اہم تنقیدی اور تاریخی جائزہ محترم ڈاکٹر انور محمود خالد نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے ''اردو نثر میں سیرتِ رسولؐ'' کے عنوان سے پیش کیا ہے' جسے اردو نثر میں سیرت نگاری کا سب سے مستند اور معتبر جائزہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ سیرت کے شائقین کے لیے یہ اطلاع راحت افزا اور روحانی مسرت کا باعث ہو گی کہ دنیا کا ممتاز ترین ذخیرۂ سیرت بیت الحکمت (قائم شدہ ۱۸۸۰ء) لاہور میں موجود ہے جو ان سطور کے راقم کے لیے ایک نسخۂ شفاعت ہے۔ باب الاسلام سندھ میں محبی سیّد گل محمد شاہ بخاری کا گنجینۂ سیرت بھی لائقِ رشک ہے۔ اسی طرح مخدوم و محترم میاں مسعود احمد جھنڈیر کے گراں قدر کتب خانے کا خزینۂ سیرت بھی عشاقانِ مصطفیٰؐ اور مشتاقانِ سیرت کے لیے پیغامِ شادمانی ہے۔ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی' بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی' اسلام آباد کی ڈاکٹر محمد حمید اللہ لائبریری کا گوشۂ سیرت بھی لائقِ اطمینان ہے کہ اس میں بہت سے نوادرِ سیرت موجود ہیں۔ ایک دائرۃ المعارف السیرۃ النبویۃ کی ترتیب و تشکیل کے لیے یہ تمام ذخائر محققین گرامی کے لیے ایک علمی سوغات کا درجہ رکھتے ہیں۔

برصغیر میں سیرت نگاری کا بھرپور دور انیسویں صدی عیسوی میں شروع ہوا اور بیسویں صدی میں یہ اپنے عروج اور کمال کی آخری حدوں کو چھوتا دکھائی دیتا ہے۔ بالخصوص بیسویں صدی میں جس نوع کی سیرت کی علمی اور تحقیقی کاوشیں دکھائی دیتی ہیں' ان کا نمونہ عالم اسلامی میں کہیں اور دکھائی نہیں دیتا۔ صدیوں سے سیرت نگاری کے حوالے سے برصغیر میں خاموشی کا قفل اس طرح ٹوٹا کہ چاروں اور ایک گلستانِ سیرت مہکتا دکھائی دیتا ہے جس میں مختلف موضوعاتِ سیرت کی رنگا رنگی اور بوقلمونی ایک قاری کو عقیدتوں اور محبتوں کے ایک نئے جہانِ رنگ و بو سے آشنا کرتی ہے۔ اس خوش رنگ منظر کا پورا بیان اور احاطہ تو ایک تعارف و تقدیم کے بیان میں مناسب اور ممکن نہیں مگر نقوشِ سیرت کے کچھ مراحلِ شوق سے شناسائی ذوقِ تحقیق کے لیے موزوں ہو گی۔ اکیسویں صدی عیسوی ان شاء اللہ جہانِ سیرت کے نئے نئے امکانات کو سامنے لائے گی۔ مغرب میں استشراق نے سیرت کے پیرائے میں جس نوع کی نکتہ چینی اور عیب جوئی کی روش کو اختیار کیا تھا' اس کا دفاع الحمد للہ انہی کی زبانوں میں کیا گیا اور کیا جارہا ہے۔ مگر اس دفاع کے علمی اور تحقیقی تقاضے ہم سے بہت کچھ کرنے کا تقاضا کرتے ہیں۔ سیرتِ نبوی سے محبت و عقیدت کے سارے اظہار بجا اور ضروری ہیں مگر

اس میدان میں علم و تحقیق کی بہت سی وادیاں ایسی ہیں جو ابھی ہمیں بھرپور اخلاص اور شعور سے طے کرنا ہیں۔ مجھے مستقبل قریب میں اس نوع کے اعلیٰ علمی اور تحقیقی کارناموں کے ظہور کی امید اور توقع ہے۔

اردو سیرت نگاری کے مراحل سے واقفیت کے لیے چند اجمالی معلومات ہم اوراقِ بالا میں درج کر چکے ہیں۔ مولوی محمد باقر آگاہ نے منظوم خراجِ سیرت تو ''ہشت بہشت'' میں پیش کیا مگر نثر میں ان کی ''ریاض السیر'' ۱۷۹۵ء/۱۲۱۰ھ میں سامنے آئی۔ بیسویں صدی کے ممتاز اور منفرد سیرت نگار اور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے دادا قاضی بدرالدولہ مولوی محمد صبغت اللہ نے جنوبی ہند میں ''فوائد بدریہ'' کے عنوان سے سیرت کی کتاب لکھی جو ۱۲۵۵ھ میں شائع ہوئی۔ ہم اس کاوش کو جنوبی ہند کی پہلی بھرپور سیرت کی کتاب قرار دے سکتے ہیں۔ اسی دور میں سیّد عبدالغفور قاضی کی ''تجلیات الانوار'' ۱۲۴۴ھ میں' کرامت علی جونپوری کی ''انوارِ محمدیؐ'' ۱۲۱۲ھ میں' شاہ رؤف احمد رافت کی "مرغوب القلوب فی معراج المحبوب" ۱۲۴۹ھ میں' سر سیّد احمد خان کا مولود "جِلاء القلوب بِذکر المحبوب" ۱۲۵۸ھ میں' شیخ حسرت کرنولی کی ''چار باغ احمدی'' ۱۲۷۰ھ میں' سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے نانا مرزا قربان علی بیگ سالک کی ''عشقِ مصطفیٰؐ'' ۱۲۷۴ھ میں' اور مفتی عنایت احمد کاکوروی کی ''تواریخ حبیب الہ'' ۱۲۷۵ھ میں منصۂ شہود پر آئی۔

روئے ارضی پر کوئی خطہ یا مذہب ایسا نہیں کہ جس کے رہنے اور ماننے والوں نے حضورِ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے حمایت یا مخالفت میں اپنے قلم کو روانی نہ دی ہو۔ اردو زبان میں بھی غیر مسلموں کی سیرت کے موضوع پر کاوشیں لائقِ ذکر ہیں۔ کاش کوئی محقق اس پورے ذخیرے کا علمی جائزہ اور تحقیقی تذکرہ مرتب کرے۔ ہم اس موقع پر صرف ان کتابوں کے عنوان اور ان کے مصنفین کا تعارف کرائے دیتے ہیں:

پادری عماد الدین نے ۱۸۷۲ء میں ''تاریخِ محمدیؐ''، پادری ایل جے ایچ نے ۱۸۵۴ء میں ''ابطال دینِ محمدی بمقابلہ دینِ عیسویؐ''، پادری جے ڈفس نے ۱۸۳۹ء میں ''رسالہ اصل افزائش و زوال دینِ محمدیؐ''، اکبر مسیح نے ۱۹۰۳ء میں ''ضربتِ عیسویؐ'' جیمس منرو نے ۱۹۰۲ء میں ''عدم معصومیت محمدؐ''، پادری جی ایل ٹھاکر داس نے ۱۸۸۱ء میں ''اظہارِ عیسویؐ''، ۱۸۸۶ء میں "سیرت المسیحؑ والمحمدؐ" اور ۱۹۰۵ء میں ''ذنوب محمدیہ'' مہاشہ پرکاش دیو نے ۱۹۲۲ء میں ''حضرت محمد صلعم'' آغا شہباز خاں نے ۱۹۲۶ء میں ''قران السعدین یعنی محمدؐ عربی و مسیح ناصری کے سوانح حیات'' پنڈت وشوناتھ

در نے ۱۹۲۸ء میں ''انکشافِ حقیقت'' گوبند رام سیٹھی شاد نے ۱۹۴۳ء میں ''چار مینار''، پادری برکت اللہ نے ۱۹۵۱ء میں ''محمد عربیؐ''، ''توراتِ موسوی و محمدؐ عربیؐ'' اور ''نور الھدیٰ'' ڈاکٹر شنکر داس مہرہ نے ۱۹۵۶ء میں ''حضرت محمدؐ کی زندگی ایک ہندو کی نظر میں''۔ ڈبلیو گولڈ سیک نے ۱۹۵۸ء میں ''حضرت محمدؐ اور کتابِ مقدس'' سید بشیر احمد کی مرتبہ ''سرورِ کونینؐ اغیار کی نظروں میں'' ۱۹۷۳ء گوردت سنگھ دارا نے ''رسولِ عربیؐ'' مطبوعہ ۱۹۷۸ء شردھے پرکاش کی ''حضرت محمدؐ بانیٔ اسلام'' مطبوعہ ۱۹۷۹ء، امرناتھ سیڈھا شوق کی ''مدنی موہنؐ'' قاضی عبدالمجید کی مرتبہ ''جگت مہرشیؐ''، سرچھوٹو رام (وزیرِ مال پنجاب) کی ''پیغمبر اسلامؐ'' پروفیسر رانا کرشنا راؤ کی ''اسلام کے پیغمبر محمدؐ''، پنڈت سندر لال کی ''حضرت محمدؐ اور اسلام'' سوامی لکشمن پرشاد کی ''عرب کا چاند'' مطبوعہ ۱۹۳۹ء بابو کنج لال کی ''حضرت محمد صلعم اور اسلام''، بوٹا رام لکھیا کی ''اسلام کی اندرونی تصویر''، پروفیسر لاجپت رائے کی ''حضرت محمدؐ کی سوانح عمریؐ''، پادری اسمتھ نے ۱۸۴۳ء میں ''دینِ حق''، پادری رجب علی اور پادری سموئیل نے ۱۸۶۹ء میں ''رسالہ النبی و براہین''، پادری این ایم دیری نے ۱۸۸۰ء میں النبی المعصوم''، ڈاکٹر یدہ ویر سنگھ کی ''وحدانیت کا متوالا''، رگوناتھ سہائے کی ''پیغمبر اسلامؐ'' (اس کتاب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے مشہور شاعر اور افسانہ نگار احمد ندیم قاسمی نے لکھا ہے)' دایار جنڈ ہوک گوراند کی ''حیات محمدؐ'' مطبوعہ ۱۹۳۲ء لالہ رلیا رام گولاٹی کی ''سوانح عمری محمدؐ'' ۱۸۹۲ء' راج پال کی ''رنگیلا رسول'' (۱۹۲۴ء میں لاہور سے شائع ہوئی' اس سے زیادہ گستاخانہ کتاب کسی ہندو کی جانب سے نہیں لکھی گئی۔ مصنف قتل ہو گیا۔ اس کے جواب میں مولانا ثناء اللہ امرتسری نے ''مقدس رسولؐ'' کے نام سے ایک بھرپور علمی کتاب لکھی)' اپاد ہیائے ویدپرکاش کی ''کلکی اوتار اور نبی کریمؐ'' مطبوعہ ۲۰۰۱ء اغلباً ڈاکٹر حقانی میاں قادری نے اسی کتاب کا اردو ترجمہ ''بعثتِ نبویؐ کی پیش گوئیاں ہندوؤں کی کتب مقدسہ میں'' کے عنوان سے کیا ہے جو ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا ہے۔ بعض مرتبین نے ہندوؤں' سکھوں اور عیسائیوں کے مضامین' سیرت و سوانح کے حوالے سے جمع کیے' ان میں ابن اکبر الاعظمی نے محمدؐ (ہندو کتابوں میں) ۱۹۹۸ء' محمد حنیف یزدانی نے ''محمد رسول اللہؐ۔ غیر مسلموں کی نظر میں'' ۱۹۶۹ء' محمد یحییٰ خان نے ''پیغمبر اسلامؐ۔ غیر مسلموں کی نظر میں'' ۱۹۹۹ء' ظل عباس عباسی نے ''پیغمبر اسلامؐ غیرمسلموں کی نظر میں'' اور میاں عابداحمد نے ''شان محمدؐ'' ۱۹۸۸ء میں مرتب کی جس میں غیرمسلموں کے بیانات جمع کیے گئے ہیں۔ بیت الحکمت لاہور میں قادیانیوں کی تحریر کردہ سیرت کے موضوع پر بیس کے قریب کتابیں موجو د ہیں۔ ضرورت ہے کہ غیرمسلموں کی ان نگارشات پر جو زیادہ تر مخاصمانہ' معاندانہ اور مناظرانہ ہیں' ایک ایسا تحقیقی کام

کیا جائے جو ایک طرف ماضی میں دیے گئے جوابات کا احاطہ کرے تو دوسری جانب ایسے لٹریچر کے محرکات، اسباب اور تاریخی اور مذہبی پس منظر کو بھی سامنے لائے۔

اردو نثر میں سیرت نگاری کی ابتدا کے حوالے سے ہم مجملاً لکھ چکے ہیں کہ اس کا آغاز میلاد ناموں کی شکل میں ہوا۔ سیکڑوں کی تعداد میں یہ مولود نامے لکھے گئے، جن میں سے اہم مولود نگاروں کے نام ہم لکھ چکے ہیں۔ انیسویں صدی عیسوی کے ربع آخر اور بیسویں صدی میں جہانِ سیرت کے آفاق بہت وسیع دکھائی دیتے ہیں۔ اس دور میں کئی کئی ضخیم مجلدات میں سیرت لکھی گئی۔ بعض عربی، فارسی اور انگریزی زبان میں کتب سیرت کے اردو تراجم سامنے آئے اور ان کی تعداد بھی سیکڑوں سے متجاوز ہے۔ ڈاکٹر انور محمود خالد نے اپنے تحقیقی مقالے ''اردو نثر میں سیرتِ رسولؐ'' میں ۱۹۸۴ء تک لکھی گئی کتب سیرت کا بہت موزوں اور بھرپور تنقیدی جائزہ لیا ہے، مگر اس جائزے کے بعد تیئس سالوں میں سیکڑوں چھوٹی بڑی کتابیں لکھی جا چکی ہیں جن کا عمومی تذکرہ بہت سی فہارس اور رسائل کے اشاریوں میں ہوا ہے۔ حکومتِ پاکستان کی وزارتِ مذہبی امور اور پنجاب کے صوبائی محکمۂ اوقاف نے جب سے سیرت کی معیاری کتب پر انعامات کا سلسلہ شروع کیا ہے، کتب سیرت کی رفتار نسبتاً بڑھ گئی ہے۔ مضامین و مقالاتِ سیرت کے انعامی مقابلے اور مختلف رسائل و جرائد کی خصوصی سیرت کی اشاعتیں اس پر مستزاد ہیں۔ راقم کو ہر سال کسی نہ کسی عالمی نمائشِ کتب میں جانے کی سعادت حاصل ہوتی رہتی ہے، وہاں پر مختلف زبانوں میں سیرت کے موضوع پر کتب کی تعداد سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس پاکیزہ موضوع کی وسعتیں بے کنار ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور کارنامۂ نبوت کے اگر سیکڑوں پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا ہے تو بلا مبالغہ متعدد جہات ابھی باقی ہیں جو علمی اور تمدنی ارتقا کے ساتھ سامنے آتی رہیں گی۔ سیرت پر خصوصی جرائد شائع ہو رہے ہیں جن میں کراچی سے ششماہی ''السیرۃ'' بہت ممتاز خدماتِ سیرت پیش کر رہا ہے۔ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد کی دعوۃ اکیڈمی، سیرت کے موضوع پر ایک مراسلاتی کورس کا آغاز کیا چاہتی ہے جس سے عامۃ الناس میں سیرت کے مطالعے کو ان شاء اللہ مزید فروغ حاصل ہو گا۔ دنیا کی مختلف جامعات، بالخصوص اسلامی ممالک کے علمی، دعوتی، تدریسی، ابلاغی اور تحقیقی اداروں میں مسند ہائے سیرت اور محاضراتِ سیرت کا سلسلہ عالمی فضا کو سیرت کی مہک سے معطر کر رہا ہے۔ ورفعنا لك ذكرك اور بلغ العلیٰ بکمالہ کی تفسیر اور مفہوم کس قدر واضح ہے۔

اردو زبان میں ذخیرۂ سیرت تین ہزار سے متجاوز نظم و نثر کی چھوٹی بڑی مطبوعات کی صورت

میں موجود ہے' جس کے محض نام ہی درج کیے جائیں تو سیکڑوں صفحات درکار ہوں گے۔ مگر کاروانِ سیرت کے حدی خوانوں میں جو نمایاں نام ہمارے سامنے آتے ہیں' ان میں محمد باقر آگاہ' شاہ رؤف احمد رافت' قاضی بدرالدولہ محمد صبغت اللہ' مفتی عنایت احمد کاکوروی' سرسیّد احمد خان' علاّمہ شبلی نعمانی' قاضی محمد سلیمان منصور پوری' سیّد سلیمان ندوی' عنایت رسول چریاکوٹی' عبدالرؤف دانا پوری' ابوالکلام آزاد' سیّد ابوالاعلیٰ مودودی' ڈاکٹر محمد حمید اللہ' مرزا حیرت دہلوی' مولانا ثناء اللہ امرتسری' عبدالحلیم شرر' مولانا اشرف علی تھانوی' عبدالماجد دریا بادی' عبدالمجید خادم سوہدروی' سیّدمناظر احسن گیلانی' سیّد اولاد حیدر فوق بلگرامی' نور بخش توکلی' نواب حبیب الرحمٰن خاں شروانی' فضل کریم خان درّانی' محمد ابراہیم میر سیالکوٹی' سیّد نواب علی' چوہدری افضل حق' سیّد ابوالحسن علی ندوی' پیر محمد کرم شاہ الازہری' شاہ محمد جعفر پھلواروی' مولانا محمد ادریس کاندھلوی' طالب الہاشمی' حفظ الرحمٰن سیوہاروی' محمد طاہر فاروقی' نعیم صدیقی' عبدالعزیز عرفی' پروفیسر غلام ربانی عزیز' ڈاکٹر خالد علوی' سیّد اسعد گیلانی' بریگیڈیئر گلزار احمد' ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی' اخلاق حسین قاسمی' مولانا حامد الانصاری غازی' مولانا احمد رضا خان بریلوی' مفتی احمد یار خان' طالب حسین کرپالوی' مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی' ڈاکٹر نصیر احمد ناصر' ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی' ملاّ واحدی' غلام احمد پرویز' محمد رفیق ڈوگر' ڈاکٹر نثار احمد' مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری' مولانا عبدالمجید دہلوی' مولانا محمد بن ابراہیم جونا گڑھی' خواجہ عبدالحیٔ فاروقی اور ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی کے اسمائے گرامی معروف ہیں۔

بحرفے می تواں گفتن تمنائے جہانے را
من از ذوقِ حضوری طول دادم داستانے را

ماہنامہ دعوۃ .... اسلام آباد　　　　جلد: ۱۶　　　شمارہ: ۷۔۱۰

رحمۃ للعالمین ﷺ
بہ حیثیت بانی بلدیاتی نظم و نسق

محمد جنید انور

تمہید

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں، آپؐ کی امت سب سے آخری امت ہے اور آپؐ کی تعلیمات تمام انبیائے کرام کی تعلیمات کا خلاصہ ہیں۔ آپؐ کے بیان کردہ فرمودات میں مصالح اور حکمتوں کا ایک وسیع ذخیرہ موجود ہے۔ آپ کی زندگی کا ہر پہلو تمام اعتبار سے اکمل اور کامل ترین ہے۔ آپؐ نے اسلام کو ایک مکمل نظامِ حیات کے طور پر پیش کیا اور اس کا تعارف آپؐ نے عملاً اس کے قیام کے ذریعے سے فرمایا۔معاشی و سماجی اصلاحات کیں، مدینہ کے شہریوں کے رہن سہن کے اصول و ضوابط مرتب کیے ، شہریوں کی روزمرہ ضروریات کی تکمیل کے لیے باضابطہ لوگوں کو تیار فرمایا، مسلمانوں کو اپنا معاش خود تلاش کرنے کی ہدایت دینے کے ساتھ ساتھ اس کے ممکنہ طریقے ارشاد فرمائے اور اس سلسلے میں ہر ممکن حد تک عملی تعاون کا مظاہرہ بھی فرمایا۔

آپؐ کی آمد سے قبل مدینے میں کوئی نظام موجود نہیں تھا، تمام نظام کا آغاز آپؐ ہی نے فرمایا اور اسے ترقی دی اور اس کے تسلسل اور ارتقا کے لیے اصول و ضوابط متعین کیے۔ آپؐ نے اس نظام کی بنیاد ان اصولوں پر رکھی جو بعد میں چل کر جدید تہذیب کی بنیاد بنے ۔

آپؐ نے مدینہ شہر کی جدید خطوط پر منصوبہ بندی فرمائی، رہائشی سہولتوں اور آمد و رفت میں آسانی کے حوالے سے بھی اصول و ضوابط متعین فرمائے، گلیوں کو کشادہ رکھنے کی ہدایت فرمائی، نئے نئے محلے قائم فرمائے اور کسی ایک مقام پر آبادی کو مرتکز کرنے کے بجائے حکم دیا کہ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر آبادیاں قائم کی جائیں۔ اجتماعی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے مدینہ میں یہودیوں کے بازار کے مد مقابل اسلامی اصولوں پر ایک نئے بازار کی بنیاد رکھی۔آپؐ روزانہ اس بازار کا دورہ فرماتے، اوزان

و پیمانہ جات کا جائزہ لیتے،اور کاروبار کرنے والوں کو غلطی پر ٹوکتے اور ان کی اصلاح فرماتے۔

کسی بھی شہر کی آبادکاری میں عدالت، ہسپتال، گیسٹ ہاؤس، سڑکیں، پارک، تعلیم گاہ، سکریٹریٹ اور عبادت گاہوں کو کلیدی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ رسول پاک ﷺ نے مدینے کی منصوبہ بندی کرتے وقت ان تمام ضروریات و سہولیات کو بھی ترجیحی حیثیت دی اور ان کے انتظام و انصرام کا باقاعدہ انتظام فرمایا۔

زیرِ نظر مقالے میں نبی رحمتؐ کی ذاتِ اقدس کے اس پہلو کی بعض جھلکیاں پیش کی جائیں گی۔

مدینہ منورہ

مدینہ منورہ کو قدیم زمانے میں یثرب کہا جاتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اثرب سارے مدینے کا نام تھا۔ وادی قناۃ سے جرف کے کنارے اور برنی سے لے کر زبالہ تک اس کی حدود تھیں ۔ ان بستیوں کا صدر مقام یثرب تھا۔ یہ بھی لکھا ہے کہ یثرب ''ثرب'' سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ''شر و فساد''، یا '' تثریب ''جس کے معنی گناہ پر مواخذہ کرنا اور گرفت کرنا ہے۔ (۱) نبی کریم ﷺ کی آمد کے بعد اس کا نام طیبہ ، طابہ اور مدینۃ الرسول ہو گیا۔ قرآن مجید میں اس کے دونوں نام یثرب اور مدینہ آئے ہیں ۔رحمتِ عالمؐ نے اب اسے یثرب پکارنے سے منع فرما دیا ہے۔مدینہ سرسبز و شاداب خطۂ زمین پر واقع ایک نخلستان ہے جہاں پانی کی فراوانی ہے اور جسے چاروں طرف سے سیاہ آتشیں چٹانوں نے گھیر رکھا ہے۔ان آتشیں چٹانوں میں دو چٹانیں سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہیں' ایک ''حرہ واقم'' جو شہر کی مشرقی سمت میں واقع ہے اور دوسری ''حرہ وبرہ'' جو مغرب کی جانب ہے۔ حرہ واقم زیادہ شاداب اور حرہ وبرہ کے مقابلے میں زیادہ گنجان ہے، جب کہ شہر کے شمال میں احد کا پہاڑ اور جنوب مغرب میں عسیر نامی کوہسار واقع ہے۔ان کے علاوہ مدینے میں کئی وادیاں ہیں جن میں سے مشہور ترین بطحان، مذینب، مہروز اور عقیق ہیں۔ان وادیوں کا سلسلہ جنوب سے شمال کی جانب چلا جاتا ہے۔(۲)

معینی نے اپنی تحریروں میں لفظ یثرب کا استعمال کیاہے جو اس کے قدیم ہونے کی نشان دہی کرتا ہے۔(۳)اسلام سے پہلے مدینے کی تاریخ زیادہ تر گم نام اور منتشر ہے، البتہ جوں جوں ہم اسلام کے اولین دور کا مطالعہ کرتے ہیں، اس شہر کے خدو خال بھی نمایاں ہونے لگتے ہیں۔

مدینہ کی حدود کا تعین

اگرچہ مدینہ منورہ کی ارضی حدود کا تعین اہل علم و سیر کے درمیان متفق علیہ امر نہیں ہے

لیکن اس بات پر اتفاق ہے کہ مدینہ منورہ کی زمینی حدود تھیں۔آپؐ نے شہر مدینہ کی حدود کا جو تعین کیا وہ درج ذیل ہے:

مشرق اور مغرب میں لاوے کی پہاڑیاں اور حرہ کا میدان ، شمال میں جبل ثور اور جنوب میں جبل عیر مدینہ کے حدود اربعہ قرار پائے۔(۴) رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی طرح مدینہ کو بھی حرم قرار دیا۔ صحیح مسلم کی روایت ہے :

المدینة حرم ما بین عیر و ثور (۵)

مدینہ عیر سے ثور تک حرم ہے۔

جبل ثور احد کے پیچھے ہے، اور جبل عیر ذی الحلیفہ کی میقات کے پاس مکہ کی طرف ہے ۔ (۶)

مسلمانوں کی آباد کاری کا انتظام

ہجرتِ مدینہ کے فوراً بعد ہی جب مہاجرین بڑی تعداد میں مدینہ پہنچنا شروع ہوئے تو ان کی آباد کاری کا مسئلہ سامنے آیا۔کچھ مہاجرین کی آباد کاری کا انتظام تو مدینہ میں موجود ان کے واقف کاروں کی جانب سے ہو گیا لیکن سب افراد کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں تھا۔غیر شادی شدہ اور اپنے اہلِ خانہ کے بغیر ہجرت کرنے والے بعض مہاجرین کے لیے حضرت سعد ابن خیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے گھر رہنے کا انتظام کیا (خود حضرت سعد بن خیثمہؓ اس وقت تک غیر شادی شدہ تھے)۔کچھ انصار نے اپنے مہاجر ساتھیوں کے لیے زمین کا انتظام کیا تاکہ وہ اس پر اپنے مکانات کی تعمیر کر سکیں لیکن یہ کوشش بھی محدود رہی اور مہاجرین کی مکمل آباد کاری نہ ہو سکی۔(۷)اس مسئلے کے مکمل حل کے لیے حضورﷺ نے مکی اور مدنی مسلمان خاندانوں کے سربراہوں کا ایک بڑا اجلاس بلوایا اور انہیں تاکید و نصیحت کی کہ وہ مخلصانہ تعاون کے ساتھ مہاجرین کی آباد کاری اور ادغام و انضمام کے مسئلے کو آسان بنائیں۔ اس عمل کی انجام دہی کے لیے آپؐ نے ایک ٹھوس، مؤثر اور قابلِ عمل منصوبہ بھی پیش کیا جس کی رو سے ہر صاحبِ حیثیت مدنی خاندان کے سربراہ کو ایک مکی خاندان کو اپنے ساتھ لے کر جانا تھا اور اس کے ساتھ مؤاخاتی طور پر اپنا سلوک روا رکھنا تھا۔اجلاس میں شامل تمام مسلمانوں نے اس بات سے اتفاق کیا اور حضورؐ نے فوری طور پر تقریباً ۱۸۶ مکی حضرات کی مؤاخات انصاری صحابہ سے قائم فرما دی۔(۸) اس منصوبے پر عمل کروا کر آں حضرتؐ نے اپنی انتظامی و سیاسی بصیرت کے ذریعے سے مسلمانوں کو درپیش ایک بہت بڑے مسئلے کو آسانی سے حل فرما دیا ۔آباد کاری کے لیے مؤاخات کی حکمتِ عملی کو اختیار کرنا بہت سی حکمتوں اور مصالح کی بنا پر تھا جن کا فائدہ مستقبل میں ہوا۔(۹)

درجِ بالا سطور میں یہ بات کہی گئی ہے کہ مہاجرین کی آباد کاری کے لیے انصارِ مدینہ سے ان کا مؤاخاتی رشتہ قائم کر کے مہاجرینِ مکہ کے ۱۸۶ خاندانوں کو باضابطہ طریقے سے اتنے ہی مدنی خاندانوں کا حصہ بنا دیا گیا۔اس سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ اسلامی سن ہجری کے آغاز کے موقع پر مدینہ منورہ میں کم و بیش مسلمانوں کے ۴۰۰ خاندانوں کے سربراہ پہلے ہی مسلمان تھے، اور یقیناً مسلمانوں کی حقیقی تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی۔

اس کے بعد کے مدنی دور میں جن آبادیوں کے افراد منتشر طور پر ایمان لاتے یا کسی جگہ کی چھوٹی آبادی ایمان لاتی تو ان کو مدینے میں لا کر بسایا جاتا، اور ان کی تعلیم و تربیت اور معاش کا انتظام کیا جاتا۔ اس طریقے سے رفتہ رفتہ مدینے کی مسلم آبادی تیزی سے بڑھنے لگی۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سن ۲ھ میں جب رسول پاک ﷺ نے ایک موقع پر غزوہ میں شرکت کے لیے مسلمانوں کی مردم شماری کرائی تو ان کی تعداد ۱۵ سو کے قریب تھی۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہلِ اسلام کے اسماء گرامی نقل کیے جو پندرہ سو تھے۔ روایت میں آتا ہے :

عن حذیفة قال: قال النبی ﷺ: اکتبوالی من تلفظ بالاسلام من الناس فکتبنا له الف خمس مأة رجل (۱۰)

اس طرح ہر سال مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد بڑھتی رہی اور مدینہ فطری رفتار سے شہری مملکت کی شکل اختیار کرتا رہا۔اس بات کی تائید اس واقع سے بھی ہوتی ہے کہ ۱۰ محرم سن ۲ ہجری کو حضرت اسماء بن حارثہ الاسلمی رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے آئے۔ آپؐ نے ان سے پوچھا: ''کیا آپ نے آج روزہ رکھا ہے؟''انہوں نے جواب دیا: نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''روزہ رکھو۔''انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! لیکن میں تو پہلے ہی ناشتہ کر چکا ہوں۔آپؐ نے فرمایا: ''کچھ مضائقہ نہیں، باقی ماندہ دن کا روزہ رکھ لو،اور اپنے خاندان والوں سے بھی کہو کہ وہ بھی ایسا ہی کریں۔''رحمۃ للعالمین ﷺ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ سنتے ہی حضرت اسماء بن حارثہ الاسلمیؓ اپنے جوتے ہاتھ میں لے کر اس قدر تیزی سے دوڑے کہ مدینہ کے مضافات میں واقع اپنی قبائلی کالونی میں پہنچے اور وہاں کے رہائشیوں کو حکم دیا کہ وہ عاشورہ کا روزہ رکھیں۔(۱۱) یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ حضورؐ نے صرف سن ۲ ہجری ہی کے عاشورہ کا روزہ رکھنے کو لازم قرار دیا' اس کہ کچھ ہی عرصے بعد اسی سال کے ماہِ رمضان سے روزوں کی فرضیت کا حکم نازل ہوا اور رمضان کے

روزے رکھنا شروع کر دیے گئے۔ چناں چہ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت اسماء اسلمی رضی اللہ عنہ اس سے پہلے ہی محرم سن ۲ ہجری میں مدینہ کے مضافات میں قیام پذیر ہو چکے تھے۔ مسلمان مہاجرین کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہوتا چلا گیا اور وہ اپنی قرابت داریوں کی رعایت کرتے ہوئے مدینہ میں قیام پذیر ہوتے رہے۔ یہ تمام آبادکاری ایک مخصوص انتظام و انصرام کے تحت ہوئی، ہر آبادی کی ایک مسجد تھی، مارکیٹ تھی اور بعض بستیوں میں اپنا قبرستان تک بھی موجود تھا۔(۱۲)

ہر شہری کے لیے مکان

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پسندیدہ بات یہ تھی کہ ہر شہری کو علیحدہ مکان دستیاب ہو، آپؐ کا ارشاد ہے:

من سعادۃ المرء الدار الوسیع و المرکب الھنی (۱۳)

انسان کی خوش حالی کے لیے جو چیزیں ضروری ہیں ان میں کشادہ مکان اور قابو کی سواری بھی ہے۔

چناں چہ مہاجرینِ مکہ کو ابتدا میں انصار کے ساتھ ان کے گھروں میں ٹھہرایا گیا، بعد میں نبی کریم ﷺ نے ان کے لیے قطعۂ اراضی کی فراہمی اور مکانات کی تعمیر کا منصوبہ بنا کر ان کو اپنے گھروں میں آباد کیا۔(۱۴) اس آباد کاری کے لیے آپؐ نے افتادہ زمین کو استعمال کیا اور انصار کی طرف سے ہبہ کردہ آباد جگہوں سے بھی استفادہ کیا گیا۔ اس آبادکاری میں حضرت حارثہؓ بن نعمان نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ صحابہ میں یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس کام کے لیے نبی کریم ﷺ کو اپنی زمینیں اور مکانات ہبہ کیے۔(۱۵) اس طرح کے اور بھی اہلِ خیر اصحاب موجود تھے جن کو آبادکاری کی سعادت حاصل ہوئی۔

آبادی میں اضافے کا حل

مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے کے سبب مدینہ کی آبادی بڑھنے لگی، آبادی میں اضافے سے شہر کی زمین رہائش کے لیے کم اور پہلے کی بہ نسبت مہنگی ہوتی چلی گئی، اس دشواری اور مشکل کو حل کرنے کے لیے رسول پاکؐ نے کئی منزلہ عمارتیں بنانے کا مشورہ دیا۔ مدینہ میں محلوں اور قلعوں کے علاوہ اور مکانات بھی ایک سے زیادہ منزلوں پر مشتمل ہوتے تھے۔ خود رسول پاک ﷺ ہجرت کے بعد سات ماہ تک حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے دو منزلہ مکان میں قیام فرما ہوئے۔ پہلی منزل پر حضرت ابو ایوبؓ کا خاندان آباد تھا اور اوپر کی منزل میں آپؐ کا قیام رہا۔(۱۶) حضرت خالد

بن ولید رضی اللہ عنہ کثیر الاولاد تھے، ان کے لیے ان کا مکان چھوٹا پڑتا تھا۔ انہوں نے رسول پاک ﷺ کے سامنے یہ مسئلہ رکھا تو آپؐ نے فرمایا:

ارفع البناء فی السماء و اسئل اللہ السعة (۱۷)

اوپر کی منزل تعمیر کرو اور اللہ سے کشادگی کی دعا بھی کرو۔

دوسرے شہروں کی آباد کاری

آپؐ نے اس زمانے میں کسی بھی شہر کی حد بندی کی زیادہ سے زیادہ حد پانچ سو ہاتھ مقرر فرمائی، اور ارشاد فرمایا کہ اگر شہر کی آبادی اس سے بڑھ جائے تو دوسرا شہر آباد کیا جائے۔ عہدِ نبوی کے اختتام تک مدینہ شہر کی حدود مغرب میں بطحان تک، مشرق میں بقیع تک، اور شمال مشرق میں بنی ساعدہ کے مکانات تک پھیل چکی تھیں۔ اس وقت آپؐ نے وہاں مزید مکانات کی تعمیر سے منع فرما دیا۔ (۱۸)

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے رسول کریم ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا:

جب مدینے کی آبادی سلع تک پہنچ جائے تو تم مدینہ چھوڑ دینا اور شام چلے جانا۔ (۱۹)

ان احکامات اور واقعات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رسول پاک ﷺ مدینہ شہر کی آبادی اور اس کے وسائل میں تناسب قائم رکھنے کے لیئے شہر کی حدود غیر ضروری طور پر بڑھنے سے روکنے کے حق میں تھے اور دوسرے شہر آباد کرنے کی ہمت افزائی فرماتے تھے۔ یہ وہی پالیسی تھی جس پر بعد میں خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عمل کرتے ہوئے کوفے اور بصرے جیسے نئے شہر آباد کیے۔

عبادت گاہ اور مرکزی سیکرٹریٹ

آپؐ نے سب سے پہلے مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی۔ یہ مسجد ہمارے زمانے کی عام مسجدوں کی طرح محض ایک عبادت گاہ نہیں تھی بلکہ وہ اسلامی ریاست کا سکریٹریٹ بھی تھی، تعلیم گاہ بھی تھی اور حسب ضرورت وہاں خیمہ نصب کر کے اسپتال کا کام بھی لیا جاتا تھا۔

مسجد نبوی جائے وقوع کے اعتبار سے مدینہ کے وسط میں واقع ہے۔ جب رسول پاکؐ مکہ سے ہجرت کر کے تشریف لائے تو قبا، بنو سالم اور کئی محلوں کے لوگوں نے دست بستہ اپنے یہاں قیام کی پیش کش کی، مگر حضور اقدس ﷺ قبیلہ بنو نجار میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے گھر فروکش ہوئے جو آج صحن مسجد کا حصہ ہے۔ (۲۰)

اس جگہ کے انتخاب کی حکمت اس وقت سمجھ میں آتی ہے جب ہم مدینے کی شاہراہوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینے کی تمام سڑکوں کا سرا مسجد نبوی سے آ کر ملتا ہے۔ اس مرکزیت کا خیال صرف مسجد ہونے کی بنا پر نہیں رکھا گیا کیوں کہ ہم جانتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں مسجد نبوی کے علاوہ ۹ مزید مساجد مختلف محلوں میں تعمیر ہو گئی تھیں۔(۲۱) بلکہ یہ اس وجہ سے بھی تھا کہ وہی ریاست کے سربراہِ اعلیٰ کی رہائش گاہ بھی تھی، وہ سکریٹریٹ بھی تھی، جہاں منصوبہ بندی کی جاتی، جہاں سے فوج کشی کی جاتی، جہاں سے مبلغین اور معلمین بھیجے جاتے، جہاں حساب کتاب رکھا جاتا اور جہاں سے مختلف گورنروں اور دیگر ممالک کے سربراہوں سے خط و کتابت کی جاتی تھی۔ وہیں ایک چبوترے پر صفہ کی تعلیم گاہ بھی بنا دی گئی، جس کی حیثیت مرکزی اقامتی درس گاہ یا اعلیٰ تعلیمی ادارے کی تھی، کیوں کہ مسلمانوں کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ وہ ابتدائی تعلیم اپنے محلوں کی مساجد میں حاصل کریں۔ صفہ کی حیثیت تعلیم گاہ کے علاوہ نادار مسلمانوں کی پناہ گاہ کی بھی تھی۔ دن میں پانچ مرتبہ لوگوں سے رابطے کے لیے مؤذن کا تقرر کیا گیا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ریاست کے واحد مؤذن نہ تھے بلکہ ان کے ساتھ نائب مؤذن کا بھی تقرر کیا گیا تاکہ اگر حضرت بلالؓ کو کوئی کام درپیش ہو یا کسی عذر کی بنا پر وہ موجود نہ ہوں تو اذان کا سلسلہ منقطع نہ ہونے پائے۔

تعلیمی مرکز

عہدِ نبوی میں تعلیم کو بڑی اہمیت دی گئی، اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ معلمِ کتاب و حکمت محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی اوّلین وحی کا اوّلین لفظ ''اقرأ'' یعنی ''پڑھیے'' تھا۔(۲۲) قرآن حکیم نے نبی آخر الزّماں ﷺ کے منصبِ نبوت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (۲۳)

وہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں کتاب و حکمت اور اس چیز کی تعلیم دیتے ہیں جو تمہیں معلوم نہ تھی۔

علاوہ ازیں خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت کے ساتھ فرمایا:

انما بعثتُ معلّماً (۲۴)

میں معلم بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔

ہجرت سے قبل کوئی متعین تبلیغی و دعوتی مرکز نہ تھا جہاں رہ کر مسلمانوں کے لیے اطمینان و

سکون کے ساتھ دعوتی و تبلیغی سرگرمیوں کو جاری رکھنا ممکن ہوتا۔ اس دور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی متحرک درس گاہ اور تبلیغی مرکز تھی۔حضورﷺ کی مدینہ تشریف آوری سے دو سال قبل ہی مدینہ میں انصار نے مساجد کی تعمیر اور نماز کی ادائیگی شروع کر دی تھی ۔(۲۵) ہجرت سے قبل ہی مدینہ منورہ میں تین تبلیغی مراکز قائم ہو چکے تھے جنہیں نبی کریم صلی للہ علیہ وسلم کی اجازت سے قائم کیا گیا تھا۔قبل از ہجرت اسلام کی تبلیغ میں تیزی بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد آئی تھی، اس دور میں آپؐ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو مبلغ اسلام بنا کر انصار کے دونوں قبیلوں اوس اور خزرج میں بھیجا تھا۔ ان کی محنت سے وہاں کے لوگ اسلام میں داخل ہو نے لگے تھے۔اس دور میں پہلا تبلیغی مرکز مسجد بنی زریق تھی،(۲۶)اور تیسرا مرکز مدینہ کے شمال میں کچھ فاصلے پر نقیع الخصمات نامی علاقے میں واقع تھا، یہ مرکز درحقیقت حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے مکان میں قائم تھا۔(۲۷)

ان درس گاہوں کے علاوہ اس زمانہ میں مدینہ منورہ کے مختلف علاقوں اور قبیلوں میں تعلیمی مجالس اور حلقے جاری تھے جن میں بطور خاص بنونجار، بنو عبدالاشہل، بنو ظفر، بنو عمرو بن عوف، بنو سالم وغیرہ کی مساجد میں اس کا انتظام تھا، اور عبادہ بن صامت، عتبہ بن مالک، معاذ بن جبل، عمر بن سلمہ، اسید بن حضیر، مالک بن حویرث رضوان اللہ عنہم اجمعین ان کے ائمہ اور معلمین تھے۔(۲۸)

ان تمام مراکزِ تعلیم و دعوت کی موجودگی کے باوجود آپؐ کی پیغمبرانہ حکمت و بصیرت کا فیصلہ یہ ہوا کہ تعلیم و تربیت کا مرکز ایسا ہونا چاہیے جہاں ہر روز مقررہ اوقات پر مسلمانوں کا اجتماع ہو اور اس اجتماع کی حیثیت گویا فرض و وجوب کی ہو۔ چناں چہ اس مقصد کے لیے آپؐ نے مسجد کو منتخب کیا، اس اعتبار سے مسجد نبوی اسلام کا پہلا مرکزِ تعلیم و تربیت ہے۔

اس مقصد کے حصول کی خاطر آپؐ نے مسجد نبوی کے ایک کنارے پر ایک جگہ مخصوص کرلی، جسے ''صفہ'' کا نام دیا گیا۔ یہ دراصل ایک کھلی اقامتی درس گاہ تھی، جس میں ہر چھوٹا، بڑا شخص تعلیم و تربیت حاصل کرتا تھا، چاہے وہ اس میں اقامت گزیں ہو یا نہ ہو۔ مسلمانوں کی ایک جماعت جس نے اپنی کل زندگی دین اسلام سیکھنے اور سکھانے کے لیے وقف کر دی تھی، تعلیم و تربیت کے حصول کے لیے اس میں اقامت گزیں ہوگئی، انہیں ''اصحابِ صفہ'' کہتے تھے۔اس اعتبار سے اگر مسجد نبوی کی اس درس گاہ کو عصر حاضر کی اقامتی اور کھلی درس گاہوں کا پیش خیمہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔(۲۹)''صفہ'' چبوترے یا پلیٹ فارم کو کہتے ہیں، مسجد نبوی کے ایک حصہ میں ڈائس کے طور پر ایک چبوترہ قائم کر دیا گیا جو دن کے وقت تعلیم گاہ کا کام دیتا اور رات کے وقت بے خانماں لوگوں کے لیے دارالاقامہ

بنتا۔ یہ پہلی اقامتی جامعہ تھی، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی۔ پہلے ہی دن سے شہر کے باشندے بھی وہاں آنے لگے۔ بے خانماں لوگ حصولِ تعلیم کے لیے وہیں رہتے تھے۔(۳۰)

اس اقامتی درس گاہ میں لکھنے پڑھنے کے علاوہ فقہ کی تعلیم بھی دی جاتی تھی، قرآن کریم کی سورتیں زبانی یاد کرائی جاتی تھیں، فنِ تجوید سکھایا جاتا تھا اور دیگر اسلامی علوم کی تعلیم کا بندوبست تھا، جس کی نگرانی اس تاریخی اور اوّلین تعلیم گاہ کے معلمِ اوّل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شخصی طور سے فرمایا کرتے تھے اور وہاں رہنے والوں کی خوراک وغیرہ کا بھی بندوبست کیا کرتے تھے۔ بعض طلبہ اپنے فرصت کے لمحات میں طلبِ روزگار میں بھی مصروف ہوا کرتے تھے۔ درس گاہ صُفہ میں ایسے بھی بہت سے لوگ آتے تھے جن کے مدینہ میں گھر تھے اور وہ صرف درس کے لیے وہاں حاضر ہوا کرتے تھے۔ وقتاً فوقتاً اور عارضی طور پر درس گاہ میں شریک ہونے والوں کی بھی کمی نہ تھی، جب کہ مقیم طلبہ کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔(۳۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں اصحابِ صفہ کی تعداد ستر (۷۰) بتائی گئی ہے جو اس درس گاہ میں ہمہ وقت حاضر رہا کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق بسا اوقات ساٹھ، ساٹھ طلبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں رہا کرتے تھے، بعض اوقات ان کی تعداد بڑھ جاتی تھی، خاص طور سے بیرونی طلبہ کے وفود کی آمد پر بہت زیادہ اضافہ ہو جاتا تھا۔

کچھ عرصہ قبل کی گئی محمد لبیب البتونی کی تحقیق کے مطابق ''صفہ'' چبوترے کی شکل میں زمین سے نصف میٹر بلند، بارہ میٹر لمبا اور آٹھ میٹر چوڑا ہے، اس کے چاروں طرف تانبے کا جالی دار گھیرا بنا ہوا ہے۔ اس سے چار میٹر کے فاصلہ پر جنوب کی طرف اغوات کا چبوترہ اور مشرق میں گودام ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک چبوترہ شیخ الحرم کی نشست گاہ بنی ہوئی ہے۔ صفہ کے جنوب میں مقصورہ شریف کے متصل ایک اور تھڑا بنا ہوا ہے جس میں محراب تہجد کی جگہ ہے۔(۳۲) حالیہ تحقیق کے مطابق یہ سات میٹر لمبا، تین میٹر چوڑا، اور نصف میٹر اونچا ہے، اور اس کے تین جانب نصف میٹر اونچی سنہری ریلنگ لگی ہوئی ہے۔

بازار اور تجارتی مراکز کا قیام

شہری آبادی کی معاشی، سماجی اور یومیہ ضروریات پوری کرنے کے لیے شہر میں مارکیٹوں اور تجارتی مراکز کا قیام بھی ناگزیر ہے۔ رسول پاکؐ نے اس بنیادی ضرورت کو محسوس فرمایا، کیوں کہ بڑی تعداد میں مسلمان ہجرت کر کے مدینے میں آباد ہو گئے تھے، جن کے پاس زمین جائیداد نہیں تھی، وہ

تجارت پیشہ تھے اور ان کے معاشی استحکام کا ذریعہ تجارت ہی ہو سکتی تھی اور اس کے لیے بازار اور مارکیٹ کا فروغ شہری ریاست کی اہم ضرورت بن گئی تھی۔ معاشی مسائل میں توسیع، آبادی کی ہمیشہ ضرورت بن جاتی ہے۔اس کی تائید میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کا واقعہ نقل کیا جا تا ہے:

عن ابراهيم بن عبد الرحمن بن عوف قال لما قدموا المدينة آخى رسول الله ﷺ بين عبد الرحمن و سعد بن الربيع. قال لعبد الرحمن انى اكثر الانصار مالا،فؤقسم مالى نصفين ولى امرء تان،فانظر أعجبهما اليك فسمها لى اطلقها،فاذاانقضت عدتها فتزوجها .قال بارك الله لك فى اهلك و مالك،أين سوقكم؟ (۴۳)

ابراہیم بن عبد الرحمٰن بن عوف کہتے ہیں کہ جب صحابہ کرام مدینہ تشریف لائے تو نبی کریم ﷺ نے عبد الرحمٰن بن عوف اور سعد بن الربیع کے درمیان اخوت قائم کر دی۔سعد نے عبد الرحمٰن بن عوف سے کہا کہ میں انصار میں سب سے زیادہ مال دار ہوں سو میں اپنا مال نصف نصف (اپنے اور آپ کے درمیان) تقسیم کرتا ہوں، اور میری دو بیویاں ہیں،تمہیں ان میں سے جو زیادہ پسند ہو مجھے اس کا نام بتا دینا تو میں اسے طلاق دے دوں گا۔جب اس کی عدت پوری ہو جائے تو تم اس سے شادی کر لینا ۔عبد الرحمٰن بن عوف نے کہا :اللہ تعالیٰ آپ کے اہل خانہ اور مال میں آپ کے لیے برکت عطا فرمائے۔(آپ مجھے بس یہ بتا دیں کہ) آپ کا بازار کہاں ہے؟

رسول پاک ﷺ نے اس سلسلے میں دو امور کی طرف توجہ فرمائی ایک طرف تو آپؐ نے زراعت اور ملازمت کے مقابلے میں تجارت کی حوصلہ افزائی فرمائی اور اسے فروغ دینے کی ضرورت واضح کی، آپؐ نے ایمان دار تاجر کو اجر کے لحاظ سے صدیقین ، شہداء اور انبیاء علیہم السلام کے ہم رتبہ قرار دیا:

التاجر الصدوق الامين مع النبين والصديقين و الشهدآء (۴۴)

حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچا اور امانت دار تاجر(روزِ قیامت) انبیا، صدیقین اور شہدا کے ساتھ ہوگا۔

تجارت کرنے والے افراد کے لیے آپؐ نے برکت کی دعائیں کیں اور بھیک مانگنے والوں کی حوصلہ شکنی کی۔ نیز تجارت میں جھوٹ بولنے، دھوکا دینے اور بد معاملگی کرنے پر پابندی لگائی۔ تاجروں کو یہ تنبیہ بھی فرما دی کہ مالی امور کی نزاکت کے سبب اکثر تاجر روزِ قیامت گناہ گاروں کی

صف میں ہوں گے، مگر سچے اور متقی تاجروں کا ان سے استثنا فرما دیا، فرمایا:

ان التجار یبعثون یوم القیامۃ فجاراً الا من اتقیٰ اللّٰہ وبر وصدق (۳۵)

بلاشبہ قیامت کے دن (اکثر) تاجر گناہ گار اٹھائے جائیں گے، سوائے ان کے جو اللہ سے ڈرے اور انہوں نے نیکی کی اور سچ کو اپنا شعار بنایا۔

ایک روایت میں تجارت کو رزق کے دس میں سے نو حصے قرار دیتے ہوئے فرمایا:

علیکم بالتجارۃ فیھا تسعۃ اعشار الرزق (۳۶)

تم تجارت کو اپنے اوپر لازم کرلو کیوں کہ اس میں رزق کے دس میں سے نو حصے ہیں۔

ایک روایت میں بازاروں کو اللہ تعالیٰ کا دسترخوان قرار دیا، ارشاد ہے:

الا سواق موائد اللّٰہ تعالیٰ فمن اتاھا اصاب منھا (۳۷)

بازار اللہ تعالیٰ کے دسترخوان ہیں، جو ان میں آئے گا وہ ضرور ان سے (اپنا حصہ) پائے گا۔

مدینہ کی مرکزی مارکیٹ

آپؐ نے وسط مدینہ میں ایک مرکزی مارکیٹ بنوائی جسے سوق المدینہ کہا جاتا ہے۔ اس وقت مدینے کی مشہور اور بڑی مارکیٹ قینقاع تھی جو یہودیوں کے علاقے میں تھی، وہاں وہ گاہکوں کا استحصال کرتے اور ان کی عورتوں کے ساتھ چھیڑ خانی اور بدتمیزی بھی کرتے تھے، اسی وجہ سے وہ جلا وطن کیے گئے۔ رسول پاکؐ نے اس کے مقابلے میں مدینہ کی مرکزی جگہ پر مسجد نبوی اور بقیع کے نزدیک ''سوق المدینہ'' (مدینہ مارکیٹ)بنوائی۔ اس زمانے میں قینقاع کی مارکیٹ کے علاوہ چھوٹی چھوٹی اور بھی کئی مارکیٹیں تھیں، مثلاً زبالہ مارکیٹ، جسر مارکیٹ، صفاجت مارکیٹ وغیرہ۔ مگر رسول پاکؐ نے بازار مدینہ کو سپر مارکیٹ کی حیثیت دی، جہاں ضرورت اور تجارت کی ساری چیزیں مہیا ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے اس سپر مارکیٹ کی منصوبہ بندی کرتے ہوئے قینقاع کے بازار کے ساتھ متعدد مقامات کا معائنہ فرمایا اور بالآخر مدینہ بازار کے محل وقوع کی تعیین فرمائی۔

حضرت عطا بن یسار کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کے لیے مارکیٹ بنانے کا ارادہ فرمایا تو پہلے قینقاع کے بازار تشریف لے گئے پھر سوق المدینہ کی جگہ آئے اور آپؐ نے پاؤں سے اشارہ فرمایا کہ یہ تمہاری مارکیٹ ہو گی۔(۳۸)

عباس بن سہیل کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ قبیلہ بنی ساعدہ تشریف لائے اور فرمایا

میں تمہارے پاس ایک ضرورت سے رکا ہوں، تم لوگ اپنے قبرستان کی جگہ مجھے دے دو، تاکہ میں وہاں مارکیٹ بناؤں، بعض لوگوں نے اپنے حصے کی زمین دے دی اور بعض نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ یہاں ہماری قبریں ہیں اور ہماری عورتوں کے نکلنے کی جگہ ہے، مگر بعد میں باہم گفت و شنید کر کے وہ جگہ حضورؐ کے حوالے کر دی گئی اور آپؐ نے وہاں مارکیٹ بنادی۔(۳۹)

نبی ﷺ نے اس مارکیٹ کی مرکزیت، وسعت اور عوامیت کو برقرار رکھنے کے لیے فرمایا:

هذا سوقكم فلا ينقص منه ولا يضربن عليه الخراج (۴۰)

یہ تمہارا بازار ہے نہ تو اس کو کم کرو اور نہ اس میں ٹیکس لگاؤ۔

اس حکم نامہ کی حکمت یہ تھی کہ اگر بازار کی جگہ تنگ ہو گی یا اس میں خرید و فروخت پر ٹیکس لگے گا تو بیوپاریوں کی کثرت نہ ہو گی، لہذا ان دونوں باتوں سے گریز کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مارکیٹ میں خرید و فروخت کرنے کی بڑی حوصلہ افزائی فرمائی، آپ نے فرمایا:

الجالب سوقنا كالمجاهد في سبيل الله، وان المحتكر في سوقنا كالملحد في كتاب الله (۴۱)

ہمارے بازار میں سامان لانے والا مجاہد فی سبیل اللہ کی مانند ہے اور بازار میں سامان روکنے والا اللہ کی کتاب میں سرکشی کرنے والے کی مانند ہے۔

آپؐ نے مزید فرمایا:

لايحتكر الاخاطي (۴۲)

سامان روکنے والا مجرم ہے۔

اسی طرح رسول پاک ﷺ نے بازار میں سامان پہنچنے سے پہلے راستے میں روک کر خریدنے پر پابندی لگا دی، جسے حدیث کی اصطلاح میں تلقی بیوع کہا جاتا ہے۔ آپؐ نے مزید فرمایا:

لايبيع حاضر لباد (۴۳)

راستے میں کوئی شہری، دیہاتی سے خرید و فروخت نہ کرے۔

اس ساری منصوبہ بندی کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت جلد مدینہ تجارتی مرکز کی حیثیت اختیار کر گیا، دور دراز سے لوگ اس شہر میں تجارت کے لیے آنے لگے، اور مدینہ کے لوگوں نے تجارتی سامان لانے کے لیے باہر جانا شروع کر دیا۔

مدینہ کی مارکیٹ کی وسعت اور مرکزیت بعد میں بھی برقرار رہی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک لوہار نے اس مارکیٹ میں ایک بھٹی لگائی تو حضرت عمرؓ نے اسے منہدم کرا دیا اور فرمایا کہ تم رسول اللہ ﷺ کی مارکیٹ کا دائرہ تنگ کر رہے ہو۔(۴۴) آج چودہ سو تیس برس سے زیادہ عرصہ

گزر جانے کے باوجود مدینے کی مارکیٹ کی مقبولیت میں مسلسل اضافہ ہی ہوا ہے، اس وقت اس کی حیثیت عالمی مارکیٹ کی سی ہے، دنیا کے ہر خطے سے ہر سال لاکھوں کی تعداد میں حاجی اور عمرہ کرنے والے وہاں پہنچتے ہیں، اور مدینہ مارکیٹ میں خریداری کرنے کو سعادت کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

مارکیٹ افسروں کا تقرر

مقامی منتظمین میں بازار کے افسروں کا ذکر بھی ملتا ہے جو خاص اہمیت کا حامل ہے۔ شہر مدینہ اور دوسرے بازاروں میں حضورؐ کا اقتدار و اختیار بطور سربراہِ مملکت کے قائم تھا۔تاہم آپؐ نے مدینہ کے لیے ایک مخصوص افسرِ بازار کا تقرر کیا تھا،اور وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے۔فتح مکہ کے فوراً بعد بنو امیہ کے خاندان سعیدی کے ایک فرد حضرت سعیدؓ بن سعید اموی کو مکہ کے بازار کا افسر مقرر کیا گیا تھا۔حضرت عمر کی مثال سے یہ بھی معلوم ہو تا ہے کہ یہ افسر مستقل ہو تے تھے اور ان کو اس خدمت کا معاوضہ بھی ملتا تھا۔(۴۵)

سرکاری مہمان خانہ

نبیِ رحمت علیہ الصلوۃ والسلام نے شہر کی بلدیاتی تنظیم میں اس بات کا بھی خیال رکھا تھا کہ سرکاری مہمانوں اور آنے والے وفود کے لیے مہمان خانوں کا انتظام کیا جائے۔ رسول پاک ﷺ سے ملاقات کی سعادت حاصل کرنے اور دینِ اسلام کو سمجھنے کے لیے آئے دن نو مسلموں اور مہمانوں کی آمد ہوتی تھی، ان مہمانوں کے قیام و طعام کا انتظام انصار کے گھروں میں کیا جاتا اور بعض اوقات انہیں مسجد نبوی میں بھی ٹھہرایا جاتا تھا، خصوصاً صفہ کے مدرسے میں۔ بعد میں جب خوش حالی آئی اور مہاجرین کے مکانات تعمیر ہونے لگے تو باقاعدہ طور پر سرکاری مہمان خانے کا بھی انتظام کیا گیا، اس سلسلے میں حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف نے ایک بڑا سا گھر بنایا ، ان کے اس بڑے گھر کو گیسٹ ہاؤس بنا دیا گیا۔ نورالدین سمہودی تحریر کرتے ہیں :

> کان عبدالرحمن ینزل فیھا ضیفان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکانت ایضاً تسمی دار الضیفان (۴٦)

> عبد الرحمٰن بن عوف اس میں رسول اللہ ﷺ کے مہمانوں کو ٹھہرایا کرتے تھے،
> چناں چہ اس گھر کو مہمان خانہ بھی کہا جاتا تھا۔

مدنی زندگی کے آخری دنوں میں بالخصوص ۹ھ میں جب مفتوحہ ممالک کے وفود کی آمد کثرت سے ہونے لگی جن کی تعداد بعض اوقات دو سو تک پہنچ جاتی تھی تو بعض بڑی حویلیوں کو مہمان خانہ بنا

کر ان کے قیام و طعام کا انتظام کیا جاتا تھا۔(۴۷) اس طرح رسول پاک ﷺ نے آنے والے مہمانوں کی مہمان نوازی کے لیے انصار کی روایتی مہمان نوازی کے جذبے کا بھی فائدہ اٹھایا اور باقاعدہ مہمان خانے بھی قائم فرمائے۔

سڑکوں اور گلیوں کا معیار اور پیمائش

آبادی میں اضافہ ہونے کے ساتھ جب شہر گنجان ہونے لگا تو گلیاں اور راستے بھی تنگ پڑنے لگے۔ رسول پاک ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ راستوں کو اتنا چوڑا رکھا جائے، آپؐ کا فرمان عالی شان ہے:

اذا شککتم فی الطریق فاجعلوا سبعة اذرع تختلف فیه الحاملتان (۴۸)

جب تم راستوں کی توسیع کرو تو انہیں سات گز چوڑا رکھو (تاکہ) دو لدے ہوئے جانور بآسانی آمنے سامنے سے گزر سکیں۔

اس بات سے گویا آپؐ نے دو رویہ ٹریفک اور بلدیاتی منتظمہ کا تصور دیا۔ سڑکیں شہر کے ڈھانچے کا ایک اہم حصہ ہوتی ہیں، انہیں ہر ممکن حد تک وسیع ہونا چاہیے تاکہ ٹریفک کے نظام میں کوئی خلل نہ پڑے۔سڑکوں کے تنگ ہونے سے ٹریفک کے مسائل بڑھتے ہیں، گندگی پھیلتی ہے اور سماجی پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔

صفائی کا اہتمام

بلدیاتی انتظام کا اہم مسئلہ صحت اور صفائی کا بھی ہے جس کے تحت اس بات کو یقینی بنانا شامل ہے کہ سڑکوں ، گلیوں اور محلوں میں غلاظت اس طرح جمع نہ ہو جائے کہ وہ صحت اور ماحول کے لیے خطرہ بن جائے۔ رسول پاک ﷺ نے گھر، آنگن اور ماحول کو صاف رکھنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ شہری صفائی کے اس معاملے کو حضور ﷺ نے نظر انداز نہیں کیا۔آپؐ نے جہاں صفائی کو نصف ایمان قرار دیا وہاں اس کے لیے عملی اقدامات بھی فرمائے۔آپؐ نے مسجد نبوی کی صفائی کے لیے حبشہ کی رہنے والی ام محجن نامی ایک عورت کو مقرر فرمایا۔ (۴۹)

ابتدائی دور میں مدینہ میں رفع حاجت کے لیے بالعموم مرد اور خواتین جنگل میں جاتے تھے۔ رسول پاکؐ نے اس ضروری مسئلے پر بھی توجہ فرمائی۔سب سے پہلے آپؐ نے سڑکوں اور سایہ دار پیڑوں اور ادھر اُدھر رفع حاجت کرنے سے منع فرمایا، دوسرے یہ کہ آپؐ نے گھروں کے ساتھ بیت الخلا بنانے کی تعلیم و ترغیب دی ، چناں چہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا واقعہ افک کا تذکرہ کرتے ہوئے ام

مسطح کے ساتھ ایک شب باہر نکلنے کی بابت فرماتی ہیں:

و ذالك قبل ان نتخذ الكنف قريبا من بيوتنا و امرنا امر العرب الاول في التنزه في البرية (۵۰)

یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب ہمارے گھروں سے متصل بیت الخلاء نہیں بنے تھے اور ہم اوّلین عربوں کی طرح باہر جا کر پاکی حاصل کرتے تھے۔

اس روایت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بعد میں مدینہ میں گھروں میں بیت الخلا بن گئے اور خواتین کو باہر جانے کی زحمت سے نجات ملی۔

روشنی کا انتظام

آپؐ نے مسجد نبوی میں چراغ جلانے کے لیے ایک شخص کا تقرر فرمایا جو رضا کارانہ طور پر روزانہ مسجد نبوی میں چراغ جلاتا تھا۔ روایت میں ہے:

قال رسول الله :من أسرج مسجدنا؟ فقال تميم بغلامي هذا، فقال ما اسمه؟ فقال:فتح. فقال رسول الله :اسمه سراج (۵۱)

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’ہماری مسجد کو کس نے روشن کیا‘‘؟تمیم نے عرض کیا: میرے اس غلام نے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا: ’’اس کا نام کیا ہے‘‘؟ انھوں نے عرض کیا: فتح۔ (اس پر) حضور نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: ’’اس کا نام سراج (چراغ) ہے‘‘۔

ملک عرب میں بلدیاتی اور ریاستی سطح پر صفائی اور عوامی مقامات پر روشنی، سینی ٹیشن اور اسٹریٹ لائٹس کے منظم انتظام کی جانب یہ پہلا قدم تھا۔

ہسپتال کا قیام

امام بخاریؒ نے باب الخيمة للمرضى في المسجد قائم کر کے یہ واضح کیا ہے کہ رسول پاک نے ہسپتال کے قیام کو بھی اپنی اوّلین توجہ کا مرکز بنایا اور اس کے لیے مسجد نبوی کے صحن میں خیمہ نصب کیا جاتا، جہاں مریضوں کا علاج ہوتا۔(۵۲)رسول پاک ﷺ کی جانب سے دی جانے والی صحت و صفائی کی تعلیم نے بیماری کو کم سے کم کر دیا تھا، اس کے باوجود جو لوگ بیمار ہوتے تھے ان کا علاج کرانے پر زور دیا گیا اور ان کے لیے مسجد نبوی میں شفا خانہ کا انتظام کیا گیا۔

تفریح گاہوں کا قیام

شہریوں کو صحت مند ماحول اور معاشرے کی فراہمی شہری حکومت کی ذمہ داری ہے۔ ترقی یافتہ اور مہذب شہروں کی منصوبہ بندی میں پارک اور سیر گاہ کو آج غیر معمولی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ یہ ضرورت عہد نبوی میں بھی نظر آتی ہے ، رسول پاک ﷺ نے اس مقصد کے لیے مدینہ شہر کے باہر وادی عقیق کو منتخب فرمایا تھا، وہاں آپؐ نے سیر گاہ حمی النقیع کے نام سے بنوائی، جو گھوڑوں کی چراگاہ بھی تھی، وہاں پیڑ پودے اس کثرت سے لگوائے گئے کہ وہ خوبصورت تفریح گاہ بن گئی۔ باغات، پانی اور شادابی کے سبب یہ جگہ سیر گاہ مدینہ کہلائی۔ رسول پاکؐ آرام کے لیے وہاں تشریف لے جاتے، آپؐ کو یہ جگہ بے حد پسند تھی۔ (۵۳)

ایک مرتبہ رسول پاک ﷺ جب وادی عقیق کی سیر سے لوٹے تو آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: ''میں وادی عقیق سے آ رہا ہوں، کتنی موزوں جگہ ہے اور کتنا میٹھا اس کا پانی ہے''۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: '' پھر کیوں نہ ہم لوگ وہاں منتقل ہو جائیں''؟ تو حضورؐ نے فرمایا کہ'' اب یہ کیسے ممکن ہے، لوگوں نے مدینے میں گھر بنا لیے ہیں''۔(۵۴) صحابہ کرام میں جو اہل ثروت تھے ، وہ وہاں جاکر اپنی حویلیاں تعمیر کر لیتے تھے، یہ گویا ان کے لیے سمر ہاؤس تھے، اہل مدینہ کے لیے رسول پاکؐ کی طرف سے یہ ایک خوبصورت عطیہ تھا۔

شہر کی تزئین و آرائش اور شجر کاری

رسول پاک ﷺ نے مدینہ کی ٹاؤن پلاننگ کرتے وقت صرف اس کی آباد کاری اور سہولیات کی فراہمی ہی کا خیال نہیں رکھا بلکہ شہر کی زینت و رونق اور خوبصورتی کو بھی پیش نظر رکھا، اسی وجہ سے یہاں کے قلعوں کو مسمار کرنے اور بلا ضرورت درختوں کو کاٹنے سے منع فرمایا، چناں چہ محدث بیہقی فرماتے ہیں:

> ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما اراد بقاء زینہ المدینۃ و بھجتھا لتتوطن کما منع منھدم اطام المدینۃ لذالک، قال ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ھدم اطام المدینۃ وقال انھا زینۃ المدینۃ

> نبیؐ نے مدینے کی زینت اور خوبصورتی کو پیش نظر رکھا تاکہ یہ شہریوں کے لیے اچھی سکونت کی جگہ رہے، اسی لیے آپ نے مدینے کے قلعوں اور گڑھیوں کو مسمار کرنے سے منع فرمایا۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ نبیؐ نے مدینے کے قلعوں کو

مسمار کرنے سے یہ کہہ کر منع فرمایا کہ" وہ مدینہ کی زینت ہیں"۔

مقامی بلدیاتی منتظمین کا تقرر

نبی کریم ﷺ نے مدینے کا بلدیاتی نظام چلانے کے لیے مقامی طور پر منتظمین کا تقرر بھی فرمایا تھا۔یہ منتظمین بے شمار تھے۔ ان مقامی منتظمین میں شہر مدینہ کے نقیب بھی شامل ہیں۔ان کی انتظامی ذمہ داری بھی کچھ اسی نوعیت کی تھی۔(۵۵)

ان کی تعداد شروع میں بارہ تھی جن میں سے نو خزرج اور تین اوس کے تھے۔بعد میں بعض کی وفات کے بعد ان کے جانشینوں کو مقرر کیا گیاجن کی کل تعداد اٹھارہ تھی ان میں سے خزرج کے بارہ افراد تھے جن کے اسماء گرامی یہ ہیں: حضرت اسعد بن زرارہ، حضرت سعد بن ربیع،حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت رافع بن مالک، حضرت براء بن معرور، حضرت بشر بن براء بن معرور، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت سعد بن عبادہ، حضرت منذر بن عمرو، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت عمرو بن جموح، حضرت میتب بن عمرو، ان میں حضرت بشر اور آخری دو حضرات بعد کے دور میں تعینات ہوئے تھے۔اوس کے نقیب یہ تھے۔حضرت اسید بن حضیر، حضرت سعد بن خیثمہ، حضرت رفاعہ بن عبدالمنذر، حضرت ابو الہیثم بن التیہان، اور حضرت رافع بن خدیج۔ان میں مؤخر الذکر دو کا تقرر بعد کے زمانے میں ہوا۔حضرت اسعد بن زرارہ خزرج کے نقیب النقباء تھے مگر ہجرت کے فوراً بعد ہی ان کی وفات ہو گئی اور حضور نبی کریم ﷺ نے یہ عہدہ جلیلہ بنفس نفیس سنبھال لیا۔(۵۶)

حرفِ آخر

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو آپؐ کی شخصیت صرف ایک روحانی پیشوا، مذہبی رہنما اور معلمِ اخلاق ہی کی نظر نہیں آتی بلکہ ایک مفکر، منتظم اور منصوبہ ساز کی بھی دکھائی دیتی ہے۔ آخری رسول ہونے کے ناتے اللہ تعالیٰ نے دین و دنیا کی تعمیر کی اَن گنت صلاحیتیں آپؐ کو ودیعت کی تھیں اور پھر اپنے فیضانِ خاص سے بذریعہ وحی آپؐ کی رہنمائی فرمائی، یہی وجہ تھی کہ بہ یک وقت دین و دنیا دونوں لحاظ سے آپؐ کامیاب رہنما اور حکمران ثابت ہوئے۔ اس کی ایک مثال شہری آباد کاری اور تعمیرات کے سلسلہ میں آپؐ کی وہ منصوبہ بندی ہے جس کی کچھ جھلکیاں اوپر پیش کی گئی ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ وفاء الوفاء: نور الدین علی بن احمد السمہودی / مترجم: محمد زاہد حسینی، تذکرہ دیار حبیب / ص ۲۲

۲۔ مدنی معاشرہ عہد رسالت میں / اکرم ضیاء العمری / ترجمہ: عذرا نسیم فاروقی / ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۲۰۰۵ء / ص ٦٦

۳۔ جواد علی / تاریخ العرب قبل الاسلام / ج ۳، ص ۲۹۵

۴۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر / عہد نبوی کے میدان جنگ / نئی دہلی، ۲۰۰۱ء / ص ۲۲

۵۔ مسلم، ابوالحسین مسلم بن حجاج بن مسلم القشیری (م ۲۶۱ھ) / الصحیح، باب فضل المدینۃ و دعاء النبی فیہا بالبرکۃ

۶۔ السمہودی، نور الدین علی بن احمد (م ۹۱۱ھ) / وفاء الوفا / دار النفائس، ریاض، س۔ن / ج ۱ / ص ۹۴

۷۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر / پیغمبر اسلام / مترجم: پروفیسر خالد پرویز / ملتان، بیکن بکس، ۲۰۰۵ء / ص ۱۹۳

۸۔ ڈاکٹر حمید اللہ کے بہ قول مقریزی نے ان کی تعداد ۱۸۶ بتائی ہے، وہ اس سلسلے میں ابن جوزی کے حوالے سے مقریزی کا قول نقل کرتے ہیں۔ دیکھیے: محمد حمید اللہ، ڈاکٹر / پیغمبر اسلام / مترجم: پروفیسر خالد پرویز / ملتان، بیکن بکس، ۲۰۰۵ء / ص ۱۹۴

۹۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: عہد نبوی کے غزات و سرایا اور ان کے مآخذ پر ایک نظر / اکبر آبادی، سعید احمد، مولانا / اسلامک ریسرچ اکیڈمی، کراچی، ۲۰۰۹ء / ص ۴۹

۱۰۔ بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل (م ۲۵٦ھ) / الصحیح / کتاب الجہاد، باب کتابۃ الامام الناس / ج ۱ / ص ۴۳۰، رقم الحدیث: ۲۸۳۲

۱۱۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس واقعے کا ذکر سمہودی کے حوالے سے کیا ہے۔ (سمہودی / وفا / ص ۱۳۳۵)

۱۲۔ (بہ تغییر یسیر) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر / پیغمبر اسلام / مترجم: پروفیسر خالد پرویز / ملتان، بیکن بکس، ۲۰۰۵ء / ص ۲۲۲

۱۳۔ احمد بن حنبل، ابو عبداللہ الشیبانی، الامام (م ۲۴۱ھ) / المسند / بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۹۹۱ء / ج ۳ ـ ص ۴۰۷

۱۴۔ ابن سعد اور سمہودی جیسے سیرت نگاروں نے اپنی کتابوں میں اس منصوبہ بندی کی تفصیل بیان کی ہے۔

۱۵۔ وفاء الوفاء / ج ۱ / ص ۵۲۷

۱٦۔ احمد بن محمد القسطلانی / المواہب اللدنیہ / پور بندر، گجرات، ۱۴۲۱ھ / ج ۱ / ص ۳۱۱

۱۷۔ وفاء الوفاء / ج ۱ / ص ۵۲۷

۱۸۔ نجمہ راجا یسین / عہد نبوی کا بلدیاتی نظم ونسق / اسلامک ریسرچ اکیڈمی، کراچی، ۲۰۰۸ء / ص ۱۴۸

۱۹۔ وفاء الوفاء / ج ۱ / ص ۸۴

۲۰۔ سیرت النبی / ج ۲ / ص ۱۱٦

۲۱۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر / خطبات بہاولپور / نئی دہلی، ۱۹۹۷ء / ص ۳۱۴

۲۲۔ العلق / ۱-۳

۲۳۔ البقرہ/۱۵۱

۲۴۔ ابن ماجہ/ السنن، (باب فضل العلماء و الحث علیٰ طلب العلم) /داراحیاء التراث العربی بیروت/ج ا۔۸۳☆ خطیب بغدادی/ الفقیہ والمتفقہ / بیروت/ج ا۔ص ۱۰، ۱۱☆ عبدالفتاح ابو غدۃ/ الرسول المعلم وأسالیبہ فی التعلیم /کراچی، مکتبہ غفوریہ ۱۹۹۹ء/ص ۹، ۱۰

۲۵۔ السمہودی ، نور الدین علی بن احمد (م ۹۱۱ھ)/وفاء الوفا/ دار النفائس، ریاض،س۔ن/ ج ا، ص ۲۵۰

۲۶۔ ابن قیم الجوزیۃ، ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر(م ۷۵۱ھ)مؤسسۃ الرسالۃ،بیروت، ۱۹۷۹ء/زاد المعاد/ ج ا، ص ۱۰۰☆ابن اثیر، ابو الحسن علی بن ابی بکر محمد بن الجزری(م۶۳۰ھ)/اسد الغابۃ، تذکرہ رافع بن مالک رضی اللہ عنہ/دار احیاء التراث العربی ، بیروت، س۔ن/ج ۲، ص ۱۵۷) دوسرا مرکز مدینہ کے جنوب میں تھوڑے فاصلے پر واقع قبا کی بستی میں تھا، (بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل (م ۲۵۶ھ)/الصحیح / کتاب الاذان، باب امامۃ العبد و المولیٰ /دارالسلام للنشر و التوزیع، ریاض ، ۱۹۹۹ء/رقم الحدیث:۶۹۲/ ص ۱۱۳☆ابن عبد البر، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد القرطبی (م ۴۶۳ھ)/جامع بیان العلم، باب جامع القول فی العمل بالعلم/ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، مصر، س۔ن/ ج ۲، ص ۶

۲۷۔ ابن ہشام،ابو محمد عبد المالک(م۲۱۸ھ)/ السیرۃ النبویۃ،العقبۃ الاولیٰ و مصعب ابن عمیر/دارا حیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۵ء/ ج ۲، ص ۴۷۔ ۴۸☆اسد الغابۃ ، تذکرہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ/ج ا، ص ۷۱

۲۸۔ مبارک پوری،قاضی محمداطہر/ خیر القرون کی درس گاہیں اور ان کا نظام تعلیم و تربیت / انڈیا،شیخ الہند اکیڈمی، ۱۹۹۵ء/ص ۳۷

۲۹۔ نصیر احمد ناصر/ پیغمبر آخر و اعظم /لاہور، فیروز سنز/ص ۴۱۶

۳۰۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر/ خطبات بہاولپور/اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۹۲ء/ص ۲۲۸

۳۱۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر/ عہد نبوی میں نظام حکمرانی / کراچی،اردو اکیڈمی، ۱۹۸۷ء/ص ۱۹۶

۳۲۔ محمد لبیب البتنونی / رحلۃ الحجازیۃ /مصر، مطبع الجمالیہ، ۱۳۲۹ھ/ص ۲۴۰

۳۳۔ بخاری،ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم(م۲۵۶ھ)/الصحیح /کتاب المناقب،باب اخاء النبی بین المہاجرین والانصار/ دارالقلم ،دمشق ،بیروت، ۱۹۸۱ء/ ج ۳، ص۱۳۷۸، رقم ۳۵۶۹

۳۴۔ ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی/ الجامع السنن، دارالفکر، بیروت، ۱۹۹۴ء/ تحقیق: صدقی محمد جمیل عطار/ ج ۳۔ ص ۵، رقم ۱۲۱۳

۳۵۔ ترمذی/ الجامع السنن/ ج ۳۔ص ۵، رقم ۱۲۱۴

۳۶۔ الغزالی،ابو حامد محمد بن محمد / احیاء علوم الدین/ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ۱۹۳۹ء/ ج ۲۔ص ۶۴۔

۳۷۔ محولہ بالا

۳۸۔ وفاء الوفاء/ج ا،ص ۵۳۹

۳۹۔ ایضاً، ص ۵۴۰

۴۰۔ محولہ بالا

۴۱۔ ایضاً/ص۵۴۶

۴۲۔ ترمذی، کتاب البیوع، باب ما جاء لا یبیع حاضر لباد

۴۳۔ محولہ بالا

۴۴۔ وفاء الوفاء/ج۱/ص۵۴۱

۴۵۔ الکتانی، التراتیب الادریۃ،۱: ۲۸۴ص

۴۶۔ وفاء الوفاء/ج۱/ص۵۲۵

۴۷۔ ابن سعد/الطبقات الکبریٰ/ بیروت/ ج۱، ص۳۴۶

۴۸۔ بیہقی، ابوبکر، الامام(م۴۰۸ھ)/السنن الکبریٰ/ملتان، نشر السنۃ ،س۔ن/ج۶/ص ۱۵۵۔ رقم الحدیث:۱۱۲۴۲

۴۹۔ بخاری، الصحیح،کتاب الصلاۃ، باب کنس المسجد/ج۱/ص ۱۷۵، رقم : ۴۴۶☆مسلم ، ابوالحسین مسلم بن حجاج بن مسلم القشیری(م ۲۶۱ھ)/ الصحیح ،کتاب المساجد، باب فضل صلاۃ العشاء/۲: ۵۹،رقم: ۹۵۶

۵۰۔ اسماعیل بن کثیر/تفسیر القرآن/ ج۳/ص۲۹۶

۵۱۔ حلبی، علی بن برہان الدین(م)/ السیرۃ الحلبیۃ /بیروت ، لبنان، دار المعرفۃ ، ۱۴۰۰ھ/ج۲، ص ۲۷۸

۵۲۔ بخاری/ باب الخیمۃ للمرضیٰ فی المسجد☆ صحیح ابن خزیمہ/ باب الرخصۃ فی تمریض المرضیٰ فی المسجد/ جزء۵، ص ۱۴۸

۵۳۔ ایضاً/ج۲/ص۱۸۷

۵۴۔ محولہ بالا

۵۵۔ ابن ہشام/ السیرۃ النبویۃ/ ج۲۔ص ۴۹۱

۵۶۔ واقدی، محمد بن عمر (م۲۰۷ھ)/ کتاب المغازی/ تحقیق:محمد عبد القادر احمد عطا/بیروت، دارالکتب العلمیۃ، ۱۴۲۴ھ/ ۵۶۱ص

***

ماہنامہ دعوۃ .... اسلام آباد جلد: ۱۶ شمارہ: ۷۔۱۰

جسمِ انسانی پر محسنِ انسانیتؐ کے احسانات

ڈاکٹر رفیق احمد غنچہ

نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین بن کر آئے۔انہوں نے زندگی کے ہر شعبے میں اپنے ساتھیوں کی تربیت کی تا کہ تمام روئے زمین پر آنے والی نسلوں تک ان کے طریق تربیت کے فیض سے رحمت و شفقت پہنچتی رہے۔ انسان کے لیے روحانی صحت کے ساتھ ساتھ جسمانی صحت کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور پاکؐ نے روحانی امور کے ساتھ جسمانی اور قوت پر بھی خصوصی توجہ دی۔ آپؐ کوئی پیشہ ور طبیب نہیں تھے تاہم آپؐ نے وحی الٰہی کے ذریعے سے علمِ طب کے چند ایسے زریں اصول دنیا کے سامنے پیش کیے کہ اگر ان پر عمل کیا جائے تو رہتی دنیا تک انسانیت اس سے فائدہ اٹھا سکتی ہے۔

مرض کے سلسلے میں اسلام کا فلسفہ

عام طور پر بیماری اور تکلیف کو مصیبت سمجھا جاتا ہے اور انسان پریشان ہو کر غلط حرکات کرتا ہے جو اسلام میں ناپسندیدہ ہیں۔ اسلام کے فلسفۂ زندگی کے مطابق ہر تکلیف اللہ کی جانب سے ہوتی ہے اور مسلمان کی شان یہ ہے کہ مرض کا انتہائی صبر اور شکر سے مقابلہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے شفا اور جزا کی امید رکھے۔ بیماری مصیبت نہیں بلکہ یہ انسان کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: ”بے شک اللہ تعالیٰ مومن کی تمام خطائیں ایک رات کے بخار سے دور فرما دیتا ہے“۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ کے سامنے بخار کا ذکر کیا گیا' اس پر ایک شخص نے بخار کو برا بھلا کہا تو حضور پاکؐ نے فرمایا ”بخار کو برا بھلا نہ کہو' یہ گناہوں کو یوں پاک کر دیتا ہے جیسے آگ لوہے کے زنگ اور میل کو دور کر دیتی ہے“۔ ایک اور مرتبہ فرمایا ”کوئی مومن مرد یا عورت ایسے نہیں کہ انہیں کوئی مرض لاحق ہو اور اللہ تعالیٰ اس مرض کو ان کے گزشتہ گناہ دور کر دینے کا ذریعہ نہ بنا دے“۔

بیماری ایک طرح سے نعمت کی حیثیت رکھتی ہے اس سے خطائیں معاف ہو جاتی ہیں' گناہ دور ہو جاتے ہیں' انسان کے اندر سوز و گداز' عجز و انکساری' خوفِ خدا اور آخرت کا خیال پیدا ہوتا ہے' صبر و شکر کے جذبات بیدار ہوتے ہیں' دوسروں کی تکلیف اور غم کا احساس انسان کے ضمیر کو جگاتا ہے اور اگر بیمار فرد مومن ہے تو آئندہ زندگی بہت بہتر بنا سکتا ہے۔

فلسفۂ علاج

حضور پاک ﷺ نے علاج کو برحق قرار دیا ہے۔ آپ اپنے مریض ساتھیوں کو اس وقت کے اطبا کے پاس بھیجتے تھے۔ حضور پاک ﷺ کی آخری بیماری میں مدینہ کے اطبا آتے تھے اور آپ کو دوائی دیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضورؐ کی مجلس میں ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے سوال کیا: ''یا رسول اللہؐ کیا تقدیر کے معاملے میں دوا سود مند ہے''؟ آپؐ نے اسے جواب دیا: ''دوا بھی تو تقدیرِ الٰہی سے ہے' وہ جسے چاہے اور جیسے چاہے نفع بخشتی ہے''۔ حضورؐ نے ایک اور حدیث میں فرمایا ما انزل اللہ داء الا انزل لہ شفا ''اللہ نے کوئی ایسی بیماری پیدا نہیں کی جس کی شفا نہ ہو''۔ یہ حدیث ریسرچ اور جستجو کے نئے راستوں اور نئی منزلوں کے لیے نشانِ راہ کا کام دیتی ہے۔ دور جانے کی ضرورت نہیں' پچھلی صدی کی ابتدائی دہائیوں تک جراثیم کش ادویات (Antibiotics) کا وجود نہیں تھا اور جراثیم کے حملے کے نتیجے میں لاکھوں اموات ہوتی تھیں۔ نمونیا' ٹائی فائیڈ کا شمار خطرناک بیماریوں میں ہوتا تھا۔ یہ بیماریاں اب قابلِ علاج ہیں اور تپ دق (T.B) کے لیے اب محض تین ماہ کا علاج کافی ہو رہتا ہے۔ اسی طرح کینسر چند سال قبل لاعلاج سمجھا جاتا تھا' آج اس کی بہت سی اقسام قابلِ علاج ہیں۔ جونہی کوئی نئی بیماری تشخیص ہوتی ہے' تحقیقاتی ادارے اس کے علاج کی جستجو میں مصروف ہو جاتے ہیں' اور عموماً کوئی حل نکال لیتے ہیں اور اللہ کے رسول ﷺ کا یہ قول سچ اور برحق ثابت ہوتا ہے کہ ہر بیماری کی شفا ہے۔

علاج اور فلسفۂ دعا

حضور ﷺ دوا کے ساتھ ہمیشہ دعا بھی فرمایا کرتے تھے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ جب شفا کی درخواست منظور فرما لے تو ڈاکٹر درست تشخیص کرنے میں کامیاب رہتا ہے اور دوائی اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنا اثر دکھا دیتی ہے اور مریض شفا یاب ہو جاتا ہے۔ خود مریض کی دعا دوسروں کے لیے بہت کارگر ثابت ہوتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ''جب تم مریض کے پاس جاؤ تو اسے یہ کہو کہ وہ تمہارے لیے بھی دعا کرے یقیناً اس کی دعا ایسی ہے جیسی فرشتوں کی دعا''۔

حفظانِ صحت اور احکاماتِ نبوی

''پرہیز علاج سے بہتر ہے''، آج ساری دنیا کے ادارے اس طرف توجہ دے رہے ہیں اور ہر میڈیکل کالج میں کمیونٹی میڈیسن کے نام سے ایک شعبہ قائم ہے۔ پوری دنیا میں لاکھوں ڈالر اس کام پر خرچ ہو رہے ہیں اور کوشش یہ ہو رہی ہے کہ پرہیز اور احتیاط کے ذریعے سے بیماریوں سے نجات حاصل کر لی جائے۔

حضورؐ نے چودہ سو سال پہلے چند ایسے زریں اصول بتائے جو آج کی دنیائے سائنس کے لیے بھی کام دے رہے ہیں۔ اگر ان پرمکمل طریقے سے عمل کیا جائے تو تقریباً ہر بیماری سے بچا جا سکتا ہے۔

انسانی جسم میں جلد (کھال) کی حیثیت تمام اندرونی اعضا کے لیے حفاظتی بند کی سی ہے۔ اس پر کوئی زخم، پھوڑا، پھنسی، یا دھوپ اور سردی کے اثرات اندر کے اعضا کو متاثر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جلد کی ساخت ایسی بنائی ہے کہ اس کے خلیوں کی صرف ایک یا دوتہیں نہیں ہیں جیسا کہ دیگر عضوات میں ہے بلکہ جلد کی بہت سی تہیں ہوتی ہیں اور اسے میڈیکل کی زبان میں Stratified Squamous Epithelium کہتے ہیں۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روز مرہ زندگی کے سلسلے میں جو ہدایات دی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ الطھور شطر الایمان''پاکیزگی ایمان کا حصہ ہے''۔ جسم کو ہر وقت صاف ستھرا رکھنا، صاف کپڑے پہننا اور نہانا صفائی کا حصہ ہیں۔ ان اقدامات سے جسم کی جلد پر ہر وقت موجود جراثیم staphylococus Strepto Coccus اور بہت سے دوسرے جراثیم دھل کر بہہ جاتے ہیں اور جلد صاف ہو جاتی ہے۔ ان جراثیم کی موجودگی مسلسل خطرے کا باعث ہوتی ہے۔ جونہی صفائی ستھرائی میں کمی آئے یہ جراثیم اپنا اثر ظاہر کرنا شروع کر دیتے ہیں اور قسم قسم کی جلدی بیماریاں انسان کو آ لیتی ہیں اور جلد کے ذریعے سے جسم کے باقی اعضا مثلاً ہڈی، پٹھے اور جوڑ وغیرہ بھی متاثر ہوتے ہیں۔ان بیماریوں سے بچنے کے لیے آج کل کی میڈیکل سائنس کا اصول یہ ہے کہ بار بار نہایا جائے اور جسم کو صاف ستھرا رکھا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے نماز فرض کی اور اس کے لیے وضو بھی فرض کیا۔ بغیر وضو کے نماز نہیں ہوتی۔ اگر وضو کے عمل پر غور کریں تو اس میں بھی یہ حقیقت پوشیدہ ہے کہ بار بار ہاتھ منہ اور پاؤں دھونے سے، کلی کرنے سے، ناک میں پانی ڈالنے سے ہر وقت موجود جراثیم دھل جاتے ہیں اور اس طرح نمازی ان حصوں کی بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔ سرجن آپریشن کی تیاری کرتا ہے تو ہاتھوں کے علاوہ

کہنیوں تک انتہائی احتیاط سے صفائی کرتا ہے تاکہ جراثیم دھل جائیں اور مریض تک نہ پہنچ سکیں۔ سر اور منہ کو ٹوپی سے ڈھانپا جاتا ہے تاکہ وہاں موجود جراثیم مریض کو نقصان نہ پہنچائیں۔ ایک مسلمان پانچ مرتبہ وضو کے ذریعے سے سرجن کے آپریشن کی تیاری کا عمل دہراتا ہے۔ یہ عمل اس کو کئی بیماریوں سے نجات دلاتا ہے' وضو کرتے ہوئے مسح کا عمل ماتھے' سر اور گردن کے جراثیم اتار پھینکتا ہے۔ اس کے علاوہ مسح کے عمل میں ماتھے' سر اور گردن پر ہلکا سا دباؤ پڑتا ہے جس سے ان حصوں میں موجود کیمیائی مادہ Metabolite ہٹ جاتا ہے اور اس سے انسان کو تازگی کا احساس ہوتا ہے اور وہ نماز کے لیے یکسو ہو جاتا ہے۔ مسح کا عمل دورانِ خون کو بھی تیز کرتا ہے' اس حیثیت سے بھی یہ ایک نفع بخش عمل ہے۔

حضور پاک ﷺ نے دس باتوں کو فطرت (دینِ حنیف) کا حصہ بتایا۔ ان میں ایک اصول راویہ کو یاد نہ رہا' باقی نو انہوں نے جو روایت فرمائے ان میں لبیں کٹوانا' ڈاڑھی بڑھانا' مسواک کرنا' ناک میں پانی ڈالنا' ناخن کٹوانا' انگلیوں کے جوڑ دھونا اور بغلیں لینا شامل ہے۔

یہ حدیث کمیونٹی میڈیسن کی بنیاد ہے۔ بغل' زیر ناف' انگلیوں کے جوڑ' ناخن اور لب بہت سارے کیڑوں اور جراثیم کے گھر ہوتے ہیں۔ ان جگہوں سے نہ صرف جلد کے اوپر بلکہ جسم کے اندر بھی بیماریاں پھیلتی ہیں۔ ناخن کے اندر پیٹ کے کیڑوں کے انڈے ہوتے ہیں جو منہ کے ذریعے سے پیٹ میں چلے جاتے ہیں اور وہاں بڑے بڑے سانپ نما کیڑوں کی شکل اختیار کر کے پورے جسم کے نظامِ انہضام کو تباہ کر دیتے ہیں۔ جسم کے جن مقامات پر جلد کی تہہ بنتی ہے مثلاً بغل' زیرناف' انگلیاں وغیرہ اس میں Scabies ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ یہ جلدی بیماری انہی جگہوں سے بڑھتی ہے اور اس کی مادہ کیڑا یہاں انڈے دیتی ہے۔ پس ناخن کٹوانا' بغل اور زیر ناف لینا' لبیں کٹانا' انگلیوں کے جوڑ دھونا' حفاظتی میڈیسن کی بنیاد ہیں۔

منہ جسم کے اندر جانے والی چیزوں کا دروازہ ہے اور دہانے کے اندر دانت' منہ کی خلعی تہہ (Mucous Membrane)' دانت' مسوڑھے' ٹانسلز (Tonsils) اور Oralcavity ہوتی ہے۔ یہ سب عضوات خوراک کو' یا اندر جانے والی کسی بھی چیز کو تیار کر کے' چیک کر کے اور آسان شکل میں ڈھال کر اندر بھیجتے ہیں تاکہ ہاضمے میں آسانی ہو۔ رحمۃ للعالمین ﷺ نے جسم کے اس انتہائی اہم حصہ کی حفاظت کے لیے کئی ایک ہدایات بیان فرمائیں جن میں کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونا اور کلی کرنا بھی شامل ہے۔ اس عمل سے' پہلے سے موجود یا بعد میں بننے والے غذائی Deposits دور

ہو جاتے ہیں اور دانت، مسوڑھے اور منہ کی بہت سی بیماریوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ آپؐ نے مسواک کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ وضو کرتے ہوئے مسواک کی جائے تو دانتوں کے درمیان موجود غذائی ذرات (پانچ مرتبہ) نکل جاتے ہیں۔ یوں یہ ذرات دانتوں اور مسوڑھوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ ان ذرات کے جمع ہونے سے Dental Carries Gingivitis اور اسی قسم کی بیماریاں ہوتی ہیں۔ ڈینٹل سرجن ہر چھ ماہ بعد دانتوں کی صفائی (Scaling) کروانے کو کہتے ہیں مگر حضور پاک ﷺ کے اس عمل سے دانت ہمیشہ صاف رہتے ہیں اور Scaling کی ضرورت نہیں پڑتی۔ حضور پاکؐ نے بہت زیادہ گرم اور چٹ پٹی چیزوں سے منع فرمایا۔ اسی ایک حکم پر اگر عمل کیا جائے تو منہ کے السر (Pharyngito) اور Stomatitis سے بچا جا سکتا ہے۔

منہ کے بعد کھانے کے نظامِ انہضام کی طویل ٹیوب شروع ہوتی ہے۔ اس نالی کے مختلف حصے اور مختلف کام ہیں لیکن یہ سب ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ نظامِ انہضام کے ساتھ رطوبتیں پیدا کرنے والے غدو(Glands)ہوتے ہیں مثلاً لبلبہ (Pancreas)، پتہ(Gall Bladder) اور جگر۔ جسم میں جانے والی خوراک جگر کے راستے گلوکوز بن کر خون میں چلی جاتی ہے۔ فالتو مادہ، ضائع شدہ مادہ (Waste Products) کی صورت میں جسم سے باہر نکل جاتا ہے۔ منہ سے لے کر پاخانہ کے سوراخ تک نظامِ انہضام کا ہر حصہ اہم ڈیوٹی انجام دیتا ہے اور ہر ایک کے لیے ایک خاص طبعی فضا (Physiological Environment) ضروری ہے۔ اگر اس میں ذرا بھی گڑبڑ ہو تو انسانی جسم کا یہ اہم سسٹم خراب ہو جاتا ہے اور بیماریوں کا طویل سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس نظام کو صحیح رکھنے کے لیے کھانے کا معیار (Quality) اور مقدار (Quantity) کا متوازن ہونا بہت ضروری ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اس سلسلے میں کیا ہدایات دی ہے۔

مقدار (Quantity) کے بارے میں آپؐ نے فرمایا کہ ”مومن ایک آنت سے اور کافر سات آنتوں سے کھاتا ہے“۔ پھر فرمایا کہ ”کمر سیدھی رکھنے کے لیے چند لقمے ہی کافی ہیں اور اگر لازماً کھانا ہی ہے تو معدہ میں ایک تہائی کھانا، ایک تہائی پانی اور ایک حصہ (ہوا) سانس کے لیے خالی رکھو“۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ آپؐ کھانے کے لیے دو زانو ہو کر بیٹھتے اور دایاں قدم مبارک کھڑا کر لیتے۔ یہ تمام احادیث خوراک کی متوازن مقدار کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ معدہ میں پانی، غذا اور رطوبتوں کے عمل سے کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس بنتی ہے اور یہ معدہ کے اوپر والے حصہ (Fundus) میں آ جاتی ہے۔ اگر معدہ کے اس حصے کو بھی خوراک سے بھر دیا جائے تو گیس کے لیے

جگہ نہ ہو گی۔ یہ عمل معدہ کی بہت سی بیماریوں کا باعث بنتا ہے اور سانس لینے میں دشواری پیدا کرتا ہے۔ دایاں قدم کھڑا کرنے سے معدہ قدرے دبا رہتا ہے اور اسے کھانا کھانے کے لیے کھلی چھٹی نہیں ملتی۔ اسی طرح یہ حدیث کہ'' مومن ایک آنت سے کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں سے''، بسیار خوری اور پرخوری سے کراہت کا اظہار ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے جسم میں جانے والی ہر خوراک گلوکوز بن کر خون کا حصہ بن جاتی ہے۔ فالتو غذا چربی کی صورت میں جسم میں جمع رہتی ہے اور حسبِ ضرورت گلوکوز بن کر جسم کو طاقت مہیا کرتی ہے۔ جسم کے ہر خلیے (Cell) کی خوراک گلوکوز ہے۔ یہ اس کے بغیر کام نہیں کر سکتا' گلوکوز کے لیے انسولین (Insulin) کا ہونا ضروری ہے۔ کسی بھی خلیے میں گلوکوز انسولین کے بغیر نہیں گھس سکتا اس لیے انسولین کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ یہ رطوبت لبلبے سے نکلتی ہے۔ لبلبہ جسم کی ساخت کے مطابق ایک خاص مقدار میں یہ رطوبت خارج کرتا ہے۔ اگر اس رطوبت سے گلوکوز کی مقدار زیادہ پیدا ہونا شروع ہو جائے تو یہ گلوکوز خون میں آ جاتا ہے اور اس طرح ذیابطیس (Diabetes) کی بیماری ہو جاتی ہے۔ ذیابطیس جسم کے ہر سسٹم کو متاثر کرتی ہے اور یہ بیماری Microvascular Angiopathy کہلاتی ہے یعنی اس کا نقصان خون کی چھوٹی سے چھوٹی اور باریک ترین نالیوں کو پہنچتا ہے اور اس طرح گردے' آنکھیں' دل اور جسم کے تقریباً تمام اعضا متاثر ہوتے ہیں۔ ان تمام بیماریوں کے مجموعے سے بچا جا سکتا ہے اگر انسان کھانے کے بارے میں حضور ﷺ کی ہدایات پر عمل فرمائے۔ مدینہ منورہ میں مصر سے آئے ہوئے ایک طبیب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ''یہ کیسا اتفاق ہے' میرے پاس آپ کے شہر کا کوئی مریض نہیں آتا' حالاں کہ میں آپ لوگوں کی خدمت کے لیے آیا ہوں''۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''ایسا اتفاق کی وجہ سے نہیں ہے۔ ہم لوگ بیمار ہی نہیں ہوتے کیوں کہ ہم کھانا اس وقت کھاتے ہیں جب شدید بھوک لگی ہو اور اس وقت ہاتھ روک لیتے ہیں جب ابھی کچھ بھوک باقی ہو''۔

یہ ساری احادیث شوگر' امراضِ قلب' بلڈ پریشر اور فالج وغیرہ سے بچنے کے لیے بہترین احتیاطی تدابیر کی حامل ہیں۔ بہت زیادہ غذا اور مرغن کھانوں سے دل پر بہت برا اثر پڑتا ہے اور کولیسٹرول (چربی) کی زیادہ مقدار دل کی رگیں بند کر دیتی ہے۔ اس طرح دل کا دورہ پڑتا ہے جو پورے جسم کو ہلا کر رکھ دیتا ہے۔ حضور پاک ﷺ نے فرمایا کہ ''انسان کے جسم میں ایک لوتھڑا ہے' جب تک وہ ٹھیک ہے سارا جسم ٹھیک کام کرتا ہے اور جب اس میں خرابی پیدا ہو جائے تو سارے جسم

میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے، خوب یاد رکھو یہ دل ہے"۔ یہ حدیث اور کھانے کے بارے میں باقی احادیث ملا کر پڑھی جائیں تو انسان عارضۂ قلب سے بچ سکتا ہے۔

حضور پاک ﷺ نے فرمایا کہ "دوپہر کے کھانے کے بعد قیلولہ کیا جائے اور رات کے کھانے کے بعد چہل قدمی"۔ یہ حدیث بہت ہی اہم طبی حقائق کی نشان دہی کرتی ہے۔ کھانے کے فوراً بعد غذا کے ہاضمے کے لیے جسم کے مختلف حصوں سے خون نظامِ انہضام میں آ جاتا ہے تاکہ کھانے کو ہضم کرنے کے ساتھ، مختلف مراحل سے گزار کر گلوکوز بنا سکے اور یہ خون کا حصہ بن جائے۔ خون کے اس اجتماع کی وجہ سے غنودگی اور سستی طاری ہوتی ہے۔ یہ سستی ہاضمے کے لیے فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔ اس طرح مختلف نظام ہائے جسم کو اپنا اپنا کام کرنے کا وقت مل جاتا ہے اور انسان تازہ دم ہو کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ دوپہر کو قیلولہ کرنے میں دوسری مصلحت یہ ہے کہ اس سے تمام جسم شام تک کام کرنے کے لیے دوبارہ تیار ہو جاتا ہے۔ یوں انسان کی قوتِ کار بڑھ جاتی ہے۔

رات کے کھانے کے بعد جسم کو طویل وقفے کے لیے آرام کرنا ہوتا ہے اور اعصابی نظام نے حیاتیاتی گھڑیال (Biological Clock) کے ذریعے سے اس وقفۂ آرام کو منظم کر رکھا ہوتا ہے۔ رات کے آرام میں تمام اعضا ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور ان کو طاقت کی بہت معمولی مقدار کی ضرورت ہوتی ہے جس سے خلیے ضروری کام کر سکیں۔ اسی لیے رات کو Low Metabolism ہوتی ہے یعنی انسانی جسم خوراک کو طاقتی حراروں میں بہت کم استعمال کرتا ہے۔ چناں چہ چہل قدمی سے جسم کے تمام اعضا کو تھوڑی سی مشق سے فٹ کیا جاتا ہے۔ طاقت کا یہ استعمال رات کے آرام سے متوازن ہو جاتا ہے۔ چہل قدمی سے معدہ میں غذا نیچے چلی جاتی ہے اور اس طرح معدہ کا بوجھ کم ہو جاتا ہے جو سونے کے وقت آسانی مہیا کرتا ہے۔ اگر معدہ بہت زیادہ بھرا ہوا ہو تو Sleep Apnea Dysp Nea بدہضمی اور سانس کے عمل کو دشوار کرتا ہے۔

سنت کے مطابق شام کا کھانا عام طور پر مغرب کے بعد کھایا جاتا تھا اور یوں عشا کی طویل رکعتیں اور چہل قدمی اس کے ہاضمے میں مدد کا ذریعہ بنتی تھی۔ آج بھی جن لوگوں کے کھانے کے اوقات یہی ہیں وہی لوگ فائدے میں ہیں۔ الغرض نظامِ انہضام کی درستگی پورے جسم کی صحت ہے اور اس سسٹم کے لیے آپؐ نے تفصیلی ہدایات دے کر امت کو صحت کا راستہ دکھایا ہے۔

معیارِ خوراک (Quality of Food) دوسرا اہم جز ہے۔ خوراک کا اعلیٰ معیار متوازن غذا ہے جس میں کاربوہائڈریٹ (نشاستہ دار چیزیں)، لحمیات (Proteins) اور چربی (Fat) کے ساتھ وٹامنز کی

ایک ضروری مقدار ہونی چاہیے اور یہ سب چیزیں ایک اعلیٰ تناسب میں ہوں' افراط و تفریط سے نقصان ہو گا۔ چربی ایک خاص مقدار سے زیادہ جسم کے لیے نقصان دہ ہے' خاص طور پر آج کل کے دور میں جہاں جسمانی کام بہت کم ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کھانے پسند فرمائے وہ اعلیٰ ذوق اور معیار کے ساتھ ضروری کیمیائی اجزا کے مرکب تھے۔ آپؐ کو بھنا ہوا گوشت بہت پسند تھا۔ گوشت میں لحمیات (Proteins) ہوتی ہیں جو جسم میں مدافعت' قوت اور جسمانی عمارت کی بنیاد ہوتی ہیں۔ بیماریوں کے خلاف اندرونی مزاحمت (Immunity) کا سارا نظام پروٹین کا بنا ہوا ہے۔ اب دیکھیے آپؐ کو گوشت تو پسند تھا لیکن بھنا ہوا۔ یوں اس کی فالتو چربی کے نقصان سے بچ جاتے اور اضافی گھی/ چربی بھی سالن میں نہ ڈالنا پڑتی۔ صرف معمولی مقدار بھنے ہوئے گوشت کے ساتھ کھائی جاتی جو ضروری بھی ہے اور مفید بھی۔

آپؐ کاربوہائیڈریٹ (Corbohydrates) میں ستو اور بغیر چھنا ہوا آٹا پسند فرماتے تھے۔ ضروری نشاستہ ان چیزوں میں موجود ہوتا ہے لیکن ایک خاص مقدار اَن چھنے آٹے میں بھوسہ (Cellulose) کی بھی ہوتی ہے۔ صاف نشاستہ جسم کو جہاں طاقت باہم پہنچاتا ہے وہاں پر اس کا بھوسہ فضلاتی نظام کے لیے ضروری ہے اور اس کے استعمال سے قبض' کینسر اور بہت سی بیماریوں سے جسم کی بڑی آنت محفوظ رہتی ہے۔صاف شدہ آٹا (Refined) کے متعلق آج عام طور پر میڈیکل سائنس میں کہا جاتا ہے کہ یہ بڑی آنت کے کینسر کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے اسی لیے آج کل جو کی گولیاں مریضوں کو دی جاتی ہیں تاکہ انہیں قبض نہ ہو اور وہ بڑی آنت سے متعلق بیماریوں سے محفوظ رہ سکیں۔

حضورؐ کدو اور گوشت کا شوربہ بہت پسند فرماتے تھے۔ شوربہ کا مطلب ہی سالن کا پتلا ہونا ہے۔ میڈیکل سائنس کا اصول ہے کہ گاڑھی غذا' زیادہ حرارے والی (Rich Caloric) ہوتی ہے اور پتلی غذا' کم طاقت والی (Low Caloric) ہوتی ہے۔ اب آپ کدو کے شوربے پر غور کریں۔کدو سبزی ہونے کی وجہ سے بہت سے ضروری وٹامنز کا حامل ہوتا ہے اور گوشت لحمیات کا' اور پتلا شوربہ کم طاقت غذائیت کا یوں یہ متوازن غذا بھی ہوئی اور نقصان سے محفوظ بھی۔

حضور ﷺ کے غذا کے بارے میں ارشادات معیار و مقدار کے حوالے سے ایسے اعلیٰ ہیں کہ اگر آج پوری ایمانی قوت سے ان پر عمل کیا جائے تو آج کے طبیبوں کا بھی وہی حال ہو جو مدینہ آئے ہوئے طبیب کا ہوا تھا۔

حضور پاک ﷺ نے پانی کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ مجھے مشروبات میں سے ٹھنڈا پانی

پسند ہے۔ پھر فرمایا کہ پانی کو ٹوٹے ہوئے برتن سے نہ پیو۔ بخار کے عالم میں پانی پینے کا حکم ہے۔ پانی کے علاوہ عام طور پر زیر استعمال مشروبات کا Osmotic Pressure خون سے زیادہ ہوتا ہے اس لیے وہ پیاس بجھانے کے بجائے پیاس بھڑکانے کا موجب ہوتے ہیں۔ پانی جسم کے اندر بہت اہم کردار ادا کرتا ہے اور اس کی ایک خاص مقدار کا ہر وقت موجود رہنا نہایت ضروری ہے۔ گردے کا سارا نظام اسی سے متعلق ہے۔ یہ جسم سے زائد از ضرورت مواد نکالتا ہے۔ بخار کی حالت میں زیادہ پانی پینا آج بھی دنیائے طب کا پہلا اصول ہے۔ ٹوٹے ہوئے برتن سے پانی نہ پینا اور پانی کے برتن کو ڈھانپ دینا ایسی ہدایات ہیں کہ جن پر عمل کرنے سے مختلف قسم کے جراثیموں سے بچا جاسکتا ہے۔ ٹوٹے ہوئے برتن میں جراثیم اپنا گھر بنا لیتے ہیں' اسی طرح فضا میں ہر وقت موجود جراثیم پانی کے کھلے برتن میں گر سکتے ہیں۔ پیٹ کی لاتعداد بیماریاں' پیٹ کے کیڑے' بخار' ٹائی فائیڈ وغیرہ خراب پانی کے استعمال سے پیدا ہوتے ہیں۔ صاف پانی کا استعمال بہت سی بیماریوں سے نجات دلاتا ہے۔

فضلے کے اخراج کے لیے بائیں پاؤں پر زور دینے کے لیے فرمایا گیا ہے۔ فضلہ تمام مراحل سے گزر کر بائیں طرف موجود بڑی آنت کے حصے Sigmoid Colon اور Left Colon میں جمع ہوتا ہے اور بائیں طرف سے دباؤ زیادہ بڑھانے سے یہ Rectum میں آجاتا ہے اور باہر نکل جاتا ہے۔ حضور ﷺ کا یہ فرمان عین سائنسی اصولوں کے مطابق ہے۔

رفع حاجت کے بعد طہارت (استنجا) کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے گندگی کے علاوہ جسم کے اس حصہ میں موجود جراثیم خاص طور پر E.Coli دھل جاتے ہیں۔ اگر کسی وجہ سے یہ موجود رہیں تو پیشاب کی نالی کا سخت ورم پیدا کرتے ہیں۔ خاص طور پر عورتوں کے لیے تو یہ انتہائی مصیبت کا باعث ہوتے ہیں۔ یہ جراثیم پیشاب کی نالی کے ذریعہ سے گردہ اور مثانہ کو بھی متاثر کرتے ہیں۔

ختنہ نہ صرف سنت ہے بلکہ واجب کی حدود میں داخل ہے۔ عضوِ تناسل کی فالتو کھال (Prepuce) کاٹنے سے مرد اور عورت دونوں' ان اعضا کے کینسر سے بچ جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں Cervical Cancer اور Penile Cancer نہ ہونے کے برابر ہے اور یہی حال یہودیوں کا بھی ہے کیوں کہ ان کے ہاں بھی ختنہ کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس باقی تمام اقوام میں ان اعضا کے کینسر کا تناسب بہت زیادہ ہے۔

لاکھوں درود اور سلام ہوں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جنھوں نے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال قبل جسمانی صحت کے بارے میں اتنے اعلیٰ اور عمدہ راز بتائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان احکامات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

گلشنِ دہر میں ہر سو ہے اجالا تیرا
سروِ گلزارِ حقیقت قدِ بالا تیرا

تیری توصیف ہے قرآن کے سیپاروں میں
خود ثنا خواں ہوا اللہ تعالیٰ تیرا

سرمدی رنگ میں ڈوبا ہوا ہر پھول کھلے
آ کے برسے جو میری کشت پہ جھلا تیرا

تو ہے وہ شمعِ ضیا بارِ دو عالم کے لیے
ڈھونڈتے پھرتے ہیں کونین جھالا تیرا

کن نگاہوں سے کوئی نورِ مجسم دیکھے
کیسے دیکھے گا کوئی دیکھنے والا تیرا

قبر میں آ کے نکرین پلٹ جاتے ہیں
ان کو مل جاتا ہے جس وقت حوالا تیرا

تیرے دربار میں حاضر ہے گنہگار نصیر
اس پہ بھی لطف و کرم ہو شہِ والا تیرا

(پیر نصیر الدین نصیرؒ)

ماہنامہ دعوۃ............ اسلام آباد
جلد: ۱۶ شمارہ: ۷۔۱۰

رسولِ رحمتؐ کا بچوں سے پیار

ڈاکٹر محمد افتخار کھوکھر

بارانِ رحمت، جس طرح کھیتوں، کھلیانوں، میدانوں، ٹیلوں اور پہاڑوں ہر جگہ پر یکساں برستی ہے اور پیاسی زمین کو سیراب کرتی ہے اسی طرح رسولِ رحمت ﷺ کا پیار، محبت اور شفقت، مرد، خواتین، بوڑھوں، جوانوں اور بچوں سب کے لیے بے کنار سمندر کی طرح موجزن رہتی تھی۔ ہر ایک کا یہی دعویٰ تھا کہ رسولِ رحمتؐ کے پیار و محبت کی نظرِ کرم سب سے زیادہ اُسے ہی حاصل تھی۔

کیا عظیم اور خوش قسمت وہ نفوس اِنسانی تھے، جنہیں لمحہ بہ لمحہ اور قدم بہ قدم رسولِ رحمتؐ کے پیار اور محبت کی نعمتِ فراواں نصیب ہوئی۔ اس پیار اور محبت کی اتنی جہتیں اور پہلو ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں، انسانوں ہی پر نہیں حیوانات، نباتات، جمادات اور نہ جانے کہاں کہاں اس پیار اور محبت کے جلوے آنکھوں کو خیرہ کیے دیتے تھے۔

پیار و محبت کے ان لامتناہی سلسلوں کا تذکرہ تو دُور کی بات ہے، ان کے عنوان باندھنے کے لیے بھی عمرِ تمام کم ہے۔ اس مختصر مضمون میں انھی لامتناہی سلسلوں میں سے ایک یعنی رسولِ رحمت ﷺ کا بچوں سے پیار اور ان سے محبت کی ایک جھلک پیش کرنے کی سعی ناتمام کی جا رہی ہے۔ رسولِ رحمتؐ کی اپنے جگر گوشوں سے لے کر یتیم و لاوارث بچوں تک سے پیار و محبت کے تعلق کی کیا نوعیت اور کیفیت تھی، اس کے لیے محض چند واقعات سے خوشہ چینی کی گئی ہے:

رسولِ رحمت ﷺ کے ایک ننھے بیٹے ابراہیم تھے جن کی والدہ کا نام ماریہؓ قبطیہ تھا۔ عرب کے دستور کے مطابق آپؐ نے اپنے بیٹے حضرت ابراہیم کو دودھ پلانے اور پرورش کے لیے ایک نیک صفت عورت حضرت اُمِ سیفؓ کے سپرد کر دیا تھا جو مدینہ سے تین چار میل دور عوالی میں رہتی تھیں۔ آپؐ کبھی کبھی اپنے بیٹے کو دیکھنے کے لیے اُم سیفؓ کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے۔

بچے کو اپنی گود میں لیتے، منہ چومتے، دیر تک پیار کرتے رہتے اور پھر واپس مدینہ منورہ تشریف لے آتے تھے۔

اُم سیف کے شوہر لوہار تھے اس لیے اُن کے گھر میں دھواں بھی ہوتا تھا مگر رسولِ رحمتؐ کو اپنے پیارے بیٹے حضرت ابراہیم کی محبت میں اس دھوئیں کی بھی پروا نہ ہوتی تھی۔

چھوٹی سی عمر میں حضرت ابراہیم، اُم سیفؓ کے گھر میں سخت بیمار ہوگئے۔رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بیماری کی خبر ملی تو آپؐ اُم سیفؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ ابھی بچے کے آخری سانس جاری تھے، آپؐ نے اُسے اپنی گود میں لے لیا اور اس کی طرف دیکھ کر آپؐ کی مبارک آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ آپؐ کے ایک دوست حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے جو آپؐ کے ساتھ موجود تھے، آپؐ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر عرض کیا: ''یارسول اللہ! آپؐ کی بھی یہ حالت ہے''؟ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا:''یہ رحمت اور محبت ہے''۔ اس کے بعد مزید فرمایا: ''آنکھیں آنسو بہاتی ہیں' دل غم گین ہے لیکن ہم وہی کہیں گے جو ہمارے رب کی مرضی ہو۔اے ابراہیم ہم تیری جدائی میں بہت غم گین ہیں''۔

رسولِ رحمتؐ کی سب سے بڑی بیٹی سیدہ زینبؓ تھیں، آپؐ ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ جب انہوں نے وفات پائی تو آپؐ بہت اُداس اور غم گین ہوئے اور آپؐ کی مبارک آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس وقت آپؐ نے فرمایا: ''زینبؓ میری سب سے اچھی بیٹی تھی جو میری محبت میں ستائی گئی''۔ حضرت زینبؓ کے دو بچے تھے ایک لڑکا جس کا نام علی تھا اور دوسری لڑکی جو امامہ کہلاتی تھیں۔ آپؐ کو ان دونوں بچوں سے بھی بہت پیار تھا۔ نماز پڑھتے وقت اکثر بی بی امامہ کو اپنے کندھوں پر سوار کر لیا کرتے تھے۔

آپؐ کی یہ نواسی یعنی امامہؓ آپؐ کو اس قدر پیاری تھیں کہ ایک بار حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے آپؐ کے لیے ایک قیمتی اور خوب صورت انگوٹھی تحفہ کے طور پر بھیجی۔ آپؐ نے انگوٹھی کو اپنے مبارک ہاتھ میں لے کر فرمایا:

''یہ انگوٹھی میں اس کو دوں گا جو مجھے سب سے بڑھ کر پیارا ہے''۔

لوگوں کا خیال تھا کہ آپؐ یہ انگوٹھی اپنی نیک اور بہت عقل مند بیوی سیدنا عائشہؓ کو دیں گے، کیوں کہ وہ آپؐ کو بہت عزیز تھیں لیکن آپؐ نے امامہؓ کو بلوایا اور وہ انگوٹھی ان کی انگلی میں پہنا دی۔ اس وقت وہ بہت چھوٹی سی بچی تھیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے انگوٹھی

نہیں بلکہ ہار تحفہ کے طور پر بھیجا تھا جسے آپؐ نے امامہؓ کے گلے میں ڈال دیا۔ انگوٹھی ہو یا ہار، بات تو آپؐ کے پیار کی ہے کہ آپؐ نے اپنے پورے خاندان میں سے صرف ننھی امامہ کو بلا کر یہ تحفہ ان کے حوالے کیا۔

احادیثِ نبویؐ کی مشہور کتاب صحیح بخاری میں ذکر آتا ہے کہ امامہؓ سے آپؐ کی محبت یہاں تک بڑھی ہوئی تھی کہ آپؐ بعض دفعہ ان کو اپنے ساتھ مسجد میں لے جاتے تھے۔ ایک دن آپؐ سجدے میں اس حالت میں پہنچے کہ ننھی امامہؓ آپؐ کے مبارک کندھے پر سوار تھیں۔ آپؐ نے انہیں اپنے مبارک کندھے سے نہ اُتارا اور اسی طرح نماز پڑھنی شروع کر دی۔ جب آپؐ رکوع میں جاتے تو ننھی اور پیاری امامہ کو آہستہ سے اتار دیتے اور جب سجدہ کرنے کے بعد پھر کھڑے ہوتے تو انہیں پھر اپنے مبارک کندھے پر بٹھا لیتے۔ آپؐ نے پوری نماز اسی طرح ادا کی۔

رسولِ رحمت ﷺ کی سب سے چھوٹی اور چوتھی بیٹی سیدنا فاطمہؓ تھیں۔ پہلی تین بیٹیاں آپؐ کی زندگی ہی میں فوت ہو چکی تھیں۔ صرف سیدنا فاطمہؓ ہی آپؐ کے انتقال کے وقت آپؐ کے پاس موجود تھیں۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ میری بیٹی فاطمہؓ دنیا کی بہترین خاتون ہے۔ ایک بار آپؐ نے فرمایا: ''فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے اس کو غصہ دلایا اور ناراض کیا، اس نے مجھے غصہ دلایا اور ناراض کیا''۔ آپؐ نے ان کا نکاح حضرت علیؓ سے کر دیا تھا۔ آپؐ کو جس طرح اپنی بیٹی سے محبت تھی ویسے ہی اپنے داماد حضرت علیؓ اور اپنے نواسوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے بھی پیار تھا، ان سے آپؐ فرمایا کرتے تھے: ''جن لوگوں سے تم ناراض ہو گے میں بھی ان سے ناخوش ہوں گا۔ جن سے تمہاری لڑائی، ان سے میری بھی لڑائی ہے۔ جس سے تمہاری صلح ہے اس سے میری بھی صلح ہے''۔

سیدنا فاطمہؓ کے بیٹوں حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کو آپؐ اپنے جگر کے ٹکڑے، یعنی بہت پیارے سمجھتے تھے۔ نہایت محبت سے ان کو بوسے دیتے، پیار کرتے اور اپنے مبارک کندھوں پر اُٹھائے پھرتے تھے۔

رسولِ رحمتؐ کا حضرت علیؓ سے محبت اور پیار

حضرت علیؓ کے والد کا نام جناب ابو طالب تھا وہ رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ حضرت علیؓ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے والد اور والدہ دونوں ہی رسولِ رحمت ﷺ سے بے حد پیار کرتے تھے۔ آپؐ کی والدہ کے انتقال کے بعد ان دونوں نے ہی آپؐ کی پرورش کی تھی اور جب تک زندہ رہے، رسولِ رحمت ﷺ کی خدمت کرتے رہے۔

رسول رحمتﷺ اپنے چچا اور چچی کے ساتھ ان کے مکان میں رہا کرتے تھے لیکن جب آپؐ کا نکاح حضرت خدیجہؓ سے ہوا تو انہوں نے آپؐ سے درخواست کی کہ اب آپ اپنے چچا کا مکان چھوڑ کر اُن کے مکان میں آ جائیں۔ آپؐ نے حضرت خدیجہؓ کی درخواست قبول فرمائی اور اپنے چچا کے مکان کو چھوڑ کر حضرت خدیجہؓ کے گھر میں تشریف لے آئے اور مستقل طور پر وہیں رہنے لگے۔

حضرت خدیجہؓ خود بھی بہت رحم دل، ہم درد اور سخی تھیں اس لیے یہ گھر دنیا بھر کا بہترین گھر بن گیا، جہاں سے سخاوت کے دریا بہتے تھے۔

رسولِ رحمت ﷺ سیدنا خدیجہؓ کے مشورے اور رضا مندی سے اپنے چچازاد بھائی حضرت علیؓ کو جن کی عمر چار پانچ سال تھی، اپنے گھر لے آئے جہاں ان کی بہترین انداز میں پرورش ہونے لگی۔ اس گھر میں علیؓ بہت خوش تھے۔ یہاں ان کی خوراک، پوشاک اور تعلیم و تربیت کا مناسب انتظام تھا اور انہیں محبت اور پیار سے بلایا جاتا تھا۔ حضرت علیؓ چھوٹی سی عمر میں بھی بہت عمدہ عادات کے مالک تھے۔ وہ نہایت فرماں بردار، خوش اخلاق اور ہنس مکھ تھے اس لیے گھر والے ان کی پیاری عادتوں اور بھولی اداؤں کو پسند کرتے تھے۔ گھر کا ہر فرد انہیں عزت اور محبت سے نوازتا تھا۔

حضرت علیؓ کئی سال تک اس گھر میں بڑھتے اور پلتے رہے۔ اسی دوران میں ہمارے رسولِ رحمت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ لوگوں تک اس کا پیغام پہنچائیں تاکہ لوگ بت پرستی چھوڑ کر ایک اللہ کی عبادت کریں۔ جب حضرت علیؓ کی عمر نو سال ہوئی تو انہوں نے ایک روز ہمارے رسولِ رحمت ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا تو بہت حیران ہوئے کیوں کہ اس سے پہلے انہوں نے آپؐ کو اس طرح کرتے کبھی نہ دیکھا تھا۔ جب رسول رحمت ﷺ نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو حضرت علیؓ نے آپؐ سے دریافت کیا کہ آپؐ کیا کر رہے تھے؟

رسول رحمت ﷺ نے حضرت علیؓ کو بتایا کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے، کیوں کہ نماز پڑھنا اللہ کا حکم ہے۔ اس کے بعد علیؓ نے بھی رسول رحمت ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنی شروع کر دی۔ ایک دن علیؓ آپؐ کے ساتھ پہاڑ کی ایک گھاٹی میں چھپ کر نماز پڑھ رہے تھے کہ انہیں جناب ابو طالب نے اس حالت میں دیکھ لیا اور تھوڑی دیر تک کھڑے دیکھتے رہے، جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو پوچھا:

"یہ کیا دین ہے جو آپ نے اختیار کر لیا ہے"؟

آپؐ نے یہ سن کر فرمایا: "ہمارے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہی دین تھا، اور نماز اس دین کا ایک رکن ہے"۔ یہ سن کر جناب ابو طالب بولے: "میں اس دین کو اختیار تو نہیں کرسکتا،

لیکن آپؐ کو اجازت ہے اور کوئی شخص آپؐ کو تنگ نہ کرے گا"۔

پھر اپنے بیٹے علیؓ سے مخاطب ہو کر کہا: "تمہارے چچا زاد بھائی (یعنی رسولِ رحمت ﷺ) ہمیشہ اچھی ہی بات کا مشورہ دیتے ہیں اس لیے تم بھی نماز پڑھا کرو"۔

اپنے والد کا یہ حکم سن کر حضرت علیؓ بہت خوش ہوئے اور زیادہ جوش اور شوق سے نمازیں پڑھنے لگے۔ اس واقعہ کے کچھ دنوں کے بعد رسول رحمت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اپنے خاندان والوں کو اللہ کا پیغام سنائیں۔ چناں چہ آپؐ نے اپنے خاندان کی دعوت کی اور جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپؐ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام سنا کر پوچھا: "بتاؤ اس پیغام کو پھیلانے اور اس پر عمل کرنے میں کون میرا ساتھ دے گا؟"

آپؐ کی یہ بات سن کر سب خاموش ہو گئے۔ بت پرستی کے خلاف کوئی بات سننا انہیں گوارا نہ تھا۔ ایک اللہ کو ماننے اور اس کی عبادت کرنے کو انہوں نے عجیب بات سمجھا کیوں کہ اس وقت سارے عرب میں بتوں کی پوجا کی جاتی تھی اور اللہ کو ایک ماننے کا پیغام پہلی بار انہیں سنایا گیا تھا۔ اس مجلس میں حضرت علیؓ مہمانوں کی خدمت کرنے کے لیے موجود تھے۔ انہوں نے جب یہ دیکھا کہ کوئی بھی ساتھ دینے کو تیار نہیں ہے تو رسولِ رحمت ﷺ کی محبت، حسنِ سلوک، سچائی اور تعلیم و تربیت نے اپنا اثر دکھایا اور انہوں نے ایک کونے سے زور سے پکار کر کہا: "یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں۔ گو میری آنکھیں دُکھتی ہیں، میری ٹانگیں پتلی ہیں اور میں سب سے تھوڑی عمر والا ہوں لیکن میں آپؐ کا ساتھ دوں گا۔" ایک نو سال کی عمر کے بچے کی زبان سے یہ الفاظ سن کر سب حاضرین دنگ رہ گئے۔ جس بات کو کہنے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی تھی وہ علیؓ نے بھری مجلس میں خوب زور سے پکار کر کہہ دی، ایک اللہ کے پیغام پر عمل کرنے اور اسے پھیلانے کے لیے اپنی رضا مندی کا اعلان کردیا۔

حضرت علیؓ جیسے خوش نصیب بچے کو کون پیار نہ کرے گا جنہوں نے چھوٹی سی عمر میں حق کی آواز بلند کی اور اس کا ساتھ دینے کا اعلان کر دیا اور رسول رحمت ﷺ کی سچائی کی تصدیق کر دی۔ رسول رحمت ﷺ کو ان سے اتنا پیار تھا کہ انہیں زیادہ تر اپنے قریب ہی رکھتے۔ بڑی محبت سے ان کو دین کی تعلیم دیتے اور بڑے پیار سے ان کی پرورش فرماتے۔

رسول رحمت ﷺ کو ان کی بہادری اور دانائی پر اتنا بھروسا تھا کہ جب آپؐ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو انہیں ہجرت کی رات اپنے مبارک بستر پر سلا دیا اور فرمایا:

"اے علی! تم بے دھڑک میرے بستر پر سو جاؤ، تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

صبح لوگوں کی وہ امانتیں جو میرے پاس جمع ہیں، انہیں واپس دے کر مدینہ چلے آنا۔"

اس رات دشمنوں نے آپؐ کے مبارک گھر کو گھیرے میں لے رکھا تھا تاکہ جب آپؐ باہر نکلیں تو آپؐ پر وار کریں لیکن آپؐ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں خیریت سے نکل کر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ آپؐ کے ہجرت کر جانے کے بعد صبح کو حضرت علیؓ نے جو اس وقت نوجوان تھے، لوگوں کی امانتیں انہیں واپس کیں اور مدینہ منورہ کی طرف سفر پر روانہ ہوگئے۔ وہ بالکل اکیلے تھے۔ نوجوان اور بہادر تھے۔ دشمنوں کا ہر وقت خطرہ تھا اس لیے وہ دن کو کہیں چھپ رہتے اور رات کو سفر کرتے۔ انہوں نے تقریباً پونے تین سو میل کا یہ سفر پیدل طے کیا اور جب مدینہ منورہ پہنچ کر رسول رحمتﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کا لباس میلا ہو چکا تھا، چہرہ اتنے لمبے سفر کی وجہ سے اُترا ہوا تھا، پاؤں زخمی اور تلوے پھٹے ہوئے تھے لیکن ان کی آنکھوں میں منزل پر پہنچ جانے کی وجہ سے دلی خوشی کی چمک تھی۔

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں اپنے سامنے دیکھا تو آپؐ کے دل میں ان کے لیے محبت اور شفقت کے جذبات اُٹھے، آپؐ نے آگے بڑھ کر بے اختیار انہیں اپنے سینہ مبارک سے لگا لیا۔ بہت دیر تک پیار کرتے رہے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر آپؐ کی آنکھوں سے محبت کے آنسو بہہ نکلے۔

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ کے زخمی پاؤں پر اپنا لعابِ دہن لگایا تو اس کی برکت سے ان کے، پاؤں بالکل ٹھیک ہو گئے اور کوئی تکلیف باقی نہ رہی۔ رسول رحمتﷺ نے انہیں اپنے ساتھ اس مکان میں ٹھہرا لیا جہاں آپؐ خود تشریف فرما تھے۔

رسول رحمتﷺ کو ان سے اتنا پیار تھا کہ آپؐ نے اپنی پیاری بیٹی بی بی فاطمہؓ کی شادی بھی انہی کے ساتھ کر دی۔

رسول رحمتؐ کا حضرت اسامہؓ بن زید سے پیار اور محبت

رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسامہؓ کو بھی بہت محبوب رکھتے تھے اور اپنے نواسوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے ساتھ اپنی محبت اور شفقت میں حضرت اسامہؓ کو بھی برابر کا شریک رکھتے تھے۔ دس گیارہ سال کی عمر تک انہیں آپؐ کے گھروں اور بیویوں کے درمیان آنے جانے کی اجازت رہی۔ حضرت اسامہؓ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ ایک دفعہ رسولِ رحمتﷺ کے گھر میں داخل ہونے

کے لیے دروازے کی چوکھٹ کو پھلانگتے ہوئے گر پڑے اور ان کے ماتھے سے خون بہنے لگا۔آپؐ نے خود اُٹھ کر ان کا خون صاف کیا اور زخم پر اپنا لعاب دہن لگا دیا جس سے ان کا زخم ٹھیک ہو گیا۔

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کبھی کسی کے زخم پر اپنا لعاب دہن لگایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی برکت سے زخم کو بہت جلد ٹھیک کر دیا اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا زخم کبھی لگا ہی نہیں تھا۔ حضرت اسامہؓ خود بیان فرماتے ہیں کہ ''رسول اللہؐ مجھے پکڑتے اور اپنی دائیں ران پر بٹھاتے اور اپنے نواسے حسن کو پکڑتے اور انہیں اپنی بائیں ران پر بٹھاتے، پھر ہم دونوں کو ملا کر دعا کرتے: ''الٰہی میں ان دونوں پر رحم کرتا ہوں، تو بھی ان پر رحم فرما۔''

بعض روایات کے مطابق جب رسول رحمتﷺ نے سن ۸ ہجری میں مکہ کو فتح کیا اور شہر میں داخل ہوئے تو حضرت اسامہؓ آپؐ کے ساتھ اونٹنی پر سوار تھے جو بڑی عزت کی بات تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں حضرت اسامہؓ کو ایک بڑے اسلامی لشکر کا سپہ سالار بنایا تھا تاکہ وہ دشمنوں سے آپ کے والد زیدؓ کی شہادت کا بدلہ لے۔ اگرچہ اس لشکر میں بڑی عمر اور بڑے درجے والے صحابہ موجود تھے مگر رسول رحمت ﷺ نے اسامہؓ کو سپہ سالار بنائے جانے کی عزت بخشی۔ بڑے بڑے صحابہ اپنے درجے، مرتبے اور اپنی عمر کے باوجود اسامہؓ کی بہت عزت کرتے تھے کیوں کہ وہ سب جانتے تھے کہ رسول رحمت ﷺ کو اُسامہؓ سے بے حد محبت تھی۔ جب آپؐ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اس وقت حضرت اسامہؓ کی عمر ۱۸ یا ۱۹ سال تھی، اور یہ سارا عرصہ انہوں نے آپؐ کی خدمت میں گزارا تھا۔

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی اسامہؓ سے اس قدر محبت کی وجہ سے تمام صحابہ بھی ان کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں جب صحابہ کے وظیفے مقرر کیے تو اپنے بیٹے حضرت عبداللہؓ کا وظیفہ اڑھائی ہزار اور حضرت اسامہؓ کا وظیفہ تین ہزار مقرر کیا۔یہ دیکھ کر ان کے بیٹے حضرت عبداللہؓ نے عرض کیا:

'' میں تمام لڑائیوں میں اسامہ کے ساتھ رہا اور آپ بھی کسی لڑائی میں اسامہ کے والد زید سے پیچھے نہیں رہے، پھر میرا وظیفہ آپ نے اسامہ سے کیوں کم مقرر کیا ہے''؟

حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے کی یہ بات سن کر کہا:

''بیٹے تم ٹھیک کہتے ہو لیکن رسول اللہ اسامہ کو تم سے اور اسامہ کے باپ زید کو تمہارے باپ عمر سے زیادہ محبوب رکھتے تھے، اس لیے تمہارا وظیفہ اسامہ سے کم ہی ہو گا۔''

اسی واقعہ سے حضرت زیدؓ اور ان کے فرزند اسامہؓ سے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا اندازہ کیجیے اور دیکھیے کہ آپؐ کس طرح ان سے بے حد و حساب محبت کرتے تھے اور جس طرح انہیں بچپن اور لڑکپن میں چاہتے تھے اسی طرح ان کو بڑی عمر میں بھی چاہتے تھے۔

رسول رحمتؐ کا حضرت انسؓ سے پیار و محبت

جس پیارے بچے نے دس سال تک رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، اس کا نام انسؓ تھا جو مالک کے بیٹے تھے۔ ان کی والدہ کا نام ام سلیمؓ تھا۔ جب رسولِ رحمت ﷺ مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ میں آباد ہوگئے تو ایک دن ام سلیمؓ جو آپؐ کی بہت خدمت کیا کرتی تھیں اپنے بیٹے حضرت انسؓ کو لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اس وقت حضرت انسؓ کی عمر نو یا دس سال تھی۔ آپ بہت خوب صورت، عقل مند اور فرماں بردار تھے۔

ام سلیمؓ نے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! یہ میرا بیٹا ہے۔ میں اسے آپؐ کی خدمت کے لیے لائی ہوں، اسے قبول فرمائیں۔ رسول رحمت ﷺ ام سلیمؓ کے خلوص سے بہت خوش ہوئے۔ آپؐ نے انسؓ کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا۔ ان کے لیے برکت کی دعا کی اور انہیں اپنی خدمت کے لیے قبول فرما لیا۔

انسؓ کے والد اس وقت فوت ہو چکے تھے، جب ان کی عمر آٹھ سال تھی، اس لیے ان کی والدہ ام سلیمؓ نے ابوطلحہؓ سے نکاح کیا جو بہت بہادر انسان تھے۔ انہوں نے اُحد کی جنگ میں رسول رحمت ﷺ کو دشمنوں کے تیروں سے بچانے کے لیے کمال درجے کی بہادری دکھائی۔ وہ خود بھی بہت زخمی ہوئے مگر انہوں نے آپؐ کو تیروں سے بچالیا۔ آپؐ ان کی بہادری سے بہت خوش ہوئے۔

جب رسولِ رحمت ﷺ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو لوگوں نے آپؐ کا بڑے جوش سے استقبال کیا تھا، لڑکوں کی ایک ٹولی بھی آپؐ کے استقبال کی خوشی میں ''رسول اللہ تشریف لائے، رسول اللہؐ تشریف لائے'' کے ترانے گاتے ہوئے سارے شہر میں گھوم پھر رہے تھے، اس ٹولی میں انسؓ بھی شامل تھے اور بہت خوش ہو رہے تھے۔ بڑی عمر میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مجھے یہ خوشی کا دن ہمیشہ یاد رہا۔ میں نے اس سے زیادہ مبارک اور خوشی کا دن کوئی اور نہیں دیکھا۔

انسؓ کی زندگی کا سب سے زیادہ مبارک دن وہ تھا، جب انہیں رسول رحمت ﷺ نے اپنی خدمت کے لیے قبول کر لیا۔ اس دن سے رسولِ رحمتؐ کے تمام دوست اور اصحاب انسؓ کی بڑی قدر کرتے تھے۔ اور اس چھوٹی سی عمر میں انہوں نے وہ درجہ حاصل کر لیا جو چند ہی لوگوں کو حاصل ہوا۔

انسؓ نے رسول رحمت ﷺ کی مرضی کے مطابق آپؐ کی خدمت کا یہ دستور بنایا کہ آپؐ نماز فجر سے تھوڑا پہلے رسول رحمتؐ کے مبارک گھر میں حاضر ہوتے اور دوپہر تک کام کرتے۔ پھر دوپہر کو تھوڑی دیر کے لیے اپنے گھر واپس آتے اور پچھلے پہر پھر رسولِ رحمتؐ کے مبارک گھر میں حاضر ہو جاتے۔ عصر کی نماز تک وہیں رہتے اور نماز کے بعد واپس اپنے گھر آجاتے، البتہ کبھی کبھی رات گئے تک بھی وہاں رہتے تھے۔ رسولِ رحمت ﷺ کے قریب رہنے اور آپؐ کی خدمت کرنے کی وجہ سے انسؓ نے آپؐ کی خوشی اور محبت کا ایک خاص درجہ حاصل کر لیا تھا۔ رسول رحمت ﷺ آپ پر اس قدر مہربان تھے کہ انسؓ خود فرماتے ہیں: ''میں نے دس سال آپؐ کی خدمت میں گزارے لیکن آپؐ نہ تو کبھی مجھ پر ناراض ہوئے اور نہ کبھی مجھے ڈانٹ ڈپٹ کی، یہاں تک کہ کبھی یہ بھی نہ فرمایا کہ فلاں کام کیوں کیا یا فلاں کام کیوں نہیں کیا۔ اگر کبھی میرے ہاتھ سے کوئی نقصان بھی ہو گیا تو آپؐ نے مجھے کبھی برا بھلا نہیں کہا۔ اگر گھر والوں میں سے کسی نے کچھ کہا تو آپؐ فرماتے: ''رہنے دو، کچھ نہ کہو۔ اگر قسمت میں نقصان نہ ہوتا تو یہ نقصان ہرگز نہ ہوتا''۔

ایک مرتبہ انسؓ رسولِ رحمت ﷺ کے کاموں سے فارغ ہو کر واپس اپنے گھر کی طرف جا رہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ کچھ لڑکے کھیل رہے تھے۔ انسؓ بھی ان کے پاس کھڑے ہو گئے اور تماشا دیکھنے لگے۔ اتنے میں رسولِ رحمتؐ وہاں تشریف لائے۔ لڑکوں نے جب دور سے آپؐ کو آتے دیکھا تو انسؓ سے کہا کہ حضورؐ تشریف لا رہے ہیں۔ انسؓ بھاگنے کے بجائے وہاں نہایت ادب سے کھڑے رہے۔ آپؐ نے قریب پہنچ کر ان کا ہاتھ پکڑا اور کسی کام کے لیے جانے کا حکم دیا۔ وہ فوراً روانہ ہو گئے اور رسولِ رحمت ﷺ اس وقت تک وہاں ایک دیوار کے سائے میں بیٹھے ان کا انتظار کرتے رہے۔ انسؓ جب وہ کام کر کے واپس آئے تو انہیں گھر جانے کی چھٹی ملی۔ دیر سے اپنے گھر پہنچے تو ان کی والدہ نے دیر سے آنے کی وجہ پوچھی تو کہا کہ حضورؐ کے ایک کام سے چلا گیا تھا اس لیے دیر ہو گئی۔ والدہ نے پوچھا کیا کام تھا تو آپ نے جواب دیا: ''امی جان آپؐ نے مجھے یہ بات کسی کو بتانے سے منع فرما دیا ہے، اس لیے میں آپ کو نہیں بتاؤں گا۔''

ان کی والدہ اس پر بہت خوش ہوئیں کہ میرا بیٹا وعدے کا پکا ہے، اور راز چھپانے کی اہلیت رکھتا ہے۔ ماں نے کہا: ''شاباش! بیٹا یہ بات کسی کو نہ بتانا''۔ چناں چہ انسؓ نے یہ بات ساری زندگی کسی کو نہ بتائی کہ رسولِ رحمتؐ نے اس دن انہیں کس کام سے بھیجا تھا۔ آپؐ کو انسؓ سے بہت محبت تھی اور پیار سے بیٹا یا پیارے انس کہہ کر بلاتے تھے۔ اکثر پیار اور محبت سے ان کے سر پر ہاتھ

پھیرا کرتے تھے۔

ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا: ''اے میرے چھوٹے بچے جہاں تک ہوسکے دن رات اس طرح گزار کہ تیرے دل میں کسی کے خلاف کوئی میل نہ ہو''۔

رسول رحمت ﷺ کبھی کبھی انسؓ سے مذاق بھی کر لیتے تھے، ایک مرتبہ آپؐ نے ان سے فرمایا: ''اے دو کانوں والے''۔

رسولِ رحمتؐ اکثر انسؓ کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا کرتے تھے اس لیے آپ کی والدہ ام سلیمؓ نے کہا بیٹے میں نہ تو خود تمہارے بال کاٹوں گی نہ کسی کو کاٹنے دوں گی کیوں کہ رسولِ رحمت پیار سے ان پر ہاتھ پھیرتے ہیں۔ کبھی کبھی جوشِ محبت میں ان بالوں کو کھینچا بھی کرتے ہیں اس لیے تمہارے یہ بال مجھے بہت عزیز ہیں''۔

ایک دفعہ رسولِ رحمت ﷺ انسؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ آپؐ اکثر ان کے گھر میں تشریف لے جایا کرتے تھے اور سارے گھر والوں سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ جب آپؐ ان کے گھر میں تشریف فرما تھے تو انسؓ کی والدہ ام سلیمؓ نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ! میرے بچے کے لیے دعا فرمائیں''۔ آپؐ انسؓ کے لیے بہت دیر تک دعا کرتے رہے اور آخر میں فرمایا:

''اے اللہ تو اس کے مال اور اولاد میں کثرت بخش اور اسے جنت میں داخل کر''۔

رسولِ رحمت ﷺ کی اس پیاری دعا کا اثر یہ ہوا کہ انسؓ جب بڑے ہوئے تو اپنی برادری میں مال و دولت میں سب سے بڑھ گئے اور ان کے اولاد اس کثرت سے ہوئی کہ ان کی وفات کے وقت ان کے بیٹے، بیٹیوں اور پوتے پوتیوں کی تعداد سو سے زیادہ تھی۔

حضرت ابو عمیرؓ سے رسولِ رحمتؐ کا پیار و محبت

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی ابو طلحہؓ آپؐ سے بہت محبت کرتے تھے۔ اُحد کی جنگ میں انہوں نے آپؐ کو دشمنوں کی تیراندازی سے بچانے کے لیے بہت سے تیر خود کھائے اور ایک ہاتھ بھی بے کار ہو گیا مگر آپؐ کو دشمنوں کے تیروں سے برابر بچاتے رہے۔

اس کے علاوہ دوسری تمام جنگوں میں بھی انہوں نے بڑی بہادری کا ثبوت دیا اور رسول رحمت ﷺ کے ساتھ رہے۔ ان کی بیوی ام سلیمؓ بھی بہت بہادر خاتون تھیں۔ حنین کی جنگ میں جب کافروں کے زبردست حملے کی وجہ سے مسلمان پیچھے ہٹ گئے تو اس وقت بھی ام سلیمؓ رسولِ رحمتؐ کے

گھوڑے کے پاس کھڑی تھیں اور ایک چھری پکڑ رکھی تھی تاکہ جو کافر قریب آئے، اس پر وار کریں۔

ان کے ایک بیٹے انسؓ تھا کا ذکر ابھی گزرا ہے۔ یہاں اُن کے دوسرے بیٹے ابو عمیرؓ کا واقعہ پیشِ خدمت ہے۔ یہ چھوٹے بچے تھے اور انہوں نے شوق سے ایک ممولا پال رکھا تھا جس سے وہ بہت پیار کرتے تھے۔ سارا دن اس سے کھیلتے رہتے اور دل بہلاتے تھے۔

رسولِ رحمتؐ بھی امِ سلیمؓ کے گھر میں کبھی کبھی تشریف لے جایا کرتے تھے اور ابو عمیرؓ سے پیار کیا کرتے تھے۔

ایک بار آپؐ اُن کے گھر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ ابو عمیرؓ اداس بیٹھے ہیں۔ آپؐ نے ان کی والدہ ام سلیمؓ سے دریافت فرمایا کہ آج ابو عمیرؓ خاموش اور اداس کیوں ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ''یارسول اللہ! اس کا ممولا جس سے یہ کھیلا کرتا تھا، آج مرگیا ہے اس لیے اداس ہے''۔

آپؐ نے ابو عمیرؓ کو اپنے پاس بلایا اور بڑی محبت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: ''اے عمیر تمہارے ممولے کو کیا ہو گیا''۔ آپؐ کی یہ بات سن کر ابو عمیرؓ بے اختیار ہنس پڑے ،ان کی اداسی دور ہو گئی اور پھر کھیل کود میں لگ گئے۔

جب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور سب مسلمان بھی آہستہ آہستہ مکہ کو چھوڑ کر مدینہ منورہ میں آگئے تو کچھ عرصہ تک کسی مسلمان کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی اس لیے یہودیوں نے جو اسلام اور مسلمانوں کے شدید دشمن تھے یہ افواہ پھیلا دی کہ ہم نے مسلمانوں پر جادو کر دیا ہے لہٰذا اب ان کے ہاں اولاد نہ ہو گی۔ یہ بات بالکل جھوٹی تھی کیوں کہ اولاد تو اللہ تعالیٰ دیتا ہے، اسے کون روک سکتا ہے؟ لیکن یہودی بار بار یہی بات کہہ کر مسلمانوں کو دکھ دیا کرتے تھے۔

جب ہجرت کو تقریباً ایک سال گزرنے والا ہوا تو آپؐ کی بیوی حضرت عائشہؓ کی بڑی بہن، حضرت اسماءؓ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا جن کے شوہر کا نام حضرت زبیرؓ تھا۔ انہوں نے اپنے اس بچے کا نام عبداللہ رکھا۔ یہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آنے والے مسلمانوں کی سب سے پہلی اولاد ہیں اس لیے مسلمانوں نے خوب خوشی منائی اور خوب زور زور سے اللہ اکبر پکارا تاکہ یہودیوں کا منہ کالا ہو۔ وہ اس خبر کو سن بہت شرمندہ ہوئے کیوں کہ اب ان کی یہ جھوٹی افواہ غلط ثابت ہوچکی تھی۔

حضرت اسماءؓ اپنے بیٹے حضرت عبد اللہ کو گود میں لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپؐ نے بچے کو اپنی مبارک گود میں لے لیا اورا پنے مبارک منہ میں ایک کھجور چبا کر بچے کے تالو

سے لگا دی اور بچے کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔

رسول رحمتؐ کا حضرت نعمان بن بشیرؓ سے پیار ومحبت

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک دوست حضرت عبداللہ بن رواحہ تھے جو بہت اچھے شعر کہتے تھے۔ وہ جنگ موتہ میں عیسائیوں اور کافروں کے خلاف بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ رسول رحمت ﷺ نے انہیں لشکر اسلام کا سالار بھی مقرر فرمایا تھا۔ ان کی ایک بہن عمرہؓ تھیں جن کی شادی حضرت بشیرؓ بن سعد سے ہو چکی تھی اور ان دونوں کا بیٹا نعمان بن بشیرؓ تھا۔

جب آپؐ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو انصار کے ہاں سب سے پہلے بشیرؓ کے گھر میں نعمان پیدا ہوئے اس لیے انصار نے بڑی خوشی منائی۔ حضرت بشیرؓ اپنے اس ننھے فرزند نعمانؓ کو اکثر رسولِ رحمتؐ کی خدمت میں لے جایا کرتے تھے۔ آپؐ نعمان سے بہت پیار کیا کرتے تھے۔

جب نعمانؓ ذرا بڑے ہوئے تو ان کے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا۔ وہ رسولِ رحمتؐ کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپؐ کے پاس تحفے میں انگوروں کی ایک ٹوکری کسی نے بھیجی۔ آپؐ نے انگوروں کے دو خوشے نعمانؓ کو عطا کیے اور فرمایا: ''ان میں سے ایک تمہارا ہے، اور دوسرا تمہاری ماں کا''۔ نعمانؓ یہ انگور لے کر اپنے گھر کی طرف چل دیے اور موقع پا کر راستے میں سب انگور خود کھا گئے اور ماں کو بتایا تک نہیں۔

چند دنوں کے بعد پھر رسول رحمتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان سے پوچھا: ''نعمان! کیا تم نے وہ انگور اپنی ماں کو دے دیے تھے''؟

نعمانؓ بولے: ''یارسول اللہ، نہیں دیے''۔ آپؐ نے پوچھا: ''پھر انگور کہاں گئے''؟ نعمانؓ نے جواب دیا: ''میں نے خود ہی کھالیے تھے''۔ آپؐ نعمانؓ پر ناراض نہ ہوئے بلکہ مسکراتے ہوئے نعمانؓ کے کان مروڑے اور پیار سے فرمایا: ''یا غدار''، یعنی اے مکار۔ مطلب یہ تھا کہ تم بڑے مکار ہو کہ اپنی ماں کا حصہ بھی خود ہی کھا گئے۔ آپؐ اس طرح چھوٹے بچوں کی خطاؤں کو معاف فرما کر ان سے محبت فرماتے اور دل لگی بھی کیا کرتے تھے۔

رسول رحمتؐ کا حضرت زینب بنت ابوسلمہ سے پیار

رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک زوجہ محترمہ کا نام ام سلمہؓ تھا جن کے پہلے شوہر حضرت ابوسلمہؓ کے شہید ہو جانے کے بعد رسولِ رحمتؐ نے ان سے نکاح کر لیا تھا۔ ان کے ساتھ پہلے شوہر کی ایک چھوٹی سی بیٹی تھیں جن کا نام برہ تھا۔ آپؐ نے ان کا نام برہ سے بدل کر زینب رکھ دیا اور

ان کی پرورش بہت پیار و محبت سے کی۔ آپؐ کو ننھی زینب سے بہت پیار تھا۔جب کبھی آپ غسل فرماتے تو ننھی زینبؓ آہستہ آہستہ چلتے پھرتے آپؐ کے پاس آ جاتیں۔ آپؐ پیار سے ان کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارتے جس سے وہ بہت خوش ہوتیں۔

یہ زینبؓ ایسی نصیب والی تھیں کہ رسولِ رحمتؐ نے جو پانی ان کے منہ پر بچپن میں کئی بار چھڑکا تھا، اس کی برکت سے ان کے چہرے پر بڑھاپے میں بھی جوانی کی طرح رونق رہی اور چہرہ دیکھ کر کوئی انہیں بوڑھی نہیں کہہ سکتا تھا بلکہ دیکھنے میں ہمیشہ جوان نظر آتی تھیں۔

رسول رحمتؐ کا حضرت اُم خالدؓ سے پیار

رسول رحمت ﷺ کے ایک دوست خالدؓ بن سعید کی پیاری بیٹی کو لوگ ام خالد کہتے تھے۔ آپؐ اسی بچی سے بھی بہت پیار کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپؐ کو کسی نے تحفہ میں ایک خوبصورت پھول دار کالی چادر دی۔ آپؐ نے حاضرین سے پوچھا ، بتاؤ یہ چادر کس کو دوں، لوگ آپؐ کی یہ بات سن کر خاموش رہے۔ مطلب یہ تھا کہ جس کو آپؐ چاہیں دے دیں، ہم مشورہ کیسے دے سکتے ہیں،یہ تو رسول رحمتؐ کی اپنی مرضی کی بات ہے۔

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا:''ام خالد کو بلاؤ''۔ اس پر ایک ساتھی بھاگتا ہوا ام خالدؓ کے گھر گیا اور اس سے کہا کہ تمہیں رسولِ رحمتؐ نے یاد کیا ہے۔ وہ فوراً آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپؐ نے یہ چادر انہیں دے دی اور فرمایا: ''پہنو اور استعمال کرو''۔

پھر رسول رحمت ﷺ نے چادر پر بنے ہوئے بیل بوٹوں پر اپنا مبارک ہاتھ رکھا اور فرمایا: ''ام خالدؓ، دیکھو یہ کتنے خوب صورت ہیں''۔

رسول رحمتؐ کی مبارک زبان سے یہ بات سن کر وہ بہت خوش ہوئیں۔ ایک مرتبہ ام خالدؓ اپنے والد حضرت خالدؓ بن سعید کے ساتھ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اس وقت انہوں نے سرخ کرتہ پہن رکھا تھا۔ آپؐ نے انہیں دیکھ کر مسکراتے ہوئے فرمایا:''بہت خوبصورت، بہت خوبصورت''۔ بچی آپؐ کی یہ بات سن کر بہت خوش ہوئی۔ یہ سب باتیں آپؐ کی ان سے محبت کو ظاہر کرتی ہیں۔

رسولِ رحمتؐ کا انصار کی بچیوں سے پیار و محبت

جب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ میں پہنچے تو سارے شہر کے لوگ آپؐ کے استقبال کے لیے گھروں سے باہر نکل کر گلیوں اور بازاروں میں جمع ہوگئے۔ ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ آپؐ اس کے گھر میں ٹھہریں مگر آپؐ فرماتے تھے کہ جہاں اللہ کو منظور ہوگا' وہاں

ٹھہروں گا۔ جب آپؐ اپنے ننھیال کے قبیلے بنو نجار کے محلے میں پہنچے تو ان کی لڑکیاں جمع ہو کر گانے اور دف بجانے لگیں، وہ خوشی کے ساتھ گا رہی تھیں: "ہم بنو نجار کی لڑکیاں ہیں اور محمدؐ کیسے اچھے ہمسائے ہیں"۔رسول رحمت ﷺ انہیں دیکھ کر وہاں رک گئے اور ان سے پوچھا کہ کیا تم مجھ سے محبت رکھتی ہو؟ معصوم لڑکیاں بول اٹھیں: "ہاں، یا رسول اللہﷺ"۔ آپؐ نے ان کی طرف بڑی محبت اور شفقت سے دیکھا اور پھر بڑے پیار سے فرمایا: "میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں"۔ اس کے بعد آپؐ نے انصار کے لوگوں سے فرمایا: "اللہ کی قسم میں تم لوگوں سے محبت کرتا ہوں۔ اللہ جانتا ہے کہ میرا دل تم لوگوں سے محبت رکھتا ہے، اللہ کی قسم تم لوگ مجھے سب سے بڑھ کر پیارے ہو۔"

رسولِ رحمتؐ کا یتیم بچے بشیر سے پیار و محبت

رسول رحمتﷺ جب مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ چلے گئے تو دوسرے ہی سال مکہ کے کافروں نے آپؐ سے جنگ شروع کر دی کیوں کہ وہ آپؐ کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خوف کھانے لگے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر مسلمانوں کو جلد از جلد ختم نہ کر دیا گیا تو یہ بڑھتے بڑھتے سارے عرب پر چھا جائیں گے اور ان کی تعداد بہت زیادہ ہو جائے گی۔ مسلمانوں سے کافروں کی پہلی جنگ بدر کے مقام پر ہوئی تھی جس میں کافروں کے ستر آدمی قتل ہوئے اور تقریباً اتنے ہی زندہ گرفتار کر لیے گئے۔ اس شکست کا بدلہ لینے کے لیے انہوں نے اگلے سال مدینہ منورہ پر حملہ کر دیا۔ اُحد پہاڑ کے دامن میں مسلمانوں اور کافروں میں پھر جنگ ہوئی جسے جنگ اُحد کہا جاتا ہے۔ اس جنگ میں شروع شروع میں مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا مگر پہاڑ کے ایک درّے میں حفاظت کی خاطر مقرر کیے ہوئے چند مسلمان جاں بازوں نے غلطی سے یہ جگہ چھوڑ دی اور کافروں کے ایک دستہ نے موقع پا کر وہاں سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا اور میدان جنگ کافروں کے قبضہ میں آ گیا۔ چوں کہ مسلمانوں کو اس بات کی امید نہ تھی کہ ان کی پشت سے کوئی حملہ کر دے گا، اس لیے انہیں سخت نقصان اٹھانا پڑا اور ستر مسلمان مجاہد شہید ہو گئے اور بہت سے شدید زخمی ہوئے حتیٰ کہ خود رسولِ رحمت ﷺ بھی زخمی ہوئے، تاہم مسلمانوں نے خوب بہادری سے ان کا مقابلہ کیا اور کافر میدان چھوڑ کر چلے گئے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کا کافی نقصان ہوا۔ رسول رحمتؐ کے پیارے چچا حضرت حمزہؓ بھی شہید ہوئے۔ دیگر شہیدوں میں سے ایک کا نام حضرت حقربہؓ تھا۔

رسول رحمت ﷺ نے ان تمام شہیدوں کو مدینہ میں لاکر دفن کرنے کے بجائے وہیں میدان اُحد میں دفن کرایا۔ جب لشکر اسلام مدینہ واپس پہنچا تو ہر گھر سے رونے کی آوازیں آنے لگیں

کیوں کہ شہیدوں کے غم میں مدینہ منورہ کا ہر فرد سوگوار تھا۔ سارے شہر میں اداسی اور غم کی لہر پھیل گئی۔ بیواؤں کی آہیں اور یتیموں کی سسکیاں ہر جگہ سنائی دیتی تھیں۔

ایک یتیم بچہ جس کا نام بشیر تھا، اپنے شہید والد حضرت حقربہؓ کے غم میں نڈھال گلی کی ایک نکڑ میں پریشان کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور وہ سخت اداس اور بے چین دکھائی دیتا تھا۔ اتنے میں وہاں سے رسولِ رحمت ﷺ کا گزر ہوا اور جب اس پر نگاہ پڑی تو آپؐ فوراً اس کی طرف تشریف لے گئے اور قریب جا کر اس سے دریافت فرمایا کہ ''تم کیوں اداس ہو اور تمہارے آنسو کیوں بہہ رہے ہیں''؟ اس نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! میرے والد حقربہ جنگ میں شہید ہوگئے ہیں اور اب مجھے سنبھالنے والا کوئی نہیں رہا اس لیے بے چین اور اداس ہوں''۔

رسول رحمت ﷺ تو یتیموں اور بے بس لوگوں پر بہت مہربان تھے۔ آپؐ کو اس پر بہت ترس آیا اور آپؐ نے اس کے سر پر محبت اور شفقت سے اپنا مبارک ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا: ''میرے بیٹے کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ عائشہ تمہاری ماں اور محمد تمہارا باپ ہو''۔

عائشہؓ رسول رحمت ﷺ کی زوجہ محترمہ اور بہت رحم دل اور نیک خاتون تھیں۔ آپؐ کے اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ پیارے بشیر تم فکر نہ کرو میں تمہارا باپ ہوں، اور میری بیوی عائشہ تمہاری ماں ہے۔ ہم دونوں تمہیں ماں باپ کا پیار دیں گے اور محبت سے تمہاری پرورش کریں گے اس لیے اب تم اداس اور پریشان نہ ہو۔

ذرا اندازہ کیجیے اس یتیم اور اداس بشیرؓ کی خوش قسمتی کا کہ رسولِ رحمتؐ اس کے سرپرست بن گئے جن سے زیادہ مہربان اور شفیق کوئی پیدا ہی نہیں ہوا۔ جسے آپؐ کی شفقت مل گئی سمجھ لیں کہ دنیا کے تمام غم اس سے دور ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے رسول رحمتؐ پر لاکھوں درود و سلام بھیجے اور بشیرؓ سے بھی راضی ہو جائے۔

رسول رحمتؐ کا ہر مرحلے پر بچوں سے پیار و محبت

رسول رحمتؐ کے پاس جب کوئی موسم کا نیا پھل بطور تحفہ پیش کیا جاتا تو آپؐ اسے آنکھوں اور پھر دونوں ہونٹوں سے لگاتے اور فرماتے :''یا اللہ ہمیں شروع سے آخر تک نصیب فرما''۔ پھر جو بچے وہاں موجود ہوتے ان کو پہلے دیتے اور دوسروں کو بعد میں دیتے۔ جب آپؐ راستہ میں چلتے تو مرد، عورت اور بچہ جو بھی سامنے آتا آپؐ اس کو سلام کرتے۔ آپؐ بچوں پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ جب سفر سے واپس تشریف لاتے اور لوگ استقبال کے لیے نکلتے تو بچے بھی ان کے ساتھ ہوتے جو

معمول کے مطابق دوڑ کر آپؐ کے پاس پہنچنے کی کوشش کرتے اور ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کے لیے پورا زور لگاتے۔ جو پہلے پہنچنے میں کامیاب ہو جاتا آپؐ اس کو اپنے ساتھ سواری پر بٹھا لیتے۔ جو بچے راستے میں ملتے انہیں آپؐ خود پہلے سلام کرتے اور ان سے بھی شفقت اور محبت کا ایسا ہی سلوک فرماتے۔

حضرت جابرؓ بن سمرہ جو آپؐ کے صحابی تھے، اپنے بچپن کا واقعہ سناتے ہیں کہ میں نے ایک بار رسول رحمتﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، پھر آپؐ کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ سامنے سے اور بچے بھی آگئے اور آپؐ نے سب بچوں کو پیار کیا اور مجھے بھی پیار کیا۔

ایک دفعہ آپؐ اپنے نواسے حضرت حسنؓ کو پیار سے چوم رہے تھے کہ اقرعؓ بن حابس نے جو وہاں موجود تھے حیران ہو کر کہا: ”یارسول اللہ! میرے تو دس بیٹے ہیں لیکن میں نے کبھی کسی کو پیار نہیں کیا مگر آپ تو بوسہ دیتے ہیں“۔ آپؐ نے فرمایا: ”جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا“ اس میں ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ اگر تم بچوں سے پیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم سے پیار کرے گا۔ بچوں کو قطار میں جمع کر کے دوڑ لگواتے کہ دیکھیں کون ہمیں پہلے چھوتا ہے۔ بچے دوڑتے ہوئے آتے تو کوئی سینہ مبارک پر گرتا، کوئی پیٹ مبارک پر اور جیتنے والوں کو انعام دیتے۔ جب آپؐ کسی بچے کو دیکھتے یا اس سے ملتے تو محبت اور خوشی آپؐ کے چہرے پر نظر آنے لگتی تھی۔ کبھی کبھی آپؐ اپنے دوستوں کے بچوں کو اٹھا کر کھلایا کرتے تھے۔ جب لڑکوں کے پاس سے گزرتے تو ان کو سلام کہتے۔ ایک دفعہ آپؐ اپنے چھوٹے نواسے حضرت حسینؓ کو پیار سے چوم رہے تھے کہ پاس بیٹھے ہوئے ایک دیہاتی نے حیران ہو کر کہا: ”آپ بچوں کو پیار سے بوسہ دیتے ہیں؟ ہم تو ایسا ہرگز نہیں کرتے“۔ اس کی بات سن کر آپؐ نے فرمایا: ”اگر تیرے دل سے اللہ نے رحم نکال دیا ہے تو اس میں میرا کیا اختیار ہے“۔ یعنی تمہارے اندر رحم نہیں ہے اس لیے تم بچوں سے پیار نہیں کرتے ہو۔ بچوں سے آپؐ کو بہت دلچسپی تھی۔ اُن کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرتے، پیار کرتے اور ان کے لیے دعا فرماتے۔ جب ننھے ننھے بچے آپؐ کی خدمت میں لائے جاتے تو آپؐ ان کو اپنی گود میں لے لیتے اور ان کو بہلانے کے لیے عجب کلمات فرماتے۔ ایک دفعہ ایک بچے کو بوسہ دیتے ہوئے فرمایا: ”بچے تو خدا کے باغ کے پھول ہیں“۔

آیئے! ہم بھی رسولِ رحمتؐ کے اسوہ حسنہ کی روشنی میں نہ صرف اپنے بچوں بلکہ وطن عزیز کے تمام بچوں اور بچیوں میں پیار اور محبت کی خوشبو کو عام کریں تاکہ روزِ محشر رسولِ رحمتؐ کی شفاعت کے مستحق قرار پائیں۔

ماہنامہ دعوۃ.......... اسلام آباد جلد: ۱۶ شمارہ: ۷۔۱۰

نبیِ رحمتؐ اور حیوانات

طاہر صدیق

باری تعالٰی نے نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے "وما ارسلناك الا رحمۃ للعالمین"۔ آپ کا وجود باعثِ رحمت ہے' آپ کی بعثت باعثِ رحمت ہے۔ آپؐ نہ صرف انسانوں کے لیے رحمت ہیں بلکہ چرند پرند' درند' جمادات' نباتات ہر چیز کے لیے رحمت ہیں۔ آپؐ کی بعثت سے دنیا میں ظلم و بربریت کا خاتمہ ہوا۔ حیوانات تک آپ کے پاس عدل کے لیے حاضر ہوتے رہے۔ بعثتِ نبوی کے وقت عرب کے حالات ایسے تھے جہاں ظلم ہی ظلم تھا۔ ظالم کو بہادر کہا جاتا تھا۔ اپنی شیر خوار بچی کو زندہ درگور کرنے والے کو غیرت مند کہا جاتا تھا۔ کسی کا حق مارنا اور عورتوں کو باندیاں بنانا بڑے لوگوں کا شیوہ تھا' ایسے حالات میں جانوروں کے حقوق کی کیا اہمیت ہو سکتی تھی؟ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت ان تک بھی پہنچی اور وہ بھی اس سے فیض یاب ہوئے۔ ایک اونٹ کو دیکھا کہ بھوک سے پیٹ اتنا اوپر ہے کہ پیٹھ سے لگ گیا ہے' اس کے مالک کو جھنجھوڑا۔ گائے نے خود شکایت کی کہ ہمیں سواری کے لیے نہیں بنایا گیا پھر بھی یہ ہم پر سواری کرتے ہیں۔ فرمایا: "سواریوں کو کرسیاں اور ممبر نہ بنا لو کہ ان کے اوپر ہی بیٹھ کر باتیں کرتے رہو' کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ سوار سے سواری بہتر ہو"۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اونٹ کو ذرا سختی سے موڑا تو فرمایا: "جانوروں سے نرمی کرو"۔ عبدالرحمٰن صحر الدوسی بلی کو ساتھ رکھتے تھے' پیارے ابوہریرہ کہا (یعنی بلی والا)۔ محبت کی حد تھی کہ آج تک اکثر مسلمان ان کا اصل نام ہی نہیں جانتے۔ خود آپؐ کو گدھے نے غصے میں گرا دیا تو آپؐ نے اسے مارا نہیں بلکہ دلاسا دیا اور خوب مسکرائے۔ ایک انصاری کا اونٹ روتا ہوا آیا اور شکایت کی' حضورؐ نے فرمایا اس پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو اور اس کا حق ادا کرو۔ سفر میں انہیں بھی آرام کرنے دیا کرو' جب سرسبز زمین آئے تو انہیں مہلت دو کہ چر چگ لیں۔ جب ریگستان سے گزرو تو جلدی گزر جاؤ۔ انہیں شکار کھیلنے کے لیے تربیتی ہدف نہ بناؤ۔ گرم

لوہے سے نہ داغو، نہ جلاؤ، نہ چہرے پر مارو۔ یہ ہلکی سی منظر کشی ہے اس رحمتِ جاوداں کی جس کا تصور بھی اس زمانے میں عنقا تھا۔

جہاں تک دیگر اقوام کا تعلق ہے تو وہاں عجیب افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔ بعض معاشروں میں حیوان کو معبود تک کا درجہ مل گیا ہے۔ بعض نے اسے انسان کے برابر لا کھڑا کیا ہے۔ بعض مذاہب میں حیوانات کو بے روح چیز قرار دیا گیا ہے۔ بعض علاقوں میں حیوانات کو زندہ کاٹ کر کھایا جاتا ہے۔ افلاطوں نے لکھا ہے کہ اگر کوئی حیوان انسان کو مار دے تو عدالت اسے قصاص میں قتل کرے گی۔ اگر کتا کسی کو کاٹ لے تو عدالت اسے سزا کے طور پر قتل بھی کر سکتی ہے، کوئی اور سزا بھی دے سکتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی پتھر گر پڑے اور انسان مارا جائے تو اس کے وارثوں کو حق ہے کہ پتھر کو سزا کے طور پر ملک بدر کر دیں۔ یونانی تہذیب میں اگر بیل کھیتی باڑی صحیح طور پر نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جاتا تھا۔ زرتشتیوں کے ہاں اگر کتا کسی انسان کو کاٹ لے یا کسی حیوان یا بکری وغیرہ کو مار دے تو اس کا دایاں کان کاٹ دیا جاتا تھا، اور اگر دوبارہ ایسا کرے تو بایاں اور اگر پھر بھی کسی کو کاٹے تو اس کی دائیں ٹانگ کاٹ دی جاتی تھی۔ یہودیوں کے ہاں اگر کوئی بیل کسی مرد یا عورت کو سینگ مار دے اور وہ اس سے مر جائے تو اس بیل کو رجم کیا جائے گا اور اس کا گوشت حرام ہوگا۔ اور اگر بیل کے مالک کو معلوم تھا کہ اس کا بیل مارنے والا ہے، اس کے باوجود اس نے بیل کو سنبھال کر نہیں رکھا تو بیل رجم ہوگا اور اس کا مالک بھی قتل کر دیا جائے گا۔

مغرب نے جو آج کل جانوروں کے حقوق کا بڑا علم بردار ہے، انسانوں کی طرح جانوروں کو سزائیں دینے کے لیے عدالتیں قائم کر رکھی تھیں۔ فرانس کے عیسائی ججوں نے قرونِ وسطی میں پہلی بار یہ قانون منظور کیا کہ اگر جانور غلطی کرے تو اسے بھی عدالت میں پیش کیا جائے، اور اس کے خلاف قانونی کارروائی ہو گی۔ اسی طرح پندرھویں صدی عیسوی میں ہالینڈ، جرمنی، اٹلی، بیلجیم وغیرہ میں بھی یہ قانون نافذ ہوا اور اس پر عمل کرتے ہوئے یورپ نے عجیب و غریب لطائف دیکھے۔ یہ جاہلانہ قانون انیسویں صدی عیسوی تک یورپ میں کسی نہ کسی جگہ نافذ رہا۔ چوہوں مینڈکوں، مرغوں، پالتو جانوروں، بحری جانوروں اور پرندوں کے لیے الگ الگ عدالتیں ہوتی تھیں۔

اسی طرح کا ایک اور انتہا پسندانہ فیصلہ دنیا کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک امریکہ میں ۱۸۸۶ء میں ہوا جب ان شکاری پرندوں کو مارنے کا فیصلہ ہوا جو دیہاتیوں کے چوزے اٹھا کر لے جاتے تھے۔ ڈیڑھ سال میں ایک لاکھ پچیس ہزار شکاری پرندوں کو مارا گیا۔ اس کا طبعی نتیجہ یہ ہوا کہ

کہ جن علاقوں میں پرندے مارے گئے تھے' وہاں چوہوں نے بڑا حملہ کر دیا اور زمین میں اگنے والا سارا غلہ کھا گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ چوہے پرندوں کی غذا تھے' اب پرندوں کے ہاتھوں زندہ بچ جانے کے بعد انہوں نے اپنی بھوک تو مٹانا تھی۔ قدرت کے امور میں خلل دینے کا یہ نتیجہ ہوا۔

آج مغرب جانوروں کے حقوق کا سب سے بڑا دعوے دار ہے۔ بڑی بڑی تنظیمیں اس نام سے وہاں قائم ہیں جن کے کروڑوں ڈالر کے سالانہ بجٹ ہیں۔ حقوقِ حیوان کے ان دعوے داروں کو یہ بھی معلوم ہے کہ وہ تیسری دنیا کے حقوقِ انسانی کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں؟ مسلمانوں اور دیگر غیر یورپی انسانوں کے لیے ان کے ہاں نت نئے تباہ کن ہتھیاروں کی ایجادات ہوتی ہیں۔ پرانا ہونے والا سارا اسلحہ افغانستان اور عراق جیسے ممالک کے انسانوں اور وہاں کے جانوروں کی موت کا پروانہ لے کر آتا ہے۔ شہروں کے شہر برباد اور انسانوں کے ساتھ جانور بھی خاک و خون میں نہا جاتے ہیں۔

دورِ حاضر میں نام نہاد ترقی یافتہ یورپ میں اگرچہ جانوروں کے حقوق کی تنظیمیں بن چکی ہیں' لیکن آج کی حالت بھی ماضی سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ اپنی خواہشاتِ نفس کی تسکین' کھیل کود اور ذہنی سکون حاصل کرنے کے لیے جانوروں پر ظلم و ستم کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ چناں چہ ابھی بھی جانوروں کو باندھ کر ان پر نشانہ بازی کی مشق کی جاتی ہے' جانوروں کے نازک مقامات یا آنکھوں میں مرچ ڈال کر انہیں تیز دوڑنے پر مجبور کیا جاتا ہے' گھوڑوں' بیلوں' مرغوں اور کتوں وغیرہ کو آپس میں لڑانے کا سلسلہ جاری ہے۔ آج بھی اسپین کا سب سے مقبول کھیل' بیل کی لڑائی ہے۔ موزمبیق' یونان' اٹلی' پولینڈ وغیرہ میں بھی یہ کھیل بہت شوق سے کھیلا اور دیکھا جاتا ہے۔ بیل کی اس لڑائی میں بیل کو اذیتیں دے کر مارا جاتا ہے اور اس کے جسم سے رستے ہوئے خون کو دیکھنے کے لیے لوگ میلے کی صورت میں جمع ہوتے ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق ہر سال تقریباً ۳۵ ہزار بیل (سانڈھ) اسپین میں مر جاتے ہیں۔ دیگر مقامات پر یہ تعداد دس ہزار تک پہنچتی ہے۔ اسی طرح مشاہدے میں یہ بات بھی آئی ہے کہ فلپائن' سنگا پور وغیرہ میں لوگ کتوں کو بوری میں بند کر کے ضربیں لگاتے ہیں' یہاں تک کہ وہ مر جاتے ہیں اور پھر ان کا گوشت استعمال کیا جاتا ہے۔ یورپ میں ذبح کا کوئی تصور نہیں اس مقصد کے لیے جانور کے سر میں چوٹ ماری جاتی ہے۔ نیوزی لینڈ کا مرغوب کھانا یہ ہے کہ بندر کو پنجرے میں بند کر کے میز کے نیچے اس طرح پھنسا دیا جاتا ہے کہ اس کا سر میز میں بنے سوراخ سے اوپر کو نکل آتا ہے۔ اس حالت میں تیز دھار آلے سے اس کی کھوپڑی کاٹ دی جاتی ہے اور زندہ بندر کے ہلتے ہوئے دماغ کو کھایا جاتا ہے۔

نبیِ رحمتؐ اور حیوانات

نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نہ صرف بنی نوع انسان بلکہ تمام مخلوقات کے لیے رحمت ہے۔ آپؐ کی سیرتِ طیبہ اُس دور میں حیوانات کے حقوق پر دلالت کرتی ہے جب خود انسان بھی انصاف و حقوق سے محروم تھا۔ مختلف مواقع پر آپؐ نے حیوانات اور جانوروں کے حقوق کی ادائیگی کے احکام جاری کیے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱: حیوان کو تکلیف دینا حرام ہے

ایک مرتبہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک ایسے گدھے کے قریب سے ہوا جس کے چہرے کو آگ سے داغا گیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: "لعن اللہ الذی و سمہ" اللہ کی لعنت ہو اس پر جس نے اس کے چہرے پر گرم سلاخ لگائی ہے"۔(۱)

اسی طرح آپؐ نے حیوانوں کو آگ لگانے اور جلانے سے بھی منع فرمایا۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ آپ کا گزر ایسی جگہ سے ہوا جہاں چیونٹیوں کے بل تھے جن کو صحابہ نے جلا دیا تھا۔ آپؐ نے پوچھا: "ان کو کس نے جلایا ہے"؟ صحابہؓ نے عرض کیا: "ہم نے"۔ فرمایا: "اللہ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں کہ آگ کا عذاب دے"۔(۲)

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے شکار کی تربیت حاصل کرنے کے لیے نشانہ بازی کرنے سے بھی منع فرمایا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے ہر ذی روح کو قید کر کے یا باندھ کر مارنے سے منع فرمایا۔ امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت بیان کی ہے کہ "کسی ذی روح کو نشانہ بازی سیکھنے یا کھیل تماشا بنانے کے لیے نہ باندھ رکھو"۔(۳)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے چند لڑکوں کو دیکھا جو ایک مرغی کو باندھ کر اس پر نشانہ بازی کر رہے تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا: "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو باندھ کر تختۂ مشق بنانے سے منع فرمایا ہے"۔ اسی طرح سعید بن جبیر روایت کرتے ہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے قریش کے چند نوجوانوں کو دیکھا کہ ایک پرندے کو باندھ کر اسے مار رہے ہیں۔ وہ آپ کو دیکھ کر بھاگ گئے۔ ابن عمرؓ نے فرمایا: "کس نے یہ سب کیا ہے؟ اللہ کی لعنت ہو اس پر۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص پر لعنت کی ہے جو کسی ذاتی غرض کے لیے کسی ذی روح کو تکلیف میں مبتلا کرے"۔(۴)

ایک مرتبہ بنی عیلان کا ایک آدمی حاضرِ خدمت ہوا۔ اس کے ہمراہ ایک اونٹ تھا جس کے منہ کو داغا گیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: "اے جنادۃ! کیا چہرے کے علاوہ کوئی جگہ نہ تھی جہاں داغ لگاتے

تم سے تو قصاص لینا چاہیے"۔ جنادہ نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! جیسے آپ کا حکم"۔(۵)

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ صدیاں قبل جانوروں کے حقوق بیان کر دیے تھے یہاں تک کہ کسی جانور کو باندھ کر مارنے یا قتل کرنے سے سختی سے منع فرمایا۔ (۶)

آپؐ نے ہر ایسے شخص پر لعنت کی جو جانور کو تکلیف دے' یا اذیت دے کر مارے۔ لعنت پھٹکار ہوتی ہے۔ لعنت ایسی بات پر کی جاتی ہے جو حرام اور شدید ممنوع ہو۔ گویا مذکورہ بالا روایت میں جانوروں کو تکلیف دینے کی حرمت بیان ہوئی ہے۔(۷)

چناں چہ جانوروں سے رحمت کا تقاضا ہے کہ انہیں کھیل تماشا نہ بنایا جائے' مرغوں' بیلوں اور کتوں کو میلوں میں ستم گری کے لیے استعمال نہ کیا جائے' نہ کسی جانور کو بے مقصد جان سے مارا جائے۔ یہی ان کے ساتھ رحمت و نرمی ہے جو شریعتِ اسلامی کا تقاضا ہے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ' بیل' بکرے اور گھوڑے کو خصی کرنے سے بھی منع فرمایا۔(۸) اگر کسی جانور کے لیے ضروری ہو کہ اسے پابند کیا جائے تو خصی کرنے کے بجائے کوئی اور راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ "ایک مرتبہ ہم نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے۔ آپؐ رفع حاجت کے لیے تشریف لے گئے تو ہم نے ایک سرخ چڑیا کو دیکھا جس کے ساتھ دو چھوٹے چھوٹے چوزے بھی تھے۔ ہم نے وہ چوزے پکڑ لیے تو وہ ہمارے سروں پر چکر لگانے لگی۔ اسی اثنا میں آپؐ واپس تشریف لے آئے اور فرمایا کہ" کس نے اسے بچوں کی آزمائش میں ڈالا ہے' اس کا بچہ اسے واپس دے دو"۔(۹)

نبی رحمت علیہ الصلاۃ والتسلیمات کی احادیث کی روشنی میں فقہاء کرام نے حقوق الحیوان پر باب باندھے ہیں' جیسے کسی جانور کو تکلیف دینا حرام ہے' چیونٹی اگر کاٹ لے تو اسے مارا جا سکتا ہے' ورنہ مارنا جائز نہیں' پانی میں پھینکنا بھی مکروہ ہے' یہاں تک کہ بچھو جیسے زہریلے جانور کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اسے آگ میں نہیں پھینکنا چاہیے۔

جانوروں کو حقیقی مقاصد کے لیے استعمال کرنا

جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے مختلف صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے' ان کا تذکرہ آمدہ صفحات میں ہو گا۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے بھی منع فرمایا کہ کسی جانور کو کسی ایسے کام میں ڈالا جائے جس کے لیے اسے پیدا نہیں کیا گیا۔ آپؐ کے معجزات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ گائے نے آپؐ سے بات کی۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک آدمی گائے پر بیٹھا ہوا آ رہا تھا تو گائے مخاطب

ہوئی اور کہنے لگی: ''مجھے اس مقصد کے لیے پیدا نہیں کیا گیا' بلکہ کھیتی باڑی کے لیے پیدا کیا گیا ہے''۔ لوگ بڑے حیران ہوئے کہ گائے بول رہی ہے۔ سبحان اللہ۔ اس موقع پر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں اور ابوبکر اور عمر بھی''۔(۱۰)

گائے اور بیل پر سواری نہیں کی جاتی بلکہ کھیتی باڑی اور گوشت اور دودھ کے لیے یہ جانور استعمال ہوتے ہیں۔ بیل بطور خاص کھینچنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ عربوں میں یہی رواج تھا لیکن اس کے برعکس بعض لوگ ان جانوروں سے ایسا کام لیتے جس کی وہ طاقت نہیں رکھتے۔ اسی طرح نبی رحمت نے جانوروں پر مسلسل بیٹھے رہنے' اور سواری کی حالت میں جانور کھڑا کر کے دوسروں سے گفتگو کرنے سے منع فرمایا' اس سے جانوروں کو تکلیف ہوتی ہے۔آپؐ نے فرمایا:

ایاکم ان تتخذوا ظهور دوا بكم منابر فان الله انما سخرها لكم لتبلغكم الى بلد لم تكونوا بالغيه الا بشق الانفس

اپنی سواریوں کی پیٹھوں کو منبر اور کرسیاں نہ بنا لو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے یہ تمہارے لیے مسخر کیے ہیں تاکہ یہ تم کو ایسے مقامات تک پہنچائیں جہاں تم نہیں پہنچ سکتے مگرانتہائی مشکل سے۔(۱۱)

اُن کی طاقت سے زیادہ کام نہ لینا

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ آپ جانوروں پر ضرورت سے زیادہ بوجھ لادنے سے منع فرماتے تھے۔ صحابہ کرام اس حکم پر بھرپور عمل کرتے تھے۔ کیوں کہ جانوروں پر ظلم کرنا قابلِ مواخذہ جرم ہے اور روزِ قیامت اس کی جواب دہی ہو گی۔ نبی رحمت صلوات اللہ علیہ و سلامہ کی بے پایاں رحمت سے جانور واقف تھے۔حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں آپؐ کے ساتھ جا رہا تھا کہ آپؐ ایک باغ میں داخل ہوئے۔ وہاں ایک اونٹ انتہائی تھکاوٹ کی تصویر بنا کھڑا تھا جیسے اپنی شکایت کر رہا ہو۔ اس کے کانوں کے پیچھے سے پسینہ بہہ رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پسینے کو صاف کیا تو اسے سکون آ گیا۔ آپؐ نے فرمایا: ''اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ یہ اونٹ کس کا ہے''؟ ایک انصاری نوجوان حاضر ہوا اور کہا کہ میرا ہے یا رسول اللہ۔ آپؐ نے فرمایا: ''اس جانور کے بارے میں تمہیں خوفِ خدا نہیں' اللہ نے تمہیں اس کا مالک بنایا ہے۔ اس نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو اور اس کی طاقت سے زیادہ کام لیتے ہو''۔(۱۲)

اسی طرح آپؐ کا گزر ایک اونٹ پر سے ہوا جس کا پیٹ پیٹھ سے لگا ہوا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: ''ان بے زبان جانوروں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ ان پر سوار ہو' جب وہ تندرست ہوں''۔ جانوروں کے حقوق میں سے بڑا حق یہ بھی ہے کہ ان پر اتنا بوجھ لادا جائے جتنا ان کی برداشت میں ہو اور اتنے ہی افراد سوار ہوں جتنے مناسب ہوں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے منع فرمایا کہ ایک سواری پر تین آدمی سوار ہوں۔(۱۳)

اسی مفہوم کی مزید کئی احادیث ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ نبی رحمت نے جانوروں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ لادنے سے منع فرمایا اور صحابہ کرام نے اس پر سختی سے عمل کر کے دکھایا۔ جہاں تک تین آدمیوں کے بیٹھنے کی ممانعت ہے تو وہ اس لیے ہے کہ بالعموم جانور اتنی طاقت نہیں رکھتے۔ اگر کوئی جانور اتنی طاقت رکھتا ہو تو پھر ممانعت نہیں ہے۔ فقہاء کرام نے جانوروں کے حقوق پر مستقل باب باندھے ہیں اور کتبِ فقہ میں ایسے مسائل موجود ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ طاقت سے زیادہ کام لینا جرم ہے' اس کے کھانے پینے کا انتظام لازم ہے۔ جو مالک اپنے جانور کے حقوق کا خیال نہیں رکھتا اس کو اسلامی حکومت عدالت میں پیش کرے گی۔ اگر وہ پھر بھی خیال نہیں رکھے گا تو قاضی اس کا جانور خود فروخت کر کے رقم مالک کو دے دے گا تاکہ اس جانور کی اس شقی القلب مالک سے خلاصی ہو۔ حنابلہ کے شیخ قاضی ابو یعلی اور ماوردی نے اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

جانور کو تنگ اور قید کرنا

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو سابقہ دور کی ایک عورت کی مثال دے کر بتایا کہ کسی جانور کے ساتھ ظلم کرنا' اسے بلاوجہ قید کرنا' اسے کچھ نہ کھلانا پلانا اس قدر بڑا جرم ہے کہ اس کی پاداش میں مجرم اللہ کے غضب اور قہر کا مستحق ہو سکتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

> ایک عورت کو بلی کی وجہ سے عذاب ہوا۔ وہ اسے نہ کھلاتی پلاتی تھی' نہ اسے کھلا چھوڑتی تھی کہ خود کچھ کھا پی لے۔(۱۴)

اس قصہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کسی جانور کو بلاوجہ باندھ کر رکھنا اور اس کے حقوق پورے نہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ جو لوگ جانوروں کو نہ صرف باندھتے ہیں' بلکہ ان پر تشدد بھی کرتے ہیں' اور ان کو کھیل تماشا بناتے ہیں' اس کا بدلہ کیا ہو گا' محتاجِ بیان نہیں۔ شارحینِ حدیث اس حدیث کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ یہ عورت مسلمان تھی لیکن اس نے بلی کو تکلیف دی اور اس قدر ظلم کیا کہ اس کو اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک کہ وہ مر نہ گئی۔ اس طرح ایک چھوٹا گناہ' کبیرہ گناہ بن گیا۔(۱۵)

جانوروں سے ہمدردی اور نرمی

جانوروں سے حسنِ سلوک پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر کی نوید بھی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے سنائی ہے۔ گویا جانوروں اور بے زبان حیوانات پر ترس کھانا' ان کی ضرورتوں اور ان کے جذبات کا خیال رکھنا اللہ کی عبادت میں شامل ہے۔ بعض اوقات اس پر اتنا بڑا اجر ملتا ہے کہ اس سے انسان کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ'' ایک آدمی کہیں سفر پر تھا کہ اسے شدید پیاس لگی۔ جب اسے کنواں نظر آیا تو وہ کنویں میں اترا اور خوب سیر ہو کر پانی پیا۔ پانی پی کر باہر نکلا تو دیکھا کہ کنویں کے کنارے پر ایک کتا کھڑا زبان باہر نکالے ہانپ رہا ہے اور شدید پیاس سے گیلی مٹی چاٹ رہا ہے۔ اس آدمی نے سوچا کہ اس کتے کا بھی پیاس سے وہی حال ہو رہا ہے جو میرا تھا' چناں چہ وہ پھر کنویں میں اترا' اپنا جوتا پانی سے بھرا اور اسے اپنے منہ میں پکڑ کر کنویں سے باہر آیا اور کتے کو پانی پلایا۔ اللہ نے اس کے اس عمل کی تعریف کی اور اس کو بخش دیا''۔

صحابہ نے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول! کیا ہمارے لیے جانوروں میں بھی اجر ہے''؟ فرمایا: ''ہر ذی روح میں اجر ہے''۔(۱۶)

علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث پر بڑی لمبی بحث کی ہے اور دیگر علماء کرام کی آراء' جانوروں کی اقسام' موذی جانوروں کے ساتھ نرمی' انسان اور جانور بیک وقت محتاج ہوں تو پہلے کس کی ضرورت پوری کی جائے' مسلم اور مشرک کے ساتھ احسان وغیرہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔(۱۷) اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں جانور کے ساتھ حسنِ سلوک کتنی بڑی نیکی ہے۔ جانور کے کھانے پینے اور اس کے آرام کا خیال رکھنا' خاص طور پر جس جانور کو گھر میں پال رکھا ہو اس کی خدمت اور پرورش تو فرض ہے لیکن کسی بھی جانور کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا بڑی نیکی ہے۔اس حوالے سے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور بلیغ مثال دے کر امت کی رہنمائی فرمائی۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی رحمتؐ نے فرمایا: ''ایک کتا ایک گڑھے کے گرد چکر لگا رہا تھا اور پیاس سے اس قدر برا حال تھا کہ مر جانے کے قریب تھا۔ اسی اثنا میں بنی اسرائیل کی بدکار عورتوں میں سے کسی نے اس کو دیکھ لیا تو اس نے اپنا جوتا یا موزہ اتارا اور اس میں پانی بھر کر کتے کو پلا دیا' اس پر اس کی بخشش ہو گئی۔(۱۸)

یعنی اس بدکار عورت کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک کتے پر ترس کھانے کی وجہ سے معاف

فرما دیا۔ نبیِ رحمت کی جانوروں پر رحمت کا ایک اور حکم سیدنا ابوہریرہؓ ہی نے بیان کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''جب تم سرسبز علاقے میں سفر کر رہے ہو تو سواری کو زمین سے اس کا حصہ لینے دو''۔

مزید فرمایا: ''اللہ تبارک و تعالیٰ رفیق ہے اور نرمی کو پسند کرتا ہے اور نرمی کرنے والے سے راضی ہوتا ہے' اس کی اس طرح مدد کرتا ہے جیسے سختی کرنے والے کی نہیں کرتا۔ جب تم ان بے زبانوں پر سوار ہو تو ان کو ان کی جگہوں پر ٹھہرنے دو' اور جب یہ بنجر اور بے آب و گیاہ زمین میں ہوں تو ان کو وہاں سے جلدی نکالا کرو''۔(۱۹)

نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر جانوروں کے حقوق بیان کیے اور ان کے ساتھ رفق و نرمی کی اہمیت بیان فرمائی' یہاں تک کہ کتوں' بلیوں' چیونٹیوں' پرندوں' اونٹوں' گھوڑوں' گدھوں جیسے جانوروں کے حقوق اور ان کے ساتھ نرمی کرنے کے بارے میں بطور نص احادیث وارد ہوئی ہیں۔ جنگ میں استعمال ہونے والے جانوروں کے بارے میں تو یہاں تک اجر و ثواب بیان کیا کہ ان کے بالوں' ان کی صفائی' ان کی لید' وغیرہ تک میں اجر و ثواب ہے۔ آپؐ نے جانوروں کے منہ پر تھپڑ مارنے سے بھی منع کیا۔(۲۰)

آپؐ نے جانور کے گلے میں سخت رسی باندھنے سے منع فرمایا تاکہ کہیں جانور کا گلہ رسی میں نہ پھنس جائے اور اسے تکلیف ہو۔ مسلمانوں کو جانوروں سے شفقت کا یہاں تک حکم دیا گیا ہے کہ اگر سفر میں کہیں پڑاؤ کریں تو پہلے جانوروں کو چارہ ڈالیں' پھر خود کھانا کھائیں۔

جانوروں کے جذبات کا خیال رکھنا

نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جانوروں کے جذبات کا بھی خیال رکھا جنہیں ذبح کرنا ہوتا ہے اور بالآخر انسان انہیں کھا لیتا ہے۔ آپؐ نے انہیں بطریقِ احسن ذبح کرنے کا حکم دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے بھیڑ کو گرایا اور اس کے بعد چھری تیز کرنے لگا' نبیِ رحمتؐ نے یہ دیکھ کر فرمایا: ''کیا تم اسے دو موتیں مارنا چاہتے ہو' کیا تم اسے گرانے سے پہلے چھری تیز نہیں کر سکتے تھے''؟(۲۱)

آپؐ نے فرمایا: ''جب تم جانور ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو' اپنی چھری تیز کر لیا کرو تاکہ جانور کے لیے آسانی رہے''۔(۲۲)

ایک قصائی بے دردی سے بکری کو ٹانگ سے کھینچ کر لے جا رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: ''اے قصائی! اسے موت کی طرف نرمی کے ساتھ لے کر جاؤ''۔(۲۳)

اسی طرح ایک آدمی بھیڑ کو ٹانگ سے کھینچ کر ذبح کرنے لے جا رہا تھا۔ آپؐ نے دیکھ کرفرمایا: ''تیری بربادی ہو' اس کو موت کی طرف اچھی طرح سے لے کر جا''۔ ایک آدمی نے عرض کیا' ''اے اللہ کے رسول! جب میں بھیڑ کو ذبح کرتا ہوں تو اس پر ترس کھاتا ہوں''۔ آپؐ نے فرمایا: ''اگر تم اس پر رحم کرتے ہو تو اللہ تم پر رحم کرے''۔(۲۴)

نبی رحمتؐ کے فرامین کی روشنی میں فقہاء کرام نے ذبح کے آداب بیان کیے ہیں۔ یعنی یہ کہ جانور کو گھسیٹا نہ جائے' دوسرے جانور کے سامنے ذبح نہ کیا جائے وغیرہ۔ نبی رحمتؐ تو دشمن اور موذی جانور کو بھی اچھے انداز سے مارنے کی تلقین کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ان اللہ کتب الاحسان علی کل شیء فاذا قتلتم فاحسنوا القتلۃ ''اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر چیز میں احسان کا حکم دیا ہے' پس جب تم مارو تو اچھے طریقے سے مارو (قتل کرو)''۔(۲۵)

اسی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثار حیوانوں پر بھی شفقت فرماتے تھے۔ کسی مرغی کو دیکھتے کہ بچے تنگ کر رہے ہیں تو انہیں منع کرتے۔ کسی چڑیا کے انڈے یا بچے' کوئی اٹھا لیتا تو اس کو واپس کراتے۔ کسی کو جانور کند چھری سے ذبح نہ کرنے دیتے۔ جانوروں کے کھانے پینے اور آرام کا خیال اپنی ذات سے زیادہ رکھتے۔ بڑی پاک طینت روحیں تھیں جو نہ صرف انسانوں کے حقوق بلکہ جانوروں کے حقوق کا بھی خیال رکھتی تھیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس چیز کو اپنی اہم ذمہ داری قرار دیا کہ'' اگر عراق میں کسی خچر کو بھی کوئی تکلیف پہنچے تو مجھے خطرہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے بارے میں مجھ سے پوچھے گا''۔ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ''اگر میری عمل داری میں بلاوجہ کسی اونٹ کو مار دیا جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں مجھ سے سوال کرے گا''۔ (۲۶)

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے صحابہ کرام ہر دم تیار رہتے تھے۔ جانوروں کے ساتھ حسنِ سلوک کی مثالوں سے اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے۔ قرونِ اولیٰ کے زمانے میں جب یورپ تہذیب کی روشنی سے محروم ہونے کے باعث سیاہ عہد (Dark ages) سے گزر رہا تھا' مسلم فقہاء کرام نے جانوروں کے حقوق پر سیر حاصل بحثیں کیں اور احکام و قوانین مرتب کیے۔ امام شافعی نے اپنی تالیف ''الام'' میں باب باندھا ہے: ''باب کراء الابل والدواب''۔ (۲۷)

امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ'' اگر چرواہے نے بھیڑ کو ایسا مارا کہ اس کی آنکھ کھل گئی یا ہڈی ٹوٹ گئی تو وہ جواب دہ ہو گا''۔(۲۸)ابو یعلی حنبلی نے الاحکام السلطانیہ میں اس پر بحث کی ہے۔ اس

کے بعد علماء نے اسلامی تہذیب کے اس اہم ورثے کو مختلف زمانوں میں جمع کیا تاکہ نبی رحمتؐ کی جانوروں کے حقوق کے بارے میں تعلیمات کو محفوظ کیا جا سکے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے حیوانات پیدا کیے جو اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانیوں پر دلالت کرتے ہیں اور پھر انسانوں سے کئی گنا زیادہ طاقت ور جانوروں کو انسانوں کا تابع بنا دیا جو انسان کی خدمت میں لگے رہتے ہیں۔ انسان کو ان جانوروں کا محافظ' ذمہ دار اور نگہبان بنایا' پالتو جانوروں کا کفیل بنایا۔ ان بے زبانوں پر جو جیسا چاہے ظلم کر سکتا ہے مگر نبی رحمتؐ نے ان کے حقوق بیان کر دیے اور جو یہ حقوق ادا کرے اس کو اجر و ثواب کا حق دار قرار دیا۔

جانوروں کو انسانوں کے فائدے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی پیدا کردہ کوئی بھی چیز عبث یا بے مقصد نہیں ہے مگر جن چیزوں سے ہمیں براہ راست مفادات نظر آتے ہیں اور ہم ان سے استفادہ کرتے ہیں' ان میں پالتو جانور سرفہرست ہیں۔ ان جانوروں کا گوشت' اون' کھال' ہڈیاں' دودھ ان کی افزائش نسل اور کاروبار' باربرداری' انسانی حفاظت' کھیتی باڑی سب کچھ انسان کی خدمت کے لیے ہے۔ اور انسان مسلسل ان سے فائدہ اٹھا رہا ہے لیکن ان کے حقوق ادا کرنے سے قاصر ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم میں حیوانات کا ذکر کیا ہے' کہیں قسمیں اٹھائی ہیں' کہیں ان کے فوائد بیان کیے ہیں' کہیں جانوروں کی مثالیں بیان کی ہیں' کہیں جانوروں کی خلقتِ عجیب کی طرف اشارہ کیا ہے' کہیں سورتوں کا نام جیسے بقرہ' انعام' نمل' نحل' عنکبوت' فیل وغیرہ رکھا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے بھی جانوروں کو کس قدر اہمیت دی ہے۔ اس نے ان کی قربانی اور صدقہ کا حکم دیا اور ان کو انسان کے لیے باعثِ اجر و ثواب بنا دیا:ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ . (۲۹)

اس نے جانور پیدا کیے جن میں تمہارے لیے پوشاک بھی ہے اور خوراک بھی' اور طرح طرح کے دوسرے فائدے بھی۔ ان میں تمہارے لیے جمال ہے جب صبح تم انہیں چرنے کے لیے بھیجتے ہو اور جب شام انہیں واپس لاتے ہو۔ وہ تمہارے لیے بوجھ ڈھو کر ایسے ایسے مقامات تک لے جاتے ہیں جہاں تم سخت جان فشانی

کے بغیر نہیں پہنچ سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب بڑا ہی شفیق اور مہربان ہے۔
اس نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کیے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور وہ تمہاری
زندگی کی رونق بنیں۔ وہ اور بہت سی چیزیں (تمہارے فائدے کے لیے) پیدا
کرتا ہے جن کا تمہیں علم تک نہیں ہے۔

ان معروضات سے پتہ چلتا ہے کہ حقوقِ حیوانات کا پاسبان کون ہے' وہ جنہوں نے بیسویں اور اکیسویں صدی میں محض انجمنیں بنائی ہیں یا وہ نظام جو چودہ سو سال سے بھی پہلے اپنے ماننے والوں سے اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ کسی ذی روح کو تکلیف نہ پہنچے' وہ جو پرانا اسلحہ استعمال کرنے اور نئے اسلحہ کا تجربہ کرنے کے لیے ہزاروں میل دور جا کر انسانوں کو دیگر ہر قسم کی ذی روح سمیت ہلاک کرتے' بستیاں جلاتے اور نیچے کی زمین اوپر کرتے ہیں' یا وہ جو اپنی ہی دھرتی کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ وہ جو مال کی قیمت کم نہ ہونے دینے کی خاطر فالتو گندم' چاول' گھی' مکھن لاکھوں ٹن کے حساب سے سمندر میں بہا دیتے ہیں اور ان کے سامنے ملکوں کے ملک بھوک سے تڑپ رہے ہوتے ہیں یا وہ جو مال میں سے زکاۃ و صدقات نہ نکالیں تو ان کا مال ہی ناپاک رہتا ہے۔

بلاشبہ جو لوگ نبی رحمتؐ کی سیرت کو جانتے ہیں' اس پر عمل کرتے ہیں وہی انسانوں اور جانوروں پر شفقت و رحمت کر سکتے اور ان پر ترس کھا سکتے ہیں۔

حوالہ جات

۱: مسلم بن حجاج' الجامع الصحیح باب النہی عن ضرب الحیوان حدیث ۳۹۵۳)

۲: ابو داؤد' السنن' باب فی قتل الذر حدیث ۵۲۶۸

۳: حدیث میں الفاظ ہیں لاتتخذوا شیئاً فیہ الروح غرضاً۔ علما نے غرضاً سے مراد لیا ہے نشانہ بازی سیکھنے کے لیے اس پر تیر اندازی کرنا' اس کو کھیل تماشا بنانا' اس کے ذریعے سے اپنا ہاتھ سیدھا کرنا وغیرہ۔ دیکھیے صحیح مسلم' باب النہی عنہ صبر البہائم حدیث ۳۶۱۷۔

۴: ایضاً

۵: الطبرانی' المعجم الکبیر حدیث ۲۱۷۹

۶: البخاری' الجامع الصحیح باب ما یکرہ من المثلۃ حدیث ۵۰۹۰

۷: مزید تفصیل کے لیے دیکھیے العسقلانی' ابن حجر فتح الباری شرح صحیح البخاری ۹/۶۴۴'۶۴۵

۸: الطحاوی' شرح معانی الآثار ۴/۳۱۷

۹: ابو داؤد' السنن کتاب الاداب باب فی قتل الذر ۵۲۶۸

۱۰: مسلم بن الحجاج' الجامع الصحیح باب فضائل ابی بکر حدیث ۴۴۰۱

۱۱: ابو داؤد، السنن، کتاب الجہاد، باب فی وقوف الدابۃ حدیث ۲۵۶۷

۱۲: ابو داؤد، السنن، کتاب الجہاد، باب مایومر بہ من القیام علی الدواب والبہائم حدیث ۲۵۴۹

۱۳: الطبرانی، المعجم الاوسط، جزء ۷ حدیث ۷۵۱۲

۱۴: مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح کتاب السلام باب تحریم قتل الھرۃ حدیث ۲۲۴۲

۱۵: النووی، شرح النووی علی مسلم، باب تحریم قتل الھرۃ: ۲۴۰/۱۴

۱۶: البخاری الجامع الصحیح، باب رحمۃ الناس والبہائم حدیث ۵۵۵۰

۱۷: مزید تفصیل کے لیے دیکھیے، العسقلانی، ابن حجر فتح الباری باب فضل سقی الماء۔

۱۸: مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، باب فضل ساقی البہائم حدیث ۲۲۴۴

۱۹: مالک بن انس، الموطا، کتاب الاستئذان باب مایؤمر بہ من العمل فی السفر حدیث ۱۷۶۷

۲۰: احمد بن حنبل، المسند حدیث المقدام بن معدیکرب ۱۷۲۱۹

۲۱: الحاکم، المستدرک علی الصحیحین، کتاب الذبائح حدیث ۷۵۷۰

۲۲: مسلم، کتاب الصید والذبائح و مایؤکل من الحیوان حدیث ۱۹۵۵

۲۳: عبدالرزاق، المصنف باب سنۃ الذبح ۸۶۰۹

۲۴: الحاکم، المستدرک علی الصحیحین، حدیث ۷۵۶۲

۲۵: مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الادب، حدیث ۵۲۶۸

۲۶: البوصیری احمد بن ابوبکر، اتحاف الخیرۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرۃ باب علامات النبوۃ حدیث ۷۰۸۸

۲۷: مزید تفصیل کے لیے دیکھیے، الشافعی، محمد بن ادریس، الام، ۳۶/۴، دارالفکر للطباعۃ و النشر بیروت، ۱۴۰۳ھ

۲۸: مزید تفصیل کے لیے دیکھیے، السرخسی، المبسوط باب جحد المستعیر العاریۃ؛ ۳۴۸/۱۳ دارالفکر للطباعۃ و النشر بیروت

۲۹: النحل: ۵۔۸

نسیما جانب بطحا گزر کن
ز احوالم محمدؐ را خبر کن

بہ بر ایں جانِ مشتاقم بہ آں جا
فدائے روضہ خیر البشر کن

توئی سلطانِ عالم یا محمدؐ
ز روئے لطف سوئے من نظر کن

مشرّف گرچہ شد جامی ز لطفش
خدایا ایں کرم بارِ دگر کن

(مولانا جامیؒ)

ماہنامہ دعوۃ........... اسلام آباد جلد: ۱۶ شمارہ: ۷۔۱۰

رسولِ رحمت ﷺ اور عورت

عفت گل اعزاز

دنیا کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ عورت کو ہر تہذیب اور ہر قوم نے مرد سے کم تر مقام پر رکھا ہے۔ یونان کی اساطیر (Mythology) میں ایک خیالی عورت پنڈوار کو انسانی مصائب کا موجب قرار دیا گیا۔ اہلِ یونان نے کام دیویٔ افرو دایتی (Aphrodite) کی پرستش کی جس کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ ایک دیوتا کی بیوی تھی اور اس کے تین دوسرے دیوتاؤں کے ساتھ بھی تعلقات تھے اور وہ ایک ناجائز اولاد کیوپڈ (Cupid) کی ماں بنی۔ جس قوم کی معبودہ کا کردار ایسا ہو تو اس قوم کی اخلاقی پستی کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ یونانیوں کے خیال میں عورتیں ادنیٰ درجے کی مخلوق تھیں اور عزت کا مقام صرف مردوں کے لیے مخصوص تھا۔

روم کی تہذیب میں جب عریانی اور فحاشی کا سیلاب پھوٹا تو بے حیائی و عریانی کے مظاہر عام ہوئے، فحش تصاویر گھروں میں سجائی جانے لگیں، نکاح کا بندھن کمزور ہوا، پھر اسے معیوب قرار دیا جانے لگا۔ طلاق ایک فیشن کی چیز بن گئی، قحبہ گری کے کاروبار کو فروغ ہوا اور عورت کھلونا بنا دی گئی۔

یورپ میں عام طور پر ''گناہ کی ماں اور بدی کی جڑ'' جس مخلوق کو قرار دیا گیا، وہ عورت تھی، اسے یورپ میں ''مرد کو غارت کرنے والی'' سمجھا جاتا تھا۔ مسیحیت میں انتہا یہ ہوئی کہ مذہبی زندگی گزارنے کے لیے یہ ضروری قرار پایا کہ آدمی نکاح ہی نہ کرے۔ پاکیزہ زندگی کا تصور رہبانیت کے ساتھ منسلک کیا گیا۔ اس بنا پر عورت کی اخلاقی اور معاشرتی حیثیت حد سے زیادہ گرا دی گئی اور ازدواجی زندگی عورت اور مرد کے لیے مصیبت بنا دی گئی، معاشی طور پر عورت کو بالکل بے بس کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی کمائی پر بھی کوئی اختیار نہ رکھتی تھی۔ اسے طلاق اور خلع کی سرے سے اجازت نہ تھی۔ شوہر کے مرنے کی صورت میں بھی نکاحِ ثانی کی سختی سے ممانعت تھی۔

ہندوستان میں اسے غلام، محکوم اور داسی بنا کے رکھا گیا، جہاں ماضی میں ستی کا رواج عام

تھا۔ شوہر کے مرنے پر بیوہ کو بھی شوہر کی چتا پر بھینٹ چڑھا دیا جاتا تھا۔ اسے ملکیت اور وراثت کے حقوق سے محروم رکھا جاتا تھا۔ ہندو مت میں عورت کو اس کی رضا و پسند کے برخلاف ایک مرد کے حوالے کر دیا جاتا تھا اور وہ آخری سانس تک مجبور تھی کہ باوجود ہر طرح کے اختلافات اور ناپسندیدگی کے اسی مرد کی قید میں رہے۔ اسے گناہ اور اخلاقی و روحانی پستی کا مجسمہ سمجھا جاتا تھا۔ عبادت گاہوں میں ناچ گانے، ہولی کے کھیل، دریاؤں پر نیم عریاں اشنان، یہ تمام سرگرمیاں ایسی تھیں کہ جن کے ذریعے سے عورت کو اس کے پاکیزہ و باوقار مقام سے نیچے اتار کر مرد کی دل بستگی کا سامان بنا دیا گیا اور مذہب کے نام پر بھی اس کی خوب درگت بنائی گئی۔

عورت ہر دور میں مبتلائے آزمائش رہی، وہ مظلوم بنا دی گئی، اسے پنچ سمجھا گیا۔

اب سرزمینِ عرب پر نگاہ ڈالیے، اب سے ساڑھے چودہ سو سال سے پہلے کا عرب معاشرہ اپنی تباہی کے آخری کنارے پر پہنچ چکا تھا۔ تمام تر معاشرتی برائیاں انتہا کو چھو رہی تھیں۔ لڑائیاں، جنگ و جدل، غارت گری اور ظلم کا دور دورا تھا۔ بیٹیوں کو زندہ زمین میں گاڑ دیا جاتا تھا۔ مرد جوا کھیلتے تھے تو بیوی اور بیٹی کو جوئے میں ہار جاتے اور دوسروں کے حوالے کر دیتے۔ عورت ذلت اور تحقیر کا شکار تھی۔

اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں رسالت کا مہرِ منیر طلوع ہوا جس سے ظلمتِ کائنات چھٹ گئی۔ یہی پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو تمام جہانوں کے لیے رحمت بن کر آئے۔ انہیں رحمت للعالمین کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ آپؐ وہ دین لے کر آئے جس میں معاشرے کے ہر طبقے کے لیے آسانی اور انصاف ہے، جس میں حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کا تعین کیا گیا ہے، جس کے مطابق ایک روزِ محشر بھی آنا ہے جہاں لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ کیا انسانوں کے لیے اس سے بہتر کوئی راستہ، کوئی طریقہ، کوئی مذہب ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اسی دینِ اسلام میں عورتوں کو وہ حقوق دیے گئے جو آج تک دنیا کا کوئی اور مذہب، کوئی اور قانون، کوئی اور آئین نہیں دے سکا۔ ہمارے پاس قرآن پاک اور حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی بے شمار احادیث مبارکہ موجود ہیں جن میں عورتوں کے حقوق و فرائض کے بارے میں بتایا گیا ہے۔

عورت کی عظمت اور بڑائی کا آغاز اس سے کیا کہ پیدا ہونے والی بچی کو رحمت قرار دیا گیا۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: ''جو شخص اپنی تین بیٹیوں کی پرورش کرے گا، یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں (ان کی شادی کردی جائے) تو وہ جنت میں اس طرح میرے ساتھ ہو گا

جس طرح یہ دو انگلیاں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ہیں"۔ جب حضورؐ سے کسی شخص نے دو بیٹیوں کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے ان کے بارے میں بھی یہی جواب دیا۔ اسی طرح ایک بیٹی ہو یا زائد' ان کی پرورش کا اتنا عظیم اجر دیا گیا کہ وہ بچیاں اپنے والدین کو جنت کا حق دار بنا دیں گی اور دوزخ کی آگ سے آڑ بن جائیں گی۔ ایک اور حدیث ہے "بڑی فضیلت والا صدقہ اپنی اس بچی پر احسان کرنا ہے جو بیوہ یا مطلقہ ہونے کی وجہ سے واپس لوٹا دی گئی ہو اور جس کا تیرے سوا کوئی اور کفیل نہ ہو"۔

علم کا حصول ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے فرض قرار دیا گیا۔ علم روشنی ہے اور دونوں اصناف یعنی مرد اور عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ علم حاصل کریں اور علم کی روشنی سے اپنی زندگی کی راہوں کو منور کریں۔

جب لڑکیاں بڑی ہو جاتی ہیں تو یہ والدین کا فرض ہے کہ وہ مناسب رشتہ دیکھ کر ان کے نکاح کا اہتمام کریں۔ اس سلسلے میں لڑکی کی مرضی ضرور معلوم کرنی چاہیے۔ لڑکی کی شادی کے سلسلے میں دین کی طرف سے نہ لمبے چوڑے جہیز کی ضرورت ہے' نہ پانچ ستاروں والے ہوٹلوں میں دعوتیں ضروری ہیں۔ شادی کے لیے کسی قسم کا تکلف اور اہتمام ہرگز کوئی شرط نہیں۔ سادگی کے ساتھ نکاح منعقد کیا جانا چاہیے۔ "نکاح" کا بندھن مرد اور عورت کو بہترین تحفظ فراہم کرتا ہے۔

قرآن پاک کی سورہ روم میں ارشاد ہوتا ہے:

"اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے خود تمہیں میں سے جوڑے بنائے ہیں' تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو۔ اور اس نے تمہارے درمیان مودّت اور رحمت رکھ دی ہے"۔

سورہ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے:

"وہ (عورتیں) تمہارے لیے لباس ہیں اور تم (مرد) ان کے لیے لباس ہو"۔

خالق سے زیادہ مخلوق کے مزاج' اس کی ضرورت کو بھلا کون سمجھ سکتا ہے؟ نکاح کا حکم قرآن پاک میں آیا اور حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: النکاح من سنتی۔

اسلام میں مردوں کو عورتوں پر قوّام یعنی نگران کی حیثیت دی گئی ہے۔ مرد کو محنت مزدوری اور کمائی کے لیے بنایا گیا ہے۔ اسی بنا پر نان و نفقہ کی ذمہ داری مرد کے ذمہ ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: "شوہر کا فرض ہے کہ جب وہ کھائے' بیوی کو کھلائے' جب وہ پہنے تو بیوی کو پہنائے"۔

عورت چاہے تو روزگار حاصل کر سکتی ہے' اور اپنی کمائی کی حق دار ہے۔ اگر وہ کسی قسم کا روزگار رکھتی ہے اور اپنی کمائی کو اپنے گھر' شوہر یا بچوں پر خرچ کرتی ہے تو اس کے لیے اس کا اجر ہے۔

اسلام میں مردوں اور عورتوں کے میل جول کو ناپسند کیا گیا۔عورتوں کو پردے کا حکم دیا گیا جو عورت کو تحفظ دیتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ''اپنے گھروں میں بیٹھی رہو' اگلے دورِ جاہلیت کی طرح زیب و زینت کا اظہار نہ کرتی پھرو''۔ (الاحزاب۳۳:۳۳)

آپ نے یہ بھی فرمایا: ''اپنے گھروں میں جمی رہو۔ یہی تمہارا جہاد ہے''۔

زندگی کے بڑے کام اور بھاری ذمہ داریاں مرد کے کاندھوں پر ڈالی گئی ہیں۔ گھر کے باہر کے کاموں کا بار مردوں ہی کے اوپر ہے۔ پانچ وقت نماز با جماعت ادا کرنے کے لیے مسجد کا رخ کرنا مردوں ہی کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے جب کہ عورت کو اپنے گھر میں بیٹھ کر نماز ادا کرنے کی ہدایت کی گئی۔ جہاد کی ذمہ داری بھی مردوں پر ڈالی گئی۔ گویا عورتوں کے لیے دائرہ کار گھر کے اندر محدود ہے تاہم وہ بوقتِ ضرورت گھر سے نکل سکتی ہیں' روزگار حاصل کر سکتی ہیں لیکن اس طرح کہ منکرات سے بچا جائے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ بیوی کے لیے یہ فرض نہیں کہ وہ تین تین وقت چولہا جلائے' کھانے پکائے' کپڑے سیے' بلکہ ان تمام امور کے انتظامات بھی شوہر کے ذمہ ہیں لیکن موجودہ معاشرتی ڈھانچے میں اگر عورتیں' اندرونِ خانہ یہ ذمہ داریاں ادا نہ کریں تو گھر نہیں چل سکتے' چناں چہ جب وہ گھر داری کے کام انجام دیتی ہیں تو اس کے لیے وہ اجر و ثواب کی حق دار ہوں گی۔

عورتوں کو شوہر کی اطاعت کا حکم دیا گیا۔ شوہر کے مرتبے کے بارے میں آپؐ نے فرمایا: ''خدا کے سوا اگر کسی کو سجدہ روا ہوتا تو بیوی کو یہ حکم دیتا کہ وہ شوہر کو سجدہ کرے''۔اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ بیوی کے دل میں شوہر کا مقام کتنا اونچا ہونا چاہیے۔

ایک اچھی بیوی کو شوہر کا مزاج آشنا ہونا چاہیے۔ اسے چاہیے کہ زندگی کے معاملات میں وہ اپنے شوہر کی رائے کو مقدم سمجھے اور اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کرے۔ گھریلو امور بھی شوہر اور بیوی کو ایک دوسرے کی رائے اور مشورے سے انجام دینے چاہییں۔

نیک بیویوں کے لیے حضورؐ نے فرمایا: ''جو عورت پانچ وقت کی نماز پڑھے' رمضان کے روزے رکھے' اپنی عزت اور اپنے شوہر کے گھر کی حفاظت کرے اور جب مرے تو اس کا شوہر اس سے راضی ہو' تو وہ جنت کے آٹھ دروازوں میں سے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے''۔

ایک اور حدیث ہے: ''دنیا کی بہترین متاع نیک عورت ہے''۔

اس کی وجہ یہی ہے کہ نیک عورت اپنے حسنِ اخلاق' حسنِ سیرت اور حسنِ کردار سے اپنے شوہر' بچوں اور تمام عزیز و اقارب کے لیے اچھا ماحول بنا دیتی ہے۔ وہ سب کے حقوق ادا کرتی ہے اور زندگی کی دشوار گزار راہوں پر محبت کے پھول کھلا دیتی اور زندگی کو جنت بنا دیتی ہے۔

اچھی عورت کا یہ وصف ہے کہ جب شوہر اسے دیکھے تو اس کا دل خوش ہو۔ نیک کردار عورت کے لیے یہ بہت بڑا اعزاز ہے کہ وہ اپنے شوہر کے لیے وجہ سکون بنے' جب شوہر فکرِ روزگار کے بعد تھکا ہارا گھر میں داخل ہو تو بیوی کو دیکھ کر اس کے تھکے ہوئے اعصاب پرسکون ہو جائیں اور اس کی تھکن دور ہو جائے۔

زندگی کے لمبے سفر میں میاں بیوی ایک دوسرے کی محبتوں کا مرکز بن جاتے ہیں۔ جب ان کے آنگن میں پھول کھلتے ہیں تو وہ ماں باپ کے بلند درجے پر فائز ہوتے ہیں۔ وہ اپنی اولاد کی پرورش اور تعلیم و تربیت کی ذمہ داری پوری کرتے ہیں اور اسی بنا پر وہ اپنی اولاد پر یہ حق حاصل کرتے ہیں کہ اولاد ان کی فرماں برداری کرے' ان کی خدمت کرے' ان کا ادب و احترام کرے۔

بحیثیت ماں' عورت کا مقام اتنا بلند کیا گیا کہ آپؐ نے فرمایا: ''جنت ماں کے قدموں تلے ہے''۔

ایک شخص نے حضورؐ سے پوچھا ''اے اللہ کے رسولؐ! میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے''؟

آپؐ نے فرمایا ''تیری ماں''

اس نے کہا ''پھر کون؟''

آپؐ نے فرمایا ''تیری ماں''

اس نے پوچھا ''پھر کون؟''

آپؐ نے فرمایا ''تیری ماں''

اس نے کہا ''پھر کون''؟

آپ نے جواب دیا ''تیرا باپ''

یہ حدیث پاک واضح طور پر بتاتی ہے کہ اسلام نے عورت کو کس قدر عزت و توقیر عطا کی ہے۔

والدین جب بڑھاپے کی عمر کو پہنچتے ہیں تو اولاد کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کی

تمام ضروریات، خوراک، لباس، علاج معالجہ ہر چیز کی ذمہ داری پوری کرے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے: ”جب تم اپنے دونوں ماں باپ یا کسی ایک کو بڑھاپے میں پاؤ تو اف تک نہ کہنا، نہ ان کو جھڑکنا، ان سے ادب سے بات کرنا اور عجز و نیاز سے ان کے آگے جھکے رہنا“۔

اپنے والدین کے لیے دعا مانگنی چاہیے ”اے پروردگار، جیسا انہوں نے بچپن میں شفقت سے میری پرورش کی، تو بھی ان کے حال پر رحم فرما“۔ یہ اولاد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کو کسم پرسی کے عالم میں تنہا اور بے یار و مددگار نہ چھوڑے۔ ان کا پوری طرح شفقت و محبت سے خیال رکھے۔ان کی فرماں برداری کرے اور اپنے اچھے کاموں سے ان کا دل خوش رکھے۔

عورت کو وہ تمام مواقع حاصل ہیں جن میں وہ اپنی فطری صلاحیتوں کے مطابق تعمیر و ترقی کے کاموں میں حصہ لے سکتی ہے۔ اس کے حقوق اور مراتب کی پوری پوری حفاظت کی گئی ہے، اسے عزت و شرف کے بلند درجات عطا کیے گئے ہیں۔ عورت کو شوہر کے انتخاب کا حق دیا گیا ہے۔ ناپسندیدہ شخص سے شادی ہو جائے تو خلع کا حق اسے حاصل ہے۔

حضور ﷺ اس کرۂ ارض پر وہ پہلے اور آخری انسان ہیں جنہوں نے عورت کو بہترین حقوق دیئے، لوگوں کی ذہنیت بدلی، ان پر مردوں کے ظلم کی روک تھام کی۔ اسلامی تعلیمات میں حقوق اور فرائض کے درمیان ایک بے مثال توازن پایا جاتا ہے۔ اسی اخلاقی اور قانونی اصلاح کا نتیجہ ہے کہ اسلامی سوسائٹی میں عورت کو بلند مرتبہ حاصل ہوا جس کی نظیر دنیا کے کسی معاشرے میں نہیں ملتی۔

اکیسویں صدی کے اس دور میں ہم دن بدن مذہب سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ اسی بنا پر ہمارے مسائل بڑھ رہے ہیں۔ آج ہمارے معاشرے میں کچھ لوگ لڑکیوں کو بوجھ سمجھنے لگے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ دورِ جدید کی خرابیاں، شادی کے وقت لڑکے والوں کی جانب سے بھاری بھر کم جہیز کا مطالبہ اور شادی کے لمبے چوڑے انتظامات ہیں جن پر اس زمانے میں لاکھوں روپے خرچ ہوجاتے ہیں۔ ہمیں اپنے طرزِ فکر کو بدلنا چاہیے اور سادگی و میانہ روی کا وہ طریقہ اپنانا چاہیے جو عین اسوۂ رسولؐ ہے۔ جھوٹی روایات اور نمود و نمائش کو ترک کرنا چاہیے۔ ہمارے رسولؐ نے تو ہمیں روشن اور ہموار راستہ دکھا دیا۔اب اگر ہم جان بوجھ کر غیرہموار بلکہ گڑھوں سے بھرے راستہ پر چلنے پر مصر ہوں جہاں ہر طرح کی مشکلات اور پریشانیاں منہ پھاڑے کھڑی ہیں، تو یہ ہمارا اپنا قصور، ہماری کم نصیبی اور کم عقلی ہے! اے کاش کہ ہم خوابِ غفلت سے جاگیں، اسوۂ رسولؐ کو اپنائیں اور دنیا اور دین کی نعمتوں سے بہرہ ور ہوں۔

آج کل کچھ عورتوں کی جانب سے عورت کی آزادی کی باتیں کی جا رہی ہیں۔ ان کے خیال میں عورتیں مظلوم ہیں، مجبور ہیں، انہیں مرد کی قید سے نجات حاصل کرنی چاہیے۔ آزادی کی یہ لہر ظاہر ہے مغرب سے نمودار ہوئی ہے، اس مغرب سے جہاں کا معاشرہ تباہی اور انتشار کا شکار اور مصائب سے بھرا پڑا ہے۔ ان کا مرض اب لا علاج ہو چکا ہے۔ معاشرے کا ہر طبقہ بے سکون ہے۔ سچی خوشی عنقا ہو چکی ہے، ہر فرد بے آرام ہے۔ اس رستے پر چلنے سے پہلے ہمیں علم ہونا چاہیے کہ اہلِ مغرب کی نقالی کر کے ہم فلاح نہیں پا سکتے۔

مغربی معاشرے کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہاں عورت نے آزادی حاصل کرنے کے جنون میں پوری طرح ''مرد'' بن جانے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ وہ مردوں جیسے کپڑے پہنتی ہے، مردوں کی طرح دن رات مشقت کرتی ہے اور اپنا خرچ خود اٹھاتی ہے۔ وہ تمام ذمہ داریاں عورت خود اپنے سر لے چکی ہے جو اصل میں مرد کے فرائض تھے۔اب وہ سامان خرید کر سڑک پر چلتی ہے تو اس کا شوہر اس سے بھاری بھرکم تھیلے لے کر خود نہیں اٹھاتا بلکہ مزے سے ہاتھ ہلاتا ساتھ چلتا ہے۔ (برابر جو ہوئی)۔

عورت کے اس رویے کی وجہ سے مغربی معاشرے میں گھر بکھر رہے ہیں۔ ان کے بچے کم عمر میں گھر چھوڑ کر نکل جاتے ہیں۔ بیوی بہت سے مردوں کو دوست بنا لیتی ہے۔ شوہر کی بھی بہت سی ''سہیلیاں'' بن جاتی ہیں۔ جوانی تو پھر گزر جاتی ہے، بڑھاپے میں ان بوڑھی عورتوں اور مردوں کو ''اولڈ ہاؤسز'' کا رخ کرنا پڑتا ہے جہاں ان کی اولاد انہیں چھوڑ جاتی ہے کیوں کہ اپنی مصروفیات اور تفریح کی بنا پر اپنے ماں باپ کا خیال رکھنے، ان کی خدمت کرنے اور بیماری میں ان کی تیمارداری کرنے سے قاصر ہوتی ہے۔ اور پھر عدیم الفرصتی کی بنا پر کبھی کبھار ان بے چارے بوڑھوں سے ملنے آتی ہیں اور بسا اوقات سالہا سال تک یہ بوڑھے ماں باپ اپنے بچوں کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ کبھی کبھار کرسمس کارڈ آ گیا، ورنہ ان مجبور والدین کی آنکھیں اپنی اولاد کا انتظار کرتے کرتے ہمیشہ کے لیے بند ہو جاتی ہیں۔

۱۹۹۵ء میں اس وقت کے امریکی صدر کی بیوی ہنری کلنٹن اور اس کی بیٹی چیلسی نے اسلام آباد کے ایک بڑے تعلیمی ادارے کا دورہ کیا اور طالبات سے ان کے مسائل پر گفتگو کی۔ انہوں نے یہ اعتراف کیا کہ ان کے معاشرے میں طالبات کا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہ نوعمری میں ناجائز بچوں کی ماں بن جاتی ہیں اور اس بنا پر ان کی تعلیم کی راہ میں بہت سی رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ انہوں

نے ایسے اقدامات کی اہمیت کو محسوس کیا جو لڑکے اور لڑکیوں کو ایک دوسرے سے دور رکھ سکیں۔

آپ سمجھ سکتے ہیں کہ بے لگام آزادی کے ایسے ہی عبرت ناک نتائج سامنے آتے ہیں۔

یہ بہترین وقت ہے کہ ہم اپنے رسول پاکؐ کے لائے ہوئے دینِ اسلام کی بہترین منصوبہ بندی کو سراہیں اور اس روشن راستہ پر چلنے کا تہیہ کر لیں جو سراسر سلامتی ہے' جس میں دل کا اطمینان' روح کی خوشی ہے۔ اس میں نوعمری' جوانی اور بڑھاپے یعنی عمر کے ہر دور کے لیے تحفظ اور ابدی مسرتیں شامل ہیں۔ یقیناً یہ عظیم نعمتیں ہمارے رسول حضرت محمدﷺ کی بدولت ہمیں ملیں۔ یہ انہی کا فیض اور احسان ہے جو طبقہ نسواں پر انہوں نے کیا۔ لاکھوں درود اور سلام ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر۔

ماہنامہ دعوۃ.......... اسلام آباد　　جلد: ۱۶　　شمارہ: ۷۔۱۰

محسنِ نسواں ﷺ

شگفتہ عمر

ہزاروں درود و سلام اس ذاتِ با برکات پر جن کے ذریعے سے ہمیں نعمتِ ایمان نصیب ہوئی، وہ محسنِ انسانیت جن کی بدولت انسان نے جہالت کے اندھیروں سے نکل کر ہدایت کا نور حاصل کیا، جن کی تعلیمات اور برکات سے رہتی دنیا تک تمام انسان مستفید ہوتے رہیں گے۔ محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات پوری نوعِ انسانی پر ہیں لیکن صنفِ نازک اس احسان کی خصوصی طور پر مرہونِ منت ہے جس کو اس کا حقیقی مقام دلا کر آپؐ نے گویا ایک نئی زندگی عطا کی۔ حقیقی مقام سے مراد وہ مقام و مرتبہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ پہلے جوڑے آدم و حوا کو حاصل تھا۔ آدم کی تخلیق کے وقت مرد اور عورت کی جس حیثیت کا تعین کر دیا گیا تھا وہ ہر مرتبہ الہامی ہدایت کے ذریعے سے دہرائی جاتی رہی لیکن رفتہ رفتہ الہامی ہدایت سے دوری اور تعلیماتِ الٰہی میں تحریفات کے نتیجے میں مرد اور عورت کی حیثیت کے تعین کے پیمانے تبدیل ہوتے گئے۔ یہودیت نے عورت کو جنت سے نکلوانے پر موردِ الزام ٹھہرایا اور یوں اسے ''سببِ گناہ'' اور ''ترغیبِ گناہ'' کا ذریعہ جانا۔ مسیحیت نے بھی اسی بنا پر اسے ''شیطان کا آلہ کار'' اور ''معصیت کا دروازہ'' قرار دیتے ہوئے اس سے تعلق کو منافیِ تقویٰ اور اس سے احتراز کو خدا ترسی کی دلیل قرار دیا۔ عورت کا اس سے بھی فرو تر مقام یونانی، رومی، چینی اور ہندو تہذیبوں میں مقدر ٹھہرایا گیا جہاں وہ ہر قسم کے معاشرتی و قانونی حقوق سے محروم مرد کے مستقل و لازم تسلط کے تحت زندگی گزارنے پر مجبور ہوئی۔ ان تمام تصورات کا اثر عورت کی اجتماعی و معاشرتی زندگی پر یوں پڑا کہ اسے معاشرے میں عزت و سربلندی کا وہ مرتبہ نہ مل سکا جو مرد کو حاصل تھا، اور نہ وہ مرد کے مساوی حقوق ہی کی اہل قرار پائی۔

تاریخ کے مختلف ادوار میں عورت کی اس گم کردہ حیثیت کے برعکس نبی مہربان ﷺ نے اسے دوبارہ عظمت و رفعت سے ہم کنار کیا اور عورت کو وہ تمام حقوق عطا کیے جنہوں نے نہ صرف اسے

باعزت طور پر زندہ رہنے کا حوصلہ دیا بلکہ نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ نسلِ نو کی پیدائش' پرورش اور تربیت کے حوالے سے مردوں سے بھی بلند درجہ بخشا۔

عورت کے مقام و مرتبہ کا تعین

بنی آدم کو اشرف المخلوق بنا کر مسجودِ ملائکہ بنایا گیا اور اس کی تکریم کلام اللہ میں یوں بیان کی گئی:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ (۱)

ہم نے بنی آدم کو بزرگی بخشی۔

اس عزت و اکرام اور شرف میں مرد اور عورت کے درمیان کوئی تخصیص نہیں رکھی گئی۔ اس حقیقت کا اظہار یوں کیا گیا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (۲)

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔ (اور) اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔

جنس کی بنیاد پر دنیا اور آخرت کی کامیابی میں کسی بھی قسم کی تفریق کی نفی کی گئی:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۳)

جو شخص بھی نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت' بشرطے کہ ہو وہ مومن' اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور آخرت میں ایسے لوگوں کو ان کے اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے۔

اسی حقیقت کا اظہار سورہ الاحزاب: ۳۵ اور ال عمران: ۱۹۵ میں بھی کیا گیا ہے کہ تمام عبادات و معاملات میں فیصلہ کن کسی فرد کی جنس نہیں بلکہ اللہ کے احکامات پر تسلیم و رضا اور عمل ہے۔ قرآن کی ان واضح ہدایات کی روشنی میں نبی مہربان ﷺ نے عورت کو ذلت و رسوائی کے مقام سے نہایت تیزی سے اٹھا کر حقوق و مراعات سے نوازا۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: ''قسم خدا کی' ہم دورِ جاہلیت میں عورتوں کو کوئی حیثیت نہیں دیتے تھے' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں اپنی ہدایات نازل کیں اور ان کے لیے جو حصہ مقرر کرنا تھا' کیا''۔(۴)

یہود اور نصاریٰ کے ہاں عورت پر جنت سے نکلوانے کا الزام تھا۔ اسلام نے سورہ البقرۃ: ۳۶، سورہ طٰہٰ: ۱۱۵ اور سورہ الاعراف: ۱۹۔۲۷ میں عورت کو بری الذمہ قرار دیتے ہوئے یہ فعل آدم و حواؑ دونوں کی مشترکہ ذمہ داری قرار دیا۔

خواتین کے حقوق کا تعین

نبی مہربان ﷺ نے عورت کو وہ تمام معاشرتی و تمدنی حقوق عطا کیے جس سے صرف مرد بہرہ مند ہوا کرتے تھے۔ آپؐ نے اس ضمن میں جو ہدایات اور تعلیمات لازم قرار دیں، حقوقِ نسواں کا کوئی بھی دعویدار ان سے زیادہ جامع اور حقیقی تعلیمات پیش نہیں کر سکا۔ آپؐ نے فرمایا:

اللہ نے تم پر حرام کی ہے ماؤں کی نافرمانی، ادائیگی حقوق سے ہاتھ روکنا، ہر طرف سے مال بٹورنا اور لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا (۵)

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس شخص کے لڑکی ہو اور وہ اسے زندہ در گور نہ کرے، نہ اس کے ساتھ حقارت آمیز سلوک کرے اور نہ اس پر لڑکے کو ترجیح دے تو اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا“۔ (۶)

زندہ رہنے کے حق کے ساتھ عزت، محبت و شفقت سے پرورش اور لڑکے کے مساوی سلوک اور تعلیم و تربیت کی ذمہ داری والدین پر رکھتے ہوئے انہیں بحیثیت ولی لڑکیوں کے ہم پلہ رشتوں کی تلاش کا ذمہ دار بھی ٹھہرایا گیا اور والدین کی تمام تر تجربہ کاری اور عاقلانہ فیصلے کے باوجود لڑکے کے ساتھ ساتھ لڑکی کی رضا مندی کو بھی نکاح کے لیے لازم قرار دیا گیا۔ آپؐ نے خود ایک ایسی لڑکی کو جس کے والد نے اس کی رضا کے برخلاف نکاح کر دیا تھا، حق دیا کہ وہ چاہے تو اس نکاح کو فسخ کروا دے۔

شادی کے بعد بھی والدین اور بھائیوں کو بیٹی / بہن کی پشت پناہی کی کس قدر دل آویز تاکید کی: ”میں تمہیں بتاؤں کہ بڑی فضیلت والا صدقہ کون سا ہے؟ اپنی اس بچی پر احسان کرنا جو (بیوہ ہونے یا طلاق دے دیے جانے کی وجہ سے) تیری طرف لوٹا دی گئی ہو اور جس کا تیرے سوا کوئی کفیل اور بار اٹھانے والا نہ ہو“۔ (۷)

والدین کے گھر سے رخصت ہوتے وقت، نکاح کے سبب اس کی تمام تر معاشی و سماجی ذمہ داری شوہر پر منتقل کرتے ہوئے شوہر کو بیوی کی کفالت کا ذمہ دار ٹھہرایا اور مہر کو بطور نشانی (symbol) لازم کر دیا۔ نکاح کے ذریعے سے وجود میں آنے والی معاشرے کی بنیادی اکائی 'خاندان

کے لیے قرآن کریم نے مؤدت اور رحمت کو بنیاد قرار دیا۔ (۸)

آپؐ نے بیوی کے وقار اور اس کی منزلت کو بامِ عروج تک پہنچانے کے لیے اس کے ساتھ حسنِ سلوک، مروت، احسان، دل جوئی اور خبر گیری کو ایک شوہر کی خوبی اور اس کی شرافت کا معیار قرار دیا۔ فرمایا:

> تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ اچھا ہے اور میں تم میں سب سے زیادہ اپنے اہلِ خانہ کے لیے اچھا ہوں۔ (۹)
>
> نیز فرمایا: ''دنیا ساری کی ساری متاع ہے اور اس کی سب سے بہتر متاع صالح عورت ہے'' (۱۰)

آپؐ نے جہاں اپنی تعلیمات اور عمل سے عورت کے بحیثیت بیوی، حقوق کو تحفظ عطا کیا، وہیں اس کی ذمہ داریاں بھی بہت احسن طریقے سے واضح کر دیں: ارشاد ربانی فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللهُ (۱۱) (پس جو صالح عورتیں ہیں، وہ اطاعت شعار ہوتی ہیں، وہ مردوں کے پیچھے اللہ کی حفاظت اور نگرانی میں ان کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں) کے سلسلے میں ایک استفسار کے جواب میں کہ کون سی عورت سب سے اچھی ہے؟ فرمایا: ''جو اپنے شوہر کو خوش کر دے، جب وہ اس پر نظر ڈالے اور اطاعت کرے جب بھی وہ اسے کسی کام کا کہے، اور جو اپنی جان اور مال کے بارے میں کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کرے جو اس کے شوہر کو ناپسند ہو''۔ (۱۲)

آپؐ نے بیوی کی جانب سے اس رویے کو ازدواجی زندگی کی بنیاد اور کامیابی قرار دیتے ہوئے اسے جنت کی خوش خبری سنائی۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس عورت نے پانچوں نمازیں ادا کیں، رمضان کے روزے رکھے، شرم گاہ کی حفاظت کی اور اپنے شوہر کی اطاعت کی، وہ جنت میں داخل ہو گئی''۔ (۱۳)

حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''جس عورت نے اس حال میں انتقال کیا کہ اس کا شوہر اس سے راضی اور خوش تھا تو وہ جنت میں داخل ہو گئی''۔(۱۴)

عورت کی جدوجہد کا بنیادی میدان خاندان کو قرار دیتے ہوئے انفرادی اور معاشرتی حالات کے مطابق دیگر محاذوں پر بھی کام کی اجازت دی۔ معاشرے میں عورت کی جان، مال اور آبرو کو تحفظ عطا کیا۔ مرد و زن کے لیے غضِ بصر، ستر و حجاب کے احکام اور بنیادی اخلاقی اقدار کی پاسبانی لازم

قرار دی۔ عورت کی عزت و ناموس کی حفاظت بھی معاشرے کی ایک ذمہ داری قرار دی گئی۔

ریاست کے معاملات میں اس کی رائے' مشورہ اور محاسبہ کو نہ صرف اہمیت دی گئی بلکہ یہ اس کی ذمہ داریوں میں شامل کیا گیا۔ معاشرے کے فرد کی حیثیت سے اسے معاشرتی تعمیر و ترقی کا اسی طرح ذمہ دار ٹھہرایا گیا جس طرح مرد کو۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ اسی کی تائید ہے۔

ساتویں صدی عیسوی میں نبی آخرالزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے عورت کو حقِ ملکیت اور حقوقِ وارثت عطا کیے جو یورپ کی خواتین کو ۱۷ویں صدی میں انتہائی جدوجہد کے بعد حاصل ہوئے۔ ظالم' ناکارہ' ناپسندیدہ شوہر کے مقابلے میں عورت کو خلع اور فسخِ نکاح کے وسیع اختیارات دیے گئے۔ مطلقہ اور بیوہ کو دوسری شادی کی اجازت دی گئی اور اس مرحلے پر اس کی رائے کو نسبتاً زیادہ ترجیح دی گئی۔

ماں کی حیثیت سے باپ کے مقابلے میں تین گنا زیادہ مرتبہ دیتے ہوئے ماں کی کفالت' خدمت اور حسنِ سلوک کو تمام اولاد کے لیے لازم قرار دیا گیا جس کا زیادہ ذمہ دار' قوام کی حیثیت سے بیٹا ہے۔ الجنة تحت اقدام الامهات (جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے) کے اعلان کے ساتھ عورت کے بڑھاپے کو خوبصورت اور دیرپا تحفظ عطا کر دیا گیا جس کا مقابلہ آج کسی بھی معاشرے کے "وظائف ضعیف العمری" (اولڈ ایج بینیفٹ) کے قواعد و ضوابط نہیں کر سکتے۔

خواتین کو عطا کردہ حقوق کے تحفظ کی ضمانت

خواتین کے حقوق کو متعین کر کے افراد اور اقوام کے ذمہ داران پر نہیں چھوڑ دیا گیا بلکہ ان کے تحفظ کی ضمانت کے لیے انہیں اللہ کی خوشنودی' حلّت و حرمت' گناہوں کی مغفرت' جنت کے حصول اور آتشِ دوزخ سے بچاؤ کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا۔ بیٹیوں کو زندہ دفن کرنا اور ماؤں کی نافرمانی کرنا حرام قرار دیا گیا۔ قریبی رشتہ دار خواتین سے تعلقِ ازدواج حرام ٹھہرایا گیا' نکاح کے بغیر کسی خاتون سے نفسانی تعلق حرام کر دیا گیا۔ بیٹیوں کی پرورش' تربیت' لڑکوں کی مانند سلوک اور ان سے تا عمر حسنِ سلوک پر گناہوں کی مغفرت' جنت کی بشارت اور جہنم سے بچاؤ کی خوش خبری دی گئی۔ بے سہارا بچی یا بہن کی معاشی ذمہ داری کو بہترین صدقہ قرار دیتے ہوئے اجر کی نوید سنائی گئی۔ ماں کی خدمت اور تکریم کو گناہوں کی مغفرت اور حصولِ جنت کا ذریعہ رکھا گیا اور ضرورت کے وقت جہاد سے رخصتی کی وجہ بھی قرار دیا گیا۔ ماں کی وفات کے بعد اس کی بہن کی خدمت کو گناہوں کے کفارہ کا ذریعہ بنا دیا گیا۔ بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک کو ایمان اور اخلاق کے تکمیلی عوامل میں سے ایک قرار دیا گیا۔

محسنِ نسواں ﷺ کے صنفِ نازک پر چند مزید احسانات

معاشی ذمہ داری سے فراغت

خاندان کے استحکام اور اہلِ خاندان کی نگرانی اور دیکھ بھال خصوصاً اولاد کی پیدائش، پرورش اور تربیت کی پیچیدہ ذمہ داریوں کے باعث ایک خاتون کو اپنی اور اپنے بچوں کی تمام معاشی ذمہ داریوں سے استثنا دیا گیا۔ باپ، بھائی، شوہر اور بیٹے کو عمر کے تمام ادوار میں عورت کی تمام تر ضروریات کی فراہمی کا پابند بنایا گیا۔ طلاق کی صورت میں بچوں کی حضانت کا حق ماں کے پاس ہونے کے باوجود تمام تر کفالت کی ذمہ داری بچوں کے باپ کی قرار دی گئی۔ بیوگی کی صورت میں یتیم بچوں کی ذمہ داری ان کے تایا چچا، اور بیوہ کی اپنی ذمہ داری اس کے باپ اور بھائی کی طرف لوٹا دی گئی۔ بالفرض محال کوئی کفیل موجود نہ ہو یا موجود ہوتے ہوئے وہ اپنی ذمہ داری ادا نہ کر رہا ہو تو خود کمانے اور خرچ کرنے کی صورت میں اسے دوہرے اجر کی خوش خبری دی گئی۔ نیز بیوہ عورت کے لیے مدد گار ثابت ہونے پر اہلِ خیر کا اجر، عابد اور صائم الدہر کے مساوی قرار دیا۔

نماز باجماعت، نماز جمعہ اور نماز جنازہ سے استثنا

گھریلو اور مادری ذمہ داریوں کی ادائیگی کے باعث نماز باجماعت سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ ایک خاتون کے اس اظہارِ شوق پر کہ وہ آپؐ کے پیچھے مسجد میں نماز پڑھنا چاہتی تھیں، اسے گھر میں نماز پڑھنے کی تاکید کرتے ہوئے اس نماز کو مسجد نبوی میں آپؐ کے ساتھ نماز پڑھنے کے مماثل قرار دیا۔ نمازِ جمعہ کے وجوب سے بھی خواتین کو مستثنیٰ قرار دیا البتہ اگر وہ نمازِ جمعہ میں شامل ہوں گی تو وہ قبول بھی ہو گی اور اجر بھی ملے گا۔ نمازِ جنازہ اور تدفین کے مراحل میں بھی خواتین کو رخصت دی گئی۔

جہاد سے استثنا اور اس کا متبادل

جان ہتھیلی پر رکھ کر نکلنا اور میدانِ جنگ میں دشمن سے مقابلہ کرنا جہاں مردوں کے لیے دین کی چوٹی قرار دیا گیا، وہاں عورتوں کو اس سے بری الذمہ رکھا گیا اور اسے گھر میں رہتے ہوئے مجاہدین کے بچوں اور گھروں کی حفاظت و نگرانی پر وہی اجر ملنے کی نوید سنائی گئی جو مردوں کو جہاد سے ملے گا۔ علاوہ ازیں اسے حمل و رضاعت کی ذمہ داریوں اور حج و عمرہ کی ادائیگی پر جہاد کے درجات ملنے کی خوش خبری دی گئی۔

عبادات میں رخصت

فطری مجبوریوں کی صورت میں نماز اور روزہ سے رخصت دی گئی۔ روزہ کو دورانِ سال قضا کرنے کا حکم دیا البتہ ان ایام میں چھوڑی ہوئی نمازوں کی ادائیگی معاف کر دی گئی۔ اسی طرح حج و عمرہ کے دوران میں سوائے طوافِ بیت اللہ کے تمام مناسک کو اس صورت میں بھی ادا کرنے پر قبولیت کا درجہ دیا گیا۔

قانونی گواہی میں رخصت کی صورتیں

گواہی کو ایک ذمہ داری قرار دیتے ہوئے جہاں اس کی ضرورت پڑنے پر ادائیگی کی تاکید کی گئی وہیں خواتین کو ان معاملات میں نسبتاً رخصت دی گئی۔ فوجداری معاملات میں جہاں اس کی جان اور عزت کو خطرہ ہو سکتا تھا وہاں اس کی گواہی کے مواقع کو محدود کر دیا گیا۔

عورت کو دی گئی یہ تمام رخصتیں مغربی طرزِ فکر میں حقوقِ نسواں کے حوالے سے امتیازات قرار دی جاتی ہیں۔ منصفانہ اور غیر جانبدارانہ نظر سے دیکھیے' یہ صنفِ نازک پر محسنِ نسواں ﷺ کے احسانات نہیں تو اور کیا ہیں؟

اسوہ نبویؐ: رشتوں کا احترام

اسلام میں عورت کی مستقل بالذات شخصیت کے تعین کے ساتھ ساتھ اسے خاندانی نظام میں ماں' بہن' بیوی اور بیٹی کے خوبصورت رشتوں کے تقدس میں تحفظ اور تکریم عطا کی گئی ہے۔ آپؐ نے خود ان رشتوں کی تکریم کا عملی نمونہ کیسے پیش کیا' ملاحظہ فرمائیں:

والدہ

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی تو رونے لگے۔ دوسرے لوگ بھی رو پڑے۔ فرمایا:"میں نے اپنے رب سے اجازت چاہی کہ والدہ کے لیے دعائے مغفرت کروں لیکن نہیں ملی' پھر میں نے اجازت چاہی کہ ان کی قبر کی زیارت کروں تو زیارت کی اجازت دے دی گئی' تم لوگ قبروں کی زیارت کیا کرو' یہ موت کو یاد دلاتی ہیں"۔ (۱۵)

رضاعی والدہ

ایک دفعہ آپؐ کی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہ آپؐ کے پاس آئیں تو احترام سے کھڑے ہو گئے اور اپنی چادر بچھا کر انہیں بٹھایا۔(۱۶)

رضاعی بہن

غزوہ حنین میں مسلمانوں کو فتح ہوئی تو بنو ہوازن کے قیدیوں میں ایک عورت شیماء نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا کہ میں حلیمہ سعدیہ کی بیٹی اور آپ کی رضاعی بہن ہوں' کچھ ایسا کیجیے کہ میں آزاد ہو جاؤں۔ آپؐ نے انہیں اپنے حصے میں لے کر آزاد کر دیا' اور بالآخر صحابہ کرام کی رضامندی سے تمام بنو ہوازن رہا کر دیے گئے کیوں کہ انہوں نے کہا کہ ہم بھی آپؐ کے رضاعی بہن بھائی ہیں۔(۱۷)

ازواجِ مطہرات کے ساتھ آپؐ کا تعلق

زوجین کے تعلق میں مرد کو قوامیت کا درجہ دیا گیا ہے اور اسی نگہبانی کو ایک گونہ درجہ اور اہلِ خانہ پر اپنا مال خرچ کرنے کو وجہ فضیلت قرار دیا گیا ہے۔ مرد محض اپنی مردانگی کو وجہ فضیلت سمجھتے ہوئے بیوی کی طرف سے حسنِ سلوک' ایثار و قربانی ' علم و فراست ' دینداری' اس کی پسند و ناپسند اور ذوق و شوق کو خاطر میں نہیں لاتے۔ آپؐ نے مختلف ازواج کے ساتھ تعلقات میں ان تمام حقیقتوں کا اعتراف' لحاظ اور اظہار جس طرح فرمایا' آپؐ کی خانگی زندگی کی چند جھلکیوں سے ہمارے سامنے آتا ہے:

ام المومنین حضرت خدیجہؓ

رسول اللہ ﷺ حضرت خدیجہؓ کی تصدیقِ نبوت' غم گساری' مالی تعاون اور مشاورت کی قدر فرماتے اور ان کی تعریف بیان کرتے تھے۔آپؐ فرمایا کرتے تھے:

> جب میں کفار کی کوئی بات سنتا اور مجھے بہت رنج اور دکھ پہنچتا تو خدیجہ سے بیان کرتا اور وہ اس طرح میری ڈھارس بندھاتی تھیں کہ میرے دل کو تسکین ملتی۔ کوئی رنج ایسا نہ تھا جو خدیجہ کی باتوں سے آسان اور ہلکا نہ ہو جاتا ہو۔(۱۸)

آپؐ نے بھی حضرت خدیجہؓ سے بھرپور محبت کی۔ جب تک وہ زندہ رہیں کسی اور عورت سے شادی نہیں کی۔ ان کے انتقال کے بعد آپؐ اکثر مغموم رہتے تھے' فرماتے: ''وہ میرے بچوں کی ماں اور گھر کی زینت تھیں''۔ آپؐ جتنی تعریف حضرت خدیجہؓ کی کیا کرتے تھے' کسی بھی اور زوجہ کی نہیں کی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ''چوں کہ آپؐ اکثر حضرت خدیجہ کی تعریف کیا کرتے تھے تو مجھے آپؐ کی کسی زوجہ پر اتنا رشک کبھی نہیں آیا جتنا حضرت خدیجہ پر' لہذا ایک دفعہ آپؐ کے تعریف کرنے پر مجھے غیرت آ گئی اور میں نے کہا' وہ تو بوڑھی تھیں' آپؐ کو اللہ نے ان سے بہتر بیوی عطا کی ہے۔ یہ سن کر آپؐ غضبناک ہو گئے' فرطِ غضب سے موئے مبارک کھڑے ہو گئے اور فرمایا: ''نہیں' بخدا مجھے

اس سے بہتر بیوی نہیں ملی، وہ ایمان لائیں جب سب لوگ کافر تھے، انہوں نے میری تصدیق کی جب سب مجھے جھٹلاتے تھے، انہوں نے اپنے مال سے میری مدد کی جب دوسروں نے اپنے مال سے مجھے محروم رکھا اور اللہ نے مجھے ان سے اولاد دی"۔(۱۹)

ام المومنین حضرت عائشہؓ

حضرت عمرو بن العاصؓ جب غزوہ سلاسل سے واپس آئے تو دریافت کیا: "یا رسول اللہ! آپ دنیا میں سب سے زیادہ کس کو محبوب رکھتے ہیں"؟ ارشاد ہوا: "عائشہ کو"۔ عرض کیا کہ مردوں کی نسبت سوال ہے۔ فرمایا: "عائشہ کے باپ کو"۔ (۲۰)

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے اپنی بیٹی حفصہؓ کو سمجھایا کہ عائشہؓ کی ریس نہ کیا کرو وہ تو حضورؐ کو بہت محبوب ہیں۔ (۲۱)

ایک مرتبہ ایک سفر میں حضرت عائشہؓ کی سواری کا اونٹ بدک گیا اور ان کو لے بھاگا۔ آپؐ اس قدر بے قرار ہوئے کہ بے اختیار زبان مبارک سے نکل گیا:"وا عروساہ" (ہائے میری دلہن)۔ (۲۲)

ایک غزوہ سے واپسی پر حضرت عائشہؓ سے فرمایا: "آؤ دوڑیں، دیکھیں کون آگے نکلتا ہے"؟ حضرت عائشہؓ دبلی پتلی تھیں، آگے نکل گئیں۔ کئی سال بعد اسی قسم کا موقع آیا، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں اب میں بھاری ہو گئی تھی، اب کی بار آں حضرتؐ آگے نکل گئے اور فرمایا: "عائشہ! یہ اس دن کا جواب ہے"۔(۲۳)

حضرت زینبؓ کی دین داری کی قدر

ام المومنین حضرت زینبؓ بنت جحش معاملاتِ دین، تقویٰ، صداقت، صلہ رحمی اور سخاوت میں بہت بلند درجے پر تھیں۔ آپؐ نے ان کی سخاوت کا اعتراف کرتے ہوئے ایک بار ازواج سے فرمایا کہ تم میں سے جس کا ہاتھ سب سے زیادہ لمبا ہو گا وہی سب سے پہلے مجھ سے ملے گی۔ جب سب اکٹھا ہوتیں تو ایک دوسرے کے ہاتھ ناپا کرتیں اور حضرت سودہؓ کا ہاتھ بڑا ہوتا۔ لیکن جب حضرت زینبؓ کا انتقال سب سے پہلے ہوا تو ازواج نے اس کے حقیقی معنی کو پایا کہ دراصل ہاتھ کی بڑائی سے فیاضی مقصود تھی۔(۲۴) ایک مرتبہ رسول اللہؐ مہاجرین کے گروہ میں کچھ مال تقسیم کر رہے تھے، حضرت زینبؓ درمیان میں کچھ بولیں تو حضرت عمرؓ نے سختی سے کہا کہ وہ اس معاملے میں دخل نہ دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "عمر! ان سے کچھ نہ کہو یہ اوّاہ (بڑی عابد و زاہد) ہیں"۔

ہمہ دم رفاقت کا اعزاز

رسول اللہﷺ اپنی ازواج کی رفاقت اور مشاورت کو بے انتہا اہمیت دیتے تھے۔ ازواج کے گھر رہنے کی باری مقرر تھی۔ جس کی باری ہوتی شام کے وقت تمام ازواج وہاں جمع ہو جاتیں اور باہم معاملات میں گفتگو اور تعلیم و تربیت کا سلسلہ رہتا۔ غزوات اور اسفار میں بھی ازواج کو ساتھ رکھتے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ''رسول اللہ جب سفر کا ارادہ کرتے تو ازواجِ مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی کرتے جس کا نام قرعہ میں نکلتا' اسے اپنے ساتھ سفر میں لے جاتے''۔(۲۵) تمام ازواج نے آپؐ کے ساتھ حج کا فریضہ بھی انجام دیا۔

اہلیہ سے مشاورت

حضرت خدیجہؓ کے ساتھ ابتدائی دور میں مشاورت معروف ہے۔ آپؐ دیگر ازواج کو بھی اس عمل میں شریک کر لیتے تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آپؐ نے معاہدے کی تکمیل کے بعد مدینہ واپس جانے کے لیے لوگوں کو قربانی کے جانور ذبح کر کے سر منڈوانے کا حکم دیا تو صورتِ حال سے دل برداشتہ کوئی بھی شخص پہلی دفعہ میں تعمیل کے لیے نہ اٹھا۔ آپؐ رنج و غم کی کیفیت میں اپنے خیمہ میں لوٹ گئے۔ تمام معاملہ معلوم ہونے پر حضرت امِ سلمہؓ نے مشورہ دیا کہ اگر آپ کی رائے یہی ہے تو خود تشریف لے جا کر اپنی قربانی کا جانور ذبح کر دیں اور سر منڈوا لیں' سب لوگ آپؐ کو دیکھ کر آپؐ کی پیروی کریں گے' اور ایسا ہی ہوا۔(۲۶)

یہ آپؐ کی طرف سے اپنی ازواج کے فہم و فراست کا اعتراف ہی تھا جس نے صحابہؓ کو آپؐ کے وصال کے بعد یہ اعتماد عطا کیا کہ وہ امہات المومنین کے علم سے فیض اٹھاتے اور کہتے کہ جب ہمارے درمیان رسول اللہﷺ کی ازواج موجود ہیں تو ہم دوسروں سے کیوں پوچھیں۔

گھریلو ذمہ داریوں کی اہمیت کا اعتراف

آپؐ نے خانگی ماحول کی بہتری کے لیے زوجین کے مابین ذمہ داریوں کی تقسیم کے ساتھ دونوں کے درمیان باہمی تعاون' ذمہ داریوں کی کمال ادائیگی اور محبت و ہمدردی کے جذبات کا ہونا ضروری قرار دیا۔ ہمارے معاشرے میں گھر کے کاموں میں مرد کا تعاون عام طور پر معیوب اور مردانگی کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ اس غلط اور بے جا تصور کی تردید کے لیے اتنا کافی ہے کہ رسول کریمؐ بذات خود اپنے گھر والوں کے کاموں میں شریک ہوتے تھے۔ حضرت اسودؒ کہتے ہیں: ''میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ نبی ﷺ اپنے گھر میں کیا کرتے تھے؟ بولیں: ''گھر کے کاموں میں شریک رہتے تھے' جب نماز کا وقت آتا تو نماز کے لیے تشریف لے جاتے''۔(۲۷)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ......حضرت عائشہؓ کی حدیث میں جسے احمد ابن سعد نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے' یہ بھی ہے کہ وہ بولیں: ''آپ اپنے کپڑے سی لیتے' جوتے گانٹھ لیتے اور وہ تمام کام کرتے جو دوسرے مرد اپنے گھروں میں کرتے ہیں''۔ (۲۸)

حضرت ام سلمہؓ نے نبی ﷺ کے پیامِ نکاح کے وقت یہ بات رکھی تھی کہ میں بال بچے دار عورت ہوں اور اپنی اولاد کی پرورش کرنا چاہتی ہوں' تو آپؐ نے انہیں بخوشی اجازت دے دی۔ انہوں نے ایک دفعہ آپؐ سے پوچھا کہ مجھے ابو سلمہؓ (مرحوم شوہر) کی اولاد کی پرورش کا ثواب ملے گا؟ تو آپؐ نے فرمایا: ''ہاں''۔ اور یوں حضورؐ کی شفقت کے سائے تلے انہوں نے اپنے چاروں بچوں کی بہت سکون سے پرورش کی۔

بیوی کا اکرام

حضرت انسؓ سے مروی ہے: ''ہم خیبر سے مدینہ واپس ہوئے تو میں نے دیکھا کہ نبیؐ نے حضرت صفیہؓ کے لیے اپنے پیچھے گدا رکھا' پھر اپنے اونٹ کے پاس بیٹھ گئے اور اپنا گھٹنا (زمین پر) رکھا۔ حضرت صفیہ آپؐ کے گھٹنے پر پاؤں رکھ کر اونٹ پر سوار ہو گئیں''۔(۲۹)

شریکِ حیات کی ناخوشی کا لحاظ

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''میں بخوبی جان لیتا ہوں جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو اور جب ناراض ہوتی ہو''۔ میں نے کہا کہ یہ بات آپ کس طرح معلوم کر لیتے ہیں؟ فرمایا: ''جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو تو کہتی ہو کہ ربِ محمد کی قسم اور جب تم مجھ سے ناخوش ہوتی ہو تو کہتی ہو ربِ ابراہیم کی قسم''۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا کہ اللہ کی قسم یا رسول اللہ! اس وقت میں صرف آپؐ کا نام ہی چھوڑتی ہوں۔ (۳۰)

حضرت عمرؓ سے مروی ہے' فرماتے ہیں کہ میں ایک معاملہ میں غور و خوض کر رہا تھا کہ میری اہلیہ نے آ کر کہا' کاش آپ ایسا ایسا کرتے۔ میں نے کہا کہ میرے اس معاملے سے تمہیں کیا مطلب؟ وہ بولی' اے ابن خطاب! تم بھی عجیب ہو۔ تم نہیں چاہتے کہ تم سے بات کی جائے حالاں کہ تمہاری بیٹی رسول اللہ سے بات کرتی ہے۔(ایک روایت میں ہے' انہوں نے کہا: میرا دخل دینا آپ کو پسند نہیں آتا' خدا کی قسم ازواج مطہرات بھی رسول اللہ کے معاملے میں دخل دیتی ہیں) (۳۱)

واقعہ افک کے سلسلے میں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کی براءت نازل کی تو ان کی والدہ نے کہا: بیٹی! اٹھو اور اپنے شوہر کا شکریہ ادا کرو' تو حضرت عائشہؓ نے نسوانی غرور و ناز کے

ساتھ جواب دیا: ''میں صرف اپنے اللہ کی شکر گزار ہوں' کسی اور کی ممنون نہیں''۔(۳۲)

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ آں حضرتؐ سے بڑھ بڑھ کر بول رہی تھیں۔ اتفاق سے حضرت ابوبکرؓ آ گئے۔ انہوں نے یہ گستاخی دیکھی تو اس قدر برہم ہوئے کہ بیٹی کو مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا۔ آں حضرتؐ فوراً آڑے آ گئے۔ جب حضرت ابوبکرؓ چلے گئے تو فرمایا: ''کہو میں نے تم کو کیسا بچایا''۔ (۳۳)

ازواج کے مابین تعلق میں آپؐ کا طرزِ عمل

عام طور پر سوکنوں کے درمیان خلوص اور محبت کے بجائے حسد و رقابت کے جذبات ہوتے ہیں لیکن حریمِ نبوت کی بلند پایہ ہستیوں سے دنیا جن اخلاقی خوبیوں کی توقع کر سکتی ہے' الحمد للہ وہ اس میں ناکام نہیں ہوئیں۔ بے شمار واقعات میں ان کا آپس کا رفق و لطف' انصاف اور عزت و محبت کا برتاؤ سامنے آتا ہے۔ بشری تقاضوں اور فطری جذبۂ زوجیت کے تحت جب کبھی ان کے باہمی تعلقات و معاملات میں معمولی سا بھی تناؤ محسوس ہوا آپؐ نے ازواج کی دل جوئی فرمائی اور احسن طور پر معاملے کو ختم کروا دیا۔

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے حضرت صفیہؓ کو اشارۃً کوتاہ قد کہہ دیا۔ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا: ''تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر سمندر میں ڈال دی جائے تو اس کو بھی گدلا کر دے''۔(۳۴)

ایک مرتبہ آپؐ نے حضرت صفیہؓ کو روتے دیکھ کر وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ ''عائشہ اور حفصہ کہتی ہیں کہ ہم ازواج میں افضل ہیں کیوں کہ ہم آپؐ کی ازواج ہونے کے ساتھ آپؐ کی چچا زاد بھی ہیں''۔ آپؐ نے فرمایا: ''تم نے یہ کیوں نہ کہا کہ ہارونؑ میرے باپ' موسیٰؑ میرے چچا اور محمدؐ میرے شوہر ہیں اس لیے تم لوگ کیوں کر مجھ سے افضل ہو سکتی ہو''۔(۳۵)

ازواجِ مطہرات کی تعلیم و تربیت

آپؐ اہلِ خانہ میں بھی اپنے فرائضِ نبوت ادا فرماتے۔ گھر میں ہمیشہ اخلاقی اقدار کی تعلیم دیتے' ازواج کے ساتھ نمازِ تہجد ادا کرتے' نفلی روزے رکھتے' اعتکاف کرتے' دنیا کی بے ثباتی اور رضائے الٰہی کے حصول کی اہمیت اجاگر کرتے۔

آپؐ کا معمول تھا کہ جب گھر تشریف لاتے تو کسی قدر بلند آواز سے یہ الفاظ دہراتے:

> آدم کے بیٹے کی ملکیت میں اگر دولت و مال سے بھرے ہوئے دو میدان ہوں' وہ تیسرے کی حرص کرے گا' اس کی حرص کے منہ کو صرف مٹی بھر سکتی ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے دولت تو اپنی یاد دلانے اور مسکینوں کی مدد کرنے کے لیے

پیدا کی ہے' جو اللہ کی طرف لوٹی تو اللہ بھی اس کی طرف لوٹے گا۔ (۳۶)

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے ایک یہودی کو جس نے آپؐ کی موت کی بددعا کی تھی' سختی سے جواب دیا تو رحمتِ عالم نے فرمایا: ''عائشہ! اللہ مہربان ہے وہ نرمی کو پسند کرتا ہے' نرمی سے وہ دیتا ہے جو سختی سے نہیں دیتا' اور نہ کسی اور طرح سے دیتا ہے''۔ (۳۷)

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے اپنے ہاتھ سے آٹا پیسا اور اس کی ٹکیاں پکائیں۔ آپؐ باہر سے تشریف لائے تو نماز میں مشغول ہو گئے' ان کی آنکھ لگ گئی اور پڑوس کی بکری آ کر ٹکیاں کھا گئی۔ حضرت عائشہؓ اسے مارنے دوڑیں تو آپؐ نے روکا اور فرمایا: ''عائشہ! ہمسائے کو تکلیف نہ دو''۔ (۳۸)

حضرت عائشہؓ نے ایک دفعہ اپنے دروازے پر ایک باتصویر پردہ لٹکایا۔ آپؐ نے اندر داخل ہونے کا قصد کیا تو پردے پر نظر پڑی' فوراً تیوری پر بل پڑ گئے۔ حضرت عائشہ یہ دیکھ کر سہم گئیں' پوچھا یا رسول اللہ قصور معاف' مجھ سے کیا خطا سرزد ہوئی؟ فرمایا: ''جس گھر میں تصویریں ہوں فرشتے داخل نہیں ہوتے''۔ انہوں نے فوراً وہ پردہ چاک کر دیا۔ (۳۹)

بیٹیوں کے ساتھ آپؐ کا تعلق (محبت' شفقت اور احترام)

جس معاشرے میں بیٹیوں کو باعثِ عار سمجھا جاتا تھا اور بمشکل انہیں زندہ رہنے کا حق دیا جاتا تھا' آپؐ نے عملاً اپنی بیٹیوں کے ساتھ تعلق میں اسلام کی تعلیمات کو واضح کر کے دکھایا اور ان کی پرورش' تعلیم و تربیت' نکاح اور بعد ازاں تعلقات میں پدرانہ شفقت کے ساتھ ساتھ احترام کا رویّہ اپنایا۔

فرمایا: ''فاطمہ میرا ایک ٹکڑا ہے۔ جس نے اسے ناراض کیا' اس نے مجھے ناراض کیا''۔ (۴۰)

ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ فاطمہؓ جب حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو حضورؐ کھڑے ہو کر ان کا استقبال فرماتے' انہیں بوسہ دیتے' خوش آمدید کہتے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنی نشست پر بٹھاتے۔ اور جب آپؐ فاطمہؓ کے ہاں رونق افروز ہوتے تو وہ بھی آپؐ کے استقبال کے لیے کھڑی ہو جاتیں اور آپؐ کے دستِ اقدس کو بوسہ دیتیں۔ (۴۱)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنے اہل و عیال میں سے سب کے بعد جس سے گفتگو کر کے روانہ ہوتے' وہ فاطمہؓ ہوتیں اور سفر سے واپسی پر سب سے پہلے جس کے پاس تشریف لاتے وہ بھی فاطمہؓ ہی ہوتیں۔ اور یہ کہ حضورؐ سیدہ فاطمہؓ سے فرماتے: ''(فاطمہ!) میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں''۔ (۴۲)

حضرت مسورؓ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے ابوجہل کی بیٹی کو پیغامِ نکاح دیا۔ حضرت

فاطمہؓ کو اس کا علم ہوا تو حضورؐ کے پاس آئیں اور بولیں: ''علی تو ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنے جا رہے ہیں''! حضورؐ کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''...... فاطمہ میرا ایک ٹکڑا ہے۔ اس کی تکلیف مجھے ناپسند ہے۔ اللہ کے رسول کی بیٹی اور اس کے دشمن کی بیٹی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں''۔ اس پر حضرت علیؓ نے پیغام سے گریز کیا۔ (۴۳)

غزوہ بدر میں مسلمانوں کی انتہائی کم تعداد کے باعث ایک ایک فرد بے انتہا قیمتی تھا۔ آپؐ کی صاحب زادی حضرت رقیہؓ بیمار تھیں، آپؐ نے ان کے شوہر حضرت عثمان غنیؓ کو ان کے پاس ٹھہرنے کو کہا اور فرمایا کہ تمہیں بدر میں شریک ایک ایک شخص کے برابر اجر اور حصہ ملے گا۔ (۴۴)

نبی اکرم ﷺ کو کفار کی طرف سے جو تکلیفیں پہنچیں ان میں حضرت زینبؓ اور دیگر بہنیں شریک رہیں۔ حضرت زینبؓ جو راہِ الٰہی میں شہید ہوئیں ان کی نسبت حضرت عائشہؓ آں حضرتؐ کا یہ قول نقل کرتی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ''وہ میری سب سے اچھی لڑکی تھی جو میری محبت میں ستائی گئی''۔(۴۵) حضرت زینبؓ کی تدفین کے وقت آپؐ خود ان کی قبر میں اترے۔

حضرت زینبؓ کے شوہر ابوالعاص بدر میں کفار کی طرف سے لڑنے آئے تھے، جنگی قیدیوں میں شامل ہوئے تو حضرت زینبؓ نے فدیہ میں کچھ زیورات بھیجے جس میں حضرت خدیجہؓ کا دیا ہوا ہار بھی شامل تھا۔ اسے دیکھ کر نبی اکرم ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ صحابہ کرام کی رضا مندی سے آپؐ نے ابوالعاص کو بغیر فدیہ کے آزاد کر دیا اور یہ شرط رکھی کہ وہ مکہ جا کر حضرت زینبؓ کو مدینہ بھیج دیں گے۔

حضرت رقیہؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے مکہ میں ہوا تھا۔ وہ دونوں جب حبشہ کو ہجرت کر گئے تو کئی دنوں تک آپؐ کو ان کی خیر خبر نہ ملی۔ آپؐ اس فکر میں مکہ معظمہ سے باہر جا کر مسافروں سے معلوم فرمایا کرتے۔ آخر کار ایک عورت کے ذریعے سے ان کی خیریت معلوم ہوئی تو آپؐ نے فرمایا: ''اللہ ان کا ساتھی ہے''۔

حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد آپؐ نے دیکھا کہ حضرت عثمانؓ غمگین ہیں تو وجہ پوچھی۔ انہوں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! کیا مجھ سے زیادہ کسی کو مصیبت پہنچی ہو گی؟ اللہ کے رسول کی جو صاحب زادی میرے نکاح میں تھیں، وفات پا گئیں، جس سے میری کمر ٹوٹ گئی اور میرا آپ سے دامادی کا جو رشتہ تھا وہ بھی باقی نہ رہا''۔ اسی اثنا میں آپؐ نے فرمایا: ''اے عثمان! لو یہ جبرئیل آئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے حکم دے رہے ہیں کہ تم سے تمہاری متوفی بیوی کی بہن ام کلثوم کا

اسی مہر میں نکاح کر دوں جو تمہاری بیوی کا تھا اور تم اسے اسی طرح رکھو جس خوشگواری کے ساتھ اس کی بہن کو رکھتے تھے"۔ (۴۶)

بیٹیوں کی اولاد سے آپؐ کا تعلق

رسول اللہ ﷺ اپنی صاحب زادی حضرت زینبؓ کی بیٹی امامہؓ کو اٹھائے ہوئے نماز پڑھتے۔ جب سجدہ میں جاتے تو اتار دیتے' پھر کھڑے ہوتے تو اٹھا لیتے۔ (۴۷)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آپؐ کو حضرت زینبؓ کی بیٹی امامہؓ سے بہت محبت تھی۔ کہیں سے ایک ہار آیا تھا' عورتوں نے کہا کہ یہ عائشہ کی قسمت کا ہے لیکن آپؐ نے وہ امامہ کو عطا فرمایا۔ (۴۸)

حضرت رقیہؓ کے بیٹے عبداللہ نے چھ برس کی عمر میں وفات پائی تو آپؐ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

حضرت امام حسنؓ اور حسینؓ سے بے پناہ محبت کرتے۔ انہیں گود میں اٹھاتے' کندھوں پر بٹھاتے۔ حضرت فاطمہؓ سے فرماتے کہ میرے بیٹوں کو لاؤ' پھر آپؐ ان کو سونگھتے اور چمٹاتے تھے۔ (۴۹)

ایک دفعہ دونوں کو اپنی چادر میں چھپائے ہوئے تھے اور فرما رہے تھے کہ "یہ میری اولاد ہیں' اور میری بیٹی کی اولاد ہیں" اور یہ دعا کی: "اے اللہ میں ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما"۔ (۵۰)

عام مسلم خواتین سے حسنِ سلوک اور ان کا احترام

آپؐ کی تعلیمات اور عمل نے مسلم مردوں کے لیے گھر اور گھر سے باہر عورت کے ساتھ مہربانی' عدل و انصاف' عزت و شرف اور حسنِ سلوک پر مبنی رویے تشکیل دیے۔ آپؐ کا عملی نمونہ درج ذیل چیدہ چیدہ واقعات سے عیاں ہے:

خواتین کو اپنے مخاطبین میں خصوصی طور پر شریک رکھنا

حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں: "عید کے دن رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے' نماز پڑھائی' پھر خطبہ دیا۔ خطبہ سے فارغ ہو کر اتر آئے اور ایک روایت میں ہے' آپؐ نے محسوس کیا کہ خواتین نے خطبہ نہیں سنا ہے تو خواتین کے پاس آئے اور انہیں نصیحت کی"۔ (۵۱)

خواتین کے لیے علیحدہ علمی نشست کا اہتمام کرنا

خواتین کی طرف سے اس خواہش کے اظہار کے بعد کہ مرد تو ہر نماز کے بعد آپؐ کی رفاقت اور نصیحتوں سے مستفید ہوتے ہیں اور خواتین کو اس کا موقع کم ملتا ہے' آپؐ نے علیحدہ سے ایک دن خواتین کی تعلیم و تربیت کے لیے وقف کر دیا۔(۵۲) بسا اوقات آپؐ کسی اور صحابی کو بھی اس دن خواتین کی طرف تعلیم کے لیے بھیج دیتے تھے۔

عید کی نماز اور دعا میں خواتین کو خصوصی طور پر شامل کرنا

ام عطیہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''کنواری لڑکیوں' پردہ نشین خواتین اور حائضہ عورتوں کو عید گاہ لے جاؤ تاکہ وہ نیکی اور مسلمانوں کی دعاؤں میں شریک ہوں''۔ (۵۳)

بچے کی آواز سن کر نماز میں تخفیف کرنا

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میں نماز شروع کرتا ہوں اور طویل کرنا چاہتا ہوں' لیکن جب کسی بچے کی آواز سنتا ہوں تو بچے کے رونے پر ماں کے شدتِ غم کے احساس سے نماز مختصر کر دیتا ہوں''۔ (۵۴)

مسجد میں خواتین کو حاضری کی اجازت

خواتین نے مسجد کی عبادت کے اجر کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور آپؐ کے ساتھ نماز میں شرکت کی سعادت کے باعث' مسجد جانے کی خواہش کی تو آپؐ نے فرمایا: ''اللہ کی بندیوں کو مسجدوں میں آنے سے منع نہ کرو لیکن انہیں چاہیے کہ سادگی کے ساتھ آئیں''۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ''اگرچہ گھر ان کے لیے بہتر ہیں''۔ (۵۵)

اختلاط سے بچنے کے لیے ایک دروازہ خواتین کے لیے مخصوص کر دیا جو آج بھی مسجد نبوی کے قدیم دروازوں میں باب النساء سے موسوم ہے۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں: ''رسول اللہ جب سلام پھیرتے تو اٹھنے سے قبل کچھ دیر ٹھہرے رہتے اور عورتیں سلام کے بعد ہی واپس ہو جاتیں''۔ ابن شہاب کہتے ہیں: ''میرا خیال ہے' حقیقت تو خدا کو معلوم ہے کہ آپؐ اس مقصد سے ٹھہر جاتے کہ مردوں سے پہلے عورتیں لوٹ جائیں''۔ (۵۶)

انصاری عورتوں سے محبت کا اظہار

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے خواتین اور بچوں کو کسی تقریب سے واپس

آتے دیکھا تو کھڑے ہو گئے اور فرمایا: ''تم سب میرے محبوب لوگوں میں سے ہو'' اور تین بار یہ جملہ دہرایا۔ (۵۷)

خواتین کی نازک آبگینوں سے تشبیہ

ایک سفر میں ایک غلام ازواجِ مطہرات اور دیگر خواتین کے اونٹوں کو تیز چلانے کے لیے حدی خوانی کر رہا تھا تو آپؐ نے فرمایا: ''یہ نازک آبگینے ہیں' ذرا دھیرے چلو''۔ (۵۸)

جہاد میں شرکت کے بجائے سفرِ حج میں بیوی کی رفاقت

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! میں نے فلاں غزوہ میں اپنا نام لکھوایا ہے اور میری بیوی حج کا ارادہ رکھتی ہے''۔ فرمایا: ''تم اسی کے ساتھ جاؤ''۔(۵۹)

سیاہ فام غریب عورت کی نمازِ جنازہ

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک سیاہ فام عورت مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی' اس کا انتقال ہو گیا۔ نبی ﷺ نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو لوگوں نے اس کے انتقال کی خبر دی۔ آپؐ نے فرمایا: ''تم لوگوں نے مجھے اطلاع کیوں نہ دی؟ اس کی قبر کدھر ہے؟ پھر آپؐ اس کی قبر پر تشریف لائے اور نمازِ جنازہ پڑھی۔ (۶۰)

دین کے متعلق استفسارات پر حوصلہ افزائی

ایک مرتبہ عورتوں نے حضرت اسماءؓ بنت یزید کو اپنا نمائندہ بنا کر رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا۔ انہوں نے نبی کریم کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا:

> میں مسلمان خواتین کی ایک جماعت کی طرف سے آپؐ کے پاس قاصد بن کر آئی ہوں جو میرے پیچھے ہیں' سب وہی کہنا چاہتی ہیں جو میں کہہ رہی ہوں اور سب کی وہی رائے ہے جو میری رائے ہے کہ اللہ نے آپؐ کو مردوں اور عورتوں' دونوں کی طرف بھیجا ہے۔ بس ہم سب آپؐ پر ایمان لائے اور ہم سب نے آپؐ کی پیروی کی۔ لیکن ہم خواتین کا حال یہ ہے کہ ہم پابند' پردہ نشین' گھر میں بیٹھنے والی' مردوں کی خواہش پوری کرنے والی' ان کی اولاد اٹھانے والی ہیں۔ اور مردوں کو جمعے میں شرکت اور جنازے اور جہاد میں حصہ لینے کی بنا پر فضیلت بخشی

گئی ہے۔ جب وہ جہاد پر جاتے ہیں تو ہم ان کے پیچھے ان کے مال و اسباب کی حفاظت' اور ان کے بچوں کی پرورش کرتی ہیں' تو اے اللہ کے رسول! یہ بتایئے کہ کیا ہم اجر و ثواب میں بھی ان کے ساتھ حصہ پائیں گی؟

حضورﷺ نے صحابہؓ کی طرف دیکھا اور پوچھا: ''بتاؤ تم نے کسی خاتون کو اپنے دین کے بارے میں اس عورت سے زیادہ اچھی بات پوچھتے سنا ہے''؟ صحابہؓ نے کہا: ''خدا کی قسم ہم نے نہیں سنا''۔

اس کے بعد رسول اللہﷺ نے اسماءؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

> اسماء! جاؤ اور تمہارے پیچھے جو عورتیں ہیں' ان سب کو بتا دو کہ تمہارا اپنے شوہروں کے ساتھ اچھا برتاؤ' ان کی خوشنودی کی فکر' اور ان کے ساتھ نباہ کرنے کے لیے ان کے کہے پر چلنا' ان کی تمام دینی خدمات کے برابر ہے جن کی اہمیت کا ابھی تم نے ذکر کیا ہے۔ (۶۱)

غیر مسلم خواتین سے آپؐ کا سلوک

محسنِ نسواںﷺ نے خواتین کے حقوق کا تحفظ اس طور پر سکھایا کہ غیر مسلم عورت کی زندگی' عزت اور عزتِ نفس کو بھی تحفظ عطا فرمایا۔ ذیل میں اس ضمن میں آپؐ کی تعلیم اور عمل کے کچھ واقعات درج کیے جاتے ہیں:

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں: ''کسی غزوہ میں ایک مقتول عورت پائی گئی تو رسول اللہﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرما دیا''۔ (۶۲) اسلام کے جنگی قوانین میں یہ شق لازم کر دی گئی کہ بوڑھوں' بچوں اور عورتوں کو قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ دشمن کی کسی عورت کی آبروریزی کی جائے گی۔نام نہاد انسانی حقوق اور حقوقِ نسواں کی دعوے دار قومیں آج بھی عورت کو جنگی ہتھیار کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔

اس بوڑھی عورت کا قصہ بہت مشہور ہے جو حضور اکرمﷺ پر کوڑا پھینکا کرتی تھی اور ایک دن بیماری کے باعث کوڑا نہ پھینکا تو آپؐ کی جانب سے تیمارداری کرنے پر مسلمان ہو گئی۔ آپؐ کے حسنِ سلوک کی بدولت قبولِ اسلام کا واقعہ اس بوڑھی عورت کا بھی ہے جو آپؐ کی تبلیغ کے اثرات سے بچنے اور اپنے دین کو 'بچانے' کے لیے کسی دوسری بستی میں جا رہی تھی اور راستے میں حضور اکرمﷺ نے انسانی ہمدردی اور اکرامِ عورت کے سبب اس کا سامان اٹھانے میں مدد کی تھی۔

ایک مرتبہ رسول اللہﷺ بیمار ہو گئے اور دو یا تین شب قیام نہ فرما سکے۔ ایک عورت نے

آکر گستاخی کی کہ تمہارا شیطان تمہیں چھوڑ گیا ہے مگر آپؐ نے اس کی اس بدکلامی پر چشم پوشی اختیار کی۔ (۶۳)

ایک یہودی عورت زہر آلود بکری کا گوشت حضورﷺ کے پاس لائی۔ آپؐ نے اس میں سے کھا لیا۔ پھر اسے آپؐ کے پاس لایا گیا۔ لوگوں نے اسے قتل کرنے کے بارے میں دریافت کیا مگر آپؐ نے اجازت نہیں دی۔ (۶۴)

فتح مکہ کے وقت آپؐ نے ابوسفیان اور ہند کے گھر پناہ لینے والے کے لیے امن کا اعلان کیا۔ ہند وہ خاتون تھیں جنہوں نے احد میں حضورﷺ کے عزیز چچا حمزہؓ کو شہید کروا کر ان کی میت کا مثلہ کرایا اور ان کا کلیجہ تک چبا ڈالا تھا۔ اس موقع پر اپنی اس عزت افزائی پر وہ مسلمان ہو گئیں اور کہا: ''یا رسول اللہ! اس روئے زمین پر مجھے کوئی بھی شخص آپؐ سے زیادہ ناپسند نہیں تھا لیکن آج میری نگاہ میں آپؐ سے زیادہ باعزت کوئی شخص نہیں ہے۔(۶۵)

نبیِ رحمت حضرت محمدﷺ قیامت تک کے لیے ہدایت اور روشنی کا منبع ہیں۔ آپؐ کی تعلیمات کسی خاص وقت، ماحول اور علاقہ کے لیے مخصوص نہیں۔ آپؐ کی نبوت عالم گیر اور تا قیامت ہے اس لیے زندگی کے ہر میدان کی طرح خواتین کا مقام و مرتبہ، ان کے حقوق کی فراہمی اور تعلقات کی بنیادیں، تعلیماتِ قرآنی اور اسوہ نبویؐ کی روشنی میں وہی رہیں گی۔ ہر دور میں ہمیں اپنے رویّوں اور کردار کو اس کسوٹی پر پرکھنا ہو گا۔ آج ہمیں مغرب کی تقلیدِ محض سے بچنا ہے تو دورِ جاہلیت کی خوبو کو بھی خود سے دور کرنا ہو گا۔ ہمیں عورت کو مرد کا ضمیمۂ محض سمجھنے کے بجائے اس کی مستقل بالذات شخصیت کو عزت و اکرام دینا ہو گا۔ حقِ زندگی کے ساتھ معاشرے کی ہر سطح پر اس کی عزت و ناموس کو تحفظ عطا کرنا ہو گا۔ فریضۂ تعلیم کے حصول میں اس کی مدد کرنا ہو گی۔ اس کے حقِ کفالت کو حد درجہ یقینی بنانا ہو گا۔ شادی میں اس کی رضامندی کا حق اس کو لوٹانا ہو گا۔ وراثت کا حصہ اسے بخوشی از خود دینے کا حوصلہ پیدا کرنا ہو گا۔ اس پر ہر قسم کے گھریلو اور معاشرتی تشدد کی روک تھام کرنا ہو گی۔ اس کے گھر کی نگہبانی کے کردار کو اہم گردانا ہو گا اور اسے یہ قابلِ فخر احساس دینا ہو گا کہ وہ اپنی ذہنی، علمی اور معاشرتی سرگرمیوں کے باعث اپنے گھر اور معاشرے کا اہم فرد ہے جس کی بقا اور ترقی ہی میں گھر اور معاشرے کا استحکام مضمر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اسوۂ نبوی ﷺ پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حوالہ جات

۱: بنی اسرائیل،۱۷: ۷۰
۲: الحجرات،۴۹: ۱۳
۳: النحل،۱۶: ۹۷
۴: بخاری، کتاب التفسیر' سورہ تحریم' باب تبتغی مرضات ازواجات
۵: بخاری' کتاب النکاح
۶:ابوداؤد' کتاب الادب
۷: ابن ماجہ' ابوب الادب
۸: الروم،۳۰: ۲۱
۹: ابن ماجہ
۱۰: مسلم' کتاب النکاح' باب خیر متاع الدنیا المراۃ الصالحۃ
۱۱: النساء'۴: ۳۴
۱۲:ابوداؤد۔ نسائی
۱۳: بزار۔ مجمع الفوائد' کتاب النکاح' باب حق الزوج علی المراۃ
۱۴: ترمذی۔ ابن ماجہ
۱۵: مسلم۔ بخاری' کتاب الجنائز استیذان النبیؐ
۱۶:ابوداؤد
۱۷: سیرت ابن ہشام
۱۸: بخاری' مسند احمد
۱۹: بخاری کتاب المناقب، باب فضائل خدیجہ' مسلم کتاب فضائل صحابہ، باب فضائل خدیجہ ام المومنین
۲۰: بخاری' مناقب ابی بکرؓ
۲۱: بخاری' حب الرجل بعض النسائہ
۲۲: مسند احمد
۲۳: سنن ابی داؤد' باب السبق
۲۴: مسلم کتاب الفضائل، باب فضائل زینب' بخاری کتاب الزکوۃ
۲۵: بخاری، کتاب المغازی
۲۶: بخاری، کتاب الشروط
۲۷: بخاری' کتاب ابواب الآذان
۲۸: فتح الباری' ج ۱۳' ص۷۰
۲۹: بخاری' کتاب المغازی
۳۰: بخاری' کتاب النکاح
۳۱: مسلم' کتاب الطلاق' بخاری کتاب التفسیر
۳۲:سیرت عائشہؓ از سلیمان ندوی، تفہیم القرآن' تفسیر سورہ نور از سید ابوالاعلیٰ مودودی
۳۳: ابو داؤد۔ کتاب الادب
۳۴: مسند احمد ج ۴، بخاری، کتاب الہدایا
۳۵: ترمذی
۳۶: مسند احمد

۳۷: مسلم باب فضل الرفق

۳۸: بخاری ادب المفرد

۳۹: بخاری کتاب اللباس

۴۰: بخاری کتاب المناقب باب مناقب قرابۃ رسول اللہ

۴۱: حاکم

۴۲: مستدرک حاکم

۴۳: بخاری کتاب المناقب۔ مسلم کتاب فضائل الصحابہ

۴۴: بخاری کتاب المناقب

۴۵: زرقانی بحوالہ حاکم و طحاوی

۴۶: الاستیعاب

۴۷: بخاری کتاب الصلوۃ باب اذا حمل جاریۃ صغیرۃ علی عنقہ فی الصلوۃ

۴۸: مسند احمد

۴۹: فتح الباری

۵۰: مشکوۃ

۵۱: بخاری کتاب العیدین کتاب العلم

۵۲: بخاری، کتاب الاعتصاب، باب تعلیم النبی امتہ من الرجال و النساء

۵۳: بخای کتاب العیدین، کتاب الحیض

۵۴: مسلم کتاب الصلوۃ باب امر ائمہ بتخفیف الصلوۃ فی تمام

۵۵:: بخاری کتاب ابواب الصلوۃ

۵۶: بخاری کتاب ابواب الصلوۃ

۵۷: بخاری کتاب المناقب

۵۸: بخاری کتاب المناقب

۵۹: مسلم کتاب الحج باب سفر المراۃ مع محرم

۶۰: بخاری کتاب الصلوۃ

۶۱: اسد الغابہ ج ۵، ص ۳۹۹

۶۲: بخاری کتاب الجہاد، باب قتل النساء فی الحرب

۶۳: بخاری کتاب التفسیر سورہ الضحیٰ

۶۴: بخاری کتاب الہبۃ باب قبول الھدیہ من المشرکین

۶۵: بخاری کتاب المناقب

رسولِ مجتبیٰ کہیے، محمدؐ مصطفیٰ کہیے
خدا کے بعد بس وہ ہیں، پھر اس کے بعد کیا کہیے

جبین و رخِ محمدؐ کے تجلّیٰ ہی تجلّی ہیں
کسے شمس الضحیٰ کہیے، کسے بدر الدجیٰ کہیے

جب ان کا ذکر ہو دنیا سراپا گوش بن جائے
جب ان کا نام آئے مرحبا صلِ علیٰ کہیے

مرے سرکار کے نقشِ قدم شمعِ ہدایت ہیں
یہ وہ منزل ہے جس کو مغفرت کا راستا کہیے

محمدؐ کی نبوّت دائرہ ہے جلوۂ حق کا
اسی کو ابتدا کہیے اسی کو انتہا کہیے

مدینہ یاد آتا ہے تو پھر آنسو نہیں رکتے
مری آنکھوں کو ماہرؔ چشمۂ آبِ بقا کہیے

(ماہر القادریؒ)

ماہنامہ دعوۃ.......... اسلام آباد   جلد: ۱۶   شمارہ: ۷۔۱۰

رسولِ رحمت ﷺ عہدِ حاضر کے تناظر میں

ڈاکٹر لطف الرحمٰن فاروقی

کائنات کا خالق، مالک اور پروردگار انسانیت کی ہدایت اور تعمیر و ترقی کے لیے وقت اور حالات کی مناسبت سے ہر دور میں اپنے منتخب و برگزیدہ بندوں کو مختلف اقوام میں ارسال کرتا رہا۔ اس سلسلے میں قومِ بنی اسرائیل کے آخری نبی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ انہوں نے تیس سال کی عمر میں اپنی قوم کو امن و سلامتی کی طرف دعوت دی مگر قوم نے نہ صرف ان کی بات نہ مانی بلکہ ان کو صلیب پر چڑھانے کا حکم بھی جاری کرا دیا۔ اس صورتِ حال میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔

اس واقعہ کے ۶۰۹ سال بعد ۱۲ فروری ۶۱۰ء کو پیر کے دن یکا یک غیب سے فرشتہ ظاہر ہوا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش خبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو دنیا کی ہدایت کے لیے اپنا رسول بنایا ہے۔ اس طرح چھ صدیوں کے بعد آسمان کے ساتھ زمین کا رابطہ دوبارہ بحال ہوا۔ ۱۷ رمضان المبارک (۱۷/۱اگست ۶۱۰ء) جمعہ کے دن آپؐ پر قرآن کریم کا نزول شروع ہوا۔ ابتدا میں سورہ علق کی درج ذیل پہلی پانچ آیات اتریں:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ (۱)

پڑھو اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو، اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا، انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔

صرف انیس الفاظ پر مشتمل اس بات سے واضح ہو جاتا ہے کہ انسانی تہذیب و تمدن کے اس ابتدائی دور میں اللہ تعالیٰ نے علم کی حقیقت اور اہمیت پر زور دیا ہے۔ چوں کہ تہذیب و تمدن کی

ترقی و ارتقا صرف اور صرف علم پر منحصر ہے اس لیے ان آیات میں نامعلوم حقائق کی دریافت اور ان کو معلوم کرنے کی طرف واضح اشارہ کیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ بہت ہی مختصر جملے تھے مگر ان پانچ آیات میں جو مضمون پنہاں ہے اس میں نہ صرف عظمتِ علم بیان ہوا بلکہ انسان اور علم کو لازم و ملزوم قرار دیا گیا اور قیامت تک کے لیے ایک نئی تہذیب کی بنیاد رکھ دی گئی۔

نبوت کا بارِ گراں پڑنے سے آپؐ کو خوف زدگی کی کیفیت محسوس ہوئی ۔ کچھ دیر بعد جب یہ حالت دور ہوئی تو آپؐ نے حضرت خدیجہؓ سے کہا: ''اے خدیجہ مجھے کیا ہو گیا ہے''؟ پھر آپؐ نے سارا قصہ ان کو سنایا اور کہا،''مجھے اپنی جان کا ڈر ہے''۔ اس پر حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے جو کچھ کہا وہ احادیث کی کتابوں میں محفوظ ہے' اور اس سے آپؐ کی نبوت سے قبل کی زندگی کے اعلیٰ و قابل تقلید کردار کی عکاسی ہوتی ہے' جس کو آپ کی شریکِ حیات ہی نہیں پورا مکہ تسلیم کرتا تھا۔ انہوں نے فرمایا:

> كلّا والله ما يخزيك الله ابدا انّك لتصل الرحم و تحمل الكلّ و تكسب المعدوم و تقرى الضيف و تعين على نوائب الحق (۲)
>
> ہرگز نہیں' اللہ کی قسم، اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، بے شک آپ: (۱)رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں۔(۲)بے سہارا لوگوں کا بار برداشت کرتے ہیں۔(۳)نادار لوگوں کو کما کر دیتے ہیں۔(۴)مہمان نوازی کرتے ہیں۔(۵)نیک کاموں میں مدد کرتے ہیں۔

بظاہر یہ پانچ صفات ہیں مگر اس میں خدمتِ خلق و فلاحِ عام کی قابلِ تقلید وہ مثال موجود ہے جو مرور زماں و مکاں سے بالاتر ہر انسان کے لیے قابل قبول ہے۔ اور اس سے یہ بھی علم ہوتا ہے کہ انسانیت دوستی' رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گئے اس پیغمبر کی گھٹی میں ڈال دی گئی تھی۔ چناں چہ آپؐ کی ساری زندگی امن دوستی اور انسانیت کو عظمت تک پہنچانے کی عظیم داستان ہے۔

حلف الفضول (قیام امن و نگرانی حقوق کی انجمن کا قیام)

عرب میں اسلام کے آغاز تک لڑائیوں کا متواتر سلسلہ جاری رہا ان میں حرب فجار سب سے زیادہ مشہور اور خطرناک ہے۔ یہ جنگ' قبیلۂ قریش اور قیس کے درمیان ہوئی تھی۔ قریش کے تمام خاندانوں نے اس معرکہ میں اپنی الگ الگ فوجیں قائم کی تھیں۔ بڑے زور کا معرکہ ہوا۔ پہلے قیس' پھر قریش غالب آئے' بالآخر صلح پر خاتمہ ہوا۔

متواتر لڑائیوں سے سیکڑوں گھرانے برباد ہو گئے اور قتل و سفاکی اخلاق بن گئے۔ یہ دیکھ کر بعض طبقوں میں اصلاح کی تحریک پیدا ہوئی اور خاندان کی سرکردہ شخصیت رسول اللہﷺ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب کی تجویز پر ذی القعد سنہ ۲۰ عام الفیل میں ایک معاہدہ ہوا جس میں آپؐ بھی شریک تھے۔ قیام امن کے اس معاہدے کو حلف الفضول کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس وقت آپؐ کی عمر محض بیں سال تھی۔ یہ معاہدہ آپؐ کے نزدیک اتنا اہم تھا کہ آپؐ عہدِ نبوت میں فرمایا کرتے تھے:

لقد شهدت فی دار عبدالله بن جدعان حلفاً ما احبّ ان لی به حمرالنعم و لو اُدعی به فی الاسلام لاجبت (۳)

عبداللہ بن جدعان کے گھر معاہدے کے وقت میں موجود تھا۔اس کے معاوضے میں سرخ اونٹ بھی دیے جاتے تو لینا پسند نہ کرتا۔ اسلام میں بھی اس معاہدے کے لیے بلایا جائے تو میں ضرور شریک ہوں گا۔

آپؐ یہ بھی فرماتے تھے:

ما کان من حلفٍ فی الجاهلية فان الاسلام لم یزده الاشدة (۴)

جاہلیت میں جو معاہدہ تھا' اسلام نے اس کے استحکام ہی کو بڑھایا ہے۔

اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپؐ قیامِ امن اور خدمتِ انسانیت کو بے حد اہمیت دیتے تھے۔ معاہدے میں بنو ہاشمؑ بنو مطلب، بنو اسد، بنو زہرہ اور بنو تمیم شامل تھے اور حسبِ ذیل امور پر یہ معاہدہ ہوا:

۱: ہم ملک سے بدامنی دور کریں گے

۲: ہم مسافروں کی حفاظت کیا کریں گے

۳: ہم غریبوں کی امداد کیا کریں گے

۴: ہم زبردست کو زیر دست پر ظلم کرنے سے روکا کریں گے

۵: ہم مکہ یا غیر مکہ کے مظلوموں کی حمایت کریں گے

امن و امان کے قیام اور خون ریزی کے خاتمے کے لیے یہ آپؐ کی پہلی اجتماعی کوشش تھی۔

عالم گیر فساد

رسول اللہﷺ کی بعثت کے وقت دنیا اپنے تاریک ترین دور سے گزر رہی تھی۔ صدیوں سے انسانیت جس پستی کی طرف گامزن تھی وہ اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ خدا فراموش انسان خود فراموش ہو

کر حیوانیت کو بھی مات دے چکا تھا۔ اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں چند خدا شناس اشخاص دین کی امانت کو اپنے سینہ میں محفوظ کیے زندگی کے میدان سے کنارہ کش ہو کر کلیساؤں اور صحراؤں میں پناہ لے چکے تھے۔ روئے زمین پر کوئی ایسی قوم نظر نہیں آتی تھی جو انسانیت کو سنبھالا دے سکے۔ حضرت سلمان فارسیؓ جیسے حق و صداقت کے متلاشی کو ایران سے لے کر شام کی آخری حدود تک صرف چار آدمی ایسے ملے تھے جو انبیا کے بتلائے ہوئے راستے پر قائم تھے۔(۵) اس عالم گیر تاریکی، پستی اور فساد کا نقشہ قرآن مجید نے انتہائی جامع اور مؤثر انداز میں یوں کھینچا:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ (۶)

خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے۔

چند مختصر الفاظ میں انسانیت کی پستی کی ایک جامع تصویر کھینچ دی گئی ہے۔ اس کے بعد اگلی ہی آیت میں صاحبِ نظر افراد کو اس طرف متوجہ کیا گیا کہ اس فساد کے نتیجے میں انسانیت کی جو تباہی و بربادی ہوئی ہے اس کے آثار زمین میں محفوظ ہیں، ان سے سبق حاصل کیا جائے تاکہ اس قسم کی غلطی کو دہرا کر اسی طرح کی بربادی سے دوبارہ دوچار نہ ہونا پڑے:

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلُ ۚ كَانَ أَكْثَرُهُم مُّشْرِكِينَ (۷)

ان سے کہو کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ پہلے گزرے ہوئے لوگوں کا کیا انجام ہو چکا ہے، ان میں سے اکثر مشرک ہی تھے۔

مسئلہ کسی ایک ملک یا قوم کا نہیں بلکہ تمام نسلِ انسانی کے مستقبل کا تھا۔ گویا سامنے آگ کا ایک گڑھا تھا جس میں چھلانگ لگانے کے لیے وہ تیار کھڑی تھی:

وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا (۸)

تم آگ سے بھرے ہوئے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا۔

انسانیت کی پستی، انتشار اور خود فراموشی کی ایک اور مؤثر تصویر کشی حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے استفسار پر مہاجرین کی طرف سے حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کی جانب سے کی جانے والی تقریر میں نظر آتی ہے:

أيها الملك كنّا أهل جاهليّة نعبد الأصنام و نأكل الميتة و نأتي الفواحش و نقطع الأرحام و نُسيء الجوار و يأكل القوى منّا الضعيف (۹)

اے بادشاہ ہم جاہلیت میں پڑی ہوئی قوم تھے۔ بتوں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے

تھے، فحش کام کرتے تھے، قطع رحمی کرتے تھے، پڑوسیوں سے برا سلوک کرتے تھے، عہد و پیمان کا پاس کرنے میں برا رویہ رکھتے تھے اور ہم میں سے طاقت ور کمزوروں کو کھا جاتا تھا۔

انسانیت کی اس زبوں حالی میں اللہ رب العالمین کی طرف سے رسولِ رحمت ﷺ کا ظہور ہوا۔ آپؐ نے تمام انسانوں کو امن و سلامتی، آزادی، اخوت، مساوات اور حق شناسی سے آشنا کیا، سچی ہمدردی سکھائی اور فساد زدہ دنیا کو امن کا گہوارہ بنا دیا۔ عالمِ انسانیت کو بھیانک انجام سے بچانے کے سلسلے میں سرورِ کائنات ﷺ نے جو اہم کردار انجام دیا، اس کو آپؐ نے تمثیل کی شکل میں یوں بیان فرمایا:

عن ابی موسیٰ عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم، قال انّ مثلی و مثل ما بعثنی اللہ عزّ و جلّ بہ کمثل رجل اتیٰ قومہ فقال یا قوم انی رایت الجیش بعینی و انی انا النذیر العریان فالنجاء فاطاعہ طائفۃ من قومہ فادلجوا فانطلقوا علی مھلتھم و کذبت طائفۃ منھم فاصبحوا مکانھم فصبّحھم الجیش فاھلکم و اجتاحھم لذالک مثل من اطاعتی و اتبع ما جئت بہ و مثل من عصانی و کذّب ما جئت بہ من الحق (۱۰)

حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری مثال اور میرے دین کی مثال جو اللہ نے مجھے دے کر بھیجا ہے اس شخص کی سی ہے جو اپنی قوم کے پاس آیا اور کہنے لگا، اے میری قوم میں نے (دشمن کے) لشکر کو اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھا ہے، اور میں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں، سو جلدی بھاگو، اب اس کی قوم میں سے بعض نے اس کا کہا مانا اور وہ شام ہوتے ہی بھاگ گئے اور آرام سے چلے گئے۔ اور بعضوں نے اسے جھٹلایا اور وہ صبح تک اسی ٹھکانے میں رہے، اور صبح ہوتے ہی لشکر ان پر ٹوٹ پڑا اور ان کو تباہ کر دیا، اور جڑ سے اکھیڑ دیا۔ سو یہی مثال ہے اس کی جس نے میرا کہا نہ مانا اور حق کو جھٹلایا''۔

ایک اور روایت میں ہے:

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم انّما مثلی و مثلۃ امّتی کمثل رجل استوقد نارا فجعلۃ الدوابّ و الفراش یقعن فیہ فانا اخذ بحجزکم و انتم تقحمون فیہ (۱۱)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری اور میری امت کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے آگ جلائی، پھر اس میں کیڑے اور پتنگے گرنے لگے ۔اور میں پکڑے ہوئے ہوں تمہاری کمروں کو اور تم بلا تامل اندھا دھند اس

میں گرے پڑتے ہو"۔

انسانیت کی اس زبوں حالی کی کیفیت میں اللہ رب العالمین نے رسول اللہﷺ کو تمام دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (۱۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام عالمِ انسانیت کے لیے اس لیے بھی رحمت تھی کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب انسانوں کے لیے ایک قابلِ قبول شریعت کے ساتھ مبعوث ہوئے۔ آپؐ کی بعثت صرف عرب ہی کے لیے نہیں بلکہ تمام نسلِ انسانی کے لیے تھی اور اس کی رحمت سے تمام نسلِ انسانی نے فوائد اٹھائے اور اٹھا رہی ہے۔

جنگ برائے امن

حق و باطل کی کش مکش ازل سے ہے اور اس میں جنگ لازمی امر ہے۔ مگر اسلام انسان دشمنی اور کشور کشائی کے لیے جنگ نہیں کرتا بلکہ انسان کو انسان کی غلامی اور محکومی سے نجات دلا کر تمام انسانوں کے خالق و مالک اور پروردگار کی غلامی میں لانے' انصاف' مساوات اور ظلم و جبر سے پاک ایک پر امن معاشرہ قائم کرنے اور ایک عالمی انسانی برادری تشکیل دینے کے لیے جنگ کرتا ہے۔ اسلام میں جہاد کی بنیاد لڑنے والے کی نیت پر ہے۔ کوئی بھی مجاہد اپنی ذات کے لیے یا اپنا ذاتی انتقام لینے کے لیے جنگ نہیں کرتا۔ جو کوئی اپنی ذات کو مقدم رکھے گا' اور چاہے کتنا ہی نیک کام کیوں نہ کرے' اللہ کے نزدیک بے ثمر ہے۔

حضرت ابوہریرۃؓ سے استفسار کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی کوئی حدیث بیان کیجیے تو انہوں نے ایک طویل حدیث بیان کی جس کے پہلے حصے میں فرمایا:

نعم سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یقول:

انّ اول الناس یقضی یوم القیامة علیه رجل استشهد فاتی به فعرفه نعمته فعرفها، قال: فما عملت فیها؟ قال قاتلتُ فیك حتی استشهدت، قال کذّبت، و لکنك قاتلتَ لان یقال جریّ فقد قیل، ثم اُمر به فسحب علی وجهه حتی القی فی النار.......... (۱۳)

ہاں' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن جس پہلے شخص کا فیصلہ ہو گا وہ شہید ہو گا۔ جب اس کو اللہ تعالیٰ کے پاس لایا جائے گا' اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں اس کو جتلائے گا' وہ پہچانے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ "تم نے اس کے لیے کیا عمل کیا"؟ وہ کہے گا: "میں تیری راہ میں لڑا'

یہاں تک کہ شہید ہوا"۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "تو نے جھوٹ بولا' تو تو اس لیے لڑا تھا کہ لوگ تجھے بہادر کہیں اور تجھے بہادر کہا گیا"۔ پھر حکم ہو گا اور اس کو اوندھے منہ گھسیٹتے ہوئے جہنم میں ڈال دیا جائے گا.........۔

اس حدیث پر یقین رکھنے والا ہر مسلمان صرف اللہ کی خاطر اور اس کے رسولؐ کے بتائے ہوئے قواعد و ضوابط کے مطابق ہی جہاد کر سکتا ہے۔اسلام نے جنگ کے لیے چند ناگزیر اصول مقرر کر دیے ہیں تا کہ کسی بھی صورت میں ان کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے۔

جنگ کے چند اصول

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحابؓ کو کسی مہم پر روانہ کرتے ہوئے جو ہدایات دیتے تھے وہ تا قیامت سپاہ سالاروں کے لیے رہنما اصول ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا' جب رسول اللہ ﷺ کوئی فوجی دستہ روانہ کرتے تو یہ ہدایت دیتے:

۱: اغزوا بسم الله (جنگ کرو اللہ کے نام سے)

۲: و فی سبیل الله (اور اللہ کی راہ میں)

۳: تقاتلون من کفر بالله (ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ سے کفر کریں)

۴: لا تغلوا و لا تغدروا (مبالغہ آرائی نہ کرو اور دھوکا نہ دو)

۵: و لا تمثلوا [اور مثلہ (اعضا کو کاٹنا) نہ کرو]

۶: و لا تقتلوا امرأۃً و لا ولیدا (اور نہ قتل کرو عورتوں اور بچوں کو)

فاذا بعثت جیشا او سریة فمرهم بذالك (۱۴)

جب کوئی فوجی مہم بھیجو یا کوئی دستہ روانہ کرو تو ان کو بھی ایسا ہی حکم دینا"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع سے واپسی پر اسامہؓ بن زید کی سپہ سالاری میں ایک لشکر شام کی طرف روانہ کرنے کا اہتمام فرمایا۔آپؐ کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ پہلے خلیفہ منتخب ہوئے تو انہوں نے اس مہم کو بھیجا اور اس موقع پر جو ہدایات دیں وہ بھی اسلامی قوانینِ جنگ کی بنیاد فراہم کرتی ہیں اور سپہ سالاروں کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔آپؓ نے فرمایا:

یا ایها الناس قفوا اوصکم بعشر فاحفظوها عنی

(لوگو ٹھہرو میں تمہیں دس باتوں کی نصیحت کرتا ہوں' میری ان باتوں کو یاد رکھو)

۱: لا تخونوا (خیانت نہ کرنا)

۲: و لا تغلوا (اور مبالغہ آرائی نہ کرنا)

۳: و لا تغدروا (اور دھوکا نہ دینا)

۴: و لا تمثلوا (اور مثلہ نہ کرنا)

۵: و لا تقتلوا اطفالا صغیرا و لا شیخا بیرا و لا امراۃ

(اور چھوٹے بچوں، بوڑھے مردوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا)

۶: و لا تعقروا نخلا و لا تحرقوہ و لا تقطعوا شجرۃ مثمرۃ

(اور کھجور کے درخت نہ کاٹنا، نہ انہیں جلانا اور نہ کوئی پھل دار درخت کاٹنا)

۷: و لا تذبحوا شاۃ و لا بقرۃ و لا بعیرا الا لماکلۃ

(اور بھیڑ بکری اور گائے کو کھانے کے علاوہ ذبح نہ کرنا)

۸: و سوف تمرون باقوام قد فرغوا انفسھم فی الصوامع فدعوھم و ما فرغوا انفسھم لہ

(تمہارا گزر ایسے لوگوں کے پاس ہو گا جو اپنے آپ کو عبادت کے لیے وقف کیے گرجوں اور عبادت خانوں میں بیٹھے ہیں۔ انہیں اپنے حال پر چھوڑ دینا، ان سے کوئی تعرض نہ کرنا)

۹: و سوف تقدمون علی قوم یاتونکم بآنیۃ فیھا الوان الطعام فاذا اکلتم منھا شیئا بعد شئ فاذکروا اسم اللہ علیھا

(تمہیں ایسے لوگوں کے پاس جانے کا موقع ملے گا جو تمہارے لیے برتنوں میں ڈال کر متنوع کھانے پیش کریں گے، ان کو کھاتے ہوئے بسم اللہ ضرور پڑھنا)

۱۰: و تلقون اقواما قد فحصوا اوساط رؤسھم و ترکوا حولھا مثل العصائب فاخفقوھم بالسیف خفقا

(تم ایسے لوگوں سے ملو گے جنہوں نے سر کا درمیانی حصہ منڈوا رکھا ہو گا لیکن سر کے چاروں طرف بڑی بڑی لٹیں لٹکی ہوں گی، انہیں تلوار سے قتل کر دینا)

اندفوا باسم اللہ اقناکم اللہ بالطعن و الطاعون

(طعن و طاعون سے اپنی حفاظت اللہ کے نام سے کرنا۔ اللہ تمہیں شکست سے محفوظ رکھے)

اس کے بعد خاص طور پر اسامہؓ کو نصیحت کی۔(۱۵)

خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد تمام حق پسند خلفا اور امرا نے ان جنگی اصولوں کی پابندی کی، اور یہ پابندی دائمی ہے۔

تہذیب حاضر کی انسانیت دشمنی

بیسویں صدی کو جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کا عہدِ معراج کہا جاتا ہے۔ اس صدی میں انسان نے اپنی محیر العقول ایجادات و انکشافات سے ماضی کے تمام ریکارڈ توڑتے ہوئے دنیا کو حیران کر دیا۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ کیا وہ اپنے حیوانی و وحشیانہ صفات پر بھی قابو پا سکا ہے؟

بیسویں صدی کا انسان دو بڑی جنگوں سے دوچار ہوا۔ یہ دونوں جنگیں مادی وسائل پر قبضہ کرنے، دوسری اقوام کو محکوم اور غلام بنانے اور اپنی تجارت کو وسعت دینے کی غرض سے ہوئیں۔ ذیل میں ۲۰ اگست ۱۹۱۴ء تا ۱۱ نومبر ۱۹۱۸ء کے دوران میں برپا ہونے والی جنگِ عظیم اوّل کے حوالے سے چند اعداد و شمار پیش کیے جاتے ہیں جس سے نام نہاد جدید تہذیب یافتہ اقوام کے خون سے رنگے چہرے واضح ہو جاتے ہیں۔

جنگِ عظیم اوّل میں انسانی جانوں کا نقصان

ولیم ایل لینگر کے مطابق پہلی جنگ عظیم کے جانی نقصانات کا سرسری اندازہ کم و بیش ایک کروڑ لگایا گیا اور دو کروڑ کے قریب زخمی ہوئے۔ ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

ملک	مقتول	مجروح یا زخمی	اسیران جنگ
برطانیہ	۹۴۷,۰۰۰	۲,۱۲۲,۰۰۰	۱۹,۲,۰۰۰
فرانس	۱,۳۸۵,۰۰۰	۳,۰۴۴,۰۰۰	۴۴۶,۰۰۰
روس	۱,۷۰۰,۰۰۰	۴، ۹۵۰,۰۰۰	۲,۵۰۰,۰۰۰
اٹلی	۴۶۰,۰۰۰	۹۴۷,۰۰۰	۵۳۰,۰۰۰
جمہوریہ امریکہ	۱۱۵,۰۰۰	۲۰۶,۰۰۰	۴,۵۰۰
جرمنی	۱,۸۰۸,۰۰۰	۴,۲۴۷,۰۰۰	۶۱۸,۰۰۰
آسٹریا، ہنگری	۱,۲۰۰,۰۰۰	۳,۶۲۰,۰۰۰	۲,۲۰۰,۰۰۰
ترکی	۳۲۵,۰۰۰	۴۰۰,۰۰۰	

جہاں تک اخراجات کا تعلق ہے، ایک کھرب اسی ارب اور پچاس کروڑ ڈالر کی رقم براہِ راست خرچ ہوئی۔ بالواسطہ خرچ کی مقدار ایک کھرب اکاون ارب اکسٹھ کروڑ ڈالر تھی۔ (۱۶)

اخبار ہمدم ۱۷/اپریل ۱۹۱۹ء کے مطابق اس جنگ میں مندرجہ بالا ممالک کے علاوہ دیگر ممالک کے جانی نقصانات یہ تھے:

بلجیم	۱۰۲,۰۰۰
بلغاریہ	۱۰۰,۰۰۰
رومانیہ	۱۰۰,۰۰۰
سرویہ، مانٹی نیگرو	۱۰۰,۰۰۰ (۱۷)

مندرجہ بالا اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ اس جنگ میں ۸,۳۴۲,۰۰۰ افراد براہِ راست قتل ہوئے۔ زخمیوں اور اسیروں کی تعداد سے بھی جدید مادی تہذیب کی خوف ناک انسانیت دشمنی بے نقاب ہوتی ہے۔اس کے مقابلے میں حیاتِ نبوی کے آٹھ سالوں پر محیط ۸۲ جنگوں کے نقصانات حیران کن ہیں جن کا تذکرہ ہم آخر میں کریں گے۔

مغربی تہذیب پر علامہ اقبال کا تبصرہ

علامہ اقبال بیسویں صدی کے آغاز میں ستمبر ۱۹۰۵ء کو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے برطانیہ اور جرمنی کے سفر پر روانہ ہوئے اور جولائی ۱۹۰۸ء میں وطن واپس آئے۔دورانِ قیامِ مغرب انہوں نے جدید علوم و فنون میں غوطہ زن ہونے کے ساتھ دہاں کی مادہ پرستانہ تہذیب کے خوف ناک چہرے کا بھی قریب سے مشاہدہ کیا۔ مغربی اقوام کے وسیع تجارتی سلسلے مختلف یورپی توموں میں کش مکش کا باعث بنے تھے اور ایک دوسرے کو پیچھے ہٹانے اور تجارتی منڈیوں پر قابض ہونے کے لیے انہوں نے خوف ناک جنگی آلات ایجاد کیے اور یہی جنگی آلات اور سازوسامان یورپی تہذیب کو تباہی کے دہانے پر لے گئے۔

ایک صاحب نظر فلسفی شاعر کی حیثیت سے اقبال نے اپنی نظم ''مارچ ۱۹۰۷ء'' میں اس خوف ناک حالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

دیارِ مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکان نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زر کم عیار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائیدار ہو گا (۱۸)

جنگِ عظیم اوّل کے اعداد و شمار یہ بات واضح کرتے ہیں کہ علامہ اقبال نے جن خدشات کا

اظہار ۱۹۰۷ء میں کیا تھا' وہ سات سال کے قلیل عرصہ میں درست ثابت ہوئے۔

موجودہ تہذیب جو یورپ کی پیداوار ہے اور باہر سے دیکھنے میں بڑی چمک دار ہے' اور اس کی تیز روشنی آنکھوں کی خیرہ کر دیتی ہے مگر اس کے اصل رنگ انتہائی خوف ناک ہیں۔ جس دانائی اور حکمت پر یورپ کے عقل مندوں کو ناز ہے' اس کی حقیقت حرص اور لالچ کے سوا کچھ نہیں۔ یہ تہذیب تباہ کن جنگی ہتھیار لیے انسانی خون کی تلاش میں سرگرداں ہیں اور انہیں بے بس انسانوں پر استعمال کرتے ہوئے کسی بھی اخلاقی اصول کی پروا نہیں کرتی۔ علامہ اقبال نے اپریل ۱۹۲۳ء میں ''طلوع اسلام'' نامی نظم میں اس کے خوف ناک چہرے کی منظر کشی کرتے ہوئے کہا تھا

ابھی تک آدمی صید زبونِ شہر یاری ہے
قیامت ہے کہ انساں نوعِ انساں کا شکاری ہے
نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے
وہ حکمت ناز تھا جس پر خرد مندانِ مغرب کو
ہوس کے پنجۂ خونیں میں تیغ کارزاری ہے
تدبر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ داری ہے (۱۹)

بیسویں صدی کی تہذیب پامال جنگیں

بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ اور دنیا کو امن کا گہوارہ بنانے کے عزم اور جنگِ عظیم اوّل کے تجربہ کو سامنے رکھتے ہوئے پہلے ''جمعیتِ اقوام'' اور اس کی ناکامی کے بعد ''اقوام متحدہ'' کا ادارہ قائم کیا گیا' مگر یہ ادارہ بھی ان مقاصد کے حصول میں کہاں تک کامیاب ہوا' یہ ایک بنیادی سوال ہے۔ ان دونوں اداروں کے قوانین کو پامال کرتے ہوئے جا بجا خون کی ہولی کھیلی گئی۔ پچھلی صدی میں انسانی جانوں کا جو ضیاع ہوا وہ برطانیہ جیسے تین ممالک کی کل آبادی کے برابر ہے۔ (جب کہ ۱۹۵۰ء میں دنیا کی کل آبادی ۲۴۰۰ ملین تھی)۔ مختلف ذرائع سے حاصل کردہ مندرجہ ذیل اعداد و شمار اس کی واضح مثال ہیں:

انسانیت دشمنی کی چند مثالیں

سال	مقتولین

۱۸۸۶ء	تا	۱۹۰۸ء	کانگو فری اسٹیٹ تحریک کے خلاف بلجیم کا تشدد	۶,۵۰۰,۰۰۰
۱۹۱۴ء	تا	۱۹۱۸ء	جنگِ عظیم اوّل	۸,۵۰۰,۰۰۰
۱۹۱۷ء	تا	۱۹۲۲ء	انقلابِ روس کے دوران میں خانہ جنگی	۲,۸۲۵,۰۰۰
۱۹۲۴ء	تا	۱۹۵۳ء	روس میں اسٹالن کے مظالم اور تشدد	۲۰,۰۰۰,۰۰۰
۱۹۳۵ء	تا	۱۹۳۶ء	ابی سینا جنگ میں اطالیہ کا ظلم و تشدد	۱۶۰,۰۰۰
۱۹۳۹ء	تا	۱۹۴۵ء	جنگِ عظیم دوم	۷۱,۰۰۰,۰۰۰
			جنگ کے بعد مشرقی یورپ سے جرمنوں کے انخلا کے دوران	۲,۳۸۴,۰۰۰
۱۹۴۵ء	تا	۱۹۴۹ء	انقلاب چین کے دوران میں خانہ جنگی	۳,۰۰۰,۰۰۰
۱۹۴۹ء	تا	۱۹۷۵ء	چین میں موزے تنگ کی اصلاحات کے دوران میں	۴۰,۰۰۰,۰۰۰
۱۹۵۰ء	تا	۱۹۵۳ء	کوریا جنگ میں	۱,۲۰۰,۰۰۰
۱۹۴۴ء	تا	۱۹۸۰ء	مارشل ٹیٹو کے دور میں یوگوسلاویہ میں	۲۵۰,۰۰۰
۱۹۵۴ء	تا	۱۹۶۱ء	الجزائر میں فرانسیسی تشدد میں	۱,۰۰۰,۰۰۰
۱۹۶۵ء	تا	۱۹۷۳ء	امریکی ویت نام جنگ میں	۱,۰۳۳,۰۰۰
۱۹۷۵ء	تا	۱۹۷۸ء	کمبوڈیا میں کھمارروز عہدِ حکومت میں	۱,۵۰۰,۰۰۰
۱۹۷۹ء	تا	۱۹۸۹ء	افغانستان میں جنگِ روس کے دوران میں	۲,۰۰۰,۰۰۰
۱۹۸۰ء	تا	۱۹۸۸ء	ایران عراق جنگ میں	۱,۰۰۰,۰۰۰
۱۹۹۰ء	تا	۱۹۹۱ء	خلیج جنگ میں	۱۵۰,۰۰۰
۱۹۹۲ء	تا	۱۹۹۵ء	بوسنیا کی خانہ جنگی میں	۲۸۰,۰۰۰
			مقتولین کی کل تعداد	۱۶۲,۷۸۲,۰۰۰

ولیم ایل لینگر نیویارک ٹائم کے حوالے سے الجزائر میں دو سال دس مہینے کی جنگ کے نقصانات کی حسبِ ذیل تفصیل بیان کرتا ہے:

الجزائری مقتولین	۳۶,۰۰۰	اسیر	۲۰,۰۰۰
فرانسیسی فوجی مقتولین	۴,۰۰۰	مجروح اور لا پتہ	۱۰,۰۰۰
غیر مصافی مسلمان مقتولین	۶,۰۰۰	مجروح	۳,۷۰۰
		لا پتہ	۲۳۰۰

غیر مصافی یورپی مقتولین	۱,۰۰۰	مجروح	۲۷,۰۰
		لاپتہ	۱۴۰

ان اعداد و شمار کے علاوہ خود فرانس میں تین سو الجزائری قتل اور دو ہزار چار سو مجروح ہوئے۔(۲۰)

ہیروشیما میں جوہری طاقت کا وحشیانہ استعمال

دوسری جنگ عظیم کے آغاز میں ہیروشیما کی آبادی دو لاکھ سے کم نہیں تھی اور یہ جاپان کا وہ واحد شہر تھا جو بمباری سے بچا ہوا تھا اس لیے اطراف سے جاپانی نقل مکانی کر کے یہاں آتے رہے۔ چناں چہ اگست ۱۹۴۵ء میں یہاں کی آبادی پونے چار لاکھ تک پہنچ چکی تھی۔۶/اگست ۱۹۴۵ء بروز اتوار صبح آٹھ بج کر پندرہ منٹ پر جاپان کے دارالحکومت ٹوکیو سے ۵۲۷ میل کے فاصلہ پر واقع شہر ہیروشیما پر دنیا کا پہلا جوہری بم پھینکا گیا جس کے نتیجے میں ۲۰,۰۰۰ عسکری اور ۱۱۸,۶۶۱ غیر فوجی انسان پلک جھپکنے میں لقمہ اجل بن گئے۔ بم گرنے سے اردگرد تین ہزار گز کے رقبے میں درجہ حرارت پانچ ہزار تین سو ڈگری فارن ہائٹ تک پہنچ گیا۔ اس وقت لو کی رفتار بارہ سو فٹ فی سیکنڈ تھی۔ ہزاروں انسان جل کر راکھ ہو گئے' باقیوں کی چمڑی گل گئی اور جسم بھننے لگا' کھال ادھڑ گئی' سر کے بال گرنے لگے' بھنویں اور پپوٹے جھڑ گئے۔ ان کا شمار زندوں میں رہا نہ مردوں میں۔ وہ سسک سسک کر زندگی اور موت کی کش مکش میں مبتلا ہو گئے۔ جو لوگ کچھ فاصلے پر تھے وہ بھی تاب کاری کا شکار ہوئے اور تہذیبِ حاضر کے وحشیانہ سلوک کا نشانہ بنے رہے۔ جو ابھی بھی زندہ ہیں وہ زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ کس گناہ کی پاداش میں ہمیں یہ سزا دی گئی۔ ۱۳ مربع کلو میٹر یعنی ۵ مربع کلو میٹر کا علاقہ تباہی سے دوچار ہوا۔ شہر کے ۶,۰۰۰ ۷ مکانات کا ستر فی صد جل کر راکھ ہوا جن میں اسکول' کالج' ہسپتال' مندر' کلیسا' یتیم خانہ اور معذور افراد کے مراکزِ بحالی شامل تھے۔

ناگاساکی

اس حادثے کے تین روز بعد ۹/ اگست بروز بدھ جاپان ہی کے ایک اور شہر ناگاساکی پر دوسرا جوہری بم گرایا گیا جس سے ۲۵۰,۰۰۰ بنی آدم لقمہ اجل بنے۔ اس کے علاوہ ۱۹۵۰ء تک اس کے اثرات سے مزید ۳۰۰,۰۰۰ لوگ مارے گئے۔ انسانی تاریخ میں ان دو واقعات کے علاوہ اتنے کم وقت میں اس قدر زیادہ جانی نقصانات کی اور کوئی نظیر نہیں ملتی۔

ویت نام جنگ میں انسانی تہذیب کی تباہی

۱۹۶۵ء سے ۱۹۷۳ء تک کل ۱۸ سال پر محیط ویت نام جنگ میں جدید دور کے مہذب انسانوں کے ہاتھوں انسانی تہذیب کی جو تباہی ہوئی اس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

تعلیمی ادارے تباہ ہوئے	۲۹۲۳
ہسپتال تباہ ہوئے	۱۸۵۰
گرجے اور کلیسا تباہ ہوئے	۴۸۴
مندر، مساجد اور دیگر عبادت خانے	۴۶۵

علاوہ ازیں ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کی خانہ جنگی میں کل ۳,۰۰۰,۰۰۰ لوگ مارے گئے، ۵,۰۰۰,۰۰۰ لوگ زخمی ہوئے اور ۱۰,۰۰۰,۰۰۰ لوگ ہمسایہ ملک میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔

مندرجہ بالا تمام واقعات اور ان کے نتیجے میں ہونے والی کوئی بھی تباہ کاری دین اور مذہب کی بنیاد پر نہیں ہوئی بلکہ یہ سب کی سب لادینیت کی وجہ سے ہوئی ہیں۔ اور ان فسادات کے نتیجہ میں آج بھی دنیا کی ۳ فی صد آبادی اپنی جائے پیدائش سے باہر زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔

دوسری عیسوی ہزاریے کا آغاز بڑے بلند بانگ دعووں کے ساتھ کیا گیا۔ امید کی گئی کہ یہ ہزاریہ جنگوں سے پاک انسانیت کے عروج کا ہزاریہ ثابت ہو گا۔ مگر ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو امریکا کے شہر نیویارک پر حملہ ہو گیا۔ ابتدائی طور پر بتایا گیا کہ اس حملہ کے نتیجے میں دنیا کے ۶۷ ممالک سے تعلق رکھنے والے ۶۷۰۰ افراد لقمہ اجل بنے۔ تاہم بعد کے اعداد و شمار سے یہ تعداد کم ہو کر مرنے والے اور گم شدہ افراد کی کل تعداد ۲۷۵۲ رہ گئی۔

اس واقعہ کے نتیجے میں مارچ ۲۰۰۳ء سے عراق میں جاری جنگ میں اب تک سات لاکھ سے زائد انسانی جانوں کا نقصان ہو چکا ہے، ایک لاکھ لوگ بے گھر ہو چکے ہیں اور اب تک کم از کم ۳۹۰۰ امریکی فوجی کام آ چکے ہیں۔ قدیم انسانی تہذیب کے گہوارے کو جو نقصان ہوا، وہ ناقابلِ تلافی ہے۔

عظمتِ انسانیت

مندرجہ بالا اعداد و شمار سے تہذیب حاضر کی ہولناک وحشیانہ تصویر سامنے آتی ہے جو اپنے جنگی جنون میں نہ صرف بے گناہ اور جنگ سے لاتعلق افرد کا بلاتخصیص قتل عام کرتی ہے بلکہ انسانوں کے ہاتھوں سجائے تہذیب و تمدن کو نیست و نابود کر دیتی ہے۔ رسولِ رحمت ﷺ کی دی گئی تعلیمات

اس بات کا پابند کرتی ہیں کہ غیر عسکری افراد کی جان و مال کا بلا تخصیص عقائد و نظریات، رنگ، نسل اور لسان و ثقافت احترام کیا جائے کیوں کہ اسلام کے نزدیک انسانی جان تخلیقی طور پر محترم و مکرم ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا (۲۱)

اور ہم نے ابنِ آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی اور تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔

انسانی جانوں کا احترام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوی زندگی میں انسانی جانوں کے احترام کی لازوال مثالیں قائم کیں۔ کل ۲۳ سالہ نبوی زندگی میں سے ۱۳ سال آپؐ نے اپنے ہم وطنوں اور اپنے قبیلے قریش کے درمیان بسر کیے۔ مکہ کے بااختیار لوگ آپؐ کے اصحاب پر ناقابل برداشت مظالم ڈھاتے رہے، یہاں تک کہ آپؐ اور آپؐ کے خاندان بنو ہاشم پر کم و بیش تین سال تک سیاسی، سماجی اور اقتصادی پابندیاں عائد رکھی گئیں۔

اپنے خاندان اور اہلِ مکہ سے مایوس ہو کر جب آپؐ نے طائف کا سفر اختیار فرمایا تو اہلِ طائف نے بھی آپؐ پر مظالم کی انتہا کر دی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے استفسار پر آپ نے فرمایا:

لقد لقيت من قومك و كان اشد ما لقيت منهم يوم العقبة (۲۲)

میں نے تیری قوم سے بہت آفت اٹھائی ہے اور سب سے زیادہ سخت رنج مجھے عقبہ کے دن ہوا۔

مکی زندگی کے دوران میں بھی اور مدنی زندگی میں بھی متعدد مواقع ایسے آئے کہ مشرکین مکہ اور کفار سے مقابلہ ہو سکتا تھا۔ مگر آپؐ نے ہر موقع پر جنگ کرنے سے گریز کیا کیوں کہ دعوتِ حق کے لیے جنگ، جدال آسانی پیدا کرنے کے بجائے رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں۔ آپؐ کی اس حکمتِ عملی کو قرآن مجید میں یوں سراہا گیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ (۲۳)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیا ہے، جب کہ ایک گروہ نے تم پر دست درازی کا ارادہ کیا تھا مگر اللہ نے ان کے

ہاتھ تم پر اٹھنے سے روک دیے۔

ایک اور آیت میں اسی مضمون کو مزید واضح کیا گیا ہے:

هُوَ الَّذِىْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ، وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا (۲۴)

پہلی آیت میں مسلمانوں اور کفار کو باہم جنگ و جدل سے روک رکھنے کو اللہ تعالیٰ کی نعمت کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ دوسری آیت میں مخالف گروہ کفار پر فتح حاصل کرنے کے باوجود ان کو کوئی ایذا نہ پہنچانے کو اللہ نے اپنی شان سے تعبیر کیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کا منشا کسی انسانی جان کو نقصان پہنچانا نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ سالہ نبوی زندگی میں کل ۸۳ جنگیں لڑیں جن میں ۵۶ سریا اور ۲۷ غزوات ہیں۔ ان جنگوں میں ۲۵۹ مسلمان شہید اور ۷۵۹ کفار مارے گئے جب کہ ایک مسلمان اور ۶۵۶۴ کفار اسیر ہوئے۔ اس دوران میں جو غیر معمولی نتائج برآمد ہوئے' اس کے بارے میں ممتاز محقق سیرت تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> عہدِ نبویؐ کی جنگیں تاریخِ انسانی میں غیر معمولی طور پر ممتاز ہیں۔ اکثر دگنی تگنی اور بعض وقت دس گنی قوت سے مقابلہ ہوا' اور قریب قریب ہمیشہ ہی فتح حاصل ہوئی۔ دوسرے چند محلوں پر مشتمل ایک شہری مملکت (city state) کا جو آغاز ہوا وہ روزانہ دو سو چوہتر مربع میل کے اوسط سے وسعت اختیار کرتی ہے اور دس سال بعد جب آں حضرت ﷺ کی وفات ہوئی تو دس لاکھ سے زیادہ مربع میل کا رقبہ آپؐ کے زیرِ اقتدار آ چکا تھا۔ اس تقریباً ہندوستان کے برابر وسیع علاقے کی فتح میں' جس میں یقیناً ملینوں کی آبادی تھی' دشمن کے بمشکل ڈیڑھ سو آدمی قتل ہوئے۔ مسلمان فوج کا مشکل سے اس دس سال میں ماہانہ ایک سپاہی شہید ہوتا رہا۔ انسانی خون کی یہ عزت تاریخِ عالم میں بلا خوف و تردید بے نظیر ہے۔ پھر ان فتوحات کا دوسرا پہلو قبضے کا استحکام' مفتوحوں کی ذہنیت کی کایا پلٹ اور ان کا مکمل طور سے اپنا لیا جانا اور ایسے افسروں کی تربیت کر جانا کہ آپؐ کی وفات کے پندرہ سال بعد تین براعظموں (ایشیا' افریقہ اور یورپ) پر پھیلے ہوئے علاقوں پر مدینے کی حکومت کا قائم ہو جانا' یہ تمام اور دیگر امور ہمیں عہدِ نبوی کی جنگوں

کا مطالعہ کرنے کا غیر معمولی طور سے شائق بنا دیتے ہیں۔ (۲۵)

یہ تھی عہدِ رسالت کی جنگوں کی ایک تصویر جس کو یقینی طور پر جنگ برائے امن و انسانیت کی ایک بے نظیر داستان کہا جا سکتا ہے۔ یہ داستان پڑھنے کے بعد آج کی جدید ترقی یافتہ مہذب دنیا کے خون خوار چہرے پر ایک نظر ڈالتے ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ موجودہ دور میں انسانیت کی زبوں حالی کی حقیقی وجہ کیا ہے؟

انسانی ہمدردی کا ایک بے نظیر واقعہ

مکہ مکرمہ جہاں رسول اللہ ﷺ نے آنکھیں کھولی تھیں' اور زندگی کے ابتدائی چالیس سال تک اہلِ مکہ کی آنکھوں کا تارا بنے رہے' اہلِ وطن سے صادق و امین کے خطاب سے مالا مال ہوئے' مگر جب آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف دعوت دینا شروع کی تو سردارانِ مکہ یکایک آپ کے دشمن ہو گئے اور آپ کے پیروکاروں پر وہ ظلم ڈھائے کہ جنہیں پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ نتیجتاً ان سب لوگوں کو اپنے ہی گھر بار' مال و اسباب' عزیز و اقارب چھوڑ کر مدینہ ہجرت کر جانے پر مجبور ہونا پڑا۔ آپؐ نے اپنے وطن مکہ کو الوداع کہتے ہوئے بڑی حسرت سے فرمایا:

والله انك لخير أرض الله و احب ارض الله الى الله و لو لا انى اخرجت منك ما خرجت (۲۶)

اللہ کی قسم اے مکہ تو اللہ کی ساری زمین میں بہتر اور اللہ کے نزدیک پوری زمین میں سب سے زیادہ محبوب ہے' اگر مجھے یہاں سے نہ نکالا جاتا تو ہرگز نہ جاتا۔

ایک اور حدیث میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

قال رسول لله صلى الله عليه و سلم لمكة ما اطيبك من بلد و احبك الىّ و لو لا انّ قومى اخرجونى منك ما سكنت غيرك (۲۷)

مگر دس سال بعد جب آپؐ نے اسی شہر مکہ میں فاتحانہ قدم رکھا تو ان اہل مکہ کے ساتھ درگزر اور رواداری کا جو سلوک فرمایا' انسانی تاریخ میں اس کی مثال ملنا ممکن نہیں۔ فتح مکہ کے بعد تمام مفتوحین مجبور حالت میں ہاتھ باندھے' سزا پانے کے لیے کھڑے تھے۔ ان مجرموں میں ہند بنت عتبہ بھی تھی جس نے غزوۂ احد کے موقع پر اپنے سنگ دل ساتھیوں کے ساتھ شہدائے کرام کے جسموں کے اعضا کو ٹکڑے ٹکڑے کیا' یہاں تک کہ ہند نے ان کے کٹے ہوئے ناک اور بازوؤں کا ہار بنایا اور حضرت حمزہؓ کا سینہ چیر کر کلیجہ نکالا اور چبا ڈالا' اور اپنے لشکر کی فتح اور صحابہ کرامؓ کی شہادت کی

خوشی میں ایک بلند چوٹی پر چڑھ کر انتہائی بلند آواز میں اشعار پڑھے تھے۔ (۴۸)

اب یہ تمام مجرمین منتظر تھے کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے اور کس طرح بدلہ لیا جاتا ہے۔ آپؐ نے ان سے مخاطب ہو کر پوچھا:

یا معشر قریش، و یا اھل مکة ما ترون انی فاعل بکم

اے قریش ' اے اہلِ مکہٗ جانتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟

انہوں نے کہا: "خیرا اخ کریم و ابن اخ کریم"

(اچھا سلوک کریں گے کیوں کہ) آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔

آپؐ نے فرمایا:

اذھبوا فانتم الطلقا (۴۹)

اچھا جاؤ' تم سب آزاد ہو۔

آج اکیسویں صدی کی غالب تہذیب کو اپنی نام نہاد انسانی آزادیوں' بنیادی انسانی حقوق وغیرہ پر فخر ہے' مگر وہ ایک فاتح قوم کی صورت میں مفتوحین کے ساتھ جو توہین آمیز سلوک روا رکھتی ہے اور جنگی قیدیوں کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے اس کو اگر رسولِ رحمتؐ کے سلوک کے تناظر میں دیکھا جائے تو انسانیت شرما جاتی ہے۔

یہ آپؐ کی امنِ عالم قائم کرنے کی کوششوں اور انسانیت کے ساتھ محبت کا عملی ثبوت ہی تھا جس کی بنا پر دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جہاں آپ کا نام بلند نہ ہو رہا ہو۔ اللھم صلی علی محمد و علی ال محمد۔

حوالہ جات

۱: العلق،۹۶:۱تا۵

۲: بخاری' کتاب بدع الوحی، باب کیف کان بدع الوحی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث ۳

۳: ابن ہشام، سیرت کامل باب ۲۴

۴: ایضاً

۵: ابن اسحاق، سیرت النبی کامل، مرتبہ ابن ہشام، جلد اوّل، باب ۳۶

۶: الروم ۲۱: ۴۱

۷: ایضاً: ۴۲

۸: آل عمران ۳: ۱۰۳

۹: ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، الجز الثانی، بیروت، دار صادر، للطباعۃ و النشر، ۱۳۸۵ھ، ۱۹۶۵ء، ص ۸۱ـ۸۰

۱۰: صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب شفقته صلی الله علیه و سلم علی امته حدیث ۵۹۵۴

۱۱: صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب شفقته صلی الله علیه و سلم علی امته و مبالغة فی تحذیرهم، ما یضرهم حدیث ۵۹۵۵

۱۲: الانبیاء ۲۱: ۱۰۷

۱۳: مسلم، باب من قاتل للریا والسمعۃ استحق النار حدیث ۴۹۲۳

۱۴: احمد بن محمد بن عبد ربہ الاندلسی، العقد الفرید، جز اوّل، لبنان، دار احیا التوراث العربی، الطبعۃ الثالثہ ۱۹۹۹ء ص ۱۱۷

۱۵: الطبری، ابی جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم و الملک، الجز الثانی، بیروت، موسستہ الولی، للمطبوعات ۱۸۷۹ء ص ۳۳۷

۱۶: ولیم ایل لینگر, An Encyclopedia of World History اردو ترجمہ و تہذیب، غلام رسول مہر، انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم، تاریخ عمومی، جلد سوم، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، اشاعت سوم، ۱۹۸۵ء ص ۳۱۳ـ۳۱۴

۱۷: قاضی سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، جلد دوم، لاہور، الفیصل، ناشران و تاجران کتب، مئی ۱۹۹۱ء ص ۲۱۲

۱۸: محمد اقبال، علامہ، مارچ ۱۹۰۷ء، بانگ درا، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ص ۱۴۱

۱۹: ایضاً، طلوع اسلام ایضاً ص ۲۷۴

۲۰: ولیم لینگر، ایضاً، ص ۵۱۹

۲۱: بنی اسرائیل، ۱۷: ۷۰

۲۲: مسلم کتاب الجہاد و السیر، باب مالقی النبی من المشرکین و المنافقین، حدیث ۴۶۵۳

۲۳: المائدہ، ۵: ۱۱

۲۴: سورہ الفتح، ۴۸: ۲۴

۲۵: محمد حمیداللہ، پروفیسر ڈاکٹر، عہد نبوی کے میدان جنگ، راولپنڈی، علمی مرکز، الہدیٰ پبلی کیشنز، طبع اوّل، اگست ۱۹۹۸ء، ص ۱۹ـ۲۰

۲۶: جامع الترمذی، ابواب المناقب، باب فی فضل مکۃ حدیث ۳۶۵۸

۲۷: ایضاً، حدیث ۳۶۸۶

۲۸: ابن ہشام، سیرت النبی کامل، جلد دوم، باب ۱۱۲

۲۹: طبری، ابی جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم و الملک، الجز الثانی، بیروت، موسستہ العلمی للمطبوعات ۱۸۷۹ء ص ۳۳۷

۳۰: ایضاً

لوح بھی تو قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب

شوکتِ سنجر و سلیم، تیرے جلال کی نمود
فقرِ جنید و بایزید، تیرا جلال بے نقاب

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب

تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب

(علامہ اقبالؒ)

ماہنامہ دعوۃ.......... اسلام آباد   جلد: ۱۶   شمارہ: ۷۔۱۰

رسولِ رحمتؐ مثالی معلّم

عبدالحنان حامد

تخلیقِ آدم و حوا کے بعد ان کی ذریت زمین میں پھیلی تو ان سب کی ہدایت اور تعلیم و تربیت کے لیے انبیائے کرام کے بھیجے جانے کا سلسلہ شروع ہوا جو اس کی آخری کڑی نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ تکمیل کو پہنچا۔ آپؐ کی ذاتِ اقدس روحانی و ظاہری اعتبار سے ایک ایسے مقام پر ہے کہ آپؐ سے قبل کسی نبی کو یہ مقام و مرتبہ حاصل نہیں ہوا۔ آپؐ کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے وہ تمام اوصاف جمع کر دیے تھے جو آپؐ سے پہلے مختلف انبیائے کرام کو عطا کیے گئے تھے۔ آپؐ کی اسی تکمیلی حیثیت کی وجہ سے خالقِ کائنات نے آپؐ کی زندگی کو اسوہ حسنہ قرار دیا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۱)

بلا شبہ رسول اکرمؐ کی ذات میں تمہارے لیے اچھی مثال ہے۔

یہ کامل ذات نسلِ انسانی کے تمام افراد کے لیے زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کا مرتبہ رکھتی ہے۔ بقول سید سلیمان ندوی:

> ایک شخصی زندگی جو ہر طائفہ انسانی اور ہر حالتِ انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور مکمل اخلاق کا مجموعہ ہو، صرف محمد رسول اللہؐ کی شخصیت ہے۔(۲)

آں حضرتؐ کی سیرتِ طیبہ کے متعدد گوشے اور زریں پہلو ہیں، ان میں سے ہر گوشہ انتہائے کمال کو پہنچا ہوا ہے اسی لیے قرآن پاک نے آپؐ کے مختلف پہلوؤں اور مناصب کو بیان کیا ہے۔ ان مناصب میں سے ایک منصب معلّمِ انسانیت ہونے کا بھی ہے جو اللہ رب العزت نے اپنے خلیل حضرت ابراہیمؑ کی دعا کو شرفِ قبولیت عطا فرماتے ہوئے آپؐ کو بخشا:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ (۳)

اے ہمارے رب! ان لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے' انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔

دوسری جگہ فرمایا:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (۴)

جیسا کہ ہم نے تمہارے اندر تم میں سے ایک رسول بھیجا جو تم کو ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

پھر فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (۵)

اللہ تعالیٰ نے یقیناً ایمان والوں پر احسان فرمایا کہ ان کے اندر انہی میں سے ایک رسولؐ مبعوث کیا جو ان پر اس کی آیات کی تلاوت کرتا ہے' انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۶)

(اللہ تعالیٰ) وہ ذات ہے جس نے امیوں کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے' ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اس سے پہلے وہ لوگ کھلی گم راہی میں تھے۔

علاوہ ازیں رسولِ رحمتؐ نے خود بھی امت کو اس بات کی خبر دی ہے کہ وہ معلم بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ لم یبعثنی معنفاً و لکن بعثنی معلّماً میسراً (۷)

بلاشبہ مجھے اللہ تعالیٰ نے (لوگوں کو) جھڑکنے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ مجھے آسانی کرنے والا معلّم بنا کر بھیجا ہے۔

قرآن کریم کی یہ آیات اور آں حضورؐ کا یہ ارشادِ گرامی آپؐ کی ذاتِ اقدس کو بطور معلّم کے نمایاں کر رہا ہے اور معلّم کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ خود علم کا واضح اور روشن تصور رکھتا ہو اور اس نے کہیں سے یہ علم حاصل کیا ہو اور اس کا یہ سلسلۂ تعلیم کسی نہ کسی درس گاہ سے جڑا ہوا ہو تو پھر وہ ایک کامیاب اور مثالی معلّم کے منصب پر فائز ہونے کا اہل ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے علم کے بارے میں قرآن پاک ہمیں یہ خبر دیتا ہے کہ آپؐ کے علمی فیضان کی کڑی براہِ راست خالقِ کائنات سے جڑی ہوئی ہے جو تمام علوم و فنون کا سرچشمہ ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَمَا كُنتَ تَتْلُوا مِن قَبْلِهِ مِن كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ (۸)

اس سے پہلے نہ تو آپؐ کتاب پڑھتے تھے اور نہ اسے اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے ورنہ باطل پرست لوگ شک میں پڑ جاتے۔

اگر سیرۃ النبیؐ کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو نظر آتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ اپنے فرضِ منصبی کو سامنے رکھتے ہوئے زندگی بھر علم کے موتی بکھیرتے رہے کیوں کہ آپؐ کے سینۂ اطہر میں اپنی امت کو تعلیم دینے کا عظیم جذبہ اور تڑپ موجود تھی۔ اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ آپؐ نے ہر قسم کے لوگوں کو علم کی دولت سے آراستہ و پیراستہ کرنے کی کوشش کی اور کوئی بھی مناسب وقت اور جگہ میسر آئی تو اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام فرمایا۔

اگر نبی کریم ﷺ کے ارشادات اور فرامین کا مطالعہ کریں تو آپؐ کے فرمودات تعلیم کے مختلف گوشوں اور پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں جس سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپؐ کی ذات ایک بحرِ بے کراں ہے جو طالب علم کو گوہر ہائے مطلوب سے نوازتی اور تشنگانِ علم و معرفت کو سیراب کرتی ہے۔ آپؐ کو جس معاشرے میں مبعوث کیا گیا تھا وہ معاشرہ زیورِ تعلیم سے بالکل نا آشنا تھا۔ مکہ مکرمہ جیسے مرکزی شہر میں صرف چند لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ ایسے معاشرے کو تہذیب و تمدن سے آراستہ کرنا کس قدر مشکل کام تھا لیکن رسولِ رحمتؐ نے اس نکتہ اور راز کو پا لیا تھا۔ چناں چہ آپؐ نے عرب معاشرہ سے جہالت دور کرنے کی ہر ممکن کوشش فرمائی، تعلیم کو پھیلانے اور عام کرنے کے لیے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جس کے نتیجہ میں پورا عرب تھوڑی ہی مدت میں علم و معرفت کا گہوارہ بن گیا۔

وہ عرب معاشرہ جو جہالت اور گم راہی میں ڈبکیاں لے رہا تھا وہ نورِ علم سے چمک اٹھا اور ترقی کی ایسی منزلیں حاصل کیں کہ عقلِ انسانی دنگ رہ گئی۔

آں حضورؐ نے سب سے زیادہ زور قرآن حکیم کی تعلیم پر دیا کیوں کہ فکر و نظر کی تطہیر زیادہ ضروری تھی اور وہ قرآن و حکمت کے بغیر ناممکن تھی۔ قرآن و سنت کا یہی علم ہی انسان کو انسان بناتا ہے اور صحیح علم و آگہی اور تہذیب و شائستگی سے آشنا کرتا ہے۔

تعلیم کا آغاز

کفار کے ظلم و زیادتی کی وجہ سے گو مکہ مکرمہ میں دعوتی ماحول مناسب نہیں تھا اس کے باوجود تعلیم کا سلسلہ وہیں سے شروع ہوا۔ دارِ ارقم کو ایک درس گاہ کی حیثیت حاصل تھی جہاں صحابہ کرامؓ نے آپؐ کے علم سے فیض حاصل کیا اور اپنے قلب و ذہن کو انوارِ نبوت سے منور کیا۔ تاہم اس تعلیم کا باقاعدہ آغاز مدینہ منورہ میں ہوا۔ مدینہ میں پہلی اسلامی درس گاہ مسجدِ نبوی تھی جو آہستہ آہستہ ایک یونیورسٹی کا درجہ حاصل کر گئی۔ مدینہ کی فضا تعلیمی ماحول کے لیے نہایت سازگار تھی۔ اگر کوئی ناساعدہ صورتِ حال تھی بھی تو آپؐ نے اپنی حکمت و دانش سے اسے سازگار بنایا اور باقاعدہ تعلیم و تعلم کے سلسلے کا اجرا فرمایا جس نے پورے عرب اور بالآخر پوری انسانیت کی کایا پلٹ دی۔

حصولِ علم کی ترغیب

حضور اکرم ﷺ جس معاشرے میں بھیجے گئے تھے وہ علم سے نابلد معاشرہ تھا۔ آپؐ نے منصبِ نبوت پر فائز ہونے کے بعد سب سے پہلے علم کی ترویج کا آغاز کیا۔ آپؐ نے اہل عرب کو تحصیلِ علم کا شوق دلایا' علم کی قدر و قیمت بیان کی اور مسلمانوں کو ترغیب دلائی کہ وہ تعلیم و تعلم کو اپنے فرائض کا حصہ سمجھیں۔

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین (۹)

اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین کی فہم و بصیرت عطا کرتے ہیں۔

اسی طرح ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

فقیہ واحد أشد علی الشیطان من الف عابد (۱۰)

ایک فقیہہ و عالم شخص شیطان کے مقابلے میں ہزار عبادت کرنے والوں پر بھاری

ہے۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا:

طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم (۱۱)

علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

حضرت جابرؓ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

الناس معادن، فخیارھم فی الجاھلیۃ خیارھم فی الاسلام اذا فقھو (۱۲)

انسان کانوں کی مانند ہیں۔ دورِ جاہلیت کے پسندیدہ لوگ اسلام کے بھی پسندیدہ ہیں اگر وہ دینی فہم حاصل کر لیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آپؐ نے مختلف طریقوں اور اسالیب کو اختیار کرتے ہوئے مسلمانوں کو اس بات کی ترغیب دی کہ وہ حصولِ علم کے لیے ہر وقت کمر بستہ رہیں۔ اسی لیے آپؐ نے مختلف طریقوں سے صحابہ کرامؓ کو بالعموم اور امتِ مسلمہ کو بالخصوص علم حاصل کرنے پر آمادہ کیا تاکہ معاشرہ انفرادی اور اجتماعی طور پر خیر اور بھلائی کا مرکز بن سکے۔

علم کی فضیلت

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو مبعوث کرتے ہی علم کی دولت سے آراستہ فرمایا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ (۱۳)

پڑھ اپنے رب کے نام سے جو خالق ہے، جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، پڑھ کہ تیرا رب بزرگ و برتر ہے، جس نے قلم کے ذریعے سے تعلیم دی۔ انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

اس آیتِ کریمہ سے بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بارگاہِ خداوندی میں علم کا مقام کتنا اونچا اور برتر ہے۔

ایک دوسری جگہ فرمایا:

قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ (۱۴)

آپؐ کہہ دیں کہ کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں؟

آپؐ نے احادیثِ مبارکہ میں بھی علم کے بے شمار فضائل بیان فرمائے ہیں۔ امام ترمذیؒ، حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

من خرج فی طلب العلم فهو فی سبیل الله حتی یرجع (۱۵)

جو شخص حصولِ علم کے لیے (گھر سے) نکلے وہ جب تک گھر واپس نہ آ جائے تو گویا وہ اللہ کی راہ (جہاد) میں ہے۔

ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

من سلک طریقا یلتمس فیه علما سهل الله له به طریقا الی الجنة وما اجتمع قوم فی بیت من بیوت الله یتلون کتاب الله و یتدار سونه بینهم الا نزلت علیهم السکینة و غشیتهم الرحمة و حفتهم الملائکة و ذکرهم الله فیمن عنده و من ابطأ به عمله لم یسرع به نسبه (۱۶)

جو شخص اس راہ پر چلتا ہے جس سے علم حاصل ہوتا ہے تو اللہ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان بنا دیتا ہے اور کسی بھی خانۂ خدا میں لوگ تلاوتِ کلامِ پاک اور علم کے مذاکرہ کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں تو ان پر سکون طاری کیا جاتا ہے اور اللہ کی رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے' فرشتے ان پر سایہ فگن ہوتے ہیں اور اللہ تعالٰی اپنے ہاں ان کا ذکر کرتا ہے' اور جس کے عمل نے اس شخص کو پیچھے رکھا اس کا نسب اسے آگے نہیں لے جا سکے گا۔

معلّم کی فضیلت

حضور اکرم ﷺ نے لوگوں کو علم حاصل کرنے پر آمادہ کرنے کے لیے صرف علم کی فضیلت بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ معلّم اور متعلّم کے فضائل اور فرائض بھی بیان فرمائے۔ ایک معلّم کے لیے سب سے بڑا اعزاز یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ خود عظیم معلّمِ انسانیت کے منصب پر فائز ہیں۔ آپؐ کی بدولت دنیا سے جہالت اور گم راہی کا خاتمہ ہوا اور علم و عرفان کی کرنیں پھوٹیں اور آپؐ کی روشن کی ہوئی یہ قندیلیں اسی طرح تا قیامت دنیا کو نورِ علم سے روشن کرتی رہیں گی۔ آپؐ نے معلّم کا عظیم مرتبہ بیان فرمایا ہے:

العلماء ورثة الانبیاء (۱۷)

علما انبیا کے وارث ہیں۔

حضرت ابو امامہ باہلی بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرمؐ کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا جن میں سے ایک عابد اور دوسرا عالم تھا تو آپؐ نے فرمایا:

فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم' ثم قال رسول الله صلی الله علیه و سلم ان الله و ملئکته و اهل السموٰت والأرضین حتی النملة فی حجرها و حتی الحوت لیصلون علی

معلم الناس الخير (۱۸)

عالم کی فضیلت عابد پر اسی طرح ہے جیسا کہ میں تم میں سے ادنی پر فضیلت رکھتا ہوں۔ اس کے بعد رسول اللہﷺ نے فرمایا: یقیناً اللہ اور اس کے فرشتے اور آسمان و زمین کی ساری مخلوقات' یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے سوراخوں میں اور مچھلیاں اس کے لیے دعائے خیر کرتی ہیں جو لوگوں کو بھلائی سکھاتا ہے۔

اس کے علاوہ بھی بے شمار احادیثِ رسول ہیں جو معلّم کے بلند مرتبے کا تعین کرتی ہیں۔

متعلم کی قدر و منزلت

علم اور معلّم کی فضیلت کے ساتھ ساتھ علم حاصل کرنے والا بھی بہت قدر و منزلت کا حامل ہے کیوں کہ اسلام کے نقطۂ نظر سے علم کا حصول قابلِ قدر عمل ہے' اسی لیے رسول اکرم ﷺ کی زبانِ اقدس سے علم حاصل کرنے والے کے لیے بھی بہت سے فضائل و مناقب بیان ہوئے ہیں۔

حضرت واثلہ بن اسقعؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

من طلب علماً فأدركه كتاب الله له كفلين من الأجر و من طلب علماً فلم يدركه كتب الله له كفلا من الأجر (۱۹)

جس شخص نے علم طلب کیا اور اسے پا لیا تو اسے دوہرا اجر ملے گا اور جس نے علم طلب کیا مگر اسے حاصل نہ کر سکا تو اسے بھی ایک اجر ملے گا۔

حضرت صفوان بن عسال سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ما من خارج خرج من بيته فى طلب العلم الا وضعت له الملائكة اجنحتها (۲۰)

جو شخص اپنے گھر سے علم کی تلاش میں نکلتا ہے تو فرشتے اس کے لیے اپنے پر پھیلا دیتے ہیں۔

علم کی تبلیغ

آں حضورؐ دنیا میں معلّم بن کر تشریف لائے اور ساری زندگی جہالت کو دور کرنے کے لیے جدوجہد کرتے رہے۔ اپنے ساتھیوں کو علم حاصل کرنے کی ترغیب کے ساتھ ساتھ اس کو آگے پھیلانے اور اس کی اشاعت پر بھی زور دیتے رہے جس کے نتیجے میں تاریخ اسلام کے ہر دور میں صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک مسلمانوں کی کثیر تعداد علم کی شمع کو روشن کرتی چلی آ رہی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا:

نضر الله امرأ سمع منا حديثا فحفظه حتى يبلغه فربّ مبلغ أحفظ له من سامع (۲۱)

اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جس نے ہم سے حدیث کو سنا' اسے یاد کیا حتیٰ کہ اسے آگے پہنچایا' بسا اوقات سننے والے کی بہ نسبت اس حدیث کی زیادہ حفاظت وہ کرتے ہیں جو اسے (دوسروں سے) سنتے ہیں۔

اسی طرح آپؐ نے علم کو پھیلانے کی ترغیب کے ساتھ ساتھ کتمانِ علم سے بھی منع فرمایا اور اسے عظیم جرم قرار دیا۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

من سئل عن علم فكتمه ألجم بلجام من نار يوم القيامة (۲۲)

جس شخص سے علم کی بات پوچھی جائے اور وہ اسے چھپائے تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام دی جائے گی۔

ایک دوسری جگہ فرمایا: ''جس نے علم حاصل کیا اور اسے آگے نہ پہنچایا تو اس شخص کی مثال ایسے شخص کی مانند ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا تو اس نے اسے جمع کر لیا اور خرچ نہ کیا''۔ (۲۳)

آں حضور ﷺ نے علم حاصل کرنے کی ترغیب اور علم کی فضیلت و اہمیت اور اسے آگے پھیلانے کے بے شمار فضائل بیان فرمائے ہیں اور اس کے ساتھ معلمین و متعلمین کی قدر و منزلت بھی متعین کی ہے تاکہ معاشرہ کے تمام لوگ تعلیم کی طرف مائل ہوں' علم سیکھیں' پڑھیں اور پڑھائیں۔

چناں چہ معلّم انسانیت کی یہ کوششیں رنگ لائیں' آپؐ کی علم پھیلانے کی آرزو پوری ہوئی اور لوگ پروانوں کی طرح علم کی شمع پر گرے اور زمین و آسمان نے ان پروانوں کا نظارہ کیا کہ یہی لوگ دنیا میں علم و عرفان کے چاند اور ستارے بن کر چمکے۔

آں حضورؐ کا طریقۂ تعلیم

حضور اکرم ﷺ کا طریقۂ تعلیم بڑا آسان فہم اور پرتاثیر تھا۔ آپؐ کی شخصیت اور آپؐ کا دعوتی انداز بڑا پیارا اور محبت بھرا تھا اور جو کچھ وحی کے ذریعے سے آپؐ کو بتایا جاتا' آپؐ بلا کم و بیش اپنے شاگردوں اور ساتھیوں تک پہنچا دیتے۔ چوں کہ آپؐ کے پیشِ نظر معاشرہ کی فکری و عملی اصلاح تھی' اس لیے آپؐ نے درس و تدریس کے ذریعہ سے افراد کو تیار کیا' ان کی تربیت فرمائی اور ایک ایسا معاشرہ تیار کیا جو تاریخِ انسانی میں مثالی اور آئیڈیل حیثیت رکھتا ہے۔ اگر صحابہ کرام کی زندگیوں کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ صحابہ کرامؓ کے تعلیمی و تربیتی معاملات کو

درست فرمایا' اجتماعی اور انفرادی طور پر کچھ ایسے اصول اور ضابطے مقرر کیے کہ جن کی روشنی میں لوگوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو سکے۔

آپؐ معلّمِ انسانیت بنا کر مبعوث کیے گئے تھے۔ بطور معلّم آپؐ کا ایک خصوصی اندازِ تعلیم تھا جو منفرد ہونے کے ساتھ ساتھ متعدد خصوصیات کا حامل تھا۔ آپؐ کے طریقۂ تعلیم کی تمام خصوصیات کا احاطہ آسان نہیں مگر آپؐ کے طریقۂ تعلیم میں بے بہا موتی اور ان مٹ نقوش چھپے ہوئے ہیں جو تمام مبلغین اور علما کے لیے ایک قیمتی خزانہ ہیں' ان میں سے چند ایک کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے:

۱: مخاطب کی نفسیات کا لحاظ

آں حضورؐ ماہرِ نفسیات تھے' مخاطب کے مزاج' جذبے اور ذوق کا احترام کرتے۔ آپؐ ہمیشہ اس بات کا لحاظ کرتے کہ آپؐ کے مخاطب کی استعداد کیا ہے کیوں کہ حقیقی اور صحیح معلّم کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ شاگردوں کی نفسیات' ان کی ذہنی و عقلی استعداد اور صلاحیت کو مد نظر رکھے تاکہ وہ بات کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔ آپؐ ہمیشہ افادیت کے نقطۂ نظر سے سامعین و متعلمین کی ذہنی استعداد کو مد نظر رکھتے ہوئے تعلیم دیتے اور ہر طرح کے لوگوں سے ان کی نفسیات کے مطابق سلوک کرتے اور اگر کہیں مثال یا تشبیہ کی ضرورت محسوس کرتے تو اس سے بھی استدلال کرتے تاکہ ہر بات سامع کے ذہن میں اترتی چلی جائے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور اکرمؐ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میری بیوی نے سیاہ بچہ جنم دیا ہے اور یہ مجھے پسند نہیں ہے تو آپؐ نے فرمایا:

> هل لك من ابل ؟ قال نعم، قال فما ألوانها؟ قال حمرء، قال هل فيها من أورق؟ قال انّ فيها اورقاً ، قال فاني ترى ذلك جاء ها ؟ قال يا رسول الله عرق نزعها، قال و لعل هذا عرق نزعه له (۲۴)
>
> ''کیا تیرے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے جواب دیا: ہاں۔ آپؐ نے پوچھا: ان کے رنگ کیا ہیں؟ اس نے کہا: سرخ۔ آپؐ نے پوچھا: ان میں کوئی سیاہی مائل بھی ہے؟ اس نے کہا سیاہی مائل بھی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ کہاں سے آ گیا؟ کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! اصل نسب میں کہیں ہو گا۔ آپؐ نے فرمایا: یہ بھی کہیں اصل نسب ہی کا اثر ہو گا''۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریمؐ مخاطب کی ذہنی استعداد کو کتنی اہمیت دیتے تھے

اور اسے سمجھانے کے لیے ایسا اسلوب اختیار فرماتے کہ مخاطب اس بات کو ذہن نشین کر لیتا اور بہترین معلّم کے لیے یہ بات بہت ضروری ہے۔

۲: گفتگو میں ٹھہراؤ

آپؐ جب بھی گفتگو فرماتے تو آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر گفتگو کرتے۔ آپؐ کی گفتگو میں اس قدر ٹھہراؤ اور وضاحت ہوتی تھی کہ ہر سننے والا آپؐ کی بات سے پوری طرح مستفید ہوتا۔

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ

كان في كلام رسول الله ترتيل أو ترسيل (۲۵)

رسول اللہ کی گفتار میں ترتیل یا ترسیل ہوتی تھی۔

حضرت ملا علی قاریؒ اس حدیث کے تحت رقم طراز ہیں:

اس سے مراد یہ ہے کہ آپؐ حروف کو ادا کرتے وقت جلدی نہ کرتے بلکہ ان کے درمیان توقف فرماتے اور بات کو عمدگی سے بیان کرتے کہ حروف کے مخارج و صفات نکھر کر سامنے آ جاتے۔ حضرت جابرؓ کے بیان کا مقصد آپؐ کی گفتگو میں جلد بازی کی نفی اور ٹھہراؤ کو ثابت کرنا ہے۔ (۲٦)

اسی طرح حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی گفتگو جدا جدا ہوتی تھی ہر سننے والا اس بات کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ (۲۷)

آپؐ انتہائی فصیح اللسان اور قادر الکلام تھے لیکن اس کے باوجود بات کو سمجھانے کی غرض سے اسے دہراتے بھی تھے تاکہ بات کو سمجھنے میں کوئی کمی نہ رہ جائے اور اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔

حضرت انسؓ بیان فرماتے ہیں:

ان النبیؐ كان اذا تكلم بكلمة أعادها ثلاثاً حتى تفهم عنه و اذا أتى على قوم فسلّم عليهم سلم عليهم ثلاثا (۲۸)

نبی کریمؐ جب گفتگو فرماتے تھے تو تین مرتبہ دہراتے حتیٰ کہ سمجھ لیا جاتا اور جب کبھی کسی کے ہاں جاتے تو تین مرتبہ سلام کہتے۔

اسی طرح اگر کبھی کوئی صحابی آپؐ سے فرمائش کرتا کہ بات کو دہرائیں تو آپؐ اُس بات کا اعادہ فرماتے۔ حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ

ان رسول اللہؐ قال يا ابا سعيد! من رضي بالله ربّاً و بالاسلام دينا و بمحمدٍ نبيا وجبت له الجنة، فعجب لها ابو سعيدؓ . فقال: أعدها عليّ يا رسول اللہؐ ففعل (۲۹)

بے شک رسول اللہؐ نے فرمایا: اے ابو سعید جو اس بات پر راضی ہو گیا کہ اللہ اس کا رب، اسلام اس کا دین اور محمدؐ اس کے نبی ہیں، اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔ حضرت ابو سعیدؓ نے اس بات پر خوش ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے لیے یہ بات دوبارہ فرما دیجیے تو آپؐ نے اس کا اعادہ فرمایا۔

۳: آسانی کو پیشِ نظر رکھنا

نبی کریم ﷺ کے طریقۂ تعلیم کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپؐ آسانی کو پسند فرماتے، سختی اور غصہ کو ناپسند کرتے۔

حضرت جابرؓ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ لم یبعثنی معنتا و لا متعنتاً، ولکن بعثنی معلما میسرا (۳۰)

یقیناً مجھے اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر سختی کرنے والا عیب چین بنا کر نہیں بھیجا، بلکہ مجھے آسانی کرنے والا معلّم بنا کر مبعوث فرمایا۔

اسی طرح صحابہ کرامؓ کو بھی ہمیشہ اس بات کی تلقین فرمائی کہ لوگوں پر آسانی کریں، ان کو تنگی اور سختی میں نہ ڈالیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

علموا و یسّروا و لا تعسّروا و اذا غضبت فاسکت و اذا غضبت فاسکت (۳۱)

تم تعلیم دو اور آسانی پیدا کرو، اور تنگی نہ کرو، جب کوئی غصہ میں ہو تو اسے خاموش ہو جانا چاہیے اور جب کوئی غصہ میں آئے تو اسے خاموش ہو جانا چاہیے۔

۴: محبت و شفقت سے تعلیم دینا

اللہ تعالیٰ نے نبی کریمؐ کو مہربان اور شفیق بنا کر مبعوث فرمایا اسی بنا پر آپؐ کا طرزِ عمل اپنے ساتھیوں اور شاگردوں کے ساتھ نہایت شفقت اور محبت بھرا ہوتا۔

حضرت عمر بن ابی سلمہؓ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

کنت غلاما فی حجر رسول اللہ و کانت یدی تطیش فی الصحفۃ، فقال لی رسول اللہ یا غلام! سمّ اللہ و کل بیمینک، و کل مما یلیک (۳۲)

میں رسول اللہ کے زیر تربیت تھا، دورانِ تناول میں میرا ہاتھ برتن میں گھومتا تھا تو مجھے رسول اللہؐ نے فرمایا: اے بچے! بسم اللہ پڑھو، دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے قریب کی جگہ سے کھاؤ۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے' وہ بیان کرتے ہیں:

بینما نحن فی المسجد مع رسول اللہ اذا جاء اعرابی، فقام یبول فی المسجد، فقال اصحاب رسول اللہ مہ مہ، قال: قال رسول اللہؐ لا تزرموہ دعوہ، فترکوہ حتی بال ثم ان رسول اللہ دعاہ فقال لہ: ان ھذہ المساجد لا تصلح لشیء من ھذا البول و لا القذر، انما ھی لذکر اللہ عز و جل، و الصلاۃ و قراءۃ القرآن، او کما قال رسول اللہ، قال: فأمر رجلا من القوم فجاء بدلو من ماء فشنہ علیہ (۳۳)

ایک دفعہ ہم رسول اللہؐ کے ساتھ مسجد میں تھے کہ ایک بدوی آیا اور اس نے کھڑے ہو کر مسجد میں پیشاب کرنا شروع کر دیا' رسول اللہؐ کے صحابہ نے کہا: رک جاؤ' رک جاؤ۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: اسے نہ روکو' اسے چھوڑ دو تو انہوں نے اس کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ اس نے پیشاب کر لیا۔ پھر رسول اللہؐ نے اسے بلا کر فرمایا: بے شک یہ مسجدیں اللہ کے ذکر' نماز اور قرآن کی تلاوت کے لیے ہیں۔ حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ آپؐ نے لوگوں میں سے ایک شخص کو حکم دیا وہ پانی کا ایک ڈول لایا اور اسے پیشاب پر بہا دیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے اس بدوی کے ساتھ نرمی اور شفقت کا برتاؤ کیا اور سختی کے بغیر اسے دین کی تعلیم دی۔ اور ہمیشہ آپؐ کا یہ معمول تھا کہ آپؐ اپنے شاگردوں کو پیار و محبت سے تعلیم دیا کرتے تھے۔

۵: تواضع سے پیش آنا

آپؐ نہایت تواضع پسند معلّم تھے اور تواضع کو پسند فرماتے تھے اسی لیے ہمیشہ صحابہ کرامؓ کے ساتھ تواضع سے پیش آتے۔ آپؐ ایک متواضع معلّم' متواضع بھائی اور متواضع باپ کا سا سلوک کرتے اور اپنے لیے صحابہ کرامؓ کے کھڑے ہونے کو بھی ناپسند فرماتے۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں:

لم یکن شخص أحب الیھم من رسول اللہ قال، و کانوا اذا رأوہ لم یقوموا لما یعلمون من کراھیتہ لذلک (۳۴)

صحابہ کرامؓ کو آپؐ سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہ تھا' لیکن جب وہ آپؐ کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے کیوں کہ انہیں اس بارے میں آپؐ کی ناپسندیدگی کا علم تھا۔

صحابہ کرامؓ کو آپؐ سے بہت زیادہ عقیدت اور محبت تھی جس کا اظہار وہ کیا کرتے تھے۔ ایک

بار آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے فرمایا:

لا تطرونی کما اطرت النصاریٰ عیسیٰ بن مریم فانما أنا عبد' فقولوا عبدہ و رسولہ (۳۵)

مجھے تم اس طرح نہ بڑھاؤ جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ بن مریم کو بڑھایا' میں تو ایک بندہ ہوں' پس مجھے اس کا بندہ اور رسول کہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم کے معاملے میں بڑے حریص اور تڑپ رکھنے والے تھے۔ آپؐ بچوں کی تعلیم و تربیت کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے۔ آپؐ خواتین کو بھی زیورِ تعلیم سے آراستہ ہونے کی ترغیب دیتے اور جب خواتین نے آپؐ سے الگ وقت مانگا تو آپؐ نے ان کے لیے علیحدہ وقت مقرر فرما دیا جس میں خواتین آپؐ کے پاس حاضر ہوتیں اور آپؐ سے سوالات کرتیں اور آپؐ انہیں جوابات عطا فرماتے۔

الغرض آپؐ نے تعلیم کو کسی خاص طبقہ تک محدود نہیں رکھا بلکہ معاشرہ کے تمام افراد کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا جس کے نتیجے میں ہم دیکھتے ہیں کہ جاہل اور اجڈ قوم ایک متمدن اور تعلیم یافتہ قوم بن گئی۔ اسی تعلیم کا اثر تھا کہ وہ غلامی سے نکل کر حکومتی ایوانوں میں براجمان ہوئی اور اس قدر ممتاز ہوئی کہ دنیا کی تمام قومیں اس کی نظر سے گر گئیں۔

گزشتہ صفحات میں نبی کریم ﷺ کی شخصیت کا تعلیمی پہلو بیان کیا گیا اور آپؐ کے طریقۂ تعلیم میں سے چند اصول اور خصوصیات بطور نمونہ پیش کی گئیں جو بطور معلّم آپؐ کے رویے' آپؐ کے کردار اور آپؐ کے اخلاقِ عالیہ کو واضح کرتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی دعوت و تعلیم میں گزری کیوں کہ آپؐ کے پیشِ نظر افرادِ معاشرہ کی اصلاح تھی' اور اس وقت کا معاشرہ بے شمار الجھنوں میں گھرا ہوا تھا اس لیے اس معاشرہ کو ان برائیوں اور الجھنوں سے نکالنے کے لیے ایسی خصوصیات اور اسالیب کا اختیار کرنا ناگزیر تھا۔ عہدِ حاضر میں تعلیمی میدان میں بہت زیادہ ترقی ہو رہی ہے اور اس کے کئی پہلوؤں کو بڑے اچھے طریقوں سے اجاگر کیا جا رہا ہے لیکن یہ تمام کوششیں آپؐ کی سیرت کے نمونوں اور امثال کو اپنائے بغیر پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ ایک کامیاب معلّم بننے اور اخروی کامیابی حاصل کرنے کے لیے آپؐ کی پیروی کا اتباع نہایت ضروری ہے۔

حوالہ جات

۱: سورہ احزاب ۳۳:۱۲ ۲: خطباتِ مدراس از سلیمان ندوی; ص ۱۰۷
۳: سورۃ البقرۃ ۲:۱۲۹ ۴: ایضاً : ۱۵۱
۵: سورہ آل عمران ۳: ۱۶۴ ۶: سورہ جمعۃ ۶۲: ۲
۷: مسند احمد ۳/۳۲۸، حدیث:۱۴۵۵۵
۸: سورہ عنکبوت ۲۹:۴۸
۹: سنن ابن ماجہ، کتاب السنۃ، باب فضل العلماء و الحث علی طلب العلم، حدیث: ۲۲۰
۱۰: ایضا حدیث: ۲۲۲ ۱۱: ایضا حدیث: ۲۲۴
۱۲: صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب خیار الناس، حدیث: ۶۶۱۵
۱۳: سورہ علق ۹۶: ۱ ـ ۵
۱۴: سورہ زمر ۳۹: ۹
۱۵: سنن ترمذی، کتاب العلم، باب فضل طلب العلم، حدیث: ۲۸۵۹
۱۶: سنن ابی داؤد، کتاب العلم، باب الحث علی طلب العلم، حدیث: ۳۶۴۳
۱۷: سنن ابن ماجہ، کتاب السنۃ، باب فضل العلماء، حدیث: ۲۲۳
۱۸: سنن ترمذی، کتاب العلم، باب ما جاء فی فضل الفقہ، حدیث: ۲۶۸۵
۱۹: مجمع الزوائد و منبع الفوائد ۱/۱۲۸
۲۰: سنن ابن ماجہ، کتاب السنۃ، باب فضل العلماء، حدیث: ۲۲۶
۲۱: سنن ترمذی، کتاب العلم، باب ما جاء فی الحث علی تبلیغ السماع ، حدیث: ۲۶۵۷
۲۲: سنن ابن ماجہ، کتاب السنۃ، باب من سئل عن علم فکتمہ، حدیث: ۲۶۴
۲۳: الجامع الاخلاق الراوی ۱/۳۲۴، حدیث: ۷۲۴
۲۴: صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب من شبہ اصلا، حدیث۱۴۳۱۷
۲۵: سنن ابی داؤدِ کتاب الادب، باب الھدی فی الکلام، حدیث: ۴۸۲۸
۲۶: مرقاۃ المفاتیح از ملا علی قاری ۱۰/۸۷
۲۷: سنن ابی داؤدِ کتاب الادب، باب الھدی فی الکلام، حدیث: ۴۸۳۹
۲۸: صحیح بخاری، کتاب العلم، باب من اعاد الحدیث ثلاثا حدیث: ۹۵
۲۹: صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب بیان ما أعدہ اللہ للمجاہد فی الجنۃ، حدیث: ۴۹۸۷
۳۰: صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب بیان أن تخیر امرأۃ، حدیث: ۳۷۶۳
۳۱: مسند احمد، ۱/۲۳۹، حدیث:۲۱۳۶
۳۲: صحیح بخاری، کتاب الأطعمۃ، باب التسمیۃ علی الطعام، حدیث: ۵۳۷۶
۳۳: صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب وجوب غسل البول، حدیث: ۲۸۵
۳۴: مسند احمد، ۳/۱۳۲، حدیث: ۱۲۳۶۷
۳۵: صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب واذکر فی الکتاب مریم، حدیث: ۳۴۴۵

ماہنامہ دعوۃ.......... اسلام آباد جلد: ۱۶ شمارہ: ۷-۱۰

الٰہی پھول برسا پتھروں والی زمینوں پر

زبیر طارق

باغ کی دیوار کے سائے تلے کون بیٹھا ہے؟ پہلی ہی نظر میں یہ ایک معزز اور محترم شخصیت دکھائی دیتی ہے۔ اتنی شفیق اور مہربان کہ ان کی خاطر جان قربان کر دینے کو جی چاہے۔ مگر یہ کیا؟ ان کے تو تمام کپڑے خون سے بھرے ہوئے ہیں۔ اب وہ اپنے جوتے اتار رہے ہیں۔ اف ان میں تو خون کے لوتھڑے جم چکے ہیں۔ ہائیں! اس محترم شخصیت کے جسم پر جگہ جگہ زخم ہیں اور ان سے خون بہہ رہا ہے۔ جسم کے جو حصے زخموں سے محفوظ ہیں وہاں چوٹوں کی سوجن اور نیل پڑے دکھائی دے رہے ہیں۔ کسی نے ان کے ساتھ نہایت سنگ دلانہ سلوک کیا ہے۔ اس معزز شخصیت کی آنکھیں سامنے کی جانب جمی ہیں۔ وہاں ایک راستہ گزر رہا ہے۔ اس راہ پر چل کر وہ یہاں پہنچے تھے مگر اب زخموں سے چور نہایت دکھ اور غم کے ساتھ اسے تک رہے ہیں۔ اس راستے کے دوسرے سرے پر ایک بستی ہے۔ وہاں کے رہنے والوں نے انہیں بہت دکھ دیے۔ مجبور ہو کر وہ یہاں چلے آئے مگر اس بدقسمت بستی نے بھی ان کی قدر نہیں پہچانی اور انہیں پتھر مار مار کر لہو لہان کر ڈالا۔ زخموں سے چور یہ معزز و محترم ہستی وہ ہے جسے دونوں جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔

☆☆☆☆☆

جناب ابوطالب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت شفیق چچا تھے اور زندگی بھر ان کے لیے ڈھال بنے رہے۔ ان کے جیتے جی قریش کے سرداروں کو ہمت نہ ہوئی کہ آپؐ کو کھلم کھلا تکلیف پہنچا سکیں مگر ابو طالب نے جیسے ہی آنکھیں موندیں، آپؐ ظاہری لحاظ سے مکہ میں بالکل بے سہارا رہ گئے۔ عرب روایت کے مطابق ہر قبیلہ اپنے ایک ایک فرد کی حفاظت اور پشت پناہی کیا کرتا تھا مگر اب بنو ہاشم کا سردار ابو لہب بن چکا تھا اور اس سے اس قسم کے فیصلے کی امید رکھنا کارِ عبث تھا۔ چناں چہ اب مکہ کے کسی بڑے سردار کی حمایت آپؐ کو حاصل نہ تھی اور نہ کسی قبیلہ کی طاقت ہی آپ

کی پشت پر باقی رہی تھی۔ اس صوتِ حال سے آپؐ کے دشمن شیر ہو گئے اور آپ کو نہایت بے رحمی سے ستانا شروع کر دیا۔ نبی کریم ﷺ کی ہمدردی اور خیر خواہی سے بھر پور دعوت ان کے پتھر دلوں کو متاثر نہ کر سکی تھی۔ وہ کسی بھی دلیل کو ماننے کے لیے تیار نہ ہوئے اور جواب میں آپؐ کا مذاق اڑاتے اور برا بھلا ہی کہتے رہے۔ اب آپؐ نے محسوس کیا کہ کفارِ مکہ تبلیغ کے ذریعے سے شاید ہی اسلام قبول کریں۔ دعوتِ حق کا پودا مکہ کی پتھریلی زمین میں برگ و بار نہ لا پایا۔ یہاں کی زمین نے جو فصل دینی تھی، دے چکی ۔ اب مزید محنت و کوشش کارِ لاحاصل تھی۔ اللہ کے پاک نبی ﷺ کو اب کسی ایسی زرخیز زمین کی تلاش ہوئی جہاں کی آب و ہوا میں یہ پودا پروان چڑھ سکے۔ اسی خواہش کے تحت آپؐ کی نگاہ طائف پر پڑی اور آپؐ نے وہاں جانے اور اس شہر کے لوگوں کو اسلام کا پیغام پہنچانے کا فیصلہ کیا۔

بنو ثقیف طائف کا نہایت طاقت ور اور اثر و رسوخ رکھنے والا قبیلہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ اگر وہ لوگ اسلام قبول نہیں بھی کرتے تو کم از کم آپؐ کو اپنے ہاں چین سے بیٹھ کر کام کرنے کا موقع فراہم کریں اور اسلام کو پھیلانے میں آپؐ کی مدد اور حمایت کریں۔ نبوت کا دسواں برس تھا اور ماہِ شوال کے آخری ایام (اواخر مئی یا اوائل جون ۶۱۹ء)' جب ایک نہایت گرم دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طائف کے سفر پر روانہ ہوئے۔ حضرت زید بن حارثہؓ بھی آپؐ کے ہمراہ تھے۔

طائف مکہ سے مشرق کی جانب تقریباً ساٹھ میل کی دوری پر واقع ہے۔ یہ شہر اپنی اہمیت، آبادی اور خوش حالی میں مکہ کے بعد دوسرے نمبر پر تھا۔ قدیم زمانے سے ان دونوں شہروں کے درمیان قریبی تعلقات تھے۔ اہلِ مکہ میں سے مال دار لوگ، خصوصاً بنو امیہ یہاں زمینیں خریدنے اور گرمیاں گزارنے آیا کرتے تھے۔ طائف کے بھی متعدد باشندے کاروبار کے سلسلے میں مکہ میں مقیم تھے۔

طائف اور مکہ کے درمیان پتھریلا راستہ ہے۔ اس پہاڑی راستے میں کئی پیچیدہ گھاٹیاں موجود ہیں۔ نبی آخر الزمان ﷺ کو اس وقت سواری تک میسر نہیں ہے چناں چہ وہ اس راہ پر پیدل چلے جا رہے ہیں۔ اب مکہ کا شہر بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ آپؐ کا دل امید اور آرزو سے لبریز ہے۔ آپؐ کو مکمل یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام دنیا میں پھیل کر رہے گا، اس کا اعزاز کس سرزمین کو حاصل ہو گا، اس کی آپؐ کو تلاش تھی۔ کیا طائف کی سرسبز زمین دعوتِ حق کے پودے کے لیے بھی زرخیز ثابت ہو

گی؟ کیا یہاں کے لوگ حق کی حمایت کا فرض انجام دے سکیں گے؟ ان سوالات کا جواب حاصل کرنے کے لیے پیارے نبیؐ طائف جا رہے ہیں۔ راستے میں مختلف قبیلوں کے ڈیرے آباد ہیں۔ آپؐ کا گزر جس قبیلے کے پاس سے ہوتا ہے، اسے اللہ کا پیغام پہنچانے کا فرض ادا کرتے ہیں مگر ان سب کا جواب انکار ہی میں ہے۔ یوں دشوار گزار راستوں، درّوں اور خطرناک گھاٹیوں کو پیدل عبور کرتے آپؐ منزل کی جانب بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔

ساٹھ میل کا طویل فاصلہ اب ختم ہونے کو آ رہا ہے۔ سامنے طائف کی سرسبز اور شاداب سرزمین ہے۔ عرب کی جھلسا دینے والی گرمی میں یہ ایک ٹھنڈا مقام ہے اور یہاں کا سایہ نہایت دل کش ہے۔ اس سرزمین میں پانی کثیر مقدار میں دستیاب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر طرف کھیتیاں لہلہا رہی ہیں اور باغات پھلوں سے لدے پڑے ہیں۔ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کے باعث یہاں کے لوگ نہایت خوش حال، اور عیش کے گہوارے میں جھول رہے ہیں۔ اس خوش حالی نے انہیں دنیا پرستی میں بری طرح مگن کر دیا ہے اور یہ دنیا پرستی خدا فراموشی تک جا پہنچی ہے۔ وہ نہ صرف اپنے خالق کے نافرمان ہیں بلکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بجائے بتوں کو اپنے دل میں بسا لیا ہے۔ یہاں لات نامی مشہور بت کا مندر ہے۔ عرب بھر سے لوگ اپنی حاجات کی تکمیل کے لیے دعائیں مانگنے یہاں آتے ہیں۔ اس طرح اہلِ طائف بتوں کے پجاری ہی نہیں، ان کے مجاور بھی ہیں اور دوسروں کو گمراہ کرنے کا فریضہ بھی انجام دیتے ہیں۔ مکہ والوں میں مذہبی سربراہی اور ملکی قیادت کی وجہ سے کسی قدر اخلاقی رکھ رکھاؤ کا امکان موجود تھا لیکن یہاں کے لوگ تو مکمل طور پر لا ابالی طبیعت کے مالک ہیں۔ سود خواری کی قبیح عادت نے ان کے اندر لطیف احساسات کا بالکل خاتمہ کر ڈالا ہے۔ یوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے بھی بدتر ماحول میں قدم رکھ رہے ہیں۔

شرک اور بغاوت میں ڈوبی اس بستی کے اندر اللہ کے رسول داخل ہو رہے ہیں۔ شرک اور دولت کے نشے میں گم افراد کو سنہری موقع مل رہا ہے کہ وہ نبی ﷺ کی حمایت میں کھڑے ہو کر حق کا جھنڈا تھام لیں۔ اس حق کے علم بردار بن کر وہ دونوں جہانوں کی عزت پا سکتے ہیں۔ مگر طائف کے بدقسمت افراد کو قطعاً احساس نہیں کہ آج کا دن ان کے لیے کتنی اہمیت رکھتا ہے۔ وہ اپنی روزمرہ کی مصروفیات میں گم ہیں۔ انہیں خبر نہیں کہ ایک صحیح فیصلے سے تاریخ کا دھارا موڑنے کا قیمتی لمحہ ان کے ہاتھ آ سکتا ہے۔

اللہ کے رسولؐ نے طائف میں دس دنوں تک قیام فرمایا۔ اس دوران میں آپؐ بنو ثقیف کے

سرداروں اور نامور افراد میں سے ایک ایک کے پاس گئے مگر ان میں سے کسی نے آپؐ کی دعوت قبول نہ کی۔ انہیں یہ بات بھی پسند نہ آئی کہ آپؐ طائف میں لوگوں سے ملیں۔ انہیں خطرہ تھا کہ کہیں ان کے نوجوان آپؐ سے متاثر ہو کر آبائی دین نہ چھوڑ بیٹھیں اور طائف میں بھی مکہ جیسی صورتِ حال نہ پیدا ہو جائے۔ چناں چہ ایک دن انہوں نے آپؐ سے صاف صاف کہہ دیا:

محمد! تم ہمارا شہر چھوڑ دو اور زمین پر تمہارا جو بھی دوست ہے، اس کے پاس چلے جاؤ۔

طائف کی سرداری عمرو بن عمیر ثقفی کے تین بیٹوں عبدیا لیل، مسعود اور حبیب کے پاس تھی۔ ولید بن مغیرہ نے اپنے اور اسی شخص عمرو بن عمیر کے بارے میں یہ بات کہی تھی کہ اگر اللہ کو اپنا کلام نازل کرنا ہی تھا تو اس نے ہم دونوں رؤسائے عرب میں سے کسی پر کیوں نہ اتارا۔اب اللہ کے رسول ﷺ نے ان تینوں بھائیوں کے پاس جانے کا فیصلہ کیا۔ ان کے گھروں میں قریش کے قبیلے بنو جموح کی عورتیں تھیں، اس وجہ سے بھی ان سے ایک طرح کے لحاظ کی توقع ہو سکتی تھی۔ آپؐ نے ان کو اسلام کا پیغام دیا اور پھر اپنے آنے کا مقصد بیان فرمایا:

میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ اللہ کے اس پیغام کو پھیلانے میں میری مدد کریں اور میری قوم کے جو لوگ مخالفت کر رہے ہیں، ان کے مقابلے میں میری حمایت کریں۔

مکہ اور قریش کے ساتھ قریبی تعلقات کی بنا پر یہ لوگ انہی کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے چناں چہ جیسے ہی اللہ کے رسولؐ نے اپنی بات ختم کی، ایک بھائی بولا:

''میں کعبہ کے کپڑے پھاڑوں اگر اللہ نے تمہیں رسول بنایا ہو''۔ مطلب یہ تھا کہ تمہارا پیغمبر ہونا اسی طرح ناممکن ہے جس طرح کعبے کے پردے پھاڑ دینا۔

''تمہارے سوا اللہ کو نبی بنانے کے لیے اور کوئی نہ ملا''؟ دوسرے نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

''میں تجھ سے کوئی بات نہیں کروں گا' اگر تو سچا ہے تو تجھ سے گفتگو کرنا خلافِ ادب ہے اور جھوٹا ہے تو گفتگو کے قابل نہیں''۔ تیسرے نے اپنے خیال میں انوکھے انداز میں تمسخر اڑایا۔

ان کا یہ بے ہودہ انداز دیکھ کر اللہ کے رسول ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپؐ کو ان سے کسی بھلائی کی توقع نہ رہی۔ اچانک آپؐ کو خیال آیا کہ اگر ان کے اس رویے کی خبر طائف میں پھیل گئی تو کسی کا بھی آپؐ کی باتوں پر دھیان دینا ممکن نہ رہے گا، دوسری جانب قریش تک اس ناکامی کی

خبر پہنچی تو وہ مزید دلیر ہو جائیں گے اور آپؐ کا مذاق اڑاتے پھریں گے، یہ سوچ کر آپؐ نے ان سے فرمایا:

تم نے جو برتاؤ مجھ سے کیا، سو کیا، اب کم از کم اس بات کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔

مگر طاقت کے نشے میں بدمست ان لوگوں پر اس بات کا بھی کوئی اثر نہ ہوا۔ شیطان نے ان کو پوری طرح اپنی گرفت میں لیا ہوا تھا۔ اسی دوران میں وہ اپنے غلاموں اور اوباش لوگوں کو اکٹھا کر چکے تھے۔ جیسے ہی اللہ کے رسولؐ باہر آئے انہوں نے تالیاں بجا بجا کر آپؐ پر پتھر برسانا شروع کر دیے اور اس کے ساتھ ہی آپؐ کو بلند آواز میں گالیاں بکنے لگے۔ فوراً ہی لوگوں کی بھیڑ اس واقعہ کو دیکھنے کے لیے جمع ہو گئی۔ نبیِ رحمت کے خلاف طائف کی سرزمین پر طوفانِ بدتمیزی برپا تھا۔ راستے کے دونوں جانب غنڈے صفیں باندھے آپؐ پر پتھر برسا رہے تھے۔ وہ تاک کر ٹخنوں کی ہڈیوں کو نشانہ بناتے تاکہ زیادہ اذیت پہنچے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس لہو طائف کی مٹی پر گر گر کر جذب ہو رہا تھا۔ حضرت زید بن حارثہ ﷛ نے آپؐ کو بچانے کی پوری کوشش کی مگر وہ خود بھی سر میں پتھر لگنے سے زخمی ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ چوٹوں کی تکلیف سے نڈھال ہو کر بیٹھ جاتے تو غنڈے آگے بڑھ کر آپؐ کو اٹھاتے اور چلنے پر مجبور کر دیتے۔ آپؐ جیسے ہی قدم بڑھاتے آپ پر سنگ باری شروع ہو جاتی اور قہقہوں کا شور گونجنے لگتا۔ اللہ کے رسولؐ کا خون اس قدر بہا کہ آپؐ کے جوتے اس سے بھر گئے۔ آپؐ انتہائی مشکل سے قدم اٹھاتے آگے بڑھتے گئے اور بالآخر طائف سے تین میل کے فاصلے پر واقع ایک باغ تک جا پہنچے اور اس کی دیوار کے ساتھ سہارا لے کر بیٹھ گئے۔ آپؐ کو یہاں پہنچا کر غنڈوں کی بھیڑ واپس چلی گئی۔

پیارے نبیؐ کا جسم مبارک زخموں سے چور چور تھا اور آپؐ میں چلنے کی سکت بالکل نہ رہی تھی۔ انگور کی ایک بیل آپؐ پر سایہ کیے ہوئے تھی۔ اہلِ طائف کے قہقہوں اور تالیوں کی آوازیں اب دور اور مدھم ہوتی جا رہی تھیں۔ ان لوگوں نے مشرکینِ مکہ سے بھی بڑھ کر برے سلوک کا مظاہرہ کیا تھا۔ ان کے اس برتاؤ پر نبیِ رحمتؐ کا دل بھر آیا اور آپؐ اپنے اللہ سے انتہائی پرسوز دعا مانگنے لگے:

اے اللہ میں تیرے ہی حضور اپنی بے بسی و بے چارگی اور لوگوں کی نگاہ میں اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین! تو سارے ہی کمزوروں کا رب ہے اور میرا رب بھی تو ہی ہے۔ مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا کسی بیگانے کے حوالے جو مجھ سے درشتی کے ساتھ پیش آئے؟ یا کسی دشمن کے حوالے جو مجھ

پر قابو پا لے؟ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کسی مصیبت کی پروا نہیں، مگر تیری طرف سے عافیت مجھے نصیب ہو جائے تو اس میں میرے لیے زیادہ کشادگی ہے۔ میں پناہ مانگتا ہوں تیری ذات کے اس نور کی جو اندھیرے میں اجالا اور دنیا اور آخرت کے معاملات کو درست کرتا ہے، مجھے اس سے بچا لے کہ تیرا غضب مجھ پر نازل ہو یا میں تیرے عتاب کا مستحق ہو جاؤں۔ تیری مرضی پر راضی ہوں یہاں تک کہ تو مجھ سے راضی ہو جائے۔ کوئی زور اور طاقت تیرے بغیر نہیں۔

اللہ کے حضور یہ رقت بھری دعا مانگنے کے بعد آپؐ کا بوجھل دل پر سکون ہو گیا۔

وہ باغ جس کی دیوار کے سائے میں پیارے رسولؐ بیٹھے تھے مکہ کے دو سرداروں عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کا تھا۔ یہ دونوں بھائی باغ میں موجود آپؐ کو دیکھ رہے تھے۔ عتبہ باوجود کفر کے شریف الطبع اور نیک نفس انسان تھا۔ آپؐ کو اس بری حالت میں دیکھ کر اس کا قریشی خون جوش میں آیا۔ اس نے اپنے عیسائی غلام عداس کو بلا کر کہا:

انگوروں کا ایک خوشہ پلیٹ میں رکھ کر اس شخص کے پاس لے جاؤ اور اس سے کہو کہ انہیں کھا لے۔

عداس حکم کی تعمیل میں انگوروں کی پلیٹ آپؐ کے پاس لایا۔ آپؐ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر انگور کھانا شروع کیے۔

''بخدا اس ملک میں تو کوئی شخص یہ کلمہ نہیں کہتا''! عداس نے حیران ہو کر کہا۔

''تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمہارا دین کیا ہے''؟ اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے پوچھا۔

میں عیسائی ہوں اور نینویٰ کا رہنے والا ہوں''۔ عداس نے جواب دیا۔

''مردِ صالح یونس بن متی کی بستی کے''؟ اللہ کے رسولؐ نے نینویٰ کے بارے میں تصدیق کرنا چاہی۔

''جی ہاں، مگر آپ انہیں کیسے جانتے ہیں''؟ عداس نے ایک مرتبہ پھر حیرت سے پوچھا۔

''وہ میرے بھائی ہیں۔ وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں''۔

پیارے رسولؐ کی یہ بات سنتے ہی عداس آپؐ پر جھک گیا اور آپؐ کا سر، ہاتھ اور پاؤں چومنے لگا۔ پھر بولا:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں''۔ عداس نے کلمہ پڑھا اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حمایت کے لیے جس زمین کی تلاش تھی، طائف کی بستی نے وہ زمین بننے سے انکار کر دیا تھا۔ اس نے اپنے کردار سے ثابت کر دیا کہ وہ نہ صرف حق کا علم بردار بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی بلکہ اس معاملے میں مکہ سے بھی بڑھ کر نااہل ہے۔ چناں چہ اللہ کے رسول ﷺ نے اب واپسی کا سفر شروع کیا۔ آپؐ کی منزل ایک مرتبہ پھر مکہ تھی، وہی مکہ جہاں کے لوگ آپؐ کی اس حالت کے ذمہ دار تھے۔ انہی کے ظلم اور برے سلوک کے باعث آپؐ کو طائف آنا پڑا تھا۔ آپؐ قرن الثعالب کے مقام پر پہنچے تو محسوس ہوا کہ بادل سایہ کیے ہوئے ہے۔ آپؐ نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو اس میں جبرئیل علیہ السلام کو موجود پایا۔ انہوں نے آپؐ سے فرمایا:

اللہ نے وہ سب سن لیا جو آپؐ کی قوم نے آپ سے کہا اور آپ کی دعوت کا جو جواب انہوں نے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے ہمراہ پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے۔ آپ جو چاہیں اسے حکم دیں۔

اس کے بعد پہاڑوں کے فرشتے نے آپؐ کو سلام کیا اور کہا:

آپ فرمائیں تو دونوں طرف کے پہاڑ ان لوگوں پر الٹ دوں۔

حدیث میں "اخشبین" کے الفاظ آئے ہیں اور ان کے بارے میں ایک طویل بحث ہے کہ ان سے مراد کون سے پہاڑ ہیں، اور یہ کہ فرشتے نے ان پہاڑوں کو مکہ پر الٹ دینے کی اجازت چاہی تھی یا طائف پر۔ اس بحث سے قطع نظر، ان دونوں ہی بستیوں کے لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچنے والی اس دردناک اذیت کے ذمہ دار اور قصور وار تھے، ایک براہِ راست اور دوسرے بالواسطہ اس لیے دونوں ہی اس لائق تھے کہ عذاب سے دوچار ہوتے۔

کوئی عام کم حوصلہ، ستم رسیدہ شخص ہوتا تو اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے ہاتھ سے نہ جانے دیتا اور انتقام کی آگ ضرور ٹھنڈی کرتا مگر اتنے عظیم حوصلہ اور عفوودرگزر کا مظاہرہ وہی ذات کر سکتی تھی جسے اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا تھا۔ ابھی آپؐ کے زخم بھی مندمل نہیں ہوئے تھے، جسم پر جا بجا سوجن اور نیل کے آثار تھے اور مسلسل ٹیسیں اٹھ رہی تھیں مگر اس حال میں بھی آپؐ نے فوراً ارشاد فرمایا:

نہیں، اگر یہ لوگ خدا پر ایمان نہیں لاتے تو مجھے امید ہے کہ اللہ ان کی نسل

سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو اس کے ساتھ کسی اور ہستی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

یوں آپؐ کے رحمۃ للعالمین ہونے کی صفت نے نہ صرف اس بستی (یا ان بستیوں) کو برباد ہونے سے بچا لیا بلکہ آپؐ کی خواہش کے عین مطابق اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بہت سوں کو ہدایت بخشی اور ان کی نسلیں تو قریب قریب ساری ہی مومن پیدا ہوئیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے خلافت سنبھالتے ہی جو فتنۂ ارتداد اٹھا، اس میں مدینہ کے بعد یہی دو بستیاں تھیں جو اس فتنے سے مکمل محفوظ رہیں اور انہوں نے اس فتنے کو مٹانے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔

طائف اور مکہ کے درمیان نخلہ نامی ایک شاداب وادی آتی ہے جہاں قافلے اور مسافر اپنی تھکن اتارنے کے لیے ٹھہرا کرتے تھے۔ نبیِ رحمتؐ نے بھی یہاں چند دنوں تک قیام فرمایا۔ ایک رات کو جب ہر طرف خاموشی کا تسلط تھا، آپؐ اس پرسکون اور کھلے ماحول میں باآواز بلند تلاوت فرما رہے تھے جس سے دور دور تک وادی گونج رہی تھی۔ اچانک وہاں سے جنوں کی ایک جماعت کا گزر ہوا۔ یہ عجیب کلام ان کے کانوں میں پڑا تو وہ رک گئے اور اسے غور سے سننے لگے۔ اس کلام نے انہیں اتنا متاثر کیا کہ وہ آپؐ پر ایمان لے آئے اور واپس جا کر اپنی قوم میں اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے سے آپؐ کو اس واقعہ کی اطلاع دی جو حقیقت میں خوش خبری تھی کہ انسان چاہے آپ کی دعوت سے بھاگ رہے ہوں مگر ہماری ایسی مخلوقات موجود ہیں جو آپ کا ساتھ دینے کو تیار ہیں۔

اس نصرت و بشارت کے ملتے ہی غم و الم اور حزن و مایوسی کے تمام بادل چھٹ گئے اور آپؐ نے پختہ ارادہ کر لیا کہ اب مکہ جا کر از سرِ نو دعوت کا کام کرنا ہے۔ اس موقع پر حضرت زید بن حارثہؓ نے عرض کیا:

آپ مکہ کیسے جائیں گے جب کہ وہاں کے باشندوں نے آپ کو نکال دیا ہے؟

''اے زید! یہ حالات جو تم دیکھ رہے ہو اللہ تعالیٰ اس سے کشادگی اور نجات کی کوئی راہ ضرور نکالے گا۔ اللہ یقیناً اپنے دین کی مدد کرے گا اور اپنے نبی کو غالب فرمائے گا''۔ اللہ کے رسولؐ کے لہجے سے تیقن پھوٹ رہا تھا۔

جیسے جیسے مکہ قریب آ رہا تھا آپؐ کی سوچ گہری ہوتی جا رہی تھی۔ طائف میں جو کچھ بیتی اس کی خبر یقیناً مکہ پہنچ چکی ہو گی اور کفار پہلے سے زیادہ دلیر ہو گئے ہوں گے۔ مکہ میں کسی بڑے

رئیس کی حمایت کے بغیر داخل ہونا خطرے سے خالی نہ تھا۔ اگر کوئی دشمن آپؐ سے زیادتی کرتا تو کوئی قبیلہ آپؐ کی حمایت اور پشت پناہی کرنے والا نہیں تھا۔

اسی سوچ میں غلطاں آپؐ حرا جا پہنچے۔ یہاں آپؐ کی ملاقات عبداللہ بن الاریقط سے ہوئی۔ یہ شخص کافر ہونے کے باوجود کردار کا اچھا اور بھروسے کے قابل تھا۔ آپؐ نے اسے باری باری قریش کے دو سرداروں اخنس بن شریق اور سہیل بن عمرو کے پاس بھیجا تاکہ وہ آپؐ کو اپنی پناہ دیں اور حمایت کا اعلان کریں۔ عرب میں صدیوں کی بدامنی کی وجہ سے کسی سردار یا قبیلے کی پناہ لینا اور اس کی حمایت طلب کرنا قطعاً عار کی بات خیال نہیں کی جاتی تھی اور نہ اس پر کسی کو ملامت کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ عرب کے قومی کردار کی یہ روایت تھی کہ حمایت طلب کرنے والے کو پناہ دی جاتی تھی چاہے وہ شخص دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ اس سلسلے میں ان کی تاریخ میں حیرت انگیز واقعات ملتے ہیں۔ تاہم ان دونوں سرداروں نے روایت شکنی کرتے ہوئے مختلف بہانے بنا کر انکار کر دیا۔

اخنس بن شریق کا تعلق بنی ثقیف سے تھا جو قریش کا قبیلہ نہیں تھا اور وہ آپؐ کے ننہالی قبیلہ بنی زہرہ کا اتحادی تھا۔ اس نے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ ''میں بنی زہرہ کا حلیف ہوں اس لیے ان کی طرف سے حمایت کا اعلان نہیں کر سکتا''۔ سہیل بن عمرو کا تعلق عامر بن لوی کی اولاد سے تھا اور مکہ کے قریش کی اکثریت کعب بن لوی کی اولاد تھی۔ اس نے یہ کہہ کر عبداللہ بن الاریقط کو واپس لوٹا دیا کہ ''بنی عامر کی حمایت بنی کعب پر نافذ نہیں ہوتی''۔

اب آپؐ نے عبداللہ بن الاریقط کو مطعم بن عدی کے پاس بھیجا۔ یہ شخص ہاشم کے بھائی نوفل کی اولاد میں سے تھا۔

''محمد نے پوچھا ہے کہ کیا تم انہیں پناہ دینے کو تیار ہو تاکہ وہ اپنے رب کا پیغام پہنچا سکیں''۔ عبداللہ نے اس سے مل کر پوچھا۔

''ہاں، انہیں کہو وہ مکہ میں آ جائیں''۔ مطعم نے عرب روایت کے مطابق رضامندی ظاہر کر دی۔

اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ بعد مکہ میں داخل ہوئے۔ آپؐ نے رات مطعم ہی کے ہاں بسر کی۔ صبح ہوئی تو مطعم اور اس کے چھ سات بیٹے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر آپؐ کو حرم میں لے گئے تاکہ آپؐ طواف کر لیں۔ طواف کے دوران میں وہ سب آپؐ کی حفاظت کے لیے کھڑے رہے۔ ابو سفیان یا ابو جہل میں سے کسی نے یہ منظر دیکھا تو پوچھا:

''تم نے پناہ دی ہے یا ان کی پیروی اختیار کر لی ہے''؟

''نہیں، میں نے پناہ دی ہے''۔ مطعم نے جواب دیا۔

''تمہاری پناہ کو نہیں توڑا جا سکتا۔ جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے پناہ دی''۔ قریشی سردار نے مکہ میں مطعم کی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے کہا۔

مطعم کے اس احسان کو نبی رحمت ﷺ نے کبھی نہیں بھلایا۔ غزوۂ بدر کے موقع پر قریش قیدی بن کر آئے تو آپؐ کو مطعم کی یاد آ گئی اور آپؐ نے فرمایا:

اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور مجھ سے ان لوگوں کی سفارش کرتا تو میں اس کی خاطر انہیں چھوڑ دیتا۔

طائف میں رسولِ رحمتؐ پر جو کچھ گزری، الفاظ اس کو بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ زندگی کے اس تلخ ترین تجربے کو آپؐ نے بھی غالباً کبھی فراموش نہیں کیا۔ ایک بار حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا:

یا رسول اللہ! کیا آپ پر احد کے دن سے بھی سخت دن گزرا ہے؟

آپؐ نے جواب دیا:

اے عائشہ! تیری قوم کی طرف سے اور جو تکلیفیں پہنچیں سو پہنچیں مگر سب سے زیادہ سخت دن وہ تھا جب میں نے طائف میں عبدیا لیل بن عبد کلال کے بیٹے کے سامنے دعوت رکھی اور اس نے ردّ کر دیا اور اس درجہ صدمہ ہوا کہ قرن الثعالب کے مقام تک جا کر بمشکل طبیعت سنبھلی............۔

''طائف کا تجربہ ایسا تھا کہ جس سے گزرتے ہوئے محسن انسانیتؐ نے درد و کرب کے اس آخری نقطہ کو چھو لیا جس تک پہنچنے کے بعد مشیتِ ربانی کامیابی کے دروازے کھول دیتی ہے۔ قانونِ الٰہی کے مطابق ناگزیر تھا کہ اب نئے دور کے دروازے کھل جائیں اور طلوعِ سحر کی بشارت دی جائے''۔ (محسن انسانیت از نعیم صدیقی) یہی بشارت دینے کے لیے آپؐ کو معراج سے سرفراز فرمایا گیا۔

ماہنامہ دعوۃ.......... اسلام آباد جلد: ۱۶ شمارہ: ۷۔۱۰

حضرت محمد ﷺ اور خدمتِ خلق

مولانا امیر الدین مہر

خدمتِ خلق کے جامع تصور اور وسیع دائرے کو سامنے رکھ کر نبی ﷺ کی ذاتِ اقدس اور خدمتِ خلق کے کاموں کا مطالعہ کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپؐ نے انسانوں اور دوسری مخلوقات کی جس قدر خدمت اور ان کی بھلائی کے لیے جتنی محنت و مشقت اور ہم دردی و غم خواری کی، دنیا کے کسی بھی مصلح، مربی اور خیر خواہ و بہی خواہ نے نہ کی ہوگی۔ انسانوں کی بھلائی کی جتنی بھی باتیں اور ان کی بہتری و خیر خواہی کے جتنے بھی کام ہیں وہ سب آپؐ نے ان کے سامنے رکھے، ذہن نشین کرائے اور خود ان پر عمل کر کے دکھایا۔ پھر ان کے نقصانات کی جتنی باتیں اور جتنے برے اخلاق و کردار ہیں، ان سے انہیں خبردار کیا اور ان کے نقصانات اور برے انجام سے بچانے کی پوری پوری کوشش کی۔ آپؐ اگر خدمتِ خلق کے رواجی اور چھوٹے موٹے دوسرے کام نہ بھی کرتے تو آپؐ کا یہ کارنامہ ایسا عظیم ہے کہ ان تمام کاموں پر بھاری ہوتا۔

رسول اللہ ﷺ کے اس کام کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ

(ابراھیم ۱۴)

اے نبیؐ! یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو ان کے رب کی توفیق سے، تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاؤ، اس اللہ کے راستے پر جو زبردست اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے۔

الظلمات (اندھیروں اور تاریکیوں) سے مراد انسانی زندگی سے تعلق رکھنے والی کئی قسم کی تاریکیاں ہیں جیسے کفر و شرک، جہالت و نادانی، بدعات و خرافات، معاشرتی رسوم و رواجات، معاشی ظلم و زیادتیاں، اخلاقی برائیاں خرابیاں، غلط اوہام و تصورات، طبقاتی نظام کے نقصانات اور جاہلیت کی باتیں

وغیرہ۔ ان سب سے نجات کا یہ کارنامہ آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور قرآن جیسی عظیم کتاب کے ذریعے سے انجام دیا۔

انسان شرک و توہمات کی وجہ سے در در کی ٹھوکریں کھاتا پھرتا تھا، ہر چیز سے ڈرتا تھا، ہر حجر و شجر کے سامنے سجدہ ریز ہوتا تھا، اپنی مرادیں مانگتا تھا اور چڑھاوے چڑھاتا اور قربانیاں کرتا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اسے ان تمام موہمات و مذعومات سے نکال کر ایک اللہ وحدہٗ لاشریک کے سامنے جھکایا اور ان سب باطل معبودوں سے نجات دلائی۔ پھر اسے نیکی و بدی، حرام و حلال اور جائز و ناجائز کا شعور دیا۔

آپؐ نے انسان کی جان، مال، عزت و آبرو کو تحفظ عطا کیا اور امن و سکون سے رہنا سکھایا اور تمام انسانوں کو تعلیم دے کر اخوت و بھائی چارے کا معاشرہ بنا کر دیا۔

آپؐ نے حقوق و فرائض کا جامع اور کامل ترین نظام عطا کیا، ہر شخص کے فرائض و حقوق کی ذمہ داریاں متعین کیں، ان کی حدیں واضح کیں اور ان کا عملی نمونہ اپنی حیاتِ طیبہ اور اپنے ساتھیوں (اصحاب کرام) کی زندگیوں میں برپا کیا۔

آج امتِ مسلمہ میں خدمتِ خلق، رفاہِ عامہ اور حقوقِ انسانی کا جتنا کام ہو رہا ہے یہ سارا کام آپؐ کی جامع تعلیمات کا پرتو ہے۔آپؐ کے ان تمام کاموں کو دنیا اجزا کی شکل میں اپنے طور پر انجام دے رہی ہے۔ کوئی لوگوں کو شرک و توہمات سے نجات دلا رہا ہے،کوئی فرسودہ رسوم و رواجات سے ان کی گلوخلاصی کرا رہا ہے، کوئی پیاسوں کو پانی پلا رہا ہے، کوئی بھوکوں کو کھانا کھلا رہا ہے، کوئی قیدیوں کو قید سے نجات دلا رہا ہے، کوئی بیماروں کی خدمت کر رہا ہے اور کوئی معذوروں اور بے سہارا لوگوں کا سہارا بن رہا ہے۔ ان تمام کاموں کو آپؐ نے اپنے قول و فعل اور عمل و ادا سے سرانجام دیا۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری | آنچہ ہمہ خوباں دارند تو تنہا داری

آپؐ نے خدمتِ خلق اور رفاہِ عامہ کے کام کو صرف وعظ و تبلیغ اور ترغیب و تحریص تک محدود نہیں رکھا اور نہ چند انفرادی کارنامے سرانجام دینے تک معین رہنے دیا بلکہ اس مقصد کے لیے ایک اسلامی و فلاحی ریاست قائم کرکے دکھائی، ایسی ریاست جس میں تمام ایسی انسانی ضروریات کا بندوبست تھا جن سے انسان امن و آشتی اور آزادی و حریت سے اپنی حاجات حاصل کرنے کے لیے دوڑ دھوپ کر سکے اور اپنی جان، عزت و آبرو اور اپنے مال و اسباب کا حکومت کی طرف سے تحفظ پائے۔

وسائل کے لحاظ سے آج کی ترقی یافتہ دنیا میں فلاحی ریاست کا جو اعلیٰ سے اعلیٰ تصور موجود ہے وہ میرے آقاؐ نے آج سے چودہ سو سال پہلے اس دور کے بگڑے ہوئے معاشرے میں اسلامی ریاست کی صورت میں قائم کرکے دکھایا۔ مزید برآں اس کام کو خلفائے راشدین نے چار چاند لگائے جو تاریخِ عالم کا ایک سنہری باب ہے۔

یہ چند اصولی امور تھے جو آپؐ نے فلاحی و رفاہی کاموں کے لیے انجام دیے۔ اب مختصراً بطور تمثیل ان چند انفرادی کاموں کا، جو آپؐ نے وقتاً فوقتاً قبلِ نبوت اور بعد نبوت، مکی اور مدنی دور میں انجام دیے، تذکرہ کیا جاتا ہے۔

نبی ﷺ کے قبلِ نبوت کے رفاہی کام

حضور اکرم ﷺ کے جدِ امجد سیدنا ابرہیم علیہ السلام اور آپ کے قریبی آباؤ اجداد مہمان نوازی اور خدمتِ خلق کے حوالے سے اپنے کارناموں کے باعث بھی مشہور ہیں۔ اپنے آباؤ اجداد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے نبی ﷺ نے قبلِ نبوت ہی خدمتِ خلق اور رفاہِ عامہ کے کاموں میں حصہ لینا شروع کردیا تھا۔

۱: بکریاں چَرانا

خدمت کے لحاظ سے آپؐ نے اپنے بچپن میں عملی زندگی کا آغاز بکریاں چَرا کر کیا۔ چھوٹی عمر میں اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ قبیلہ بنی سعد کی بکریاں چَرائیں، پھر لڑکپن میں اپنے چچا ابوطالب کی خدمت کرنے اور ان کا ہاتھ بٹانے کی غرض سے یہی کام انجام دیا۔

۲: تجارت کرنا

رسول اللہ ﷺ کے خاندان کا بڑا ذریعۂ معاش تجارت تھا۔ لڑکپن کی حدود سے باہر نکلنے کے بعد آپؐ نے بھی اسی آبائی پیشے کو اختیار کیا۔ چناں چہ آپؐ نے شمال کی طرف متعدد تجارتی اسفار کیے۔ ان تجارتی سرگرمیوں میں آپ کی کاروباری امانت و دیانت نمایاں ہو کر لوگوں کے سامنے آئی۔ اس سے پہلے آپ کی عفت و پاک دامنی، نیکی و نیک نامی، شرافت و نجابت، شرم و حیا، طہارت و پاکیزگی، اخلاق و کردار اور حق جوئی و حق گوئی کی صفات سے ہر کوئی واقف تھا لہذا آپؐ صادق اور امین کے لقب سے مشہور ہوگئے اور آپ نے اپنے کردار سے یہ بات ثابت کی کہ رزقِ حلال کیسے کمایا جاتا ہے۔

۳: کعبۃ اللہ کی تعمیر میں حصہ

کعبۃ اللہ کی دیواریں گردشِ زمانہ، سیلاب اور بارشوں سے زبوں ہو گئیں تو قریش نے اسے دوبارہ تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ تعمیر کے لیے پتھر حرم کی شمالی جانب جبلِ کعبہ سے ڈھو کر لائے جاتے تھے۔ پتھر ڈھونے والے دوسرے لوگوں کے ساتھ نبی ﷺ بھی پتھر کندھے پر اٹھا کر لاتے تھے۔ اس طرح آپؐ نے تعمیرِ کعبہ میں حصہ لیا۔ (بخاری و مسلم)

۴: حجرِ اسود نصب کرنے کا فیصلہ

کعبہ کی تعمیرِ نو میں سب قبائل شامل تھے مگر جب حجرِ اسود نصب کرنے کا وقت آیا تو ان میں سخت اختلاف ہو گیا کیوں کہ ہر قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ یہ کام اس کے ہاتھوں انجام پائے۔ چار دن تک برابر یہ جھگڑا چلتا رہا اور قریب تھا کہ تلواریں کھنچ جائیں اور خوں ریزی شروع ہو جائے۔ آخر ابوامیہ بن مغیرہ نے جو قریش میں سب سے عمر رسیدہ تھا، یہ رائے دی کہ کسی کو حکم بنا کر اس کے فیصلے پر عمل کریں۔ چناں چہ اس رائے کو مانا گیا اور طے ہوا کہ اب جو شخص بھی حرم میں سب سے پہلے داخل ہوگا وہی سب کا حکم سمجھا جائے گا۔

یہ بات طے ہوئی ہی تھی کہ حضور ﷺ تشریف لے آئے۔ آپؐ کو دیکھنا تھا کہ ھذا الامین رضیناہ ''امین آ گیا، ہم اس کے فیصلے پر رضامند ہیں'' کا نعرہ بلند ہوا۔

آپؐ نے اپنی دانائی اور معاملہ فہمی سے ایسی تدبیر کی کہ سب خوش ہو گئے۔ آپؐ نے ایک چادر بچھائی اور اس پر حجرِ اسود اپنے ہاتھ سے رکھ دیا، پھر تمام قبائل کے سرداروں کو کہا کہ چادر کو پکڑ کر اٹھائیں۔ اس طرح پتھر اس سطح تک بلند ہو گیا جہاں اسے نصب کرنا تھا۔ پھر آپؐ نے اسے اٹھا کر اس کی مقررہ جگہ پر لگا دیا۔

حضورؐ نے اس مختصر اور بہترین تدبیر سے ایک خون خوار جنگ کا انسداد کر دیا ورنہ اس وقت کے اہلِ عرب میں ریوڑوں کے پانی پلانے، گھوڑوں کے دوڑانے، اشعار کہنے اور ایک قوم کو دوسری قوم سے اچھا بتانے جیسی معمولی باتوں پر ایسی خون ریز جنگیں ہوتی تھیں کہ برس ہا برس ختم ہونے میں نہ آتی تھیں۔

۵: حلف الفضول میں شرکت

نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک بیس سال کے لگ بھگ ہوگی جب ایک اہم معاہدے کی تجدید ہوئی۔ اس معاہدے کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ملک عرب کی عام بدامنی، راستوں کے خطرناک ہونے،

مسافروں کے لٹنے اور غریبوں پر زبردستوں کے ظلم نے چند باشعور اور دردمند لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ اس کا تدارک کریں چناں چہ ایسا جذبہ رکھنے والے کچھ لوگ جن میں سے چند کا نام فضل تھا، جمع ہوئے اور انہوں نے ایک معاہدہ مرتب کیا جو ان کے ناموں کی وجہ سے حلف الفضول کے نام سے مشہور ہوا۔

حرب فجار کے نتیجے میں جو واقعہ فیل کے بعد دوسرا بڑا سانحہ تھا اور جس میں بہت خون ریزی ہوئی، حجاز میں بڑی بدامنی ہوگئی تھی۔ چناں چہ زبیر بن عبد المطلب کی تحریک پر یا بقول سلیمان منصور پوری نبی ﷺ کی تحریک پر بنو ہاشم اور بنو تمیم' عبداللہ بن جدعان کے گھر جمع ہوئے اور حلف الفضول کی تجدید کی۔اس معاہدے میں چار اہم شقیں شامل تھیں۔ ا:ہم ملک سے بدامنی دور کریں گے ۲:مسافروں کی حفاظت کیا کریں گے ۳:غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے ۴: ہم زبردست کو زیر دست پر ظلم کرنے سے روکیں گے۔

رسول اللہ ﷺ اس معاہدے میں شریک تھے جس کے نتیجے میں کئی مظلوم افراد کی مدد کی گئی۔ آپؐ اس معاہدے کا ذکر کر کے فرماتے تھے کہ اس معاہدے کے مقابلے میں مجھے سرخ اونٹ بھی دیے جاتے تو ہرگز پسند نہ کرتا، اور اگر زمانۂ اسلام میں بھی اس قسم کے معاہدے کی طرف بلایا جائے تو اس میں شرکت قبول کروں گا۔

آپؐ کے قبلِ نبوت کارناموں پر جامع تبصرہ

نبوت سے قبل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ خلق کے کارنامے تفصیل سے تو نہیں ملتے البتہ ایک روایت جسے امام بخاریؒ مسلم اور بعض دیگر محدثین نے حضرت خدیجہؓ کی زبانی بیان کیا ہے، آپ کی حیاتِ مبارکہ کے اس پہلو سے پردہ اٹھاتی ہے:

''ہرگز نہیں (یعنی ایسا ہرگز نہیں ہوگا کہ آپؐ کو کوئی جانی نقصان پہنچے)، آپ اطمینان رکھیں۔ اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی گزند نہیں پہنچنے دے گا۔ آپ تو صلۂ رحمی (رشتہ داروں کے مالی و اخلاقی حقوق ادا) کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، بے سہارا لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، ناداروں کو کما کر دیتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی راہ میں آنے والی تکلیفیں برداشت کرتے ہیں''۔

حضرت خدیجہ الکبریٰؓ جیسی زیرک، دانا، جہاں دیدہ اور تجربہ کار خاتون کی ان باتوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپؐ اس دور میں خدمتِ خلق کا عظیم کام کس وسعت سے سرانجام دیتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے مقاصد: دنیا کے بہترین مصلحین کے جو کارنامے گنائے جاتے ہیں ان میں سرفہرست انسانوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنا، انہیں بری اور خراب عادات و اطوار سے نکالنا اور اخلاقِ حسنہ کا پیکر اور اچھا شہری بنانا شامل ہے۔قرآن مجید نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے جو چار اہم مقاصد بیان کیے ہیں، ان میں یہ کارنامے شامل ہیں:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (الجمعہ ۶۲:۲)

وہی ہے جس نے امیوں کے اندر ایک رسول خود انہی میں سے اٹھایا جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے،ان کی زندگی سنوارتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے حالاں کہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

اس آیت میں چار مقاصد نمایاں طور پر بیان کیے گئے ہیں: تلاوتِ آیات، تعلیمِ کتاب، تعلیمِ حکمت اور تزکیہ (سنوارنا)۔ ان مقاصد کا تفصیلی بیان اور شرح تفسیروں میں مذکور ہے۔البتہ تزکیہ کے ضمن میں یہ بات یاد رہے کہ اس کے لفظی معنی کسی چیز کو خرابی، گندگی اور نقص سے صاف کرنا، پھر اس میں خوبیاں اور اچھائیاں بھرنا ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے اس کا مفہوم ہے اخلاق و عادات، معاشرت، معیشت، رسوم و رواجات اور تمدن و سیاست کی جو خرابیاں ہوں انہیں انسانوں میں سے نکالنا، انہیں پاک کرنا، پھر ان میں اچھائیاں اورخوبیاں بھرنا اور انہیں سنوارنا، جلا دینا، پروان چڑھانا اور ان کی تکمیل کرنا۔

یہ وہ عظیم مقاصد اور مشن ہے جو آپؐ دنیا کے لیے لے کر آئے، پھر ان کی تکمیل کے لیے آپؐ نے دن رات ایک کردیا اور آخرکار کامیاب و کامران ہوئے، ہزاروں لاکھوں لوگوں کی زندگیاں آپؐ نے خود سنواریں اور ان کو کامل ترین انسان، معاشرے کا بہترین فرد اور دوسرے انسانوں کا رہنما اور رہبر بنا دیا۔ بعد میں اس کام کو آپؐ کے پیروکاروں اور عقیدت مندوں نے آگے بڑھایا۔ اس طرح ان چاروں مقاصد کی دنیا میں تکمیل ہوئی، ہو رہی ہے اور قیامت تک ہوتی رہے گی۔

خدمتِ خلق کے اس مقصدِ عظیم کو حاصل کرنے کے دوران میں آپ نے اور بے شمار میدانوں میں اور ان گنت طریقوں سے جو مختلف رفاہی کام انجام دیے، اب ان کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے:

۱: نبی ﷺ کی مخلوق سے خیر خواہی و محبت

آپؐ تمام انسانوں کے خیر خواہ و بہی خواہ تھے، ان کی بھلائی و بہتری کے لیے فکر کرنے، ان پر رحم کھانے اور شفقت کرنے والے تھے۔ ہر وہ کام اور بات جو انسانوں کی دنیا و آخرت کے لیے نقصان دہ اور ضرر رساں تھی، اس سے آپؐ کو سخت تکلیف پہنچتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کیفیت کو اس طرح بیان کیا ہے:

لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (التوبہ ۹:۱۲۸)

دیکھو تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق گزرتا ہے۔ تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور رحیم ہے۔

نبی اکرم ﷺ کو ہر وقت لوگوں کا خیال رہتا تھا اور ان کی دینی، دنیوی اور اخروی فلاح کے باب میں فکر مند اور ان کی خرابیوں پر کڑھتے رہتے تھے اور ان سے آپ کو شدید تکلیف پہنچتی تھی۔ آپؐ نے اپنی تعلیم و تربیت، اپنے اسوۂ حسنہ، اپنے ارشادات و فرمودات اور اپنے اوامر و نواہی سے کوشش کی کہ آپؐ کی امت تمام اخلاقی خرابیوں اور عیوب سے پاک اور اخلاقی خوبیوں سے مزین ہو۔

۲: بے غرض خدمت

رسول اکرم ﷺ نے امت کی اور عام انسانوں کی جو خدمت کی، اصلاح و تبلیغ کا جو کام کیا، جس طرح ان کی تعلیم و تربیت اور ان کی روحانی و اخلاقی تربیت کی، اس میں آپؐ کی کوئی دنیاوی غرض یا لالچ شامل تھا، نہ آپؐ نے کسی سے کبھی کوئی معاوضہ طلب کیا، نہ کوئی احسان جتلایا اور نہ کسی کو ذہنی تکلیف دی بلکہ یہ تمام کام محض اللہ کی رضا جوئی اور اپنے فرض کی ادائیگی کے لیے کیا۔ ارشاد ربانی ہے:

وَمَا تَسْئَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ (یوسف ۱۲:۱۰۴)

حالاں کہ تم اس خدمت پر ان سے کوئی اجر بھی نہیں مانگتے ہو، یہ تو نصیحت ہے جو دنیا والوں کے لیے عام ہے۔

یہی وہ اہم فرق ہے جس کے باعث آخرت سے کٹ کر اور اس کا تصور و عقیدہ دل سے نکال کر جو رفاہی کام کیے جاتے ہیں اس میں نہ تو خیر و برکت اور پذیرائی ہوتی ہے اور نہ اس کام کا

آخرت میں کوئی ثمرہ ہی سامنے آئے گا، بس چند دن کی واہ واہ ہوتی ہے مگر اس کام کو دوام و تسلسل نصیب نہیں ہوتا۔ اسلام کا اصول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نیک عمل اس وقت قبول ہوگا جب اس کے ساتھ ایمان و ایقان کی دولت اور بے غرضی اور اخلاص شامل ہو۔

۳:رحمتِ عالم

رسول اکرم ﷺ پوری دنیا کی تمام مخلوقات کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں اور رحمت کا یہ فیضان ہر دور اور ہر زمان و مکان کے لیے عام ہے۔آپ ؐ کی رحمت سے بالواسطہ اور بلاواسطہ ہر ذی نفس کو کسی نہ کسی طرح حصہ ملا ہے۔

آپ ؐ تمام مظلوم و مقہور انسانوں، غلاموں، مزدوروں، عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور کمزوروں کے لیے رحمت بن کر آئے اور انہیں ظلم و زیادتی، مصیبت و نکبت سے نجات دلائی، ان کو معاشرتی، معاشی، سماجی و سیاسی حقوق دلوائے۔ دنیا سے ہر قسم کی عصبیت و قومیت ختم کر کے اسلام میں داخل ہونے والوں کو ایک امت اور بھائی بھائی بنایا، عورتوں کو ہر قسم کے حقوق دلائے اور عام انسانوں کو رسموں، رواجوں اور غلط طور طریقوں کے گڑھوں سے نکال کر ہر قسم کے استحصال سے چاہے مالی ہو یا اخلاقی، معاشرتی ہو یا سیاسی، نجات دلائی۔ اب اگر کوئی خود ہی اس رحمت سے منہ موڑے تو یہ اس کی بدقسمتی ہے، آپ ؐ کی رحمت تو عام ہے اور عام رہے گی۔

۴:مظلوم کی دادرسی کرنا

نبی ﷺ دعوتِ دین کے کام کے ساتھ مظلوموں کی دادرسی کا فریضہ بھی سرانجام دیتے رہے۔ اس سلسلے کے دو واقعات پیش کیے جاتے ہیں:

ابنِ اسحاق کا بیان ہے کہ ایک دفعہ اراش قبیلے کا ایک شخص کچھ اونٹ لے کر مکہ آیا۔ ابوجہل نے اس کے اونٹ خرید لیے اور قیمت طلب کرنے پر ٹال مٹول کرنے لگا۔ اراشی نے تنگ آ کر حرمِ کعبہ میں قریش کے سرداروں کو جا پکڑا اور مجمعِ عام میں فریاد شروع کر دی۔ اس وقت حرم کے ایک گوشے میں نبی ﷺ بھی تشریف فرما تھے۔ قریشی سرداروں نے اس شخص سے کہا کہ ہم تو کچھ نہیں کر سکتے، وہ صاحب جو اُس کونے میں بیٹھے ہیں ان سے جا کر کہو، وہ تم کو تمہارا حق دلا دیں گے۔ چناں چہ اراشی نبی ﷺ کی طرف چلا اور قریش کے سرداروں نے کہا: ”آج لطف آئے گا“۔ اراشی نے جا کر آپ ؐ سے اپنی شکایت بیان کی۔ آپ ؐ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور اسے ساتھ لے کر ابوجہل کے مکان کی طرف روانہ ہوگئے۔ سرداروں نے ایک آدمی پیچھے لگا دیا کہ جو کچھ گزرے، اس کی خبر

لاکر دے۔ نبی ﷺ سیدھے ابوجہل کے دروازے پر پہنچے اور کنڈی کھٹکھٹائی۔ اس نے پوچھا کون؟ آپ نے جواب دیا: ''محمدؐ''۔ وہ حیران ہوکر باہر نکل آیا۔ آپؐ نے اس سے کہا:''اس شخص کا حق ادا کرو''۔ وہ کوئی چون و چرا کیے بغیر سیدھا اندر گیا اور اس کے اونٹوں کی قیمت لاکر اس کے ہاتھ میں دے دی۔ قریش کا مخبر یہ حال دیکھ کر حرم کی طرف دوڑا اور سرداروں کو سارا ماجرا سنایا۔ وہ کہنے لگا : ''واللہ آج وہ عجیب معاملہ دیکھا ہے جو کبھی نہیں دیکھا تھا۔عمرو بن حکم (ابوجہل) جب نکلا تو محمد(ﷺ)کو دیکھتے ہی اس کا رنگ فق ہوگیا اور جب محمدؐ نے اس سے کہا کہ اس کا حق ادا کرو تو یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اس کے جسم میں جان ہی نہیں ہے''۔(ابن ہشام۔ جلد ۲ ص ۳۰، ۲۹)

ایک اور واقعہ قاضی ابوالحسن الماوردی نے اپنی کتاب اعلام النبوۃ میں بیان کیا ہے کہ ابوجہل ایک یتیم کا وصی (نگران) تھا۔ وہ بچہ ایک دن اس کے پاس اس حالت میں آیا کہ اس کے بدن پر کپڑے تک نہیں تھے اور اس نے التجا کی کہ اس کے باپ کے چھوڑے ہوئے مال میں سے اسے کچھ دے دے مگر اس ظالم نے اس کی طرف توجہ تک نہیں کی اور وہ کھڑے کھڑے آخرکار مایوس ہوکر پلٹ گیا۔ قریش کے سرداروں نے از راہِ شرارت اس سے کہا کہ محمد(ﷺ) کے پاس جاکر شکایت کرو، وہ ابوجہل سے سفارش کرکے تجھے تیرا مال دلا دیں گے۔ بچہ ان کی اس شرارت کو نہ سمجھتے ہوئے سیدھا حضورؐ کے پاس جا پہنچا اور آپؐ سے اپنا حال بیان کیا۔ آپؐ اسی وقت کھڑے ہوئے اور اسے ساتھ لے کر اپنے بدترین دشمن ابوجہل کے پاس تشریف لے گئے۔ آپؐ کو دیکھ کر اس نے آپؐ کا استقبال کیا اور جب آپؐ نے فرمایا کہ اس بچے کا حق اسے دو تو وہ فوراً مان گیا اور اس کا مال لاکر دے دیا۔ قریش کے سردار تاک میں لگے ہوئے تھے کہ دیکھیں کیا معاملہ پیش آتا ہے۔ وہ کسی مزیدار جھڑپ کی امید کر رہے تھے مگر جب انہوں نے یہ معاملہ دیکھا تو حیران ہو کر ابوجہل کے پاس آئے اور اسے طعنہ دیا کہ تم بھی اپنا دین چھوڑ گئے۔ اس نے کہا''اللہ کی قسم میں نے اپنا دین نہیں چھوڑا مگر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ محمدؐ کے دائیں بائیں ایک ایک حربہ (نیزہ) ہے جو میرے اندر گھس جائے گا، اگر میں نے ذرا بھی ان کی مرضی کے خلاف حرکت کی''۔ (سیرت سرور عالم ج دوم ص ۵۰۸)

۵:مسجدِ قبا کی تعمیر میں ہاتھ بٹانا

نبی ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ کی نواحی بستی قبا پہنچے تو چند روز یہاں قیام کیا، پہلا جمعہ قائم کیا اور ایک مسجد کی بنیاد رکھی جسے مسجد قبا یا مسجد تقویٰ کہا جاتا ہے۔ نبی ﷺ نے اس کی تعمیر میں بنفس نفیس حصہ لیا۔ سب سے پہلے خود آپؐ نے اپنے دستِ مبارک سے ایک پتھر لاکر قبلہ

رخ رکھا۔ آپؐ کے بعد ابوبکرؓ نے اور ان کے بعد عمرؓ نے ایک ایک پتھر رکھا، اس کے بعد دیگر حضرات صحابہؓ نے پتھر لاکر رکھنے شروع کیے اور تعمیر کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ صحابہ کرام کے ساتھ آپؐ بھی بھاری پتھر اٹھا کر لاتے اور بسا اوقات پتھر تھامنے کی غرض سے شکم مبارک سے لگالیتے۔ صحابہ کرام عرض کرتے: ''یا رسول اللہ آپ رہنے دیں، ہم اٹھالیں گے'' مگر آپ قبول نہ فرماتے۔ (سیرۃ المصطفیٰ، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مکتبہ عثمانیہ لاہور)

۶: مسجدِ نبوی کی تعمیر

حضور ﷺ قبا کی بستی سے مدینہ منورہ شہر میں تشریف لائے اور آپؐ کی اونٹنی اللہ کے حکم سے موجودہ مسجدِ نبوی کی جگہ بیٹھ گئی۔ اس جگہ کھجوروں کا کھلیان اور مشرکین کی چند قبریں تھیں۔ یہ پلاٹ سہلؓ اور سہیلؓ نامی دو یتیم لڑکوں کا تھا۔ یہ لڑکے حضرت اسعد بن زراہ ﷺ کی کفالت میں تھے۔

نبی اکرم ﷺ نے انہیں بلا کر یہ زمین فروخت کرنے کے بارے میں پوچھا۔ ان لڑکوں نے عرض کیا کہ ہم اس کی قیمت اللہ تعالیٰ سے لیں گے اور آپ کی خدمت میں بطور ہبہ، بلاقیمت پیش کرتے ہیں۔ لیکن آپؐ نے مفت لینے سے انکار کیا اور اس کی قیمت کی ادائیگی کے بعد مسجد کی تعمیر شروع کرائی۔ یہ قیمت حضرت ابوبکر ﷺ نے ادا کی۔

مسجد بنانے میں حضور ﷺ بذات خود صحابہ کرامؓ کے ساتھ شریک رہے۔ آپؐ اینٹیں اٹھا کر لے جاتے ہوئے یہ شعر پڑھتے جاتے

اللھم لا خیر الا خیر الآخرۃ   فاغفر الانصار والمھاجرۃ

ھذا الحمال لا حمال خیبر   ھذا ابر ربنا و اطھر

''یا اللہ آخرت کی خیر کے سوا کوئی خیر نہیں پس انصار اور مہاجرین کو بخش، یہ بوجھ اٹھانا (آخرت کے لیے ہے)، یہ خیبر کا بوجھ اٹھانا نہیں ہے، اے ہمارے رب یہ بوجھ اٹھانا بہت بڑی نیکی کا کام ہے اور بہت پاکیزہ عمل ہے''۔

آپؐ کا عظیم مرتبہ اور مقام دیکھیے کہ سرورِ دو جہان ہیں مگر تمام ساتھیوں کے ساتھ اینٹیں اٹھارہے ہیں، تعمیر کے کام میں ہاتھ بٹا رہے ہیں اور اصحاب کو آخرت کا دائمی اجر و ثواب یاد دلا رہے ہیں۔

۷: صفہ اور اصحابِ صفہ کی خدمت

مسجدِ نبوی کی بنیاد رکھنے کے ساتھ ہی صفہ کی ابتدا ہوگئی۔ صفہ چبوترے کو کہتے ہیں جو شمالی

جانب میں مسجدِ نبوی سے متصل تھا۔ نئے مہاجرین اور طالب علم جو دین کی تعلیم حاصل کرنا چاہتے تھے یا جہاد کے منتظر مجاہدین یہاں مقیم ہوتے تھے۔ یہ لوگ نہایت غریب، اور بے گھر تھے۔ ان کی تعداد بڑھتی اور کم ہوتی رہتی تھی۔ یہ لوگ آپؐ کی صحبت میں بیٹھ کر دین کی تعلیم و تربیت لیتے اور اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور بیچتے، یا کوئی دوسری مزدوری ملتی تو وہ کر لیتے۔ بعض اوقات مزدوری نہ ملنے اور کھانے کا بندوبست نہ ہونے کی وجہ سے بھوکے رہتے تھے۔ کوئی صاحبِ خیر کھانا کھلا دیتا تو کھا لیتے ورنہ پانی پر گزارہ کرتے تھے۔

ان لوگوں کی پرورش اور ضروریات بقدرِ استطاعت نبی ﷺ کرتے تھے۔ کبھی ان کو دودھ پیش کرتے، کبھی کھانا دیتے۔ کھانے کی برکت کے سلسلے میں آپؐ کے بعض معجزات سیرت کی کتابوں میں بیان ہوئے ہیں ان میں سے کچھ کا تعلق اصحابِ صفہ ہی سے ہے۔ مختصراً یہ کہ آپ کی خدمتِ خلق اور شفقت علی الخلق کی ایک اہم مثال اصحابِ صفہ کی خدمت و پرورش ہے۔

یہ صفہ و اصحابِ صفہ کا طریقہ اور سنت ہے جو دینی مدرسوں اور یتیم خانوں کی شکل میں آج تک موجود ہے اور تا قیامت موجود رہے گی۔

۸: نبی ﷺ اور وقف

عرب میں اللہ کی راہ میں وقف کرنے کا طریقہ رائج نہیں تھا اور نہ عرب اس سے واقف ہی تھے۔ ملکیت وقف کرنے کی ابتدا سب سے پہلے آپؐ نے کی اور وہ زمین جس پر بعد میں مسجد نبوی بنی، آپؐ نے مسجد کے لیے وقف کی۔

مدینہ منورہ میں پینے کے پانی کی قلت تھی۔ جو چند کنویں تھے ان میں سے اکثر کے مالک یہودی تھے۔ ان میں سے قریبی کنواں (بیر) رومہ تھا۔ یہ کنواں حضرت عثمان غنیؓ نے آپؐ کے اشارے پر چار ہزار دینار میں خریدا اور آپؐ ہی کے ارشاد پر حسبۃ للہ وقف کردیا۔

نبی ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہی میں ایک وقت آیا جب مسجد نبوی لوگوں کے لیے تنگ پڑ گئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کا کوئی بندہ ہے جو فلاں گھرانے کی زمین کا قطعہ خرید کر مسجد میں شامل کر دے تو اس کے عوض اللہ تعالیٰ جنت میں اس سے بہتر اس کو عطا فرمائے گا۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے اسے اپنی ذاتی رقم سے خرید کر مسجد میں شامل کردیا۔ یہ تیسرا وقف ہے جو آپؐ کی ترغیب سے کیا گیا۔

اسی طرح آپؐ نے بعض صحابہ سے بعض باغات وقفِ شخصی اور وقفِ اجتماعی (وقفِ خیری) کرائے۔ یہ سلسلہ آگے چل کر مسلم امۃ میں بہت بڑے خیر اور رفاہی کاموں کی بنیاد بنا۔ اس سلسلے کی

کچھ مزید تفصیل مسلمانوں کے رفاہی کاموں کے ذیل میں اوقاف میں بیان کی جائے گی۔

۹: حضرت سلمان فارسیؓ کے لیے باغ لگانا

حضرت سلمان فارسی ﷜ نے نبی ﷺ کے فرمان پر اپنے یہودی آقا سے اپنی آزادی کے لیے مکاتبت (آزادی کا تحریری معاہدہ) کا معاملہ کیا۔ اس میں دو بڑی شرطیں تھیں، ایک تین سو کھجوروں کے درخت لگانا اور دوسری چالیس اوقیہ سونا دینا۔

رسول اللہ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ اپنے بھائی کے لیے کھجوروں کے درخت لگانے میں مدد کرو۔ چناں چہ ہر ایک نے اپنی بساط کے مطابق ان کی مدد کی۔ کسی نے دس، کسی نے پندرہ، کسی نے بیس اور کسی نے تیس پودے مہیا کیے۔

حضرت سلمان ﷜ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے مجھے حکم فرمایا کہ تم درختوں کے لیے گڑھے کھود لو لیکن پودے لگانے سے پہلے مجھے اطلاع کرنا، یہ پودے میں اپنے ہاتھ سے لگاؤں گا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں گڑھے کھودنے میں لگ گیا اور دوسرے اصحابؓ نے بھی اس کام میں میرا ہاتھ بٹایا۔ آخر ہم نے تین سو گڑھے کھود لیے۔ جن اصحاب کرام نے کھجوروں کے پودے دینے کے لیے کہا تھا وہ انہیں لے آئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ خود باغ میں تشریف لائے اور اپنے ہاتھ سے پودے لگائے۔ وہ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ان پودوں میں سے ایک پودا بھی نہیں مرا۔ اس طرح یہودی کی ایک شرط پوری ہوگئی۔ پھر دوسری شرط یعنی چالیس اوقیہ سونا فراہم کرنا بھی آپؐ کے توسط ہی سے پوری ہوئی۔ اس طرح حضرت سلمان ﷜ یہودی کی غلامی کے طوق سے آزاد ہو کر ایک آزاد شہری کی حیثیت سے مسلم معاشرے میں شامل ہوگئے۔

۱۰: غزوۂ خندق

نبی ﷺ اور اصحاب کرام مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے یثرب آئے تو یہاں بھی کفار نے چین سے بیٹھنے نہیں دیا اور دعوت و تبلیغ کا کام کرنے اور اسلام کو عملاً نافذ کرنے میں رکاوٹیں ڈالیں۔ اسی بنیاد پر غزوۂ بدر اور غزوۂ احد اور دیگر درجنوں غزوات و سرایا برپا ہوئے۔

شوال ۵ ہجری میں کفار و مشرکین کی دس ہزار کے قریب تعداد نے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کی۔ چوں کہ یہ لوگ مختلف قبیلوں، خطوں اور گروہوں سے تعلق رکھتے تھے اس لیے انہیں احزاب (واحد حزب۔ یعنی کئی گروہ) کہا گیا۔ نبی ﷺ نے مہاجرین اور انصار سے مدینے کے دفاع کے سلسلے میں مشورہ کیا تو حضرت سلمان فارسی ﷜ نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! اہلِ فارس کا یہ

طریقہ ہے کہ جب دشمن کے گھیراؤ میں آنے کا اندیشہ ہو تو ایک خندق کھود لیتے ہیں تاکہ دشمن اسے پار کرکے آ نہ سکے"۔ خندق کا کلمہ فارسی زبان کے لفظ کندہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں کھودنا جو عربی میں آ کر خندق ہوگیا۔ آپؐ کو یہ مشورہ پسند آیا اور خندق کھودنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں کے پاس نوکر چاکر اور غلام تو تھے نہیں جن سے کام لیتے، لہٰذا سب مہاجرین اور انصار خندق کھودنے کے کام میں مشغول ہوگئے۔ سرور عالم ﷺ بھی بنفس نفیس کھودنے میں شریک ہوئے۔ یہ سردی کا زمانہ تھا اور کھانے پینے کا کوئی خاص انتظام نہ تھا۔ تھوڑے سے جو چربی میں پکا کر سامنے رکھ دیے جاتے سو وہی کھالیتے تھے جن کو حلق سے اتارنا بھی نہایت مشکل کام تھا۔

خندق کھودتے وقت ایک جگہ ایسے پتھر آگئے جہاں کھدائی ممکن نہ تھی۔ حضورؐ سے عرض کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا میں اندر اترتا ہوں۔ چناں چہ آپؐ نے اتر کر کدال چلائی تو وہ ریت کا ڈھیر بن گئے۔ اس وقت آپؐ کے شکم مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا اور آپؐ سمیت تمام افراد نے کچھ بھی نہ کھایا تھا۔(صحیح بخاری) بعض روایات میں آیا ہے کہ آپؐ نے تین مرتبہ ان پتھروں کو توڑنے کے لیے کدال چلائی اور ہر مرتبہ ان سے چنگاریاں اڑیں اورآپؐ نے تینوں مرتبہ تین علاقوں یعنی شام، فارس اور یمن کے فتح ہونے اور امت کے قبضے میں آنے کی پیش گوئی کی جو آگے چل کر پوری ہوئی۔ (فتح الباری)

۱۱:لشکرِ اسلام کا پیٹ بھرنا

غزوۂ خندق ہی کے موقع پر جب لوگوں کو کھانا کھائے تین دن گزر چکے تھے، حضرت جابر بن عبداللہؓ نے اہلیہ سے جو کا آٹا گوندھنے کو کہا اور خود بکری کا ایک بچہ ذبح کرکے پکنے کے لیے رکھ دیا اور واپس آ کر حضورؐ اور آپؐ کے چند ساتھیوں کو کھانے کی دعوت دی۔ نبی ﷺ نے تمام مسلمانوں کو دعوت دی کہ جابر کے گھر چلو۔ آپؐ نے حضرت جابرؓ کو یہ نصیحت کرکے پہلے واپس بھیج دیا کہ جب تک میں نہ آؤں ہنڈیا کوچولہے سے نہ اتارا جائے اور نہ روٹی پکانی شروع کی جائے۔ حضرت جابرؓ اور ان کی اہلیہ گھبرا گئے کہ اتنا تھوڑا سا کھانا کیسے پورا ہوگا۔ نبی ﷺ نے آ کر ہنڈیا اور آٹے کے لیے برکت کی دعا کی۔ اس کے بعد خواتین نے روٹی پکانی شروع کر دی اور نبیؐ روٹی توڑ توڑ کر اور اس پر گوشت رکھ کر اپنے ساتھیوں کو دیتے گئے یہاں تک کہ سب نے سیر ہوکر کھا لیا اور کھانا پہلے کی طرح موجود رہا۔ یوں نبی اکرمؐ نے اللہ کی مدد سے پورے اسلامی لشکر اور حضرت جابرؓ کے تمام پڑوسیوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔

۱۲: بھوکے کو کھانا کھلانے کا بندو بست

مدینہ منورہ میں سرورِ عالم ﷺ کی خدمت میں بھوک سے بے حال ایک شخص آیا اور کھانا طلب کیا۔ آپ اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہوئے اور اپنے گھر تشریف لے گئے مگر گھر والوں نے بتایا کہ اس وقت سوائے پانی کے کھانے کی کوئی چیز میسر نہیں۔ آپؐ واپس تشریف لائے اور صحابہؓ سے فرمایا کہ جو بندہ اس شخص کو اپنا مہمان بنائے گا، اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا۔ اس پر ابوطلحہؓ نے عرض کیا کہ میں انہیں اپنا مہمان بناتا ہوں۔ پھر وہ اسے اپنے گھر لے گئے۔ وہاں صرف بچوں کے لیے کھانا موجود تھا۔ ابوطلحہؓ کی تجویز پر بچوں کو بہلا کر سلا دیا گیا اور کھانا لگانے کے بعد چراغ گل کردیا گیا۔ مہمان یہی سمجھتا رہا کہ میزبان بھی اس کے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں۔ یوں ابوطلحہؓ اور ان کے پورے گھر والوں نے بھوک میں رات گزاری لیکن بھوکے اور ضرورت مند کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔

صبح کے وقت ابوطلحہؓ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمہارے اس حسنِ سلوک سے بہت خوش ہوئے''۔ (صحیح مسلم۔ کتاب الاشرب و باب اکرام الضیف)

۱۳: مُضر کے حاجت مندوں کی خدمت

حضرت جریرؓ نے روایت کی کہ ایک دن صبح کے وقت ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ مضر قبیلے کے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہ لوگ ننگے پیر، ننگے بدن اور پھٹی پرانی کمبلیاں یا عبائیں (چادریں) پہنے ہوئے تھے۔ ان کی بھوک اور افلاس کی یہ حالت دیکھ کر آپؐ کا چہرۂ مبارک دکھ سے متغیر ہوگیا۔ آپؐ اپنے گھر گئے، پھر جلد ہی واپس باہر تشریف لائے اور لوگوں کو جمع کرکے ان کی مدد پر اکسایا۔ دیکھتے ہی دیکھتے نقد رقم کے ساتھ ساتھ کھانے کی اشیا اور کپڑوں کے ڈھیر لگ گئے۔ اس موقع پر آپؐ نے فرمایا: ''جس شخص نے کوئی اچھا طریقہ نکالا تو اس کے لیے اس کا اجر ہے اور ان لوگوں کے لیے بھی اجر ہے جو اس کے بعد اس پر عمل کریں گے اور ان عمل کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ اور جس شخص نے کوئی بُرا طریقہ رائج کیا تو اس پر اس کا گناہ ہو گا اور ان لوگوں کا بھی گناہ ہو گا جو اس کے بعد اس پر عمل کریں گے اور ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی کمی نہیں کی جائے گی''۔ (مسلم۔ کتاب الزکوٰۃ)

۱۴: اپنی ضرورت پر دوسروں کو ترجیح دینا

نبی ﷺ اپنی ضرورت و حاجت پر دوسروں کی ضروریات کو ہمیشہ ترجیح دیتے تھے۔ بعض اوقات

آپ زیادہ ضرورت مند ہوتے پھر بھی دوسرے کے سوال کو پورا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک صحابیہ نے اپنے ہاتھ سے چادر بن کر آپؐ کی خدمت میں پیش کی۔ آپؐ نے اس کا یہ تحفہ قبول کرلیا۔ روایت میں ہے کہ آپؐ نے یہ چادر اوڑھ لی تھی کہ ایک غریب صحابی نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! یہ چادر مجھے عنایت کردیں"۔آپؐ نے اسی وقت اتار کر اس کے حوالے کردی۔ وہاں موجود صحابہ کرام نے اسے ملامت کرتے ہوئے کہا کہ "تمہیں خبر تھی کہ رسول اللہ کو اس کی ضرورت ہے اور آپؐ کسی کا سوال رد نہیں کرتے، پھر تم نے چادر کیوں مانگی"؟ اس نے کہا کہ "مجھے اس کی خبر تھی، لیکن میں نے یہ چادر برکت کے لیے لی ہے تاکہ یہ میرا کفن بنے"۔ راوی نے کہا کہ جب یہ شخص فوت ہوا تو یہ چادر اس کے کفن میں شامل تھی۔ (صحیح بخاری، باب حسن الخلق و السخاء)

۱۵:ضرورت مند کی بات سننا اور مدد کرنا

نبی ﷺ ہر حاجت مند اور ضرورت مند کی بات سنتے اور اس کی ضرورت پوری فرماتے تھے۔اگر خود اس حالت میں نہ ہوتے تو کسی اور کی طرف رہنمائی کر دیتے۔

حضرت انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی ﷺ کے پاس آئی اور اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے الگ ملنے کی درخواست کی۔ آپؐ نے فرمایا کہ مدینے کے جس راستے پر چاہو جاکر بیٹھ جاؤ، میں آ کر تسلی سے تمہاری بات سنوں گا۔

روایت میں آیا ہے کہ اس عورت کی ذہنی حالت درست نہیں تھی، پھر بھی آپؐ نے اس کی دل شکنی نہیں کی اور اسے ملاقات اور گفتگو کا وقت اس کی سہولت کے مطابق دیا۔

اس حدیث کی روشنی میں ہمارے رہنما اور تمام شعبوں کے ذمہ داران اپنے طرزِ عمل کا جائزہ لیں تاکہ حضورؐ کے اس اسوۂ حسنہ پر عمل ہوسکے اور لوگوں کی ضرورتیں پوری ہوں۔

۱۶:گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹانا

نبی ﷺ اپنے گھر والوں کو آرام دینے کے لیے گھر کے چھوٹے بڑے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتے، ان کی مدد کرتے اور کام خود انجام دے لیتے تھے۔ ان کاموں کے کرنے میں آپؐ کچھ گرانی یا کسی قسم کا عار محسوس نہیں کرتے تھے۔

گھر کے چھوٹے موٹے کام کرنے کا مقصد اپنے گھر والوں کا کام کاج میں ہاتھ بٹانا، ان کی دل جوئی اور مدد کرنا، اور امت کے لیے ایک اسوۂ حسنہ قائم کرنا تھا۔

۱۷:اجتماعی کاموں میں ہاتھ بٹانا

اجتماعی کاموں میں بھی آپؐ حصہ لیتے اور لوگوں کی مدد کرتے تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ اپنے آپ کو بالا سمجھ کر بیٹھ جائیں اور دوسروں کے ساتھ شریک نہ ہوں۔

ایک مرتبہ کسی سفر میں چند صحابہ نے ایک بکری ذبح کرنے کا ارادہ کیا اور اس کام کو باہم تقسیم کر لیا۔ایک نے اپنے ذمہ اس کا ذبح کرنا لیا، دوسرے نے اس کی کھال اتارنا اورکسی نے اس کا پکانا اپنے ذمہ لیا۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ پکانے کے لیے لکڑی اکٹھا کرنا میرے ذمہ ہے۔صحابہ نے عرض کیا کہ حضور ! یہ کام ہم خود کرلیں گے۔ آپؐ نے فرمایا :میں بھی سمجھتا ہوں کہ تم لوگ بخوشی کر لو گے لیکن یہ بات مجھے پسند نہیں کہ مجمع میں ممتاز بنوں اور اللہ جل جلالہ بھی اس کو پسند نہیں فرماتے۔ (خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی۔ شیخ الحدیث محمد زکریا مہاجر مدنی۔ مکتبہ الشیخ کراچی)

اس سلسلے کی کچھ اور مثالیں مسجد قبا اور مسجد نبوی کی تعمیر اور خندق کھودنے کے بیان میں ذکر کی جا چکی ہیں۔

۱۸:مریضوں کی عیادت اورخدمت

نبی اکرم ﷺ نے مریضوں کی عیادت کرنے، ان کی غذا و علاج کی ضروریات پوری کرنے اور دیکھ بھال کرنے کو ان کا حق، اجر و ثواب کا باعث اور اخلاقیات کا جز قرار دیا ۔ اس بارے میں متعدد احادیث آئی ہیں۔ آپؐ نے اپنے قول کے ساتھ عملی طور پر ان کی خدمت کی اور علاج معالجے کا بندوبست کیا۔ آپؐ نے مشرکوں، یہودیوں اور منافقوں کی بھی عیادت کی اور اسی لیے علما نے غیر مسلموں کی عیادت کو جائز و مستحب قرار دیا ہے۔

حضرت سعد بن معاذ ﷺ جب غزوۂ احد میں زخمی ہوئے تو آپؐ نے ان کا خیمہ مسجد میں نصب کرایا تاکہ بار بار ان کی عیادت اور دیکھ بھال کی جاسکے۔ رُفیدہؓ نامی ایک صحابیہ جو ثواب کی خاطر زخمیوں کا علاج اور ان کی خدمت کیا کرتی تھیں، ان کا خیمہ بھی مسجد میں رہتا تھا۔ (سنن ابی داؤد۔ کتاب الجنائز)

۱۹:معاشرتی باتوں کا لحاظ

معاشرے میں رہتے ہوئے ہر انسان اور ہر خاندان پر اچھے اور برے دن آتے رہتے ہیں۔ منگنی، شادی بیاہ، بچے کی پیدائش، موت و فوت، مالی نقصانات، لڑائی جھگڑے وغیرہ، ایسی معاشرتی تقریبات اور موقعوں پر آپؐ بنفس نفیس شرکت فرماتے۔ خوشی کے موقع پر مبارک دیتے اورغم کے موقع

پر غم میں شریک ہوتے اور دکھ درد بانٹتے اور غم ہلکا کرتے۔ اس سلسلے کی درجنوں روایات اور واقعات سیرت کی کتب میں موجود ہیں۔

۲۰: نبی ﷺ اور مہمانوں کی خدمت

رسول اللہ ﷺ نے مہمان نوازی، اس کی فضیلت، اہمیت اور اس کا اجر و ثواب، بڑی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ آپؐ نے ذاتی طور پر مہمانوں کی خاطر تواضع اور ان کی خدمت کی اور ان کے کھانے، پینے اور رہنے کا بندوبست فرمایا۔ مہمان کی عزت و تکریم کے لیے جب آپ مہمان کو اپنے دستر خوان پر کھانا کھلاتے تو بار بار فرماتے اور کھایئے اور کھایئے، اور جب تک مہمان خوب آسودہ نہ ہوجاتا اور مزید کھانے سے انکار نہ کردیتا، آپ اصرار جاری رکھتے۔ ہر مذہب، ہر علاقے اور حیثیت کے لوگ آ کر مہمان بنتے۔ آپؐ اور آپؐ کے ساتھی مہمان کی خدمت کرتے، اس کے ٹھہرنے کا بندوبست اور کھانے کا انتظام کرتے اور اسے خوش رکھتے۔ یہ رواداری اور خدمت اس دور میں تھی جب دنیا مختلف عصبیتوں، نفرتوں، تفرقوں اور قومیتوں میں منقسم تھی۔ ایک مرتبہ نجران کے نصاریٰ کا بڑا وفد آپؐ کی خدمت میں آیا۔ آپؐ نے انہیں مسجد میں ٹھہرایا۔ جب مغرب کا وقت ہوا تو انہوں نے اپنی عبادت کرنے کی ضرورت بیان کی۔ آپؐ نے ان کے لیے یہ بندوبست کیا کہ مسجد کی ایک جانب وہ عبادت کریں اور دوسری طرف مسلمان نمازِ مغرب ادا کریں۔ کیا آج کی دنیا میں رواداری کی ایسی مثال پیش کی جاسکتی ہے؟

۲۱: نبی ﷺ کا عمومی جود و سخا

نبی ﷺ مجسم جود و سخا تھے۔ آپؐ عام طور پر کسی سائل کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتے تھے اور اگر گھر میں کوئی چیز دینے کے لیے نہیں ہوتی تھی تو دوسروں سے لے کر دیتے تھے۔ اگر سائل کو جواب دینا ہی پڑتا تو نہایت نرمی اور شفقت کے ساتھ جواب دیتے۔ اس سلسلے میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے ایک طویل روایت ہے جس کا ایک حصہ پیش کیا جاتا ہے:

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (حضرت علیؓ) سے حضور ﷺ کی مجلس کے حالات دریافت کیے تو انہوں نے فرمایا کہ آپؐ کی نشست و برخاست سب اللہ کے ذکر کے ساتھ ہوتی تھی۔ آپؐ جب کسی جگہ تشریف لے جاتے تو جہاں جگہ ملتی وہیں بیٹھ جاتے اور اسی بات کا لوگوں کو بھی حکم دیتے (کہ جہاں خالی جگہ مل جائے، بیٹھ جایا کریں اور لوگوں کے سروں کو پھلانگ کر آگے نہ بڑھا کریں) آپؐ حاضرینِ مجلس میں سے ہر ایک کا حق ادا فرماتے اور آپؐ کے پاس بیٹھنے والا ہر شخص

یہ سمجھتا تھا کہ حضورؐ سب سے زیادہ میرا اکرام فرما رہے ہیں۔ جو آپؐ کے پاس بیٹھتا یا کسی معاملے میں آپؐ کی طرف رجوع کرتا تو حضورؐ اس کی طرف متوجہ رہتے یہاں تک کہ وہ خود اٹھنے کی ابتدا نہ کر دے۔ آپؐ سے جو کوئی چیز مانگتا، آپ اس کو دیتے یا (اگر نہ ہوتی تو) نرمی سے جواب دیتے۔

(شمائل ترمذی. باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ ﷺ)

آپؐ کا یہ عمومی طریقہ رہا ہے کہ اپنی ضرورت پر دوسروں کی ضرورت کو ترجیح دیتے اور ایثار کرتے ہوئے ان کی ضرورت پوری کرتے۔

۲۲: قیدیوں سے حسنِ سلوک

نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں خطۂ عرب اور خاص طور پر حجاز میں قید خانہ کا رواج نہیں تھا اور نہ ایسے حالات تھے کہ کسی کو طویل عرصہ قید کیا جاتا تاہم جو لوگ وقتی طور پر گرفتار ہو کر آتے انہیں روک رکھنے کے لیے عارضی طور پر یا تو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا جاتا یا مختلف صحابہ کرام کے حوالہ کر دیا جاتا جو ان کی نگرانی اور دیکھ بھال کے ساتھ ان کے خورد و نوش اور دیگر ضروریات کا بندوبست کرتے۔ جاہلی نظام میں جنگی قیدی فاتح کے رحم و کرم پر ہوتے تھے۔ان پر ظلم توڑے جاتے، ان سے بدسلوکی کی جاتی اور ان کو غلام بنا لیا جاتا اور ان کے کھانے کے لیے ان سے بھیک منگوائی جاتی تھی۔ آج کے 'مہذب' دور میں بھی جنگی قیدیوں کے ساتھ جو وحشیانہ سلوک روا رکھا جاتا ہے وہ سب پر عیاں ہے۔

نبی ﷺ نے جنگی قیدیوں کو نیا مرتبہ دیا۔ چناں چہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں جو تاریخِ مدینہ میں پہلی مرتبہ زیادہ تعداد میں آئے تھے، ہدایت کی گئی کہ قیدیوں کو نہایت آرام سے رکھا جائے۔ بعض صحابہ نے اس کی تعمیل میں خود کھجوریں کھا کر اپنے قیدیوں کو پیٹ بھر کر اچھا کھانا کھلایا۔ ایک بدری قیدی ابو عزیز (مصعب بن عمیرؓ کے بھائی) کا بیان ہے کہ" جن انصاریوں کے ہاں مجھے رکھا گیا تھا وہ خود کھجوروں پر گزارہ کرتے اور مجھے اچھا کھانا لا کر دیتے۔اس سلوک کی وجہ سے میں سخت شرمسار ہوتا"۔ جن اسیروں کے پاس لباس کم تھا،ان کو کپڑے دیے گئے۔ حضرت عباس کے بدن پر لمبے قد کی وجہ سے کوئی کرتہ پورا نہ اترتا تھا لہٰذا ان کے لیے عبداللہ بن ابی نے کرتہ بھجوایا۔ اسی احسان کا بدلہ دینے کے لیے حضورؐ نے اس کے کفن کے لیے اپنا کرتہ عطا کیا۔ ان قیدیوں میں سہیل بن عمرو بھی تھے جو اپنا پورا زورِ فصاحت حضورؐ کے خلاف تقریر کرنے میں صرف کیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے مشورہ دیا کہ ان کے سامنے کے دانت اکھاڑ دیے جائیں تا کہ جوشِ خطابت نہ دکھا

سکیں۔ کوئی اور ہوتا تو ایک بے بس قیدی کے ساتھ ایسا سلوک کرنے میں تامل نہ کرتا لیکن رحمتِ عالمؐ نے فرمایا کہ ”اگر میں اس کے کسی حصۂ بدن کو بگاڑ دوں (مثلہ کروں) تو میرے نبی ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ سزا کے طور پر میرے اس حصے کو بگاڑ دے گا“۔

ثمامہ بن آثال نامی نجد کے سردار کو گرفتار کرکے مدینہ منورہ لایا گیا تو آپؐ نے انہیں مسجد کے ایک ستون سے بندھوا دیا۔ وہ تین دن تک اس سے بندھے رہے۔آپ بذات خود ان کی دیکھ بھال کرتے، خیریت پوچھتے اور گفتگو فرماتے۔ وہ کہتے کہ اگر آپ مجھے آزاد کردیں گے تو مجھ پر احسان کریں گے اور اگر قتل کریں گے تو ایک مجرم کو قتل کریں گے۔ آخر تیسرے روز آپؐ نے انہیں آزاد کرنے کا حکم دیا۔وہ آزاد ہوتے ہی مدینہ کے قریب ایک نخلستان پر گئے اور نہا دھو کر، پاک صاف ہو کر آپؐ کی خدمت میں واپس آئے اور کلمہ پڑھ کر حلقۂ اسلام میں داخل ہوگئے۔

اسیرانِ جنگ کے ساتھ حسنِ سلوک اور مساوات کے سلسلے میں وہ واقعہ بھی قابلِ ذکر ہے جب اسیرانِ بدر گرفتار کرکے لائے گئے تو ان کے ہاتھ ان کی پیٹھ پر سخت کس کر بندھے ہوئے تھے جس کی وجہ سے ان کو تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ پہلی رات انہیں مسجد نبوی کے صحن میں یا اس کے قریب رکھا گیا۔ حضرت عباس تکلیف کی وجہ سے کراہ رہے تھے۔ جب ان کی آواز آپؐ کے کانوں میں پڑی تو کراہنے کی وجہ دریافت کی۔ صحابہ نے عرض کیا کہ رسیوں کی سخت بندش کی وجہ سے ایسا ہو رہا ہے۔ اس پر آپؐ نے حکم دیا کہ عباس کے ساتھ تمام دوسرے قیدیوں کی بھی رسیاں ڈھیلی اور نرم کردی جائیں۔ سبحان اللہ و بحمدہ۔ یہ ہے رحمتِ عالمؐ کی قیدیوں پر شفقت اور عنایت۔ پھر مساوات کا درجہ یہ ہے کہ چچا اور تمام دیگر اسیروں کے ساتھ یکساں برتاؤ اور رویہ رکھا جارہا ہے۔

بدر میں کفار جس طرح مسلمانوں کا قلع قمع کرنے کا عزم لے کر آئے تھے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ان عزائم اور اپنے سابقہ جرائم کی وجہ سے وہ قتل کیے جانے کے لائق تھے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی اجازت بھی مل گئی۔(ملاحظہ ہو سورۃ الانفال ۸: ۷۰-۷۱) حضرت عمرؓ نے بھی یہی رائے پیش کی تھی لیکن آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے پر عمل کرتے ہوئے ان قیدیوں سے فدیہ لے کر آزاد کردیا۔ جن کے پاس مالی فدیہ نہیں تھا انہیں مسلمانوں کے دس دس بچوں کو پڑھانے کے عوض رہا کر دیا گیا۔

جن مقامات پر انسان کا دل نرم ہوتا ہے اور اسے غور و فکر کا موقع ملتا ہے، ان میں سے ایک مقام جیل ہے۔ قیدیوں کے ساتھ خلوص سے جو حسنِ سلوک ہوگا وہ ضرور اپنا رنگ لائے گا۔ آج

قیدیوں میں سب سے زیادہ اسلام قبول کرنے والے امریکی جیلوں کے نیگرو یا کالے لوگ ہیں۔ کیا ہم مسلمان، آپؐ کے امتی اور شیدائی، دوسرے ملکوں، مقامات اور جیلوں میں بھی اسی شفقت اور رحمت کے ساتھ دعوت و تبلیغ کا کام کرنے پر غور کریں گے؟

۲۳:اصحاب کی مالی ضرورتوں کا خیال رکھنا

انسان اور مال کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ مال انسان کی بنیادی ضرورت، اس کی بقا کا ذریعہ اور اس کی زندگی کی زینت ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا (النساء ۴:۵)

اور اپنے وہ مال جنہیں اللہ نے تمہارے لیے قیامِ زندگی کا ذریعہ بنایا ہے، نادان لوگوں کے حوالے نہ کرو۔

مال مسلمانوں کے دین کی ڈھال ہے اور اس کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ بعض اوقات فقر و فاقہ مسلمان کے لیے دین کے زوال کا سبب بن جاتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

کادالفقران یکون کفراً

تنگ دستی و فاقہ انسان کو کفر میں پہنچا دیتا ہے۔

اسی وجہ سے نبی ﷺ اپنے اصحاب کرام کی مالی ضروریات کا خیال رکھا کرتے تھے۔آپؐ نے ان کی مالی ضرورتوں کو پورا کرنے کا بندوبست کیا اور انہیں روزگار کے مواقع مہیا کیے۔ اس قسم کی درجنوں روایات آئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے آپؐ کے پاس بہت سے سائل، حاجت مند اور مالی پریشانیوں میں مبتلا مسلمان آئے اور آپؐ نے مختلف طریقوں اور ذریعوں سے ان کی ضروریات کا بندوبست کیا۔ آپؐ فرمایا کرتے:

انما انا قاسم وخازن واللہ یعطی (بخاری)

میں تو صرف بانٹنے والا اور خازن(سنبھالنے والا) ہوں، دینے والا تو اللہ ہے۔

ہجرتِ مدینہ کے سلسلے میں آپؐ نے ہزاروں مہاجرین کی ضروریاتِ زندگی کا بندوبست مواخات کے ذریعے سے جس طرح کیا،وہ تاریخِ اسلام کا روشن باب ہے۔ مدینے جیسی چھوٹی سی بستی میں بے سرو سامان ہزاروں مسلمانوں کا آجانا ایک گھمبیر مسئلہ تھا۔ان کی خوراک، رہائش، روزگار اور تعلیم و تربیت کے کئی پہلو تھے۔ سرور عالم ﷺ نے مؤاخات کی جامع تجویز سے اسے نہایت بہترین انداز سے حل کردیا۔

اپنے اصحابِ کرام کی مالی ضرورتیں نہایت عمدہ طریقے سے پوری کرنے کے سلسلے میں اور بھی

متعدد واقعات کتبِ احادیث میں ملتے ہیں۔

ایک دفعہ ایک شخص خدمتِ اقدس میں آیا اور دیکھا کہ دور تک آپ کی بکریوں کا ریوڑ پھیلا ہوا ہے۔ اس نے آپؐ سے یہ بکریاں دینے کی درخواست کی اور آپؐ نے سب کی سب بکریاں اسے دے دیں۔ اس شخص نے اپنے قبیلے میں جاکر کہا کہ ''لوگو! اسلام قبول کرلو، محمد(ﷺ) ایسے فیاض ہیں کہ مفلس ہوجانے کی پروا نہیں کرتے''۔ (صحیح مسلم ج۲ص ۲۹۰)

لوگوں کو عام حکم تھا کہ جو مسلمان فوت ہو جائے اور اپنے ذمہ قرض چھوڑ جائے تو مجھے اس کی اطلاع دو، میں اس کو ادا کروں گا۔ اور جو ترکہ چھوڑ جائے وہ وارثوں کا حق ہے، مجھے اس سے کچھ مطلب نہیں۔

ایک مرتبہ چند انصار نے آپؐ سے کچھ مانگا۔ آپؐ نے دے دیا۔ پھر مانگا، پھر دیا اور جب تک مال باقی رہا آپؐ دیتے رہے، یہاں تک کہ آپؐ کے پاس کچھ نہیں رہا۔ لیکن وہ باوجود اس کے حاضر ہوئے اور مزید دینے کی درخواست کی تو فرمایا میرے پاس کچھ ہوا تو میں اس کو تم سے بچا کر نہیں رکھوں گا''۔ (صحیح بخاری، کتاب الصدقات)

بعض اوقات ایسا ہوتا کہ ایک شخص سے ایک چیز خریدتے، قیمت چکا دینے کے بعد پھر وہ چیز اس کو بطور عطیہ عنایت فرمادیتے، چناں چہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ سے اونٹ خریدا اور پھر اسی وقت اس کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دے دیا۔ حضرت جابرؓ سے بھی اسی قسم کا ایک واقعہ بخاری میں مذکور ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک غزوہ میں نبی ﷺ کے ساتھ تھا۔ اونٹ کے تھکنے کی وجہ سے پیچھے رہ گیا۔ اس دوران میں آپؐ میرے پاس آئے اور فرمایا: ''کیا بات ہے''؟ میں نے کہا کہ میرا اونٹ تھکنے کی وجہ سے آہستہ ہوگیا اور میں پیچھے رہ گیا۔ چناں چہ آپؐ اپنی نوک دار چھڑی لے کر اپنی سواری سے اترے اور اونٹ کو کچوکا دیا۔ پھر فرمایا: ''سوار ہوجاؤ''۔ میں اس پر سوار ہو گیا تو وہ اتنا تیز چلنے لگا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ سے آگے نکل جانے کے ڈر سے اس کی باگ کھینچنی پڑی۔ آپؐ نے پوچھا: ''کیا تم نے شادی کی ہے''؟ میں نے عرض کیا: ''جی ہاں''۔ فرمایا: ''کنواری سے یا بیوہ سے''؟ میں نے کہا: ''بیوہ سے''۔ فرمایا: ''کنواری سے کیوں نہیں کی؟ تم دونوں کی ایک دوسرے سے ہم آہنگی ہوتی''۔ میں نے عرض کیا کہ میری بہنیں ہیں، میں نے چاہا ایسی عورت سے شادی کروں جو ان کو اکٹھا رکھے، ان کے بال سنوارے اور ان کی دیکھ بھال کرے۔ فرمایا: ''کیا اپنا اونٹ بیچو گے''؟ میں نے کہا جی ہاں۔ آپؐ نے اسے ایک اوقیہ چاندی پر خرید لیا۔ پھر رسول اللہؐ

مجھ سے پہلے مدینہ تشریف لے گئے اور میں صبح کو پہنچا۔ آپؐ نے پوچھا کہ ''اب آئے ہو''؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ فرمایا: ''اپنا اونٹ چھوڑ دو اور مسجد میں جاکر دو رکعت نماز ادا کرو''۔ پھر آپؐ نے بلال کو ایک اوقیہ چاندی تول کر دینے کا حکم دیا۔ انہوں نے ترازو میں جھکتا ہوا وزن کرکے مجھے دیا۔ میں پیٹھ پھیر کر چلا تو آپؐ نے مجھے بلوایا۔ میں نے دل میں سوچا کہ آپ مجھے اونٹ لوٹا دیں گے جب کہ مجھے اس سے زیادہ کوئی چیز ناپسند نہیں تھی۔ آپؐ نے فرمایا: ''اپنا اونٹ لے جاؤ اوراس کی قیمت بھی تمہاری ہے''۔ (بخاری شریف)

اس واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ نبی ﷺ اپنے ساتھیوں کی کس طرح دل جوئی کرتے اور ان کی مالی ضرورتیں پوری فرماتے تھے۔ آپؐ نے جابرؓ کی نئی شادی، بہنوں کی ذمہ داری اور پرورش اور سواری کی خستہ حالت دیکھ کر ان کی مالی ضرورتوں کا اندازہ لگایا اور ایسے طریقے سے اعانت کی کہ ان کی عزتِ نفس کو ٹھیس نہیں لگی۔

یہ تھے وہ چند پہلو جن کے ذریعے سے آپؐ نے خدمتِ خلق کی۔ جیسا کہ آغاز میں بیان کیا گیا تھا کہ نبی ﷺ کے انسانیت پر اس قدر احسانات ہیں جن کا کبھی احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس مضمون میں ہم نے خدمتِ خلق کے سلسلے میں آپ کی زندگی کے چند پہلو مختصراً پیش کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ ہم ان پر غور کریں اور اس ضمن میں ہم سے جو کچھ ممکن ہو، آپؐ کی پیروی میں بجا لائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے۔ امین۔

ماہنامہ دعوۃ.......... اسلام آباد
جلد: ۱۶ شمارہ: ۷۔۱۰

نبی کریم ﷺ بحیثیت امن و اخوت کے علم بردار

سید ذاکر شاہ

خالقِ کائنات نے سیدالمرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو اس قوم کی طرف مبعوث فرمایا اور اس ملک کی اصلاح پر مامور کیا جس کے افراد اپنے اعمال، رسم و رواج اور قبیح افعال کے باعث سرکش، متکبر، امن کش اور شرارت پسند بن چکے تھے۔ اس خطہ کے تمام قبائل قتل و غارت گری، سفاکی اور خوں ریزی کے عادی ہو چکے تھے۔ نہ ختم ہونے والی جنگوں کے سلسلے نے انہیں بری طرح جکڑ رکھا تھا۔ انتقام اور خون بہا کی پیاس لاکھوں اشخاص کے قتل کے بعد بھی بجھ نہیں پاتی تھی۔ غارت گری کے بعد جزیرۃ العرب کے باسیوں کا بڑا ذریعۂ معاش تجارت تھا۔ کتاب الامالی میں ابوعلی قالی نے لکھا ہے کہ "عربوں کو یہ ہرگز پسند نہ تھا کہ وہ غارت گری کے بغیر متصل تین مہینے گزار دیں۔ اگر وہ اس سے دست کش ہو جاتے تو ان کی معیشت ان پر تنگ ہو جاتی تھی"۔ ملک میں اضطراب، شورش اور بدامنی کا یہ عالم تھا کہ بعض طاقت ور، ظالم اور سفاک قبیلوں کے ڈر سے حرام مہینوں کے سوا وادی طیبہ و بطحا کی طرف قدم اٹھانا محال تھا۔ یہ حالات تھے جو اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے کو انتہائی مضطرب اور بے قرار رکھتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے باقاعدہ اعلان سے پہلے بھی یہ کوشش کی کہ عرب کے قبائل کی باہمی رقابتیں، الفت و محبت میں تبدیل ہو جائیں۔ وہ انتقام کے بجائے امن و سلامتی کے پیکر بنیں اور ظلم و تعدی سے ہاتھ روک لیں۔

امن و سلامتی کے قیام کے لیے سید المرسلینؐ کا سب سے قابلِ ستائش اور قابلِ قدر کام اس معاہدے کی تاسیس میں شرکت تھی جسے تاریخ میں حلف الفضول کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ معاہدہ ایسے حالات میں ہوا جب چیرہ دست زیردستوں کو اپنے ظلم و تعدی کا نشانہ بناتے تو ان کی فریاد سننے والا کوئی نہ ہوتا تھا، نہ کوئی آگے بڑھ کر مدد کرتا۔ اس معاہدے نے عرب کی سفاکانہ روش پر خاصے مثبت اثرات مرتب کیے۔ یہی وجہ ہے کہ رحمت للعالمین نے نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد

بھی فرمایا کہ پروردگار نے مجھے سب سے پہلے ظلم و ستم کی چکی میں پسنے والوں کی مدد کے لیے معاہدہ حلف الفضول کے ذریعے سے مستعد فرمایا!

فتح مکہ مکرمہ تک ملک بد امنی کا شکار تھا۔ حضورﷺ تبلیغ کے دوران میں جب لوگوں کو ملک کے امن و امان کی بشارت دیتے ہوئے فرماتے تھے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جب صنعا سے ایک محمل نشین خاتون تنہا سفر اختیار کرے گی اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف لاحق نہ ہو گا تو لوگ حیران و متعجب ہو جاتے تھے۔ اتنے بڑے ملک میں صرف حرم شریف کی سرزمین ہی ایسی دھرتی تھی جہاں لوگوں کو اطمینان و امن میسر تھا۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اہل مکہ پر اپنا سب سے بڑا احسان یہی جتایا:

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِيْ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ

تو انہیں چاہیے کہ وہ اس گھر کے پروردگار کی عبادت و بندگی کریں جس نے ان کو بھوک میں کھانا دیا اور بدامنی کو دور کر کے ان کو امن بخشا۔

اس ملکی شورش اور بدامنی کو ختم کرنے کے لیے ضروری تھا کہ معاشرے کے افراد کا تزکیۂ نفس کیا جائے۔ ان کے قلوب میں انوار کی شمعیں روشن کر کے انہیں ظلمت کے چنگل سے نکالا جائے اور ان کے دلوں میں ایسے اعتقادات راسخ کیے جائیں جو باطل کی نفی کریں۔

رب العزت نے امن و آشتی کی فضا پیدا کرنے کے لیے سب سے پہلے اپنے محبوب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض میں یہ بات شامل فرمائی کہ وہ لوگوں کا تزکیۂ نفس کریں۔ تزکیۂ نفس وہ عمل ہے کہ جب کسی چیز کو ملاوٹ سے پر کر دیا جائے تو اس کی ملاوٹ کھوٹ اور میل کو نکالنے کے لیے کٹھالی میں ڈال دیتے ہیں اور اس قدر آگ دیتے ہیں کہ اس میں سے خالص چیز ایک طرف ہو جاتی ہے اور کھوٹی ایک طرف۔ حضورﷺ نے انہیں لا الہ الا اللہ کی تعلیم دی اور ان کے دلوں میں ذکر اللہ سے ایسی گرمی، ایسی شدت اور ایسی حدت پیدا کی جس سے دلوں کے زنگ دور ہو گئے اور مصفا اور مجلا آئینوں کی طرح صاف و شفاف ہو گئے۔ ان میں حقائق کا اثر اترنے لگا۔ باطل کی حقیقت نظر آنے لگی اور وہ سمجھ گئے کہ اسلام کی روح، عجز و انکساری، نیاز مندی، عبودیت اور بندگی پروردگار ہے۔

امن و آشتی کی فضا کو جب بھی مکدر کیا گیا ذاتی مفاد کے پیش نظر کیا گیا۔ ایک طرف صدیوں پرانی رسوم اور رواجوں نے جن میں شرک سب سے بری رسم تھی، افراد اور معاشرہ کے اطمینانِ قلب کو لوٹ لیا تھا تو دوسری طرف یہود و نصاریٰ کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں نے ہر طرف ایک

طوفانِ شور و شر برپا کر رکھا تھا۔ عرب کے عیسائیوں اور یہودیوں کو کہیں اپنی طاقت پہ گھمنڈ تھا تو کہیں اپنی قلعہ بندیوں پر ناز تھا۔ ان کے ان قبیح افکار اور شنیع افعال نے عرب معاشرے میں بدامنی کا الاؤ پیدا کر رکھا تھا۔ غرض ملک عرب اس قدر متعدد اور مختلف اندرونی اور بیرونی خطرات میں مبتلا تھا کہ اس کی اصلاح و تدبیر کے لیے عام دست و بازو بے کار تھے۔ خداوند قدوس کا غیر مرئی ہاتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عزم و ہمت میں پوشیدہ تھا۔ ہجرت کے بعد آٹھ برس کی متواتر اور پیہم اصلاحات کا یہ نتیجہ نکلا کہ محال نے امکان بلکہ واقعہ کی صورت اختیار کر لی۔

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ عرب کے سیاسی ضعف و کمزوری کا باعث محض خانہ جنگی، خاندانی رقابتیں اور جنگ و جدال تھا اور عربوں کا خاندانوں اور نسلوں میں انقسام تھا۔ ملک کے استحکام اور قومی اجتماع و اتحاد کے لیے کوئی ذریعہ موجود نہ تھا۔ چناں چہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عرب کی شیرازہ بندی کے لیے اسلام کا رشتہ قائم کیا۔

سرکارِ دو عالم ﷺ نے جب قصرِ امن کی اساس و بنیاد رکھی تو کہیں ایسی اینٹیں اور گارا میسر نہیں تھا جو آپس میں پیوست ہو سکتا۔ چناں چہ ان دونوں میں ربط پیدا کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاقِ حسنہ، تقویٰ، تورع، پرہیزگاری، حقوق العباد، حسنِ نیت، بے غرضی، خوف و رجا، حصولِ رضائے الٰہی، عدل و انصاف، عفو و درگزر، توکل، صبر، شکر وغیرہ کا خمیرہ تیار کیا اور فضائلِ اخلاق کے عالی شان محل کی تعمیر کی۔ اس کے ساتھ ہی کوشکِ رذائل جس کی اینٹیں فحاشی و بدکاری، بغاوت، ظلم و ستم، وعدہ خلافی، خیانت، بددیانتی، غداری و دغا بازی، بہتان، بدگمانی، بخل، طمع، حرص، بے ایمانی، بغض و کینہ، فخر و غرور، خود بینی، ریا اور فحش گوئی تھیں، مسمار ہو گیا۔

جب اسلامی معاشرے کے افراد میں اخلاقِ حسنہ اور فضائلِ مکارم کا اثبات ہو گیا اور رذائل استیصال کو پہنچے تو امن و امان کی تاسیس کا کام شروع ہوا۔ حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی کو رب العزت نے اس لیے مبعوث فرمایا تھا کہ آپؐ نہ صرف وعظ و پند بلکہ دست و بازو سے عرب سمیت تمام دنیا میں امن و امان قائم کریں کیوں کہ قتل و ثار اور خون ریزی سے زیادہ رب العزت کی نظر میں اور کوئی چیز ناپسندیدہ نہیں تھی۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا

اسی لیے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا تھا کہ جس شخص نے ایک جان کو بغیر

معاوضہ یا زمین میں فساد کے قتل کر دیا' اس نے تمام عالم کو قتل کر دیا۔

ہادیٔ اسلام ﷺ نے جو قدم اٹھایا اس میں بنی نوع انسان کے لیے خیر' بھلائی اور برکت تھی' حتیٰ کہ جنگیں بھی لڑیں تو امن و امان کی بحالی اور فساد فی الارض کے قلع قمع کی خاطر لڑیں۔ یہ جنگیں اہلِ فساد نے اہلِ اسلام پر ٹھونسی تھیں اس لیے ان کا مقابلہ ضروری اور لازمی تھا۔ تاریخ میں کوئی مثال ایسی نہیں مل سکتی جس میں مسلمانوں نے حضورؐ کی قیادت میں جنگ کے لیے پہل کی ہو۔ چناں چہ سریہ زید بن حارثؓ، سریہ دومتہ الجندل' سریہ خیط' سیف البحر' اور غزوہ غابہ اس لیے ہوئے کہ بنو فراز اور کفار کے دیگر قبائل مسلمانوں کو خواہ مخواہ ستاتے تھے اور انہیں تجارتی سرگرمیوں سے روکتے تھے۔ اس کے علاوہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اگر لشکر بھیجے تو محض اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اور دعوتِ اسلام کے لیے' اور ایسے عساکر کو حملے کی سخت ممانعت فرمائی۔ طبقات ابن سعد میں ہے ''رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجا دعوتِ اسلام کے لیے' نہ کہ لڑنے کے لیے''۔ علامہ طبری اپنی معروف تاریخ طبری جلد سوم میں لکھتے ہیں ''سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطرافِ مکہ میں دعوتِ اسلام کے لیے سریے بھیجے اور ان کو حکمِ قتال نہیں دیا''۔

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر بھی امن و امان کے قیام ہی کی سعی جمیل فرمائی جب پورا مکہ آپؐ اور آپؐ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے انتقام کا ہدف بنا ہوا تھا لیکن شانِ کریمی نے خون آشام تلواروں کو میان میں رکھنے کا حکم دیا اور امن و امان پامال کرنے والوں کو مامون و مصئون فرمایا۔

''جب نخلِ امن بالیدہ ہوا اور کوشکِ امان کی دیواریں مستحکم ہو گئیں تو پیغمبر امن علیہ السلام نے لوگوں میں اخوت کا لازوال رشتہ جوڑا اور ''انما المومنون اخوة اور المسلم اخ المسلم'' فرما کر چہرۂ اخوت کو تابانی اور رخشندگی بخشی''۔

سرورِ کائنات نے جس اخوت کی تاسیس فرمائی اس کے اجزائے ترکیبی اسلامی مساوات' حب دین' فراخ دلی' وسیع النظری' اصلاح و صلح' ہدیہ اکرام و تکریم' ہدیہ سلام' دعوت اور حقوق العباد تھی۔ اخوانِ اسلام قبیلہ' رنگ نسل اور حسب و نسب' کے اختلاف کے باوجود ایک تھے' متفق تھے اور وہ اسلامی اخوت کے دائرے میں اس وقت آئے جب ان کا ایمان ان دیکھے پروردگار پر مستحکم ہوا۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کی اشرف و مکرم مخلوق انبیا علیہم السلام کے فدائی بنے۔ اس کی کتب ہدایت پر ایمان لائے' آخرت کو اپنی منزل جانا' رب ذوالجلال کے عائد کردہ فرائض کو ادا کیا اور حضرت محمد صلی اللہ

علیہ وسلم کو آخری نبی اور سب سے بڑا قائد اور رہنما تسلیم کیا۔

رب العزت نے سورہ الفتح میں ایسے لوگوں کی صفات بیان فرمائی ہیں:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ

محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔

مسلمانوں کے آپس میں رحیم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دشمنانِ دین کے لیے شدید ہیں، اہلِ ایمان کے لیے نہیں۔ اہل ایمان کے ساتھ وہ نرم اور رحیم و شفیق ہیں، ہمدرد و غم گسار ہیں۔ اصول اور مقصد کی پابندی نے ان کے اندر ایک دوسرے کے لیے محبت و ہم رنگی و سازگاری پیدا کر دی ہے۔ قرآن کریم میں سورۃ الحجر کی آیت ۴۷ میں مسلمانوں کی اخوت جو جنت میں ایک دوسرے کے بھائی ہوں گے، اس طرح ظاہر کی گئی ہے:

اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ

وہ آپس میں بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھیں گے۔

جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اخوت بین المسلمین پیدا کی، اس عمل نے خون، قرابت اور نسل کے تار و پود ادھیڑ کر رکھ دیے۔ صرف ایک کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی برقی رو ہر قلب میں سے گزار کر اہلِ اسلام کو ایک تسبیح کے دانے قرار دے دیا۔

خداوند قدوس نے اس اخوت و اجتماع اور اتحاد و اتفاق کو اپنی خاص نعمت سے تعبیر کیا ہے۔

سورہ ال عمران میں ارشاد ربانی ہے:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا

اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے سے عداوت رکھتے تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈالی اور تم اس کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے۔

اخوت کی شمع فروزاںﷺ نے اپنے پروانوں کو نہ صرف بھائی بھائی بنایا بلکہ ان کے باہمی حقوق و فرائض بھی مقرر فرمائے۔ سیدنا ابوہریرہؓ سے مروی حدیث مبارکہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان بھائی پر چھ حقوق مقرر فرمائے۔ آپ نے فرمایا: (۱)جب تو اسے ملے تو اسے سلام کر (۲) اور جب وہ تیری دعوت کرے تو قبول کر (۳)اور جب وہ تجھ سے نصیحت چاہے تو اسے نصیحت کر (یا وہ جب تجھ سے خیر خواہی کا طالب ہو تو اس کی خیرخواہی کر)

(۴) اور جب وہ چھینکے اور الحمد للہ کہے تو اسے یرحمک اللہ کہہ (۵)اور جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کر (۶)اور جب وہ مرجائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جا (مسلم شریف)۔

ہجرتِ مدینہ کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا تو اس مواخاۃ کے نتیجے میں ان کے درمیان ایسی محبت نے جنم لیا جس کی مثال دنیا کے کسی مذہب و کیش میں کم ہی ملتی ہے۔ یہ باہمی محبت و الفت ایک دائمی پیروی کا نمونہ تھی۔

سرکار دو عالم ﷺ کی اعلیٰ ترین بصیرت نے مسلمانوں میں اخوت پیدا کی تو باہمی محبت و الفت یہ رنگ لائی کہ وہ قوت و طاقت کا سرچشمہ بن گئے۔ آج اگر عالمِ اسلام سے تعلق رکھنے والے ممالک کے درمیان اخوت و محبت کا وہی رشتہ قائم ہو جس کا اسلام مطالبہ کرتا ہے تو دشمنانِ اسلام کو کسی ایک مسلمان ملک پر بھی ہاتھ ڈالتے ہوئے ہزار مرتبہ سوچنا پڑے کیوں کہ انہیں معلوم ہو جائے گا کہ زیادتی کرنے کا کیا مطلب ہو گا۔ یہ دشمن کتنا ہی طاقت ور کیوں نہ ہو اور اس کی جنگی قابلیت کتنی ہی اعلیٰ پائے کی کیوں نہ ہو کم و بیش ایک ارب متحد اور باہمی اتفاق و محبت رکھنے والے انسانوں کو مخالف بنا لینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

اخوتِ حقیقی کا اصل مفہوم یہ ہے کہ دل اور روح، عقیدے کی رسی کے ذریعے سے بندھے ہوں۔ عقیدہ سب سے زیادہ پختہ اور قیمتی جوہر سمجھا جائے، بھائی چارہ کو ایمان کی بنیاد تصور کیا جائے اور تفرقے کو کفر کی اساس۔ اولین قوت اتحاد کو سمجھا جائے۔ اتحاد محبت کی اصل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے محبوب ﷺ کے اسوۂ مبارکہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین وصلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔

ماہنامہ دعوۃ.......... اسلام آباد جلد: ۱۶ شمارہ: ۷۔۱۰

رحمۃ للعالمینؐ کی رحمۃ للعالمینی

سید عزیز الرحمٰن

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت و شفقت انسانیت کے لیے خالقِ کائنات کا عطیۂ خاص ہے۔ یہ پہلو اہلِ قلم کا پسندیدہ موضوع رہاہے۔ اس پر بہت کچھ لکھا گیا ہے مگر یہ موضوع اس قدر دل چسپ اور وجد آفریں ہے کہ ہر قلم اس موضوع سے اپنے انتساب کی توفیق کا خواہاں رہتاہے۔ سو سعادتوں کے باغِ ارم تک رسائی کے لیے یہ قلم بھی اپنے رب سے توفیق کا طالب ہے۔

رحمۃ

رحمت کا مادہ ر،ح، م ہے۔ عربی میں اس مادے کا مفہوم نرمی، تلطف، اور مہربانی ہے۔(۱)

رحمت کی اصطلاحی تعریف جرجانی نے یوں کی ہے:

ھی ارادۃ ایصال الخیر (۲)

امامِ ادب جاحظ کہتے ہیں:

الرحمۃ خلق مرکب من الود و الجزع، والرحمۃ لاتکون الا لمن تظھر منہ لراحمہ خلۃ مکروھۃ، فالرحمۃ ھی کبۃ للمرحوم مع جزع من الحال التی من اجلھارحم (۳)

قرآن حکیم میں رحمت کا سب سے زیادہ استعمال اللہ تعالٰی کے لیے ہوا ہے، یہ استعمال بیسیوں صیغوں میں مختلف مفاہیم کے ساتھ جگہ جگہ موجود ہے۔ قرآن حکیم میں ان آیات کی تعداد دو سو سے زائد ہے جن میں مادہ ر،ح، م سے مشتق صیغوں کا استعمال ہوا ہے۔ ان صیغوں میں سب سے زیادہ مشہور صیغے رحمٰن و رحیم ہیں۔ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں۔ رحمٰن رحیم سے بھی زیادہ بلیغ ہے۔ اسی وجہ سے لفظ رحمٰن صرف ذات باری تعالٰی کے ساتھ خاص ہے، اس کا استعمال کسی اور کے لیے نہیں ہوسکتا، جب کہ رحیم کا استعمال دوسروں کے لیے بھی ہوسکتا ہے، خود قرآن کریم میں بھی اس کے استعمال کی مثالیں موجود ہیں۔ خطابی کہتے ہیں کہ جمہور کی رائے یہ ہے کہ رحمٰن رحمۃ سے ماخوذ ہے،

اور اس کے معنی ہیں:

ذو رحمة لا نظیر له فیھا (۴)

ایسی رحمت والی ذات جس کی رحمت کی کوئی نظیر نہ ہو۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اللہ جل شانہٗ کی رحمت بیان کرتے ہوئے ایک اہم نکتے کی وضاحت کی ہے، وہ کہتے ہیں:

الرحمة سبب واصل بین الله عزوجل وبین عباده، کما ارسل الیھم رسله وانزل علیھم کتبه، وبھا ھداھم، وبھا یسکنھم دار ثوابه، وبھا رزقیھم وعافاھم وانعم علیھم، فبینھم وبعینه سبب العبودیه، وبنیه وبینھم سبب الرحمة (۵)

علامہ راغب اصفہانی کہتے ہیں کہ رحمت وہ رقت ہے جو مرحوم کی طرف (یعنی جس پر رحم کیا جائے) احسان کی مقتضی ہو، کبھی اس کا استعمال مجرد رقت کے معنوں میں بھی ہوتا ہے اور کبھی صرف احسان کے معنی میں جو رقت سے خالی ہو، جیسے رحم الله فلانا. جب اس کی نسبت اللہ کی طرف ہو تو اس سے احسان مراد ہوگا اور جب اس کی نسبت بندے کی طرف ہو تو رقت مراد ہوگی۔(۶)

مولانا ابو الکلام آزادؒ رحمت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: عربی میں رحمت عواطف کی ایسی رقت اور نرمی کو کہتے ہیں جس سے کسی دوسری ہستی کے لیے احسان و شفقت ارادتاً جوش میں آجائے۔ پس رحمت میں محبت شفقت، فضل و احسان سب کا مفہوم داخل ہے اور مجرد محبت، لطف اور فضل سے زیادہ وسیع اور حاوی ہے۔ (۷)

اسی طرح جب، رحمت کی نسبت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوگی تو اس کا مفہوم ہو گا کہ کائنات کے ہر طبقے کے غم گسار، سب کے ہم درد، سب کے خیر خواہ، سب پر ترس کھانے اور سب کا بھلا چاہنے والے۔ اس شان کی ہستی صرف ایک ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔

خالقِ کائنات اور رحمتِ عام

رحمت درحقیقت اللہ تعالیٰ کی صفتِ خاص ہے، جو اس کی ذات کا ہر دم حصہ ہے۔ قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (۸)

تمہارے رب نے رحم و کرم کا شیوہ اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی دوسری تمام صفات پر حاوی ہے۔ جس کا ایک مظہر خود یہ کائنات اور اس کا ذرہ ذرہ ہے، اس میں جابجا پھیلے ہوئے انعامات اور حضرت انسان کے لیے مسخر اس کی

مخلوقات ہیں۔ ان مظاہر کی طرف اور ان مظاہر کے اصل سبب رحمت کی جانب قرآن حکیم نے متعدد اسالیب میں انسان کو متوجہ کیا ہے، ایک مقام پر انسانوں کے باہمی روابط کو تسکین کا ذریعہ قرار دیا گیا اور اسے رحمت و مودت کا سبب بتایا گیا، فرمایا:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (۹)

اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے بیویاں پیدا کیں، تاکہ تم ان سے آرام پاؤ اور اس نے تمہارے درمیان محبت و مہربانی پیدا کردی۔ بے شک اس میں غور کرنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کو اپنے غضب سے زیادہ بتا کر انسان کو اس طرف متوجہ کیا ہے کہ گناہوں کی دلدل سے نکل کر رحمتِ رب کی آغوش میں آجانا کوئی مشکل نہیں ہے، ایک روایت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ لما قضی الخلق کتب عندہ فوق عرشہ، ان رحمتی سبقت غضبی (۱۰)

بلاشبہ اللہ نے جب تخلیق کا فیصلہ کیا تو اپنے عرش کے اوپر تحریر کیا کہ بے شک میری رحمت میرے غضب سے سبقت لے جانے والی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مظاہر میں سے اہم ترین مظہر انبیائے کرام کی بعثت ہے۔ اور انبیائے کرام کے آخر میں سلسلۂ نبوت کے اختتام پر نبی آخر الزماں رحمت للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا اور ساتھ ہی یہ اعلان فرما دیا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (۱۱)

محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتم ہیں۔

اس طرح سلسلۂ نبوت کی تکمیل کردی گئی اور انبیائے کرام کی آمد کا سلسلہ ختم ہوگیا، جس کی مہر ذاتِ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ مبارکہ کی شکل میں عالمِ انسانیت پر ثبت کردی گئی۔

رحمت للعالمین ﷺ

آپؐ کی رحمت کو رحمتِ عالم قرار دے کہ قرآن کریم نے آپ کو رحمت للعالمین کا خطاب عطا

فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (۱۲)

ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

آپؐ کی رحمت وشفقت کو ایک مثال قرار دیا گیا اور اس کی جانب یوں متوجہ کیا گیا:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (۱۳)

بے شک تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک ایسا رسول آگیا ہے جس پر تمہاری تکلیف شاق گزرتی ہے، جو تمہاری بھلائی کا بڑا خواہش مند ہے۔ وہ مومنوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔

پھر اس رحمت کو مزید وسعت عطا کرتے ہوئے ایسا اسلوب اختیار کیا گیا کہ کسی متذبذب ذہن میں کوئی ابہام ہی باقی نہ رہے۔فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (۱۴)

اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

پھر اس رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعجاز بھی دیکھیے کہ رحمت للعالمین کے اصحاب ذی احتشام بھی آپ کی رحمتِ عامہ سے یوں متصف ہوئے کہ بارگاہِ ایزدی میں ان کا یہ وصف قابلِ مدح ٹھہرا، اور اس کی شہادت قرآن حکیم کے ابدی صفحات کا حصہ بن گئی، فرمایا:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (۱۵)

محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں رحم دل ہیں۔

خود ذاتِ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اپنی رحمۃ للعالمینی کی مختلف جہتوں کو بیان فرمایا ہے، اور رحمتِ عام کی حقیقت و وسعت کو مختلف اسالیب میں بیان کیا ہے۔اس سلسلے میں چند روایات ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی رحمت، رحمتِ عالم ہے، ایک روایت میں آپؐ نے فرمایا:

حیاتی خیرلکم تحدثون و یحدث لکم ومماتی خیرلکم (۱۶)

میری زندگی بھی تمہارے لیے خیر ہے اور میری وفات بھی تمہارے لیے خیر ہے۔

آپؐ کی رحمت ایک عطیۂ خداوندی ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

یاایھا الناس، انما انا رحمۃ مھداۃ (۱۷)

اے لوگوں میں تو بلاشبہ ہدیہ کی ہوئی رحمت ہوں۔

ایک موقع پر مظالم سے تنگ آکر صحابہ کرام نے آپؐ سے درخواست کی کہ آپ بد دعا کیجیے تو رحمتِ حق نے فرمایا:

انی لم ابعث لعانا،و انما بعثت رحمۃ (۱۸)

میں لعنت کرنے ولا بنا کر نہیں بھیجا گیا، میں تو سراپا رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔

اور ایک روایت میں آپؐ نے رحمت کو عذاب کے متقابل بیان کرتے ہوئے فرمایا:

انما بعثت رحمۃ ولم ابعث عذاباً (۱۹)

بلاشبہ میں تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ مجھے عذاب بنا کر نہیں بھیجا گیا۔

یہی سبب ہے کہ آپؐ نے رحمت کا درس دیا اور رحمت کو عام کرنے کے لیے ہدایات عطا فرمائیں۔ چند ہدایات ملاحظہ کیجیے اور دیکھیے کہ رحمتِ عالم ﷺ نے رحمت کو کس قدر وسعت عطا فرمائی ہے:

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپؐ نے فرمایا:

الراحمون یرحمھم الرحمن، ارحموا اھل الارض یرحمکم من فی السماء (۲۰)

رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرے گا، تم اہلِ زمین پر رحم کرو، تم پر وہ ذات رحم کرے گی جو آسمان میں ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

تنزع الرحمۃ الامن شقی (۲۱)

رحمت سوائے بدبخت کے کسی سے سلب نہیں کی جاتی۔

جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یرحم اللہ من لا یرحم الناس (۲۲)

جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا، اللہ اس پر رحم نہیں کرتا۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لیس منا من لم یرحم صغیرنا ویعرف شرف کبیرنا (۲۳)

وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کا مرتبہ نہیں پہچانتا۔

نبی رحمتﷺ کی رحمۃ للعالمینی کے مظاہر علمی بھی ہیں، عملی بھی۔ پھر عملی طور پر آپؐ کے پیغام کے دو حصے ہیں ایک آپؐ کی تعلیمات ہیں، دوسرے آپؐ کے معمولات ، دونوں پہلوؤں سے آپ کا اسوۂ حسنہ ہمارے لیے بے مثال نمونۂ عمل ہے۔ یہ بات مبالغہ آرائی نہیں محض حقیقت کی محدود ترجمانی ہے کہ یہ بابِ فضیلت محض رحمتِ عالم ﷺ کے لیے ہی وا ہوا ہے کہ آپؐ کی تعلیمات اور آپؐ کے اپنے عمل اور کردار میں کوئی تفریق و دوئی نہیں ہے ورنہ تاریخ میں اس امر پر اتفاق نظر آتا ہے کہ بڑے مفکرین نے کبھی اپنی فکر کو اپنے عمل میں سمو کر نہیں دکھایا ،کبھی کوئی عملی تصویر پیش نہیں کی اور ان کی شخصیت میں نمونہ ٔعمل تلاش کرنے والوں کو کبھی کام یابی نہیں مل سکی۔

اس کے ساتھ ساتھ ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے روزمرہ زندگی کے ان پہلوؤں کی جانب بھی توجہ دلائی ہے، جنہیں معمولی سمجھ کر عام طور پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

ذیل میں چند مثالیں اس حوالے سے بھی پیش کی جاتی ہیں:

آپؐ نے ہمیشہ اتحاد و اتفاق کی تلقین فرمائی اور حکم دیا کہ ''جماعت'' اختیار کرو اور افتراق و انتشار سے اجتناب کرو''۔ آپؐ نے ''جماعت'' کو رحمت قرار دیا، فرمایا:

الجماعة رحمة والفرقة عذاب (۲۴)

جماعت رحمت ہے اور تفریق عذاب۔

نماز کی کس قدر تاکید ہے، اور یہ عظیم عبادت کس قدر اہتمام سے ادا کرنے کا حکم ہے، اس سے سب واقف ہیں، مگر آپؐ نے نماز جماعت سے ادا کرنے کی صورت میں امام کو نماز زیادہ طویل نہ کرنے کا حکم دیا، فرمایا:

اذا صلی احدکم للناس فلیخفف، فان فی الناس الضعیف والسقیم وذالحاجة (۲۵)

جب تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو نماز میں تخفیف کیا کرے، کیوں کہ نمازیوں میں کچھ کم زور، بیمار اور ضرورت مند لوگ بھی ہوں گے۔

ایک اور روایت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انی لاقوم فی الصلاة ارید ان اطول فیها، فاسمع بکاء الصبی فاتجوز فی صلاتی کراهیة ان اشق علی امه (۲۶)

میں نماز میں ہوتا ہوں اور ارادہ کرتا ہوں کہ نماز کو طول دوں گا کہ کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اپنی نماز کو مختصر کردیتا ہوں، اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ اس کی ماں پر یہ عمل شاق گزرے گا۔

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لو لا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسواك مع كل صلاة (۲۷)

اگر یہ امر میری امت پر شاق نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا۔

ایک بار آپؐ نے عشا کی نماز میں تاخیر کی، رات کا جب خاصا حصہ گزر گیا اور اہل مسجد بھی سوگئے تب آپؐ نماز کے لیے تشریف لائے اور فرمایا:

انه لوقتها لو لا ان اشق علی امتی (۲۸)

یہ اس کا اصل وقت تھا، اگر میری امت پر یہ شاق نہ ہوتا۔

آپؐ نے جانور کو باندھ کر نیزے اور تیر وغیرہ ہتھیار سے نشانہ بنانے کی سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی جیسا کہ عام طور پر تفریح کے لیے بہت سے علاقوں میں آج بھی یہ عمل دہرایا جاتا ہے، اور اُس عہد میں بھی اس کا عام رواج تھا۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں:

نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم ان تصبر البهائم (۲۹)

نبی کریم ﷺ نے چوپایوں کو باندھ کر نشانہ بنانے سے منع فرمایا ہے۔

آپؐ نے ان کاموں سے بھی منع کیا ہے جن کے نتیجے میں انسان کی اپنی جان کو خطرات لاحق ہوسکتے ہیں، حضرت جابرؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں۔

نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم ان ینام الرجال علی سطح لیس بمحجور علیه (۳۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چھت پر سونے سے منع کیا ہے، جس کے گرد کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

تین افراد کی موجودگی میں دو افراد کے لیے آپس میں سرگوشی سے منع فرمایا کہ اس سے بدگمانی جنم لیتی اور انتشار کو راہ ملتی ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا كنتم ثلاثة فلايتناجی اثنان دون صاحبهما (۳۱)

جب تم تین ہو تو دو افراد باہم سرگوشی نہ کریں کہ تیسرا سن نہ سکے، جب تک کہ

بہت سے افراد باہم مل نہ جائیں، کیوں کہ ایسی صورت میں تیسرا شخص رنجیدہ ہو گا۔

کھانے کے بعد ہاتھ نہ دھونے کے بے شمار نقصانات ہیں، آپؐ نے اس سے بھی منع فرمایا۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، آپؐ نے فرمایا:

من بات وفی یدہ ریح غمر فاصابہ شئی فلا یلومن الا نفسہ (۳۲)

جو شخص اس حالت میں سو جائے کہ اس کے ہاتھ میں سالن وغیرہ کی بو ہو اور پھر اسے کوئی نقصان پہنچ جائے تو وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔(اس نقصان کا سبب وہ خود ہو گا)۔

رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات کا بنیادی نکتہ انسانیت کی رہنمائی ہے، یہ رہنمائی اُخروی کامیابی کے لیے بھی انسان کی دست گیری کرتی ہے، اور حیاتِ دنیوی کے لیے بھی مفید ہے۔ یہاں رحمت عالم ﷺ کی رحمت للعالمینی کے حوالے سے چند روایات پیش کی گئیں، جن میں آپؐ کی اس خاص حیثیت کو نمایاں کیا گیا ہے، اور آپؐ نے اس حوالے سے جو ہدایات و تعلیمات عطا فرمائی ہیں، اُن کا انتہائی مختصر انتخاب پیش کیا گیا، تاکہ رحمتِ عالمؐ کی تعلیمات کا یہ خاص پہلو اجمالاً ہمارے سامنے آسکے۔

حوالہ جات

۱۔ ابن فارس المقاییس فی اللغۃ/ ج ۲،ص ۴۹۸

۲۔ صالح بن حمید، الدکتور(رئیس التحریر) /موسوعہ نضرۃ النعیم۔ مکہ مکرمہ: ج ۶، ص ۲۰۶۲

۳۔ موسوعہ نضرۃ النعیم ج ۶، ص ۲۰۶۲

۴۔ ابن اثیر، مجدالدین ابو السعادات/النہایۃ۔ قم ایران، موسسۃ اسماعیلیان :ج ۲، ص۲۱۰

۵۔ التفسیر القیم بحوالہ موسوعہ نضرۃ النعیم ج ۶، ص ۲۰۶۱

۶۔ راغب اصفہانی/ المفردات فی غریب القرآن۔ بیروت : ۳۴۲

۷۔ مولانا ابو الکلام آزاد/ ترجمان القرآن: ج۱، ص ۶۲

۸۔ الانعام،۶: ۵۴

۹۔ الروم،۳۰: ۲۱

۱۰۔ بخاری، محمد بن اسماعیل/ الصحیح۔ کتاب التوحید، باب وکان عرشہ علی الماء ۔

☆ مسلم بن حجاج، ابو الحسین/ الصحیح۔ بیروت، دار الکتب العلمیہ ۱۹۹۸ء:ج ۴، ص۲۶۰، رقم ۲۷۵۱

۱۱۔ الاحزاب،۳۳: ۴۰

۱۲۔ الانبیاء،۲۱: ۱۰۷

۱۳۔ التوبہ،۹: ۱۲۸

۱۴۔ سبا،۳۴: ۲۸

۱۵۔ الفتح ۴۸: ۲۹

۱۶۔ ہیثمی، نور الدین علی بن ابو بکر/ مجمع الزوائد۔ بیرت، دار الفکر ۱۹۹۴ء: ج ۸، ص ۵۹۵، رقم ۱۴۲۵۰

☆ علی متقی الہندی/ کنز العمال۔ رقم ۳۹۰۳، ۱۳۹۰۴

۱۷۔ حاکم، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ/ المستدرک۔ بیروت، دار الکتب العلمیہ ۱۹۹۰ء: ج ۱، ص ۹۱، رقم ۱۰

☆ طبرانی اوسط ۳۰۰۵

۱۸۔ مسلم: ج ۴، ص ۱۸۵، رقم ۲۵۹۹

۱۹۔ زبیدی/ اتحاف السادۃ المتقین۔ بیروت، دار التصویر: ج ۱، ص ۱۰۷

☆ کنز العمال: رقم ۳۱۹۹۷

۲۰۔ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث/ السنن۔ بیروت، دار الفکر ۱۹۹۴ء: ج ۴، ص ۳۱۱، رقم ۴۹۴۱

☆ ترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی/ السنن۔ بیروت، دار الفکر ۱۹۹۴ء: ج ۳، ص ۳۷۱، رقم ۱۹۳۱

۲۱۔ ترمذی: ج ۳، ص ۳۷۱، رقم ۱۹۳۰ء

☆ بو داؤد: ج ۴، ص ۳۱۱، رقم ۴۹۴۲

☆ البانی ۳/ ۹۳۳

۲۲۔ بخاری۔ کتاب الادب، باب ۲۷ و التوحید، باب ۲

☆ مسلم: ج ۴، ص ۳۸، رقم ۲۳۱۹

۲۳۔ ترمذی: ج ۳، ص ۳۶۹، ص ۱۹۲۷

☆ ابو داؤد: ج ۴، ص ۳۱۱، رقم ۴۹۴۳

۲۴۔ احمد بن حنبل/ المسند۔ بیروت، دار احیاء التراث العربی ۱۹۹۳ء: ج ۵، ص ۵۰۶، رقم ۱۸۸۶۳

☆ البانی ۲۶۷، / ۲۷۶

۲۵۔ مسلم: ج ۱، ص ۲۷۸، رقم ۴۶۷

۲۶۔ بخاری: کتاب الصلاۃ، باب ۲۱۶

☆ مسلم: ج ۱، ص ۲۸۰، ۴۷۰

۲۷۔ مسلم: ج ۱، ص ۱۸۳، ۲۵۲

۲۸۔ مسلم: ج ۱، ص ۳۵۸، رقم ۶۳۸

۲۹۔ نسائی/ السنن۔ بیروت، دار البشائر الاسلامیہ ۱۹۹۴ء: ج ۷، ص ۲۳۸، رقم ۴۳۳۹

۳۰۔ ترمذی، ج ۴، ص ۳۸۸، رقم ۲۸۶۳

۳۱۔ ترمذی: ج ۴، ص ۳۷۷، رقم ۲۸۳۴

☆ ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید/ السنن۔ بیروت دار المعرفہ ۱۹۸۸ء: ج ۴، ص ۵۴۷، رقم ۳۷۷۵

۳۲۔ ترمذی: ج ۳، ص ۳۴۰، رقم ۱۸۶۷

سلام اے آمنہ کے لال، اے محبوب سبحانی
سلام اے فخرِ موجودات، فخرِ نوعِ انسانی

سلام اے ظلِّ رحمانی، سلام اے نورِ یزدانی
ترا نقشِ قدم ہے زندگی کی لوحِ پیشانی

تری صورت، تری سیرت، ترا نقشہ، ترا جلوہ
تبسّم، گفتگو، بندہ نوازی، خندہ پیشانی

زمانہ منتظر ہے اب نئی شیرازہ بندی کا
بہت کچھ ہو چکی اجزائے ہستی کی پریشانی

(حفیظ جالندھریؒ)

ماہنامہ دعوۃ............ اسلام آباد　　　　جلد: ۱۶　　　　شمارہ: ۷۔۱۰

اہلِ قتال اور رحمۃ للعالمین ﷺ

سید وحید احمد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر پہلو بے نظیر اور بے مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو پوری کائنات کے لیے رحمت قرار دیا۔ قرآن کریم نے آپؐ کی اس صفت کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (۱)

ہم نے آپؐ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

قرآن کریم کی اس آیت پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ کی ذات ہر لحاظ اور ہر پہلو سے رحمت ہی رحمت ہے۔ اس وقت رسول اللہؐ کی زندگی کے جس پہلو کو یہاں زیر بحث لانا مقصود ہے وہ آپؐ کا اہلِ قتال (یعنی وہ افراد جو آپ سے لڑے یا آپؐ کی ان سے لڑائی ہوئی) کے ساتھ برتاؤ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اہلِ قتال کے ساتھ برتاؤ پر بحث کرنے سے قبل ضروری ہے کہ اسلام کے نظریۂ جہاد کا مختصر جائزہ لیا جائے۔

اسلام کا نظریۂ جہاد

لغت میں جہاد کے معنی کسی کام کے لیے اپنی پوری کوشش اور توانائی خرچ کرنے کے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں اللہ کا کلمہ بلند کرنے اور دشمن کی مدافعت کرنے میں جان، مال، زبان، قلم کی پوری طاقت خرچ کرنے کو جہاد کہا جاتا ہے۔(۲)

اسلام کے اصطلاح میں اس کے معنی ہیں وہ محنت اور کوشش جو اللہ کے لیے، اللہ کی راہ میں، اسلام کے لیے، نظامِ ملت کے لیے، یا اس کے استحکام کے لیے کی جائے، خواہ وہ مال سے ہو، جان سے ہو، یا کسی اور طریقے سے۔ اپنے نفس سے جہاد کرنے کو بعض احادیث میں جہادِ اکبر کہا گیا ہے۔

جہاد اپنے مقصد، طریقِ کار اور نصب العین کے اعتبار سے محض اعلائے کلمۃ اللہ اور تحفظِ غایاتِ اسلامی کے لیے ہوتا ہے۔ یہ اندھا دھند جنگ و جدال نہیں بلکہ مقاصدِ ملت کی خاطر ایک بااصول جنگ ہے، جو معین اصولوں، پابندیوں اور احتیاطوں کے ساتھ لڑی جاتی ہے۔(۳)

جنگ کی غرض و غایت

اسلامی تعلیمات کی رو سے یہ بات پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ ہر کام کے حسن و قبح کا فیصلہ دو چیزوں پر کیا جاتا ہے، ایک مقصد دوسرے طریقِ حصول مقصد۔ اگر نفسِ مقصد مکروہ ہو تو خواہ اس کو کتنے ہی شریفانہ طریقہ سے حاصل کیا جائے وہ بہرحال مکروہ ہی رہے گا، اور اگر مقصد فی نفسہ نہایت اشرف و اعلیٰ ہو لیکن اسے حاصل کرنے کے طریقے پایۂ شرافت سے گرے ہوئے ہوں تو ان سے خود مقصد کی شرافت بھی داغ دار ہو جاتی ہے۔

اسلام میں جنگ کا اصلی مقصد حریفِ مقابل کو ہلاک کرنا اور نقصان پہنچانا نہیں بلکہ محض اس کے شر کو دفع کرنا ہے، اس لیے اسلام یہ اصول پیش کرتا ہے کہ جنگ میں صرف اتنی ہی قوت استعمال کرنی چاہیے جتنی دفع شر کے لیے ناگزیر ہو اور اس قوت کا استعمال صرف انہی طبقوں کے خلاف ہونا چاہیے جو عملاً برسرِ پیکار ہوں یا حد سے حد جن سے شر کا اندیشہ ہو۔ باقی تمام انسانی طبقات کو جنگ کے اثرات سے محفوظ رہنا چاہیے اور دشمن کی ان چیزوں تک ہنگامۂ کارزار کو متجاوز نہ ہونا چاہیے جن کا اس کی جنگی قوت سے کوئی تعلق نہ ہو۔ جنگ کا یہ تصور ان تصورات سے مختلف تھا جو عام طور پر غیر مسلم دماغوں میں موجود تھے۔ اس لیے اسلام نے تمام رائج الوقت الفاظ اور اصطلاحات کو چھوڑ کر جہاد فی سبیل اللہ کی الگ اصطلاح وضع کی جو اپنے معنیٰ موضوع پر ٹھیک ٹھیک دلالت کرتی ہے۔ اور وحشیانہ جنگ کے تصورات سے اس کو بالکل جدا کر دیتی ہے۔(۴) اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ سے کئی احادیث مروی ہیں، ہم صرف ایک حدیث بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

عن ابی موسی الاشعریؓ: قال: جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم: فقال: الرجل یقاتل للمغنم والرجل یقاتل لیُذکر والرجل یقاتل لیری مکانہ، فمن فی سبیل اللہ؟ قال: من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا فھو فی سبیل اللہ. (۵)

ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور بولا کہ کوئی شخص مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لیے جنگ کرتا ہے، کوئی شہرت و ناموری کے لیے جنگ کرتا ہے، کوئی اپنی بہادری دکھانے کے لیے جنگ

کرتا ہے' فرمائیے ان میں سے کس کی جنگ راہ الٰہی میں ہے؟

حضورؐ نے جواب دیا کہ راہِ الٰہی کی جنگ تو صرف اس شخص کی ہے جو محض کلمۃ اللہ کا بول بالا کرنے کے لیے لڑے۔

اسلام میں جنگ کی جائز اور ضروری صورتیں

وہ اسباب جن کی بنا پر جنگ ناگزیر ہو جاتی ہے' مختصراً یہ ہیں:

جہاد کے بارے میں قرآن کریم میں سب سے پہلی آیت یہ نازل ہوئی:

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۙ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ (۶)

جن مسلمانوں سے (خواہ مخواہ) لڑائی کی جاتی ہے ان کو اجازت ہے (کہ وہ بھی لڑیں) کیوں کہ ان پر ظلم ہو رہا ہے اور اللہ (ان کی مدد کرے گا وہ) یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے (انہوں نے کچھ قصور نہیں کیا) ہاں یہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ مسلمانوں پر ظلم وستم ڈھاتے ہیں یا ان کے گھر بار چھین کر انہیں بے دخل کر دیتے ہیں' ان سے اپنی مذہبی آزادی اور حقوق کی خاطر جنگ کرنا جائز ہے۔

جب کوئی اسلام کو مٹانے اور اسلامی نظام کو ختم کرنے کے لیے مسلمانوں پر حملہ کرے تو اس صورت میں تمام مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری ہے:

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ (۷)

اور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی اللہ کی راہ میں ان سے لڑو مگر زیادتی نہ کرنا کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

جب کوئی قوم معاہدہ کرنے کے بعد بدعہدی کرے تو اس صورت میں بھی جنگ کرنا جائز ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَیْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَیْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ یَنْتَهُوْنَ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَیْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (۸)

اور اگر عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین میں طعنے کرنے لگیں تو ان کفر کے پیشواؤں سے جنگ کرو (یہ بے ایمان لوگ ہیں اور)

ان کی قسموں کا کچھ اعتبار نہیں۔ عجب نہیں کہ (اپنی حرکات سے) باز آ جائیں۔
بھلا تم ایسے لوگوں سے کیوں نہ لڑو جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور پیغمبرؐ کے جلاوطن کرنے کا عزمِ مصمم کر لیا اور انہوں نے تم سے (عہد شکنی کی) ابتدا کی۔ کیا تم ایسے لوگوں سے ڈرتے ہو؟ حالاں کہ ڈرنے کے لائق اللہ ہے۔ بہ شرطے کہ ایمان رکھتے ہو۔

اسلام قبول کرنے کے بعد دین سے مرتد ہونے کو سخت جرم قرار دیا گیا ہے۔ مرتد ہونے والے فرد یا جماعت کو پہلے توبہ کی تلقین کی جائے گی' اگر وہ توبہ نہ کریں تو اس فرد یا جماعت کو قتل کر دیا جائے گا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مانعینِ زکوۃ اور دوسرے مرتدین سے باقاعدہ جہاد کیا۔

جنگ کی ایک اور وجہ جس میں مسلمانوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت دی گئی ہے یہ ہے کہ مسلمانوں کی کوئی جماعت اپنی کمزوری کی وجہ سے دشمنوں کے شکنجہ میں آ جائے تو دوسرے مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ان کی مدد کریں اور ان کو دشمنوں سے نجات دلانے کے لیے جنگ کریں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ ۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۗ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ (۹)

اور جو لوگ ایمان تو لے آئے لیکن ہجرت نہیں کی تو جب تک وہ ہجرت نہ کریں تم کو ان کی رفاقت سے کچھ سروکار نہیں۔ اور اگر وہ تم سے دین (کے معاملات) میں مدد مانگیں تو تم کو مدد کرنی لازمی ہے مگر ان لوگوں کے مقابلے میں کہ تم میں اور ان میں (صلح کا) عہد ہو (مدد نہیں کرنی چاہیے)۔ اور اللہ تمہارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے۔ اور جو لوگ کافر ہیں (وہ بھی) ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ تو (مومنو) اگر تم یہ (کام) نہ کرو گے تو ملک میں فتنہ برپا ہو جائے گا اور بڑا فساد مچے گا۔

قرآن کریم میں ایک اور مقام پر یوں فرمایا:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا (۱۰)

اور تم کو کیا ہوا ہے کہ اللہ کی راہ میں اور ان بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو دعائیں کیا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو اس شہر سے جس کے رہنے والے ظالم ہیں، نکال کر کہیں اور لے جا اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا اور اپنی ہی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار مقرر فرما۔

جو فرد یا جماعت دارالاسلام میں قتل و غارت اور ڈاکہ زنی کے ذریعہ سے بدنظمی پیدا کرے یا اسلامی نظام کو مٹا کر غیر اسلامی نظام قائم کرنے کی کوشش کرے تو حاکمِ وقت ان کے خلاف تلوار کا استعمال کر سکتا ہے یا کوئی اور سزا ان کے لیے تجویز کر سکتا ہے:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (۱۱)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کریں اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں ان کی یہ سزا ہے کہ قتل کر دیے جائیں یا سولی چڑھا دیے جائیں یا ان کے ایک ایک طرف کے ہاتھ اور ایک ایک طرف کے پاؤں کاٹ دیے جائیں یا ملک سے نکال دیے جائیں۔ یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا (بھاری) عذاب (تیار) ہے۔ ہاں جن لوگوں نے اس سے پیشتر کہ تمہارے قابو آ جائیں توبہ کر لی تو جان رکھو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

مملکت اسلامیہ میں دوست کے روپ میں دشمن بھی موجود ہوتے ہیں، جو کہ بیرونی دشمنوں سے زیادہ خطرناک اور اسلام کی جڑ کاٹنے والے ہوتے ہیں۔ قرآن کریم نے ان کے لیے لفظ منافق استعمال کیا ہے: ارشاد خداوندی ہے:

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ (۱۲)

اے پیغمبرؐ کافروں اور منافقوں سے لڑو اور ان پر سختی کرو اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور بہت بری جگہ ہے۔

منافقین سے کفار کی طرح باقاعدہ جنگ تو نہیں کی جا سکتی البتہ ہر طریقہ سے سختی کے ساتھ ان کی سرکوبی کی جائے گی۔

عہد نبویؐ میں جنگوں کے اسباب

دور نبویؐ میں جنگوں کے اسباب پر روشنی ڈالی جائے تو درج ذیل اسباب کا پتہ چلتا ہے:

۱: غزوۂ بدر' احد اور احزاب خالص مدافعانہ جنگیں تھیں۔

۲: غزوہ خیبر اور غزوہ فتح مکہ دشمن کی طرف سے عہد شکنی کی وجہ سے پیش آئے۔

۳: سریہ موتہ اور غزوہ تبوک سفیر کے قتل اور سرحدوں کی حفاظت کے لیے پیش آئے۔

۴: غزوہ حنین (اوطاس اور طائف) میں دشمن نے خود للکارا تھا اور مسلمانوں کو بے سروسامانی کی حالت میں یہ جنگ لڑنا پڑی۔

۵: یہود سے جو غزوات ہوئے مثلاً غزوہ بنو قینقاع' بنو نضیر اور بنو قریظہ سب یہودیوں کی عہد شکنی اور کھلی بغاوت کے نتیجہ میں پیش آئے۔(۱۳)

اہلِ قتال اور غیر اہلِ قتال کا فرق

اسلام نے محاربین کو دو طبقوں میں تقسیم کیا ہے' ایک اہلِ قتال اور دوسرے غیر اہلِ قتال۔ اہلِ قتال وہ ہیں جو عملاً جنگ میں حصہ لیتے ہیں یا عقلاً و عرفاً حصہ لینے کی قدرت رکھتے ہیں یعنی جوان مرد۔ اور غیر اہلِ قتال وہ ہیں جو عقلاً و عرفاً جنگ میں حصہ نہیں لے سکتے یا عموماً نہیں لیا کرتے مثلاً عورتیں' بچے' بوڑھے' بیمار' زخمی' اندھے' مقطوع الاعضاء' مجنون' خانقاہ نشین' زاہد' معبدوں اور مندروں کے مجاور اور ایسے ہی دوسرے بے ضرر لوگ۔ اسلام نے طبقہ اوّل کے لوگوں کو قتل کرنے کی اجازت دی اور طبقہ دوم کے لوگوں کو قتل کرنے سے منع کر دیا۔ ایک مرتبہ میدان جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کی لاش پڑی دیکھی تو ناراض ہو کر فرمایا:

مَا كَانَتْ هٰذِهٖ تُقَاتِلُ فِيْمَنْ يُقَاتِلُ (۱۴)

یہ تو لڑنے والوں میں شامل نہ تھی۔

لَا تَقْتُلَنَّ امرأةً ولا عَسِيفًا (۱۵)

عورت اور اجیر کو ہرگز قتل نہ کرو۔

ایک اور روایت کے مطابق اس کے بعد آپؐ نے عورتوں اور بچوں کے قتل عام کی ممانعت فرما دی:

نهى النبى صلى الله عليه وسلم:عن قَتْلِ النساء والصبيان (۱۶)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع کیا۔

ایک حدیث میں آیا ہے:

لا تقتلوا شیخاً فانیا ولا طفلاً ولا صغیرا ولا امراۃ ولا تغلوا و ضموا غنائمکم واصلحوا واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین۔ (۱۷)

نہ کسی بوڑھے ضعیف کو قتل کرو، نہ چھوٹے بچے کو اور نہ عورت کو، اموالِ غنیمت میں چوری نہ کرو۔ جنگ میں جو کچھ ہاتھ آئے سب ایک جگہ جمع کرو، نیکی و احسان کرو کیوں کہ اللہ تعالیٰ محسنوں کو پسند کرتا ہے۔

فتح مکہ پر آپؐ نے پہلے سے ہدایت فرما دی کہ کسی زخمی پر حملہ نہ کرنا، جو کوئی جان بچا کر بھاگے اس کا پیچھا نہ کرنا اور جو اپنا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے اسے امان دینا۔(۱۸) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ جب کہیں فوج بھیجتے تھے تو ہدایت کر دیتے تھے کہ معابد کے بے ضرر خادموں کو اور خانقاہ نشین زاہدوں کو قتل نہ کیا جائے۔(۱۹) اسلامی قانون کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص جو اہلِ قتال میں سے ہے اس کا قتل جائز ہے، خواہ وہ بالفعل لڑے یا نہ لڑے اور ہر شخص جو اہلِ قتال میں سے نہیں اس کا قتل ناجائز ہے سوائے اس صورت میں کہ وہ حقیقۃً لڑائی میں شامل ہو، یا مقاتلین کے لیے کام کرنے لگے۔(۲۰)

اہلِ قتال کے حقوق

اہلِ قتال جو عملاً جنگ میں حصہ لیتے ہیں ان پر تلوار اٹھانا جائز ہے لیکن ان پر بھی دست درازی کا غیر محدود اختیار حاصل نہیں ہے بلکہ اس کے لیے بھی کچھ حدود و قیود مقرر ہیں جن کی پابندی ضروری ہے:

۱: شب خون مارنے کی ممانعت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصول مقرر کیا کہ صبح سے پہلے کسی دشمن پر حملہ نہ کیا جائے۔ حضرت انس بن مالکؓ غزوہ خیبر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

کان اذا جاء قوماً بلیل لا یغیر علیھم حتی یصبح (۲۱)

رسول اللہ ﷺ جب کسی دشمن قوم پر رات کے وقت پہنچتے تو جب تک صبح نہ ہو جاتی حملہ نہ کرتے تھے۔

۲: دشمن کی لاشوں کی بے حرمتی

عہدِ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ دشمن کی لاشوں کو اپنی سواریوں کے پاؤں کے نیچے روندتے،

ان کا مثلہ کرتے یعنی ناک، کان وغیرہ کاٹ دیتے، ان کے کٹے ہوئے اعضا کا ہار بنا کر گلے میں ڈال لیتے، لاشوں کا کلیجہ نکال کر دانتوں سے چباتے اور ان کی کھوپڑیوں میں شراب پیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سب امور سے سختی سے منع فرمایا:

عن عبداللہ بن یزید الانصاری قال: نھی رسول اللہ عن النھبۃ والمثلۃ (۲۲)

عبداللہ بن یزید الانصاریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے لوٹ کے مال اور مثلہ سے منع فرمایا ہے۔

رسول اللہ ﷺ فوجوں کو بھیجتے وقت جو ہدایات دیا کرتے تھے ان میں تاکید فرماتے تھے:

ولا تغلوا و لا تغدروا و لا تمثلوا۔ (۲۳)

غنیمت میں خیانت نہ کرنا، بدعہدی نہ کرنا اور مثلہ نہ کرنا۔

۳: آگ میں جلانے کی ممانعت

عہدِ جاہلیت میں انتقام کی شدت میں دشمن کو زندہ جلا دیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وحشیانہ حرکت کو بھی ممنوع قرار دیا۔ آپؐ کا ارشاد ہے:

لا ینبغی ان یعذب بالنار الا رب النار (۲۴)

آگ کا عذاب دینا سوائے آگ پیدا کرنے والے کے، کسی کو سزاوار نہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں کو لڑائی پر جانے کا حکم دیا اور ہدایت کی کہ اگر فلاں دو آدمی تم کو ملیں تو ان کو جلا دینا مگر جب ہم روانہ ہوئے تو بلایا اور فرمایا:

انی امرتکم ان تحرقوا فلانا و فلاناً و ان النار لا یعذب بھا الا اللہ فان وجدتموھما فاقتلوا ھما۔ (۲۵)

میں نے تم کو حکم دیا تھا کہ فلاں فلاں شخص کو جلا دینا مگر آگ کا عذاب سوائے خدا کے کوئی نہیں دے سکتا، اس لیے اگر تم انہیں پاؤ تو بس قتل کر دینا۔

ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے زنادقہ کو آگ کا عذاب دیا، اس پر حضرت ابن عباسؓ نے انہیں روکا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم سنایا:

لا تعذبوا بعذاب اللہ (۲۶)

آگ اللہ کا عذاب ہے، اس سے بندوں کو عذاب نہ دو۔

۴: قتلِ صبر کی ممانعت

رسول اللہ ﷺ نے دشمن کو باندھ کر قتل کرنے اور تکلیفیں دے دے کر مارنے کی بھی ممانعت

فرمائی۔ عبید اللہ بن یعلیٰؓ کا بیان ہے کہ ہم عبدالرحمٰن بن خالدؓ کے ساتھ جنگ پر گئے۔ ایک موقع پر ان کے پاس لشکرِ اعدا میں سے چار گبر (آتش پرست) پکڑے ہوئے آئے اور انہوں نے حکم دیا کہ انہیں باندھ کر قتل کر دیا جائے۔ اس کی اطلاع جب حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو ہوئی تو انہوں نے کہا:

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینھی عن قتل الصبر فوالذی نفسی بیدہ لو کانت دجاجۃ ما صبرتھا فبلغ ذلك عبدالرحمن بن خالد بن ولید فاعتق اربع رقاب (۲۷)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپؐ نے قتل صبر (باندھ کر مارنے) سے منع فرمایا ہے۔ خدا کی قسم! اگر مرغی بھی ہوتی تو میں اس کو اس طرح باندھ کر نہ مارتا۔ اس کی خبر جب عبدالرحمٰن بن خالدؓ کو پہنچی تو انہوں نے چار غلام آزاد کیے (یعنی اپنی غلطی کا کفارہ ادا کیا)۔

۵: تباہ کاری کی ممانعت

جنگ میں بعض دفعہ جنگی تدبیر کے طور پر دشمن کے وسائلِ خوراک کو تباہ و برباد اور اس کی شہری املاک کو نقصان پہنچایا جاتا ہے۔ رسولِ رحمتؐ نے فصلوں کو خراب کرنے، کھیتوں کو تباہ کرنے اور باغات اور درختوں کو برباد کرنے سے منع فرمایا۔ قرآن کریم نے ان حرکات کو فتنہ قرار دے کر ارشاد فرمایا:

وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ (۲۸)

اور جب پیٹھ پھیر کر چلا جاتا ہے تو زمین میں دوڑتا پھرتا ہے تاکہ اس میں فتنہ انگیزی کرے اور کھیتی کو (برباد) اور (انسانوں اور حیوانوں کی) نسل کو نابود کر دے اور اللہ فتنہ انگیزی کو پسند نہیں کرتا۔

رسول اللہ ﷺ نے موتہ کی طرف لشکر روانہ کرتے وقت جو ہدایات ارشاد فرمائیں وہ دراصل میدانِ جنگ سے تعلق رکھنے والے جملہ احکامات کا خلاصہ ہیں۔ آپؐ نے فوج کو وداع کرتے ہوئے فرمایا: ''پہلے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا، اگر قبول کر لیں تو لڑنے کی ضرورت نہیں''۔ پھر حسب ذیل احکام دیے:

میں تمہیں وصیت کرتا ہوں (۱) اپنے اللہ کے ساتھ پرہیزگاری کی۔ (۲) مسلمانوں کے ساتھ نیکی کرنے کی۔ (۳) جو اللہ سے کفر کرے اس سے اللہ کے

نام سے فی سبیل اللہ جہاد کی۔ (۴) وعدہ شکنی نہ کرنا۔ (۵) بچے' عورت' بوڑھے اور گوشہ نشینوں کو قتل نہ کرنا۔ (۶) درخت نہ کاٹنا اور نہ باغ کے نزدیک جانا اور نہ عمارتوں کو ڈھانا۔

لیکن جب یہ چیزیں کسی فوجی ضرورت میں رکاوٹ بن رہی ہوں' تو ان کو دور کرنا جائز ہے جیسا کہ بنو نضیر کے محاصرہ کے وقت مسلمانوں کو یہود کے چند کھجوروں کے درخت کاٹنا پڑے تھے اور مسلمان اس سلسلہ میں متردد تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ (۲۹)

(مومنو) کھجور کے جو درخت تم نے کاٹ ڈالے یا ان کو اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا سو اللہ کے حکم سے تھا اور مقصود یہ تھا کہ وہ نافرمانوں کو رسوا کرے۔

۶: قتلِ سفیر کی ممانعت

قاصدوں اور سفیروں کا قتل بین الاقوامی قانون کے مطابق ہمیشہ سے ناپسندیدہ اور ممنوع سمجھا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس عرف کو نہ صرف پسندیدہ قرار دیا بلکہ اس پر سختی سے عمل کرنے کی بھی تاکید فرمائی۔ اسلام میں سفارتی آداب اور وفود کا احترام اتنا اہم ہے کہ آپؐ نے وفات کے وقت بھی اس کی وصیت فرمائی۔ سفیر کا قتل درحقیقت جنگ کا الٹی میٹم ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ قاصد کبھی قتل نہ کیے جائیں۔ مسیلمہ کذاب نے جب اپنا قاصد عبادہ بن حارث اور اس کا ایک ساتھی بھیجا اور انہوں نے گستاخانہ گفتگو کی تو آپؐ نے فرمایا:

لولا ان الرُّسُلَ لا تقتل لضربت اعنا قکما (۳۰)

اگر قاصدوں کا قتل ممنوع نہ ہوتا تو میں تم دونوں کی گردن مار دیتا۔

صلح حدیبیہ کے وقت جب یہ افواہ مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیے گئے ہیں' تو آپؐ نے چودہ سو صحابہؓ سے خون پر بیعت لی کیوں کہ یہ قومی وقار کا مسئلہ تھا اور اگر خدانخواستہ یہ خبر صحیح ہوتی تو اس موقع پر جنگ یقیناً ناگزیر تھی۔ جنگِ موتہ بھی اسی لیے شام کی سرحد پر جا کر لڑی گئی تھی کہ عیسائیوں کے رئیس شرحبیل بن عمرو نے رسول اللہؐ کے پہلے قاصد دحیہ کلبیؓ کو لوٹ لیا تھا اور دوسرے قاصد حارثؓ بن عمرو کو قتل کر دیا تھا' لہٰذا قصاص کی خاطر آپؐ نے یہ لشکر کشی کی۔ (۳۱)

۷: لوٹ مار کی ممانعت

عہد جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ جہاں کہیں فوج پڑاؤ ڈالتی تو چاروں طرف پھیل جاتی'

راستے بند ہو جاتے اور لوٹ مار کی جاتی۔ کسی لڑائی کے دوران میں اسلامی فوج سے بھی ایسی حرکات سرزد ہوئیں تو آپؐ نے منادی کرا دی کہ جو شخص ایسا کرے گا اس کا کوئی جہاد نہیں۔ چناں چہ معاذ بن انسؓ فرماتے ہیں کہ:

غزوت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ کذا و کذا فضیق الناس المنازل و قطعوا الطریق فبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم منادیا ینادی فی الناس ان من ضیق منزلاً او قطع طریقا فلا جہاد لہ (۳۲)

میں فلاں غزوہ میں آپؐ کے ساتھ تھا' لوگوں نے دوسروں کی منازل کو تنگ کر دیا اور راہ گیروں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ آپؐ نے ایک شخص کو بھیجا جس نے منادی کی کہ جو دوسروں کو گھروں میں تنگ کرے یا لوٹ مار کرے تو اس کا جہاد قبول نہیں۔

۸: اسیرانِ جنگ سے برتاؤ

رسول اللہ ﷺ نے اسیرانِ جنگ سے رحمت کا معاملہ فرمایا اور ان کو قتل کرنے سے منع کر دیا۔ فتح مکہ کے موقع پر جب آپؐ شہر میں داخل ہونے لگے تو فوج میں اعلان کرا دیا کہ:

لا یجھزن علی جریح ولا یتبعن مدبر ولا یقتلن اسیر' و من اغلق بابہ فھوا امن (۳۳)

کسی مجروح پر حملہ نہ کیا جائے' کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے' کسی قیدی کو قتل نہ کیا جائے اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے وہ امان میں ہے۔

رسول اللہ ﷺ اپنے جانی دشمنوں کے ساتھ عفوودرگزر سے کام لیتے تھے اور قدرت رکھنے کے باوجود غلام نہیں بناتے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر فرمایا:

اذھبوا انتم الطلقاء

جاؤ تم سب آزاد ہو۔

غزوہ بدر ۲ھ کے ۷۰ قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ جس قیدی کے پاس فدیہ دینے کی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی آپؐ اس سے دریافت کرتے کہ پڑھنا لکھنا جانتے ہو؟ قیدی اگر اثبات میں جواب دیتا تو فرماتے:

اچھا دس مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دو۔

۹: عبادت گاہوں کا تحفظ

جنگ کے دوران میں حریف کی عبادت گاہوں کو بھی تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے۔ اسلام

دوسری اقوام کے عبادت خانوں کی حفاظت کی ذمہ داری لیتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۭ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ (۳۴)

اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو (راہبوں کے) صوامعہ اور (عیسائیوں کے) گرجے اور (یہودیوں کے) عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) مسجدیں جن میں اللہ کا بہت سا ذکر کیا جاتا ہے گرائی جا چکی ہوتیں۔ اور جو شخص اللہ کی مدد کرتا ہے اللہ اس کی ضرور مدد کرتا ہے۔ بے شک اللہ توانا (اور) غالب ہے۔

دیگر مذاہب کے عبادت خانوں کو انہدام سے بچانے کا یہ اصول کیا دنیا کے کسی بھی مذہب کی کتاب میں پیش کیا گیا ہے اور کیا دیگر اہلِ مذہب کی عبادت گاہوں کے تحفظ کے لیے کسی قوم نے کبھی جنگ کی ہے؟ یہ رحمۃ للعالمین ہی کی رحمتِ قلبی کا نتیجہ ہے کہ جنگ کا مقصد ایسا مقدس بنایا کہ دشمنوں کے عبادت خانوں کے تقدس اور احترام کو بھی ملحوظِ خاطر رکھنے کا حکم دیا۔

۱۰: پابندیِ عہد

اسلام نے عہد کی پابندی کی تاکید کی ہے۔ میدانِ جنگ میں بھی اس کا پورا پورا خیال رکھنا چاہیے خواہ اس سے کتنا ہی نقصان ہو رہا ہو۔ بدعہدی بہت سخت گناہ ہے۔

غزوہ بدر سے قبل دو صحابی ابو حذیفہؓ بن یمان اور ابو حسیلؓ مکہ سے مدینہ جا رہے تھے' راستہ میں کفار نے روک لیا پھر جب ان دونوں نے شریکِ جنگ نہ ہونے کا عہد کیا تب جا کر ان کی جان چھوٹی۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کے پاس اسلحۂ سازو سامان اور افرادی قوت کی شدید قلت تھی۔ یہ دونوں صحابی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جنگ کی اجازت چاہی تو آپؐ نے فرمایا ''وعدے کا پورا کرنا ہر حال میں مقدم ہے' ہم صرف اللہ کی مدد چاہتے ہیں''۔(۳۵)

رسول اللہؐ نے معاہد کو قتل کرنے سے بھی منع فرمایا:

عن عبداللہ بن عمرو قال:قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم:من قتل معاھداً لم یرح رائحة الجنة و ان ریحھا لیوجد من مسیرة اربعین عاماً. (۳۶)

جو کوئی معاہد کو قتل کرے گا اسے جنت کی بو تک نصیب نہ ہو گی' حالاں کہ اس کی خوشبو چالیس برس کی مسافت سے بھی محسوس ہوتی ہے۔

رحمۃ للعالمین میدانِ جنگ میں محاربین کے ساتھ رحمت کا معاملہ فرماتے تھے۔ اس پہلو سے اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور کارناموں کا مطالعہ کریں تو آپؐ دنیا کے سپہ سالاروں میں انتہائی منفرد نظر آتے ہیں۔ آپؐ نے شب خون مارنے، غیر مقاتل (یعنی بچوں، بوڑھوں، عورتوں، معذور افراد اور مذہبی راہنماؤں) سے لڑنے سے منع فرمایا۔ فتح کے بعد کھیتوں کو جلانے اور غیر مقاتل افراد کے محفوظ اموال کو لوٹنے سے بھی منع کیا۔ گویا صرف ایسے لوگوں کو قتل کرنے کی اجازت دی جو میدانِ جنگ میں مرنے مارنے کا ارادہ کر کے آئے ہوں۔ آپؐ نے ایسی پابندیاں عائد کر دیں جو جہاد فی سبیل اللہ کے علاوہ اور کسی جنگ میں نہیں پائی جاتیں۔ کوئی بھی سپہ سالار ان باتوں کا خیال نہیں رکھتا۔ دنیا کے بڑے بڑے فاتح سپہ سالاروں کے حالات کا جائزہ لیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے میدانِ جنگ میں لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارا، فتح کے بعد قتل و غارت کا بازار گرم رکھا، شہروں کو آگ لگائی اور مسجدوں کو اصطبل بنا لیا۔ اپنے سپاہیوں کو مفتوحہ علاقہ کی عورتوں کو بے آبرو کرنے کی عام اجازت دے دی۔ لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی تمام باتوں سے منع فرمایا۔ آپؐ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں جو جنگیں لڑیں، ان میں فریقین کا جس قدر جانی نقصان ہوا اس کو دیکھ کر ایک قاری بآسانی یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ آپؐ فی الواقع رحمۃ للعالمین ہیں۔ رسول اللہؐ نے اپنی دس سالہ مدنی زندگی میں دینِ حق کے دشمنوں کے خلاف جو چھوٹی اور بڑی جنگیں لڑیں یا جنگی کارروائیاں کیں ان کی تعداد مستند روایات کے مطابق بیاسی ہے۔(۴۷) ان بیاسی جنگی کارروائیوں میں جو جانی اور مالی نقصان ہوا وہ اس سے بھی کم ہے جو آج کے نام نہاد مہذب و متمدن ممالک میں صرف ایک سال میں بغیر کسی جنگ کے محض حادثوں اور فسادات میں ہو جاتا ہے۔

اسلامی و غیر اسلامی جنگوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ اسلامی جنگ ایک بلند ترین مقصد کے لیے لڑی جاتی ہے جب کہ غیر اسلامی جنگ ظلم و جبر کے ساتھ ملکوں پر قبضہ کرنے اور اپنی برتری قائم کرنے کے لیے کی جاتی ہے۔ اس میں بوڑھے، بچے، عورت، بیمار کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا اور ہر چیز کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا جاتا ہے۔ اسلامی جنگ کے تمام قوانین احترامِ انسانیت، عدل و انصاف فراخ دلی و رواداری اور پرامن معاشرے کے قیام پر مبنی ہوتے ہیں۔ عہدِ رسالت کی لڑائیاں اس کی واضح مثال ہیں جن میں بہت ہی کم جانی و مالی نقصان ہوا۔

حوالہ جات

۱: سورہ الانبیاء ۲۱: ۱۰۷ — ۲: مفتی محمد شفیع، جہاد ۶

۳: اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۸/۵۴۲، ۵۴۳

۴: سید ابوالاعلیٰ مودودی الجہاد فی الاسلام ۲۱۶، ۲۱۷

۵: بخاری کتاب الجہاد، باب منقاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا، حدیث ۲۸۱۰

۶: سورہ الحج ۲۲: ۳۹، ۴۰ — ۷: سورہ البقرہ ۲: ۱۹۰

۸: سورہ التوبہ ۹: ۱۳، ۱۲ — ۹: سورہ انفال ۸: ۷۲، ۷۳

۱۰: سورہ النساء ۴: ۷۵ — ۱۱: سورہ المائدہ ۵: ۳۳، ۳۴

۱۲: سورہ التوبہ ۹: ۷۳

۱۳: مولانا عبدالرحمٰن کیلانی، رسول اکرمؐ بحیثیت سپہ سالار، ۲۱۲، ۲۱۳

۱۴: ابن ماجۃ کتاب الجہاد، باب الغارۃ والبیات، حدیث ۲۸۴۲

۱۵: ابو داؤد کتاب الجہاد، باب فی قتل النساء حدیث ۲۶۶۹

۱۶: بخاری، کتاب الجہاد، باب فی قتل النساء حدیث ۳۰۱۵

۱۷: ابو داؤد باب فی دعاء المشرقین، حدیث ۲۲۴۷

۱۸: البلاذری فتوح البلدان، ۴۷ — ۱۹: ابو یوسف، کتاب الخراج، ۱۲۱

۲۰: ہدایۃ، باب کیفیۃ القتال، فتح القدیر ۴/۲۹۰-۲۹۲ بدائع الصنائع ۷/۱۰۱

۲۱: بخاری، کتاب الجہاد، باب دعاء النبی الی الاسلام حدیث ۲۹۴۵

۲۲: بخاری، باب یکرہ من المثلۃ حدیث ۵۰۹۲

۲۳: ترمذی، کتاب السیر، باب ماجاء فی وصیۃ النبی فی القتال، حدیث ۱۶۱۸

۲۴: ابو داؤد کتاب الجہاد، باب فی کراہیۃ حرق العدو بالنار، حدیث ۲۶۷۵

۲۵: بخاری، کتاب الجہاد، باب لا یعذب بعذاب اللہ حدیث ۳۰۱۶

۲۶: ایضاً حدیث ۳۰۱۷

۲۷: ابو داؤد، کتاب الجہاد، باب فی قتل الاسیر حدیث ۳۲۱۲

۲۸: البقرہ ۲: ۲۰۵ — ۲۹: الحشر ۵۹: ۵

۳۰: ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی الرسل، حدیث ۲۳۸۰

۳۱: شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ۵۱۹

۳۲: ابو داؤد، کتاب الجہاد، باب مایومر من انضمام العسکر وسعتہ، حدیث ۲۶۲۹

۳۳: البلاذری فتوح البلدان ۴۷ — ۳۴: الحج ۲۲: ۴۰

۳۵: مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب الوفاء بالعہد، حدیث ۴۶۳۹

۳۶: ابن ماجہ، کتاب الدیات، باب من قتل معاہداً، حدیث ۲۶۸۶

۳۷: محمد حمید اللہ ڈاکٹر، عہد نبوی کے میدانِ جنگ، ۱۶۵

ماہنامہ دعوۃ.......... اسلام آباد جلد: ١٦ شمارہ: ٧۔١٠

رسولِ رحمتؐ کی رحمت ، نبوت سے پہلے

رحمت اللہ زاہد

جب غارِ حرا میں دن رات کی خلوت گزینی کے دوران میں ایک دن عبدالمطلب کے گھرانے کے چشم و چراغ کو انسانیت کے لیے رحمت بنا کر بھیجنے کا فیصلہ ہوا' اور وہ جبرئیلؑ کے زورِ شدت کی وجہ سے کانپتے ہوئے اپنی وفا شعار بیوی خدیجۃ الکبریٰؓ کے پاس گئے اور کمبل اوڑھنے کے بعد رفیقہ حیات کو اپنے ساتھ پیش آنے والا واقعہ سنایا تو دور اندیش اور سمجھ دار بیوی نے بلا تامل کہا:

و اللہ لا یخزیك اللہ ابدا، انك لتصل الرحم و تحمل الکلّ و تکسب المعدوم' و تقوی الضعیف' و تعین علی نوائب الحق" (صحیح البخای' کتاب بدء الوحی' باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

اللہ کی قسم' اللہ ہرگز آپ کو اکیلا نہیں چھوڑے گا۔ آپ تو رشتہ نبھانے والے' دوسروں کا بوجھ اٹھانے والے' بے سہاروں کو سہارا دینے والے' کمزوروں کو طاقت ور بنانے والے اور مشکلات اور تکالیف میں ہاتھ بٹھانے والے ہیں۔

بہ ظاہر یہ چار پانچ جملے نہایت مختصر ہیں لیکن ان میں نبوت سے پہلے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس برس کی معاشرتی زندگی سمٹی ہوئی ہے اور بلا شک خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کون سرورِ کونین' رحمت للعالمین کی زندگی جاننے والا ہو سکتا ہے' جنہیں اس وقت تک اس ہستی کے ساتھ دن رات زندگی بسر کرتے پندرہ برس ہو چکے تھے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے کی چالیس سالہ زندگی کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ اگر وہ نبوت کے ذریعے سے تمام انسانوں بلکہ تمام مخلوقات کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے (وما ارسلناك الا رحمة للعالمین) تو نبوت سے پہلے بھی یہ عظیم ہستی سراپا رحمت تھی' اور اس کی زندگی میں کبھی کوئی ایسا لمحہ نہیں آیا جب اس سے رحمت کے خلاف کوئی عمل سرزد ہوا ہو۔

نبوت سے پہلے رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت پر خدیجۃ الکبری کے یہ پانچ جملے خوبی کے ساتھ دلالت کرتے ہیں۔ ہم انہی پانچ جملوں کی روشنی میں نبوت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت بھری زندگی کا تھوڑا سا تذکرہ کریں گے۔

صلہ رحمی:

"انك لتصل الرحم" (آپ تو رشتہ نبھانے والے ہیں)۔ رسول رحمتؐ سے بڑھ کر رشتہ نبھانے والا کون ہو سکتا تھا؟ اپنے دادا سے محبت' اپنے چچاؤں سے محبت' اپنی بیوی بچوں سے پیار' اپنے اقربا اور رشتہ داروں سے لگاؤ آپ کی زندگی کا خاصہ تھا' اور یہی وجہ تھی کہ تقریباً تمام رشتہ دار بھی اس عظیم ہستی کے ساتھ محبت رکھتے تھے' اور جب آپؐ عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے تو سب سے پہلے اگر کسی نے ساتھ دیا تو آپؐ کے رشتہ دار ہی تھے' یا کم از کم وہ آپؐ کا دفاع اور حفاظت اپنا فریضہ سمجھ کر کرتے تھے۔ اگر آپ رشتے نبھانے والے نہ ہوتے' اگر رشتہ داروں سے محبت نہ ہوتی' تو رشتہ دار بھی آپؐ کے ساتھ محبت نہ رکھتے اور نہ آپؐ کی حفاظت کے لیے جان کی بازی لگائے رہتے۔

ابو طالب ایمان نہ لانے کے باوجود بھی قریش کی ایذا رسانی سے رسولِ رحمتؐ کی حفاظت کرتے' اور فرماتے تھے:

والله لن یصلوا الیك بجمعهم
حتی اُوسَّد فی التراب دفینا

اللہ کی قسم! یہ لوگ اپنی طاقت اور کثرت کے باوجود اس وقت تک تمہیں ضرر نہیں پہنچا سکتے جب تک میں خاک کو تکیہ بنا کر دفن نہ ہو جاؤں۔

نظریاتی مخالفت کے باوجود یہ محبت اسی وقت ممکن ہو سکتی ہے جب دوسرا فرد بھی محبت بانٹنے والا اور محبتوں کے پھول نچھاور کرنے والا ہو۔ دوسروں پر چادرِ محبت پھیلانے والا ہی دوسروں کی چادرِ محبت میں جگہ پا سکتا ہے' ورنہ کون کسی کی پروا کرتا ہے

یقیں محکم' عمل پیہم' محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

رشتہ داری نبھانا رشتہ داروں کے دلوں کو موم بنا دیتا ہے اور وہ داعیِ حق کے ساتھ اختلاف کے باوجود اس کی حفاظت اپنی اوّلین ذمہ داری سمجھتے ہیں۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ سیرتِ رسول ﷺ

کے برخلاف آج کل بالعموم اگر کسی سے کوئی مخالفت' ضد و عناد اور دشمنی کی جاتی ہے تو وہ اپنے ہی رشتہ داروں سے ہوتی ہے اور ان سے لڑائی جھگڑا اور بغض و حسد کیا جاتا ہے۔

رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات اور روابط بڑھانا انسان کی قدر بڑھاتا ہے۔ انسان کو حفاظت فراہم کرتا ہے' انسان کا اپنے اوپر اعتماد بڑھ جاتا ہے اور خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والوں کو اس کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبوت کے بعد اسی چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے ایک لازمی تعلیم کے طور پر پیش کیا' اور اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کو ''فاسق'' کا لقب دیا جو رشتہ کاٹنے والے ہیں: وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ (البقرہ ۲:۲۶۔۲۷) (اور اس کے ذریعے سے وہ نافرمانوں ہی کو گمراہ کرتا ہے جو اللہ کے عہد کو مضبوط کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جس چیز کو جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اس کو قطع کیے ڈالتے ہیں)۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ''رحم'' کو فرمایا کہ کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ جو تم سے وصل کرے (نبھائے)' میں اس کے ساتھ وصل کروں' اور جو تمہیں قطع کرے میں اس کو (اپنی رحمت سے) قطع کروں''۔ (صحیح البخاری)۔

مختصر یہ کہ صلۂ رحمی اور رشتہ نبھانے کو اسلامی شریعت میں بڑی اہمیت اصل ہے اور یہ چیز ہمیں رسولِ رحمتؐ کی نبوت سے پہلے اور بعد کی زندگی میں صاف نظر آتی ہے۔

۲: دوسروں کا بوجھ اٹھانا

دوسری چیز جس کی طرف خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے ایک مختصر جملے میں اشارہ کیا وہ ہے "وتحمل الکل" (آپ دوسروں کا بوجھ اٹھانے والے ہیں)۔

"کل" عربی زبان میں ''بوجھ'' کو کہا جاتا ہے' اور کبھی ان لوگوں کو بھی "کل" سے تعبیر کیا جاتا ہے جو معاشرے میں دوسروں پر بوجھ بنے ہوئے ہوں۔ معاشرے پر بالعموم وہی لوگ بوجھ بنتے ہیں جو مختلف مشکلات کے بوجھ تلے دبے ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کوشش کرتے تھے کہ دوسروں کے غم اور خوشی میں شریک ہوں۔ ان کی مشکلات آسان بنانے میں مدد دیں' اپنی تکلیف اور ضرورت کے باوجود دوسروں کو راحت اور خوشی دیں' دوسروں کے معنوی اور مادی بوجھ ان کے ساتھ اٹھائیں۔ نبی کریم ﷺ کی پوری چالیس سالہ زندگی اس بات کی گواہی دے رہی ہے کہ آپؐ نے کس طرح لوگوں کے بوجھ ہلکا کرنے میں

مدد دی۔

کبھی کوئی غم میں مبتلا ہوا تو آپؐ نے اس کے غم کو ہلکا کرنے کی کوشش کی' کوئی مصیبت سے دوچار ہوا تو مصیبت دور کرنے کی کوشش کی' کوئی مقروض ہوا' تو قرض اتارنے میں اس کی مدد کی' ایسی تمام مشکلات میں رسول اللہﷺ نبوت سے پہلے لوگوں کی مدد کیا کرتے تھے' اور نبوت کے بعد اسی غم گساری' ہمدردی' ایثار' قربانی اور دل جوئی کو اپنی تعلیمات کا حصہ قرار دیا۔

۳: بے سہاروں کو سہارا دینا

تیسری چیز جس کو خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے ایک مختصر جملے میں بیان کیا وہ ہے "و تکسب المعدوم" آپ بے سہاروں کو سہارا دینے والے ہیں۔ انسانی معاشرے میں ایسے لوگ موجود ہوتے ہیں جو کام کاج سے قاصر ہوں' ایسے لوگ زندگی گزارنے کے لیئے وسائل نہیں رکھتے اور نہ وسائل کا انتظام کر سکتے ہیں' محتاج فقیر اور مسکین ہوتے ہیں' ایسی صورت میں ضرورت اس امر کی ہوتی ہے کہ کوئی ایسا ہو جو ان کو سہارا دے' ان کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں مدد دے' اور یہی چیز ہمیں رسول رحمت ﷺ کی زندگی میں نظر آتی ہے کہ کتنے لاچاروں کی آپؐ نے سرپرستی کی' کتنے غلاموں کو آزاد کرایا' اپنی مجبوریوں کے باوجود دوسروں کی مجبوریوں کو ختم کرنے کی کوشش کی' اپنی مشکلات اور مصائب کے باوجود دوسروں کی مشکلات اور تکالیف دور کرنے میں مدد دی۔ کتنے یتیم بچوں کو شفقتِ پدری سے نوازا' کتنے لوگوں کو مشقتوں سے آزاد کیا' اور پھر جب نبوت ملی تو رحمت کے اس مظہر کو اپنی تعلیمات کا حصہ بنایا اور فرمایا:

من نفّس عن مسلم کربة نفّس الله عنه کُربة من کُرُبات یوم القیامة

جس نے کسی مسلمان کی کوئی تکلیف دور کی تو اللہ تعالیٰ قیامت کی تکالیف اس سے ہٹائے گا۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مدح کرتا ہے جو اپنی مجبوری کے باوجود دوسروں کی مجبوری ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں:

و یوثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصة

اور دوسروں کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں' خواہ خود ضرورت مند کیوں نہ ہوں۔

اس اہم جملے میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والوں کے لیے درسِ نصیحت ہے کہ وہ اپنی

دعوت کو مؤثر بنانے کے لیے معاشرے کے محروم طبقات کا خیال رکھیں' ان کی مدد کریں' ان کا ہاتھ بٹائیں اور ان کو سہارا دیں۔ مگر افسوس صد افسوس کہ اس اہم پیغمبری تعلیم پر عمل کرنے کو وارثینِ نبوت نے ترک کر دیا ہے اور دشمنانِ اسلام اس طرف متوجہ ہو گئے ہیں اور وہ معاشرے کے محروم طبقات کو گمراہ کرنے کے لیے اُن کی مدد کرتے ہیں۔آج اسلامی ممالک اور مسلم اقلیات میں عیسائی مشنری ان بے سہارا لوگوں کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کی مدد کے بہانے ان کو اپنے مذموم مقاصد کا نشانہ بنائے ہوئے ہیں' اور کتنے فقرا اور مساکین مسلمانوں کو انہوں نے دینِ فطرت سے ہٹا دیا ہے۔

اسلام کے لیے کام کرنے والے افراد اور جماعتوں پر یہ اوّلین ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ان محروم اور بے سہارا لوگوں کی کفالت کا پروگرام بنائیں' ان کو سہارا دیں' تاکہ وہ ان عیسائی مشنریوں کے مذموم عزائم کا نشانہ بننے سے محفوظ رہیں۔

۴: کمزوروں کو طاقت ور بنانا

چوتھے جملے میں ام المومنینؓ نے فرمایا: "و تقوی الضعیف"(آپ کمزروں کو طاقت ور بنانے والے ہیں)۔

معاشرے کے کمزور طبقات عموماً طاقت ور طبقات کے ظلم و ستم کا نشانہ بنتے ہیں۔ طاقت ور کمزوروں اور ضعیفوں کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں' ان کے ساتھ حیوانوں جیسا سلوک کیا جاتا ہے اور وہ بے چارے ایک وقت کی روزی کمانے کے لیے انہی طاقت ور طبقات کے دروازوں کی دربانی کرتے ہیں۔ اس کے برعکس ہم رسولِ رحمت ﷺ کی زندگی دیکھتے ہیں تو دونوں جہانوں کے سردار کی ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ معاشرے کے کمزور طبقات طاقت حاصل کریں تاکہ وہ ظالموں کے ظلم کا نشانہ بننے سے محفوظ رہیں۔ نبوت سے قبل بھی آپؐ سے اس سلسلے میں جو بن پڑا آپؐ نے کیا۔

آج کے دور میں بھی رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر عمل کرنے ہی سے اونچ نیچ ختم ہو گی۔ اونچائی کا اگر کوئی معیار ہے تو وہ صرف اور صرف تقویٰ اور خشیت الٰہی ہے:

يَٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓا۟ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ (الحجرات ۴۹:۱۳)

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو (اور) اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت

والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔

۵: تکالیف اور مشکلات میں ہاتھ بٹانا

آخر میں خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے فرمایا: "و تعین علی نوائب الحق" (آپ تکالیف اور مشکلات میں گھرے لوگوں کو مدد دینے والے ہیں)"۔

معاشرے میں لوگ مختلف شکلوں میں مصائب اور مشکلات کا سامنا کرتے ہیں' کبھی فاقہ کی شکل میں بھوک و افلاس کا شکار ہوتے ہیں' کبھی قدرتی آفات مثلاً زلزلہ' سیلاب' طوفان وغیرہ لوگوں کے گھر بار اجاڑ کر رکھ دیتی ہیں' کبھی دشمن حملہ کر کے لوگوں کو قتل اور لوٹ مار کرتا ہے اور کبھی خانہ جنگی چھڑ جائے تو لوگوں کو بے سروسامانی کی حالت میں گھربار چھوڑ کر نکلنا پڑتا ہے' یہ وہ حالات ہیں جس میں کسی ایسی ہستی کی ضرورت ہوتی ہے جو لوگوں کی مشکلات میں ان کا ساتھ دے' ان کی مدد کرے اور ان کی مصیبتوں کو ہلکا کرنے کے لیے ان کا ہاتھ بٹائے اور ان مشکلات اور تکالیف کو مستقلاً دور کرنے کا بندوبست کرے۔

ایسی بہترین ہستی کا قابلِ تقلید و اتباع نمونہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کی زندگی سے بہتر کہیں اور نہیں مل سکتا۔ نبوت کے بعد کی تو کیا بات' اس وقت تو وہ آپؐ کی ذمہ داری بن گئی' نبوت سے پہلے بھی آپؐ ہمیشہ مشکلات اور مصائب میں گرفتار لوگوں کی مدد اور نصرت کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ اگر جنگ اور لڑائی کا خدشہ ہوتا تو کوشش کر کے اس کا تدارک کرتے جس طرح حجرِ اسود رکھنے کے موقع پر قریش کے اختلاف کو دور فرمایا' اگر کہیں جنگ چھڑ گئی تو صلح کرانے میں شرکت کو اپنے لیے اعزاز سمجھا' جیسا کہ آپؐ حلف الفضول میں شریک ہونے پر خوشی کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔

حضرت خدیجہؓ کی زبان سے نکلے یہ پانچ جملے اگر ایک طرف رسولِ رحمت ﷺ کی قبلِ نبوت زندگی کی بہترین عکاسی کرتے ہیں تو دوسری جانب رسولِ رحمت ﷺ کے پیروکاروں کے لیے بھی مشعلِ راہ ہیں کہ وہ اپنے پیغمبرؐ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے رشتوں کو نبھائیں' دوسروں کا بوجھ اٹھانے میں مدد دیں' بے سہاروں کو سہارا دیں' کمزوروں کو طاقت ور بنانے اور ان کو طاقت وروں کے چنگل سے آزاد کرانے کی کوشش کریں اور تکالیف اور مشکلات میں لوگوں کی مدد کریں۔

اگر مسلمان معاشرے اس منہج نبوی پر عمل کریں تو ایک طرف یہ مثالی معاشرے بن جائیں گے اور دوسری جانب غیر مسلم جوق در جوق اسلام کی طرف لپکیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سیرتِ نبویؐ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ماہنامہ دعوۃ.......... اسلام آباد   جلد: ۱۶   شمارہ: ۷-۱۰

مکی زندگی میں
نبیِ مہربان ﷺ کی رحمت کے چند مظاہر

عبدالفرید بروہی

رسول اللہ ﷺ نے جس دور میں آنکھیں کھولیں، بنی نوع انسان آگ کے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے۔ جہالت اور جاہلیت پوری انسانیت پر چھائی ہوئی تھی۔ شرک و بت پرستی عام تھی۔ انسانیت ایک رہبر و رہنما کی تلاش میں بھٹک رہی تھی۔ اہلِ عرب مختلف قسم کی بدعات میں مبتلا تھے لیکن نبی کریمؐ نے نبوت سے پہلے بھی شرک سے پاک زندگی گزاری اور آپؐ ابتدا ہی سے توحید کے قائل تھے۔ آپؐ نے کبھی اپنی قوم کے مشرکانہ عقائد کو قبول نہیں کیا۔ آپؐ بتوں اور بت پرستی سے ہمیشہ بیزار رہے اور اپنی قوم کی مشرکانہ عبادات میں کبھی حصہ نہیں لیا۔ جاہلیت کے زمانے میں دینِ ابراہیمی میں جتنی تحریفات کی گئی تھیں ان میں سے آپؐ نے کسی کو نبی ہونے سے پہلے بھی قبول نہیں کیا بلکہ ہمیشہ کائنات اور اس کی تخلیق و مشاہدات پر غور و فکر فرماتے رہے۔

اللہ تعالیٰ کی جانب سے نبوت عطا ہونے کے بعد نبی کریم ﷺ نے یک دم ہی لوگوں کو دعوتِ عام دینے کا آغاز نہیں کیا۔ ابتدائی تین سال تک آپؐ خفیہ طریقے سے اسلام کی دعوت اپنے قریبی لوگوں کو دیتے رہے۔ یہ وہ لوگ تھے جن سے آپؐ کا قریبی اور گہرا تعلق تھا یا وہ اس کارِ خاص کو چھپائے رکھنے کے اہل تھے۔

ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ ایک روز مسلمان مکہ کی ایک گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ مشرکین کے ایک گروہ نے انہیں دیکھ لیا اور ان کو سخت سست کہا۔ بات بڑھتے بڑھتے لڑائی تک پہنچ گئی۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ایک شخص کو اونٹ کی ہڈی کھینچ ماری جس سے اس کا سر پھٹ

گیا۔ اس واقعہ کے بعد نبی کریم ﷺ نے حضرت ارقم بن ابی ارقمؓ کے مکان کو، جو صفا کے قریب واقع تھا دعوت و تبلیغ کا مرکز بنا دیا۔ جو لوگ مسلمان ہوتے وہ یہاں آ کر جمع ہوتے، نماز پڑھتے اور دین سیکھتے۔ تین سال کی خفیہ دعوت کے دوران میں اور علانیہ دعوتِ عام شروع ہونے کے بعد بھی یہ مقام مسلمانوں کا مرکز رہا اور دعوتِ اسلام میں اس دارِ ارقم کو مرکزی حیثیت حاصل رہی۔

تین سال تک تبلیغ اور دعوت کا کام خفیہ اور خاموش طریقے سے جاری رہا۔ اس دوران میں اہلِ ایمان کی ایک جماعت تیار ہوگئی جو دوسرے لوگوں تک انفرادی طور پر اس عظیم دعوت کو پہنچانے لگی۔

دعوتِ عام کی ابتدا

اللہ تعالیٰ کی جانب سے اسلام کے کھلم کھلا اظہار کا اذن ہوا تو سب سے پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خوف اور جھجک کے بغیر حرم میں جا کر نماز پڑھنا شروع کی۔ آپؐ کے اس طرح نماز پڑھنے سے قریش کے عام لوگوں نے پہلی مرتبہ یہ محسوس کیا کہ آپؐ کا دین ان کے دین سے الگ اور جدا ہے۔ دوسرے دیکھنے والوں کے لیے یہ عمل باعثِ حیرت تھا، مگر ابوجہل کی رگِ جاہلیت پھڑک اٹھی اور اس نے آپؐ کو دھمکیاں دے کر اس سے روکنے کی کوشش کی۔

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ ابوجہل نے قریش کے لوگوں سے پوچھا ''کیا محمد (ﷺ) تمہارے سامنے زمین پر اپنا منہ ٹکاتے ہیں؟'' لوگوں نے کہا: ''ہاں''۔ اس نے کہا ''لات اور عزیٰ کی قسم، اگر میں نے ان کو اس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو ان کی گردن پر پاؤں رکھ کر ان کا منہ زمین میں رگڑ دوں گا''۔ پھر ایسا ہوا کہ حضورؐ کو نماز پڑھتے دیکھ کر وہ اپنے ارادے کی تکمیل کے لیے آگے بڑھا مگر یکایک لوگوں نے دیکھا کہ وہ پیچھے ہٹ رہا ہے اور اپنا منہ کسی چیز سے بچانے کی کوشش کر رہا ہے۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ یہ تجھے کیا ہوگیا؟ تو اس نے کہا ''میرے اور ان کے درمیان آگ کی ایک خندق اور ایک ہولناک چیز تھی' اور کچھ پر تھے''۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ میرے قریب پھٹکتا تو ملائکہ اس کے چیتھڑے اڑا دیتے۔ (احمد، مسلم، نسائی)

دعوت کے دوسرے مرحلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (الشعراء، ۲۶: ۲۱۴) ''آپؐ اپنے نزدیک ترین قرابت داروں کو ڈرایئے'' کے مطابق اپنے خاندان کے قریب ترین افراد کو اپنے ہاں مدعو کیا جن میں بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے علاوہ بنی المطلب اور بنی عبد مناف بھی شامل تھے۔ اس دعوت میں کل پینتالیس (۴۵) آدمی شریک ہوئے

مگر قبل اس کے کہ نبی کریم ﷺ اپنی بات کہتے ابولہب بول اٹھا کہ دیکھو یہ تمہارے چچا اور چچا زاد بھائی موجود ہیں۔ بات کرو، لیکن نادانی چھوڑ دو اور یہ سمجھ لو کہ تمہارا خاندان تمہاری طرف سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور میں سب سے زیادہ حق دار ہوں کہ تمہیں پکڑوں۔ اگر تم اپنی بات پر قائم رہے تو یہ بہت آسان ہوگا کہ قریش کے سارے قبائل تم پر ٹوٹ پڑیں اور بقیہ عرب بھی ان کی امداد کرے۔ پھر میں نہیں جانتا کہ کوئی شخص اپنے خاندان والوں کے لیے تم سے بڑھ کر کوئی سخت آفت لایا ہو۔ اس طرح ابولہب نے پہلی مجلس خراب کردی۔ اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے خاموشی اختیار کرلی اور کوئی گفتگو نہیں کی۔

اس کے بعد آپؐ نے انہیں دوبارہ جمع کیا اور ان کے سامنے اپنی دعوت پیش کی۔ ابوطالب نے کہا کہ میں دینِ عبدالمطلب کو تو نہیں چھوڑ سکتا، مگر جس کام کا تم کو حکم دیا گیا ہے اسے تم کرو، میں تمہاری حمایت اور حفاظت کروں گا۔ ابولہب بولا: ''خدا کی قسم یہ بہت بری بات ہے۔ اس کا ہاتھ پکڑو قبل اس کے کہ دوسرے اس کو پکڑیں''۔ ابوطالب نے کہا:'' خدا کی قسم ہم اس کی حفاظت کریں گے جب تک ہماری جان میں جان ہے''۔

کوہِ صفا پر حق کی پکار

ایک روز نبی کریم ﷺ نے صبح سویرے صفا کے سب سے اونچے مقام پر کھڑے ہو کر پکارا یا صباحاہ، (ہائے صبح کا خطرہ)۔ یہ نعرہ عربوں کے لیے جانا پہچانا تھا اور اس وقت لگایا جاتا تھا جب کسی دشمن یا فوج کے حملہ کا فوری خطرہ ہوتا۔ یا صباحاہ کا نعرہ سننا تھا کہ قریش کے سارے لوگ وہاں جمع ہوگئے اور جو خود نہ آسکا اس نے اپنا نمائندہ بھیج دیا۔ جب سب لوگ جمع ہوگئے تو آپؐ نے فرمایا:

> لوگو! اگر میں تمہیں بتاؤں کہ اس پہاڑ کے دوسری طرف ایک بھاری لشکر ہے جو تم پر ٹوٹ پڑنا چاہتا ہے تو تم میری بات کو سچ مانو گے؟

> سب نے کہا: ''ہاں، ہم جانتے ہیں کہ آپ کبھی جھوٹ نہیں بولتے''۔

آپؐ نے فرمایا:''اچھا تو میں خدا کا سخت عذاب آنے سے پہلے تم کو خبردار کرتا ہوں۔ اپنی جانوں کو اس کی پکڑ سے بچانے کی فکر کرو''۔

اس پر ابولہب نے کہا، تو سارے دن غارت ہو، تو نے ہمیں اس لیے جمع کیا تھا؟ اس پر سورہ لہب نازل ہوئی۔ ''ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ خود غارت ہوا''۔ لیکن نبی رحمت کی رحمت، حوصلہ اور نرمی دیکھیے کہ آپؐ نے خود کوئی بددعا نہیں کی۔

کوہِ صفا پر لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینا دعوت و تبلیغ کا حکیمانہ انداز تھا اور اس طریقے سے اہل مکہ پر اسلام کی دعوت اور اللہ کی وحدانیت کو واضح کرنا تھا۔ نبی ﷺ نے اس موقع پر فرمایا: ''یہ سب کچھ سمجھانے کے لیے ایک مثال تھی۔ اب یہ یقین کر لو کہ موت تمہارے سر پر آ رہی ہے اور تمہیں خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ اور میں عالمِ آخرت کو بھی ایسا ہی دیکھ رہا ہوں جیسے دنیا پر تمہاری نظر ہے''۔

دشمنی اور ایذا رسانی کا آغاز

مکہ، بت پرستی اور شرک کا مرکز تھا۔ نبی کریم ﷺ نے جب لوگوں کو یہاں اسلام کی طرف بلایا تو پورے مکہ میں اس آواز نے جس میں شرک اور بت پرستی کو گمراہی کہا گیا تھا، مخالفت کی لہر دوڑا دی۔ اور اہل مکہ آپؐ اور آپؐ کی دعوت کی مخالفت میں کمربستہ ہوگئے۔ ان کے لیے یہ بات ناقابلِ برداشت تھی کہ کوئی ان کے معبودوں کو برا بھلا کہے اور ان کے آباؤ اجداد کے دین پر تنقید کرے۔

لیکن اس سب کے باوجود وہ آپؐ کو براہِ راست نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے اور نہ آپؐ کو جھوٹا قرار دے سکتے تھے کیوں کہ ان کے سامنے وہ شخصیت تھی جو امین اور صادق تھی، انسانی اقدار اور مکارمِ اخلاق کا اعلیٰ نمونہ تھی اور جس کی چالیس سالہ زندگی ان کے سامنے ایک کھلی کتاب کی صورت میں موجود تھی۔

قریش کے سردار آپؐ کو اسلام کی دعوت سے روکنے کی مختلف تدابیر سوچتے رہے بالآخر کافی غور و خوض کے بعد انہیں یہی سجھائی دیا کہ آپؐ کو اس کام سے روکنے کے لیے وہ ابوطالب سے مل کر ان پر دباؤ ڈالیں تاکہ وہ آپؐ کی حمایت کرنا چھوڑ دیں۔ چناں چہ اس سلسلے میں وہ کئی مرتبہ ان سے ملے مگر انہیں اپنے مقصد میں کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ ابوطالب کی جانب سے حمایت کے بعد آپؐ کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لائے۔ اس پر قریش کے سردار پیچ و تاب کھاتے رہے۔

قریش کے ہاتھوں مسلمانوں پر مظالم

رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد دعوت و تبلیغ کا کام نہایت زور و شور سے کرنا شروع کر دیا۔ جب قریش کا آپؐ پر بس نہ چلا تو انہوں نے اپنا سارا غصہ ان افراد پر اتارنا شروع کر دیا جو کمزور تھے اور مکہ میں ان کا کوئی حمایتی موجود نہ تھا۔ سب سے زیادہ مظالم ان غلاموں اور لونڈیوں پر توڑے گئے جن کا مکہ میں کوئی پشت پناہ نہ تھا۔اس کے علاوہ ہر قبیلہ اپنے قبیلے کے اس شخص پر ٹوٹ پڑا جو اسلام کے دائرہ میں داخل ہو گیا تھا۔

حضرت بلالؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ ان کے والد یاسرؓ اور والدہ سمیہؓ، حضرت خبابؓ بن الارت، حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت مصعبؓ بن عمیر اور کئی اصحاب کرام اس ظلم کی واضح مثال ہیں۔ غرض قریش کے لوگوں نے طرح طرح کے مظالم ان کمزور اور بے بس مسلمانوں پر ڈھائے لیکن ان پاکیزہ کردار افراد نے کفر کے مقابلے میں اسلام کو پسند کیا اور ثابت قدمی سے ہر طرح کی تکالیف کا مقابلہ کیا۔

نبی کریمؐ کے ساتھ قریش کی بدسلوکی اور جواب میں آپؐ کی شانِ کریمی

قریش کا ظلم و جور عام مسلمانوں سے بڑھتے بڑھتے مکہ کے معزز اور خاندانی لوگوں پر بھی شروع ہو چکا تھا۔ بالآخر انہوں نے نبی کریم ﷺ کو بھی تنگ کرنے اور اذیت پہنچانے کا آغاز کر دیا۔ مشرکین نے باہم سر جوڑ کر آپؐ کے خلاف ابولہب کی سربراہی میں ایک کمیٹی بنائی جس کا مقصد آپؐ کو تنگ کرنا اور آپؐ کی دعوت کا مذاق اڑانا تھا۔ بعثت سے پہلے ابولہب نے اپنے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے نکاح نبی کریم ﷺ کی دو صاحبزادیوں رقیہؓ اور ام کلثومؓ سے کیے تھے لیکن بعثت کے بعد اس نے ان دونوں کو طلاق دلوا دی۔ ابولہب کی بیوی ام جمیل، جس کا اصل نام اَروٰی تھا، وہ بھی نبیؐ کی دشمنی میں اپنے شوہر سے کم نہ تھی۔ وہ آپؐ کے راستے میں اور دروازے پر رات کو کانٹے ڈال دیا کرتی تھی۔ وہ ایک نہایت بدزبان اور فساد برپا کرنے والی عورت تھی۔ نبیؐ کے خلاف بدزبانی کرنا اور لگائی بجھائی کرنا اس کا شیوہ تھا اسی لیے قرآن نے اس کو حمالۃ الحطب (لکڑیاں ڈھونے والی یا لگائی بجھائی کرنے والی) کہا ہے۔ قریش کا ایک اور سردار عقبہ بن ابی معیط بھی اپنی بدبختی اور خباثتوں میں بہت بڑھا ہوا تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ قریش بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ ابوجہل بولا کہ آج شہر میں فلاں جگہ اونٹ ذبح ہوا ہے، اوجھڑی پڑی ہوئی ہے کوئی جا کر اٹھا لائے اور جب محمدؐ سجدہ کریں تو ان کی پیٹھ پر ڈال دے۔ اس پر شقی القلب عقبہ بن ابی معیط اٹھا اور نجاست بھری اوجھڑی اٹھا لایا۔ جب نبی کریم ﷺ سجدے میں تشریف لے گئے تو اسے آپؐ کی پیٹھ پر رکھ دیا۔ اس کے بعد وہ ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ سجدے ہی میں پڑے رہے، سر نہ اٹھایا۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں یہ سارا ماجرا دیکھ رہا تھا لیکن کافروں کا ہجوم دیکھ کر میں کچھ نہیں کر سکتا تھا یہاں تک کہ حضرت فاطمہؓ آئیں اور انہوں نے آپؐ کی پشت مبارک سے اوجھڑی اٹھا کر پرے پھینک دی اور ان سنگ دل لوگوں کو سخت سست کہا۔

ابوجہل بھی آپؐ کو ایذا پہنچانے میں کسی سے کم نہ تھا۔ وہ رسول اللہﷺ کو اپنی باتوں سے اذیت پہنچاتا اور اللہ کی راہ سے روکتا تھا۔ پھر اپنی اس حرکت اور برائی پر ناز اور فخر کرتا ہوا جاتا، گویا اس نے کوئی بہت ہی قابلِ ذکر کارنامہ انجام دیا ہے۔ ابوجہل نے جب پہلے دن آپؐ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا اسی دن سے آپؐ کو نماز سے روکتا رہا۔ ایک بار نبی ﷺ مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھ رہے تھے کہ اس کا وہاں سے گزر ہوا، دیکھتے ہی بولا: ''محمد! کیا میں نے تمہیں اس سے منع نہیں کیا تھا''؟ ساتھ ہی دھمکی بھی دی۔ رسول اللہﷺ نے بھی ڈانٹ کر سختی سے جواب دیا۔اس پر وہ کہنے لگا: ''اے محمد! مجھے کس بات کی دھمکی دے رہے ہو، خدا کی قسم اس وادی (مکہ) میں میری محفل سب سے بڑی ہے''۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: فلیدع نادیہ ''اچھا تو وہ بلائے اپنی محفل کو (ہم بھی سزا کے فرشتوں کو بلائے دیتے ہیں)''۔

ایک روایت میں مذکور ہے کہ آں حضرتؐ نے اس کا گریبان گلے کے پاس سے پکڑ لیا اور جھنجھوڑتے ہوئے فرمایا:

اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی ثُمَّ اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی (القیٰمۃ ، ۷۵:۳۴،۳۵)

(تیرے لیے بہت ہی موزوں ہے، تیرے لیے بہت ہی موزوں ہے۔)

اس پر یہ دشمنِ خدا کہنے لگا: ''اے محمد! مجھے دھمکی دے رہے ہو؟ خدا کی قسم تم اور تمہارا پروردگار میرا کچھ نہیں کر سکتے۔ میں مکے کی دونوں پہاڑیوں کے درمیان چلنے پھرنے والوں میں سب سے زیادہ معزز ہوں''۔

غرض مشرکین نے ہر طرح سے آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ کو اذیتیں پہنچائیں اور انہیں تنگ کیا۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن عاص سے ابن اسحاق نے ان کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ایک بار مشرکین حطیم میں جمع تھے، میں بھی موجود تھا۔انہوں نے رسول اللہﷺ کے بارے میں کہا کہ اس شخص کے معاملے میں ہم نے جتنا صبر کیا ہے اس کی مثال نہیں۔ حقیقت میں ہم نے اس کے معاملے میں بہت ہی بڑی بات پر صبر کیا ہے۔ ان کی یہ گفتگو چل رہی تھی کہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے۔ آپؐ نے پہلے حجر اسود کو بوسہ دیا پھر کعبہ کا طواف کرتے ہوئے مشرکین کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے آپ پر ایک چبھتا ہوا فقرہ کسا اور میں نے حضورﷺ کے چہرے پر اس کا ناگوار اثر محسوس کیا۔ پھر دوسری مرتبہ آپؐ گزرے، انہوں نے پھر آوازہ چست کیا اور میں نے محسوس کیا کہ آپ کو وہ ناگوار گزرا ہے۔ تیسری مرتبہ جب آپؐ گزرے اور انہوں نے یہی حرکت کی تو آپؐ رک کر کھڑے

ہو گئے اور فرمایا:

قریش کے لوگو! سنتے ہو؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں تمہارے پاس قتل و ذبح (کا حکم) لے کر آیا ہوں۔

عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ حضورﷺ کی اس بات پر سارے لوگ سُن ہوکر رہ گئے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سب کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں، یہاں تک کہ جو ان میں سب سے بڑھ بڑھ کر بول رہا تھا، اس نے اپنی طرف سے جو بہتر سے بہتر الفاظ پائے ان کے ذریعے سے آپ سے رحمت کا طلب گار ہوا اور کہا: ''اے ابوالقاسم! اچھی طرح گزر جایئے۔ خدا کی قسم آپؐ تو کبھی نادان نہ تھے''۔ چناں چہ حضورؐ وہاں سے پلٹ گئے۔ دوسرے روز یہ لوگ پھر حرم میں جمع ہوئے اور میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ انہوں نے آپس میں کہا:''کچھ یاد ہے کہ یہ شخص تمہارے معاملے میں کہاں تک بڑھ گیا ہے حتیٰ کہ اس نے وہ بات تک کھل کر کہہ دی جو کل کہی تھی اور پھر بھی تم نے اسے چھوڑ دیا''۔ اتنے میں حضور ﷺ سامنے سے نمودار ہوئے۔ آپؐ کے آتے ہی یک بارگی سب آپ پر جھپٹ پڑے اور آپؐ کو گھیر کر کہنے لگے: تم ہی ہو جو یہ اور یہ کہتے ہو؟ آپؐ نے فرمایا ''ہاں میں ہی ہوں جو یہ کہتا ہوں''۔ اتنے میں مَیں نے دیکھا کہ ان میں سے ایک شخص نے آپؐ کی چادر کو گریبان کے پاس سے پکڑ کر مٹھی میں لے لیا۔اس پر ابوبکرؓ آپؐ کی حمایت کے لیے اٹھے۔وہ روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے:

اتقتلون رجلاً ان یقول ربی اللہ

کیا تم لوگ ایک آدمی کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔

اس کے بعد وہ لوگ آپؐ کو چھوڑ کر پلٹ گئے۔ عبداللہ بن عمرؓ بن عاص کہتے ہیں کہ یہ سب سے سخت ترین ایذا رسانی تھی جو میں نے قریش کو کرتے ہوئے دیکھی تھی۔ لیکن ان سب سختیوں اور اذیت رسانیوں کے باوجود نبیِ مہربان نے کبھی بدلہ لینے یا ان کے لیے بددعا کرنے کا نہیں سوچا۔

ایذا کی مختلف صورتیں اور رسول اللہؐ کا کردار

اس زمانے میں قریش کا غصہ اسلام اور محمدﷺ کے خلاف روز بروز بڑھتا جا رہا تھا۔ عرب کے قبائل میں اسلام کی دعوت تیزی سے پھیل رہی تھی۔ قریش کی ساری کوششوں کے باوجود نہ صرف مکہ میں بلکہ بیرونی قبائل کے لوگ بھی مسلمان ہو رہے تھے۔ حبش میں نجاشی کی حمایت اور سرپرستی کی

وجہ سے مسلمان ایک اطمینان اور پرسکون زندگی گزار رہے تھے۔ اس پر مزید یہ کہ عرب کے دو جری اور بہادر سردار حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ اسلام لا کر مسلمانوں کی قوت میں اضافہ کا سبب بن چکے تھے۔ ان سب اسباب کی بنا پر قریش نے ظلم کی ایک صورت پر باہم اتفاق کرلیا اور وہ تھا بنی ہاشم کا مقاطعہ اور محاصرہ۔ قریش کے سرداروں نے ایک جگہ جمع ہوکر بالاتفاق ایک دستاویز لکھی جس میں اللہ کی قسم کھا کر یہ عہد کیا گیا تھا کہ جب تک بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب محمد(ﷺ) کو ان کے حوالہ نہ کر دیں اس وقت تک ان سے میل جول، شادی بیاہ، بول چال، خرید و فروخت کا کوئی تعلق نہ رکھا جائے گا۔ یہ واقعہ محرم ۷ نبوی کا ہے۔آپس میں اس عہد و پیمان کے بعد اس صحیفہ کو خانہ کعبہ کے اندر لٹکا دیا گیا جس کے بعد آپؐ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے ساتھ شعب ابی طالب میں محصور ہوگئے۔

محصوری کا یہ عرصہ تین سال پر محیط رہا۔ اس پورے زمانے میں قریش نے محصورین کی ایسی ناکہ بندی کی کہ کھانے پینے کی چیزیں پہنچنے کے تمام راستے بند ہوگئے۔ مکہ میں باہر سے جو کچھ آتا مشرکین جلد جا کر اسے خرید لیتے تاکہ محصورین ان سے کوئی چیز نہ خرید سکیں جس سے محصورین کی حالت دن بدن بدتر ہوتی گئی اور انہیں پتے اور چمڑے کھا کر گزارا کرنا پڑا۔ فاقہ کشی کا یہ حال تھا کہ بھوک سے بلکتے بچوں اور عورتوں کی آوازیں شعبِ ابی طالب سے باہر سنی جاتی تھیں۔ یہ لوگ صرف حج کے زمانے ہی میں نکلتے تھے اور دوسرا حج آنے تک اپنے محلے میں بند رہتے تھے۔ ان کے پاس بمشکل ہی کوئی چیز پہنچ پاتی تھی اور وہ بھی اس طرح کہ قریش کو اس کی خبر نہ ہو۔ ان سختیوں کے باوجود نبی مہربان اور ان کے ساتھی صبر و تحمل سے تمام حالات کا مقابلہ کرتے رہے اور رحمت و سخا کا مظہر بنے رہے۔ رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے اصحاب ایامِ حج میں باہر نکلتے اور مکے آنے والے حاجیوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے۔شعب ابی طالب میں پورے تین سال گزر گئے اس دوران میں جس استقامت کا مظاہرہ آپؐ نے کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے سے یہ اطلاع دی کہ اللہ کے حکم سے اس دستاویز میں موجود مضمون کو دیمک چاٹ گئی ہے اور صرف اللہ کا نام باقی رہ گیا ہے۔ اس کے بعد صحیفہ چاک کیا گیا اور نبیؐ اور بقیہ تمام افراد شعب ابی طالب سے باہر آگئے۔ یہ واقعہ ۱۰ نبوی کا ہے۔

نبوت کے دسویں سال نبی کریم ﷺ کو پے درپے دو صدمات پہنچے۔۱۰ نبوی میں آپ کے چچا ابوطالب کا انتقال ہوگیا ۔ انہوں نے لڑکپن سے آپؐ کی تربیت کی تھی اور نبوت کے بعد ہر موقع پر آپؐ کی مدد اور کفار کے مقابلے میں آپؐ کی پشت پناہی کی تھی۔ ابوطالب نے اسلام قبول نہ کیا

لیکن نبیؐ کے مددگار بنے رہے ۔ اس بنا پر آپؐ کو ان کے مرنے کا بہت صدمہ ہوا۔

ابوطالب کی وفات کے تین دن بعد ام المومنین حضرت طاہرہ خدیجہ الکبریٰ بھی رحلت فرما گئیں۔ اس وقت ان کی عمر ۶۵ برس تھی۔ حضرت خدیجہؓ رسول اللہ ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ کی بڑی گراں قدر نعمت تھیں۔ ان کی رفاقت آپؐ کے ساتھ تقریباً ۲۵ سال رہی اور اس دوران میں ہر ہر موقع پر انہوں نے آپؐ کی ہمت بندھائی اور آپؐ کا ساتھ دیا۔ مشکل ترین حالات میں انہوں نے آپ کو قوت پہنچائی، آپؐ کی خیرخواہی اور غم گساری کی۔ ان کے گزر جانے کا نبیؐ کو بہت صدمہ ہوا آپ کا ارشاد ہے:

> جس وقت لوگوں نے میرے ساتھ کفر کیا وہ مجھ پر ایمان لائیں۔ جس وقت لوگوں نے مجھے جھٹلایا انہوں نے میری تصدیق کی۔ جس وقت لوگوں نے مجھے محروم کیا انہوں نے اپنے مال میں مجھے شریک کیا اور اللہ نے ان سے مجھے اولاد دی اور دوسری بیویوں سے کوئی اولاد نہ دی۔

کفار کی اذیت رسانیاں

رسول اللہ ﷺ اس سال کو عام الحزن (غم کا سال) فرمایا کرتے تھے۔ان دونوں حادثات کی بنا پر آپؐ پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ دوسری طرف قریش کے لوگوں کی زیادتیاں بہت بڑھ گئیں۔ ایک روز قریش کے ایک احمق نے سر بازار حضور ﷺ کے سر مبارک پر مٹی ڈال دی۔ آپؐ اس حال میں گھر تشریف لے گئے۔ آپؐ کی صاحب زادیوں میں سے ایک آپؐ کا سر دھوتی جاتی تھیں اور روتی جاتی تھیں۔ حضور ﷺ انہیں یہ کہہ کر تسلی دیے جاتے تھے کہ ''بیٹی، رونہیں اللہ تیرے باپ کا حامی ہے''۔

طائف کا سفر اور آپؐ کا صبر و استقامت

شوال ۱۰ نبوی کے آخر میں نبی ﷺ نے طائف کا رخ کیا جو مکہ سے تقریباً ۶۰ میل کے فاصلے پر مشرق میں واقع ہے۔ اس سفر کا سبب یہ تھا کہ قریش کی ایذا رسانیوں سے آپؐ تنگ آگئے تھے اور آپ کو ان سے کسی خیر کی اُمید نہ رہی تھی۔ آپؐ کی نیت یہ تھی کہ قبیلہ ثقیف کو اسلام کی دعوت دیں اور اس کو اپنی حمایت اور نصرت کے لیے آمادہ کریں۔ اس کے علاوہ طائف اپنی آبادی اور خوش حالی و فارغ البالی کے باعث مکہ کے بعد دوسرے نمبر پر تھا۔ یہ شہر مشہور بت ''لات'' کی عبادت کا مرکز بھی تھا۔اس کی عبادت کے لیے لوگ اسی طرح یہاں آتے تھے جس طرح مکہ میں ''ہبل'' کی عبادت کرنے جاتے تھے۔ عرب کے امرا اور خوش حال طبقہ کے لوگ گرمیاں گزارنے طائف جایا

کرتے تھے۔ اس لیے آپ چاہتے تھے کہ اہلِ طائف کو اسلام کی دعوت دیں۔ اس سفر میں آپؐ کے ساتھ آپؐ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہؓ تھے۔ آپؐ پاپیادہ طائف پہنچے۔راستے میں ہر فرد اور قبیلے کو آپؐ اسلام اور اللہ کی وحدانیت کی دعوت دیتے جاتے تھے لیکن کسی نے آپؐ کی دعوت قبول نہ کی۔

اذیتوں کا سامنا

طائف کی سرداری اس وقت عمرو بن عمیر بن عوف کے تین لڑکوں عبدیالیل ، مسعود اور حبیب کے ہاتھ تھی۔ نبی کریم ﷺ ان سے ملے اور انہیں اسلام کی دعوت دی اور ان کو ایک اللہ کی طرف بلایا اور دعوت الی اللہ میں آپؐ کی مدد اور حمایت کرنے کا فرمایا۔ جواب میں ان میں سے ایک نے کہا ''میں کعبہ کے پردے نوچ ڈالوں اگر اللہ نے تم کو رسول بنا لیا ہے''۔ دوسرے نے کہا ''کیا خدا کو تمہارے سوا کوئی رسول بنانے کو نہیں ملا''۔ تیسرے نے کہا ''میں تم سے ہرگز بات نہیں کروں گا کیوں کہ اگر تم واقعی اللہ کے رسول ہو تو تم اس سے بزرگ تر ہو کہ میں تمہاری بات کا جواب دوں، اور اگر تم اللہ کا نام لے کر جھوٹ بول رہے ہو تو اس قابل نہیں ہو کہ تم سے بات کی جائے''۔ ان کے یہ جوابات سن کر حضورﷺ وہاں سے اٹھ گئے۔ چلتے ہوئے آپؐ نے ان سے صرف اتنا فرمایا: ''تم نے مجھ سے جو برتاؤ کیا سو کیا لیکن کم از کم اتنا کرو کہ میری بات کو مخفی رکھو''۔ مگر ان سرداروں نے ایسا نہ کیا بلکہ آپؐ کے پیچھے اوباشوں اور لفنگوں کو لگادیا۔ یہ آپؐ کو گالیاں دینے اور آپؐ پر آوازے کسنے لگے۔ رسول اللہﷺ اپنے قیامِ طائف کے دوران میں جو تقریباً ۱۰ دن پر مشتمل تھا ایک ایک سردار اور رئیس کے پاس گئے اور انہیں اسلام کی دعوت دی لیکن کسی نے بھی آپؐ کی دعوت قبو ل نہ کی بلکہ انہوں نے آپؐ کو اپنے شہر سے نکل جانے کو کہا۔ چناں چہ آپؐ نے واپسی کا قصد کیا۔ انہوں نے اپنے اوباشوں اور غلاموں کو آپؐ کے خلاف اکسایا۔ انہوں نے شور مچا کر گالیاں دیں اور لوگوں کو اکٹھا کیا۔ان لوگوں نے تاک تاک کر آپؐ کے ٹخنوں اور ایڑیوں پر پتھر مارے۔ وہ راستے کے دونوں جانب صفیں بنائے کھڑے تھے اور جیسے جیسے آپؐ قدم اٹھا کر چلتے جاتے تھے وہ آپؐ پر سنگ باری کیے چلے جاتے تھے، یہاں تک کہ آپ کے پاؤں لہولہان ہوگئے اور جوتیاں خون سے بھر گئیں۔ چوٹوں کی تکلیف سے جب آپؐ بیٹھ جاتے تو وہ آپ کو پکڑ کر کھڑا کردیتے تاکہ آپؐ پر پتھر برسائیں۔ چناں چہ جب آپؐ مجبوراً چلنا شروع کردیتے، وہ پتھر مارتے اور ٹھٹھے لگاتے چلے جاتے تھے۔ اس موقع پر حضرت زیدؓ ڈھال بن کر آپؐ کو پتھروں کی بارش سے بچاتے یہاں تک کہ ان کا سر پھٹ گیا۔

حضورﷺ کی رقت انگیز دعا

بالآخر حضورﷺ طائف سے نکل گئے اور وہ بدمعاش جو آپؐ کو اذیت دیتے ہوئے آپؐ کا تعاقب کر رہے تھے واپس لوٹ گئے تو زخموں سے چور اور نڈھال ہوکر آپؐ عتبہ اور شیبہ کے باغ کی دیوار کے ساتھ ایک انگور کی بیل کے سائے میں بیٹھ گئے۔ اس موقع پر آپؐ کا دل بھر آیا اور شدتِ غم سے آپؐ نے اپنے رب کی طرف رجوع کر کے رقت انگیز دعا کی جو دعائے مستضعفین کے نام سے مشہور ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

اللھم الیك اشکو ضعف قوتی وقلة حیلتی وھوانی علی الناس یاارحم الراحمین، انت ربّ المستضعفین وانت ربی، الی من تکلنی؟ الی بعید یتجھمنی ام الی عدو ملکته امری؟ ان لم یکن بك علی غضب فلا ابالی. ولکن عافیتك ھی اوسع لی، اعوذ بنور وجھك الذی اشرقت له الظلمات وصلح علیه امر الدنیا والاخرة من ان تنزل بی غضبك او یحل علی سخطك لك العتبی حتی ترضی، ولاحول ولاقوة الابك

یاالٰہی! میں تجھ ہی سے اپنی کمزوری و بے بسی اور لوگوں کے نزدیک اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں۔ یا ارحم الراحمین! تو کمزوروں کا رب ہے اور تو ہی میرا بھی رب ہے۔ تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا کسی بیگانے کے جو میرے ساتھ تندی سے پیش آئے؟ یا کسی دشمن کے جس کو تو نے میرے معاملے کا مالک بنا دیا ہے؟ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں ہے تو مجھے کوئی پروا نہیں، لیکن تیری عافیت میرے لیے زیادہ کشادہ ہے۔ میں تیرے چہرے کے اس نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہوگئیں اور جس پر دنیا و آخرت کے معاملات درست ہوئے کہ تو مجھ پر اپنا غضب نازل کرے، یا تیرا عتاب مجھ پر وارد ہو۔ تیری ہی رضا مطلوب ہے یہاں تک کہ تو خوش ہوجائے اور تیرے بغیر کوئی زور اور طاقت نہیں۔

اس واقعے کی تفصیل صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ انہوں نے ایک روز رسول اللہﷺ سے دریافت کیا کہ کیا آپؐ پر کوئی ایسا دن بھی آیا ہے جو اُحد کے دن سے زیادہ سنگین رہا ہو؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! تمہاری قوم سے مجھے جن جن مصائب کا سامنا کرنا پڑا ان میں سب سے سنگین مصیبت وہ تھی جس سے میں گھاٹی کے دن دوچار ہوا، جب میں نے اپنے آپ کو عبدیالیل بن عبد کلال کے بیٹے پر پیش کیا مگر اس نے میری بات منظور نہ کی تو میں غم و الم

سے نڈھال اپنے رخ پر چل پڑا اور مجھے قرن ثعالب پہنچ کر ہی افاقہ ہوا۔ وہاں میں نے سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بادل کا ایک ٹکڑا مجھ پر سایہ فگن ہے۔ میں نے بغور دیکھا تو اس میں حضرت جبریل علیہ السلام تھے۔ انہوں نے مجھے پکار کر کہا: آپؐ کی قوم نے آپؐ سے جو بات کہی، اللہ نے اسے سن لیا ہے۔ اب اس نے آپؐ کے پاس پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے تاکہ آپؐ ان کے بارے میں اسے جو حکم چاہیں دیں۔اس کے بعد پہاڑوں کے فرشتے نے مجھے آواز دی اور سلام کرنے کے بعد کہا: اے محمدؐ! بات یہی ہے۔ اب آپؐ جو چاہیں، اگر چاہیں کہ میں انہیں دو پہاڑوں کے درمیان کچل دوں تو ایسا ہی ہوگا۔ نبی ﷺ نے فرمایا (نہیں) بلکہ مجھے اُمید ہے کہ اللہ عز و جل ان کی پشت سے ایسی نسل پیدا کرے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرے گی اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائے گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت یہاں اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔ آپؐ پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے، لہو لہان کر دیا گیا۔ بدتمیز اور بدتہذیب لڑکے اور غلام آپؐ کے پیچھے لگا دیے گئے جنہوں نے نہ صرف جسمانی بلکہ روحانی طور بھی آپؐ کو شدید اذیت پہنچائی لیکن سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں، سلام اس پر کہ پتھر کھا کر بھی اپنے دشمنوں کو معاف کر دیا۔

سبحان اللہ، رحمت للعالمین کہ جن کو اتنا اختیار دیا گیا کہ اگر وہ چاہتے تو پہاڑوں کے فرشتے کو حکم دیتے اور اپنے دشمنوں سے بدلہ لے لیتے لیکن اس سب کے باوجود آپؐ نے انہیں نہ صرف معاف کر دیا بلکہ دعائیں دیں۔یہ وہ رحمۃ للعالمین ہیں جو دشمنوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کے طریق کی تعلیم اس طرح دیتے ہیں: ادفع بالتی ھی احسن (بدی کا بدلہ نیکی سے دو)۔ یہ وہ رحمۃ للعالمین ہیں جو تمام عالم سے نیکی اور عمدہ سلوک کی تعلیم دیتے ہیں، جو دین و مذہب کے متعلق کل عالم کو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ دین میں کوئی زور زبردستی نہیں۔ یہ وہ رحمۃ للعالمین جو دوست اور دشمن دونوں کے لیے سراپا رحمت و شفقت ہے۔

مکہ اور طائف کے لوگوں سے مایوس ہوکر نبیؐ نے عرب کے دوسرے قبائل کی طرف توجہ فرمائی۔ آپؐ ان قبائل کے پاس جاتے جو حج کے موقع پر منیٰ میں جمع ہوتے تھے یا عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز کے میلوں میں شریک ہونے کے لیے آتے تھے۔ طائف کے سفر سے پہلے بھی آپ ان مواقع پر ان قبائل عرب کے پاس جاتے تھے لیکن اب آپؐ نے دعوت الی اللہ کے ساتھ ساتھ قبائل کے اشراف اور سرداروں سے اپنی حمایت اور اس دعوت کے کام میں مدد کرنے کا بھی کہنا شروع کر دیا تھا۔ آپؐ ان سے کہتے کہ میری مدد کرو تاکہ میں اللہ کے پیغام کو دوسروں تک پہنچاؤں کیوں کہ قریش

نے مجھے اس کام سے روک دیا ہے۔آپؐ ان قبائل سے فرماتے کہ مجھے اپنے ہاں پناہ دو اور میری حمایت کرو تاکہ میں اپنے رب کا کلام پہنچاؤں۔ جہاں جہاں نبی کریمؐ جاتے ابوجہل اور ابولہب اور قریش کے دوسرے شریر سردار مسلسل نبیؐ کے پیچھے لگے رہتے اور ان قبائل کو آپؐ سے گمراہ کرنے اور ان کو ورغلانے کی کوشش کرتے۔ بسا اوقات یہ نبیؐ کو پتھر مارتے اور آپؐ پر خاک پھینکتے تھے مگر آپؐ نے اپنا کام جاری رکھا۔ان قبائل سے ملاقاتوں میں نبی کریم ﷺ کو طرح طرح کے لوگوں سے واسطہ پڑا۔ اکثر قبائل نے آپؐ کی دعوت ماننے سے انکار کردیا۔ کچھ قبائل نے نہ صرف انکار کیا بلکہ آپؐ سے بری طرح پیش آئے۔ اس طرح قبائل عرب اس نعمت سے محروم ہوگئے جو خود چل کر ان کے پاس آئی تھی۔

جب انصار نے عقبہ کے مقام پر نبی ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تو اس کے بعد رسول ﷺ نے مکہ کے مسلمانوں کو مدینے کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دے دیا۔مسلمانوں کے اس طرح مدینہ ہجرت کے بعد کفارِ قریش کو یقین ہوگیا کہ کسی روز خود نبی کریم ﷺ بھی مدینے کی طرف ہجرت فرما جائیں گے۔ وہ اس کے نتائج سے خوب آگاہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بیعتِ عقبہ اور اس کے بعد مسلمانوں کی مدینہ ہجرت کی بنا پر ان میں کھلبلی مچ گئی اور انہوں نے اس کے سدباب کے بارے میں سوچ بچار شروع کر دی۔

حضورؐ کے قتل کا فیصلہ

قریش کے سردار دعوتِ اسلامی کے علم بردار محمد ﷺ اور آپؐ کی دعوت کا سدباب کرنے کے بارے میں سوچ بچار کرنے لگے۔ اس حوالے سے آخری فیصلہ کرنے کے لیے قریش کے تمام قبائل کے سرداروں کا ایک خفیہ اجتماع دارالندوہ میں منعقد ہوا۔ اور اس بات پر مختلف تجاویز سامنے آئیں کہ اس خطرے کا سدباب کیسے کیا جائے۔اسلام کے سب سے بڑے دشمن ابوجہل نے یہ رائے پیش کی کہ ”ہم ہر قبیلے سے ایک عالی نسب، مضبوط اور تیز دست نوجوان کا انتخاب کریں اور وہ سب مل کر یک بارگی محمد (ﷺ) پر ٹوٹ پڑیں اور ان کو قتل کر ڈالیں۔ اس طرح ان کا خون تمام قبائل پر تقسیم ہو جائے گا اور بنو عبدمناف کے لیے ممکن نہیں ہو گا کہ وہ ساری قوم سے جنگ کر سکیں لہٰذا خون بہا پر راضی ہو جائیں گے“۔ اجتماعِ جرم کا یہ منصوبہ بنا کر یہ لوگ منتشر ہوگئے۔ اس ساری کارروائی کو اس قدر مخفی رکھا گیا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائی لیکن ان کی اس چال اور قتل کی سازش کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو کر دی:

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۔ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۔ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ (الانفال، ۸:۳۰)

(اور اے نبیؐ وہ وقت یاد رکھنے کے قابل ہے) جب کہ کفار تمہارے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے کہ تمہیں قتل کر ڈالیں یا جلاوطن کر دیں۔ وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے۔

نبی ﷺ کی ہجرت

جب معاملہ یہاں تک پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ حضرت جبریلؑ نے آ کر حضور ﷺ کو قریش کے ارادے سے باخبر کیا اور آپؐ کو ہدایت کی کہ آج رات آپؐ اپنے بستر پر نہ سوئیں۔

رسول اللہ ﷺ کے مکان کا گھیراؤ

اس کے بعد رسول ﷺ اپنے مکان پر تشریف لے گئے اور رات تک وہیں رہے تاکہ دشمنوں کو ذرہ برابر بھی اس بات کا شبہ نہ ہو پائے کہ آپؐ ان کے ارادوں سے باخبر ہو چکے ہیں۔ رات کو ٹھیک اپنے طے شدہ وقت پر وہ سب لوگ جو آپؐ کے قتل پر مامور کیے گئے تھے، گھات لگا کر آپؐ کے دروزے پر آ کر بیٹھ گئے ۔ یہ کل بارہ آدمی تھے ۔قریش کے یہ لوگ اس انتظار میں تھے کہ آپؐ باہر نکلیں تو آپؐ پر ایک ساتھ ٹوٹ پڑیں۔ اس نازک لمحے میں آپؐ نے حضرت علیؓ کو اپنی سبز حضرموتی چادر اوڑھا کر لٹا دیا اور فرمایا کہ یہ چادر اوڑھ کر سو جاؤ تمہیں ان کے ہاتھوں کوئی گزند نہیں پہنچے گی۔ اس حالت میں کہ دشمن آپ کے گھر کا گھیراؤ کیے ہوئے تھا آپؐ نہایت اطمینان سے باہر تشریف لائے اور ان کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے ان کے درمیان سے نکل گئے۔ آپؐ کی زبان مبارک پر یہ آیات تھیں:

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ (یٰس، ۳۶:۹)

ہم نے ان کے آگے رکاوٹ کھڑی کر دی اور ان کے پیچھے رکاوٹ کھڑی کر دی، ہم نے انہیں ڈھانک لیا ہے اور وہ نہیں دیکھ رہے ہیں۔

اس کے بعد آپؐ حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے گئے اور پھر ان کے مکان کی ایک کھڑکی سے نکل کر چند میل کے فاصلے پر واقع ثور نامی پہاڑ کے ایک غار میں جا پہنچے۔ صبح ہوئی تو ان لوگوں نے حضرت علیؓ کو حضور ﷺ کے بستر سے اٹھتے دیکھا، اس وقت انہیں معلوم ہوا کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم تو کبھی کے جا چکے ہیں۔ انہوں نے حضرت علیؓ سے آپؐ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا: ”مجھے کچھ معلوم نہیں“۔ حضرت علیؓ کو حضور ﷺ اس بنا پر چھوڑ گئے تھے کہ آپؐ کے پاس قریش کی امانتیں تھیں جو ان کو لوٹانا تھیں۔

یہ وہ چند حالات و واقعات تھے جو مکی زندگی میں آپؐ کو پیش آئے لیکن ایسے ہر ہر موقع پر آپؐ کی شانِ کریمی اور آپؐ کی رحمت للعالمینی کی جھلک نظر آتی ہے۔ اس قدر تکالیف کے باوجود بھی آپؐ نے اپنے سخت ترین دشمنوں سے بدلہ نہیں لیا بلکہ ان کے لیے دعائیں کیں۔ طائف میں جس قدر اذیت آپؐ کو دی گئیں کسی نبی کو نہیں ملی۔ اس کے باوجود جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہاڑوں کا فرشتہ آ کر یہ اختیار دیتا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو انہیں تباہ و برباد کر دیا جائے مگر آپؐ نے انہیں معاف کر دیا۔ فتح مکہ اہلِ مکہ کے تمام مظالم کا بدلہ لینے کا سب سے اچھا موقع تھا، اس عظیم الشان کامیابی کے موقع پر آپؐ کی رحمت للعالمینی کی صفت پہلے سے بھی کہیں زیادہ وسعت اختیار کر جاتی ہے اور آپؐ اپنی جان کے دشمنوں کے لیے عام معافی کا اعلان فرما دیتے ہیں۔

مدینے کا سفر ہے اور میں نم دیدہ نم دیدہ
جبیں افسردہ افسردہ قدم لرزیدہ لرزیدہ

چلا ہوں ایک مجرم کی طرح میں جانبِ طیبہ
نظر شرمندہ شرمندہ زباں لغزیدہ لغزیدہ

کسی کے ہاتھ نے مجھ کو سہارا دے دیا ورنہ
کہاں میں اور کہاں یہ راستے پیچیدہ پیچیدہ

بصارت کھو گئی لیکن بصیرت تو سلامت ہے
مدینہ ہم نے دیکھا ہے مگر نادیدہ نادیدہ

غلامانِ محمدؐ اس طرح آئیں گے محشر میں
سرِ شوریدہ شوریدہ دلِ گرویدہ گرویدہ

وہی اقبال جس کو ناز تھا کل خوش مزاجی پر
فراقِ طیبہ میں رہتا ہے اب رنجیدہ رنجیدہ

(اقبال عظیم آبادی)

ماہنامہ دعوۃ.......... اسلام آباد جلد: ۱٦ شمارہ: ۷۔۱۰

نبیِ رحمتؐ اور دیگر مذاہب

سید عزیز الرحمٰن

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت و شفقت کے مظاہر صرف اہلِ ایمان اور اہلِ اسلام کے لیے خاص نہیں، بلکہ آپؐ کی رحمت، رحمتِ عام ہے۔ اس لیے کہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپؐ نے غیر مسلموں سے، انہیں ان کے مذہب پر قائم رکھتے ہوئے، انسانیت کی بنیاد پر جو معاہدے کیے وہ تاریخِ انسانی میں نہ صرف اوّلیت کا شرف رکھتے ہیں بلکہ آج بھی وہ پوری انسانیت کے لیے رہ نما دستور ہیں۔مگر آپؐ کی رحمت غیر مسلموں تک بھی محدود نہیں یہ تو تمام جہانوں کے لیے ہے، جن میں چرند پرند حیوانات، نباتات سمیت سب ہی شامل ہیں۔

اسلام غیر مسلم شہریوں کو اپنی خالص نظریاتی ریاست میں بھی اسی درجے کا شہری تصور کرتا ہے، جس درجے کے وہاں رہنے والے مسلمان شہری ہیں، اور شہریت کے معاملات میں ان کے مابین کوئی تفریق نہیں کرتا جس کا ثبوت غیر مسلموں کو دیے جانے والے حقوق ہیں۔ آئندہ سطور میں ہم غیر مسلموں کو اسلامی ریاست میں حاصل حقوق کا ایک خاکہ پیش کرتے ہیں، جو قرآن کریم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے مستفاد ہے۔

ابتدا میں ایک وضاحت ضروری ہے، تاریخ میں بعض مقامات پر شاید یہ بات ملے کہ کسی موقع پر کسی مسلم حکمران نے کسی غیر مسلم کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک روا رکھا، یہ استثنائی صورتِ حال قطعاً اسلام کے مجموعی رویے کے خلاف حجت اور دلیل نہیں بن سکتی۔ ایسے واقعات تو ہر مذہب کے ماننے والوں کے بارے میں نہ صرف مل سکتے ہیں، بلکہ سہولت کے ساتھ دست یاب ہیں اور انسانی تاریخ ایسے واقعات سے پُر ہے۔ اصل چیز کسی بھی مذہب کا مجموعی رویہ اور اس کی بنیادی تعلیمات ہیں، جس کی بنیاد ہی پر فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ اس کے ہاں کسی بھی معاملے میں کیا اصول و قوانین موجود ہیں۔

ذیل میں ہم اسلامی ریاست میں بسنے والے غیر مسلموں سے تعلقات کی نوعیت، ان سے ہم آہنگی کے اسلامی تصور اور اسلامی تاریخ میں خصوصاً عہدِ نبوی اور عہدِ صحابہ میں اس کی مثالوں پر گفتگو کریں گے:

جان کی حفاظت

ہم آہنگی اور اتحاد بہت بعد کی چیز ہے، انسان کی سب سے پہلے ضرورت اس کی جان کی حفاظت اور زندگی کی ضمانت ہے۔ اسلام یہ ضمانت سب سے بڑھ کر اور اسی معیار کی دیتا ہے جیسی اس کی ریاست میں خود مسلمانوں کو حاصل ہے،کیوں کہ اسلام کی نظر میں جان کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ قرآن یہاں تک کہتا ہے:

كَتَبْنَا عَلَى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا ۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا (۱)

ہم نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ جو کوئی کسی کو مار ڈالے، بغیر کسی جان کے بدلے کے، یا زمین پر فساد پھیلانے کے بغیر، تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا، اور جس نے کسی کو بچا لیا تو گویا اس نے سب کو بچا لیا۔

انسانی جان کی اسی عظمت اور حرمت کے پیشِ نظر اسلامی ریاست میں غیر مسلم شہری کی جان کو وہی احترام اور عزت حاصل ہے جو احترام اور عزت کسی مسلمان کی جان کو حاصل ہو سکتی ہے، دونوں میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة،وان ريحها يوجد من ميسرة اربعين عاماً (۲)

جس نے کسی معاہد(غیر مسلم شہری جو اسلامی ریاست کا باشندہ ہو)کوقتل کر دیا، وہ شخص جنت کی خوش بو نہیں پائے گا، حالاں کہ اس کی خوش بو چالیس سال کی مسافت سے محسوس ہوگی۔

یہ تو قتل کا معاملہ تھا، اب اگر کوئی غیر مسلم قتل ہوجائے اور اس کے ورثا اس کا بدلہ لینے کے بجائے خون بہا لینے پر بہ خوشی آمادہ ہوں، جسے اسلام کی اصطلاح میں دیت کہتے ہیں تو اس کی دیت مسلمان ہی کے برابر ہوگی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ذمی کی وہی دیت ادا کی جو مسلمان کی دیت ہوتی ہے (۳) اور مسلمانوں کا اس اصول پر بعد میں بھی عمل رہا۔ اسلامی تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں، مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے

عہد میں قبیلۂ بکر بن وائل کے ایک مسلمان شخص نے حیرہ کے ایک غیر مسلم شہری کو ناحق قتل کردیا، حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اسے مقتول کے ورثا کے حوالے کر دیا جائے، چاہے وہ قتل کریں، چاہے معاف کریں، چناں چہ اسے ورثا کے حوالے کردیا گیا، جنھوں نے اسے قتل کردیا۔ (۴)

مال کی حفاظت

جان کے بعد دوسرا درجہ مال کا ہے، جو انسان کی دنیاوی ضرورتوں کی کفالت کرتا ہے،کسی بھی قوم سے اتحاد و یگانگت ان کے مال کی ضمانت دیے بغیر پروان نہیں چڑھ سکتی۔ اسلام نے اس حوالے سے بھی اہم اقدامات کیے ہیں، اور اسلامی ریاست میں غیر مسلم اس حوالے سے بھی مسلمانوں کے مساوی مقام کے حامل ہیں۔ جنگِ خیبر کے موقع پر جب یہود سے معاہدہ ہوچکا تو انہوں نے رسول اکرم ﷺ سے شکایت کی کہ مسلمان ہمارے پھلوں اور غلوں پر ٹوٹ پڑے ہیں، حال آں کہ یہ چیزیں محفوظ مقام پر رکھی ہوئی تھیں، آپؐ نے فوراً ہدایت فرمائی :

الا لا یحل اموال المعاھدین الا بحقھا (۵)

آگاہ ہوجاؤ کہ (غیر مسلم)معاہدین کے اموال قطعاً حلال نہیں ہیں، سوائے اس کے کہ اسے لینے کا حق (ریاست کی طرف سے) ہو۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

انما قبلوا عقدۃ الذمۃ لتکون اموالھم کاموالنا و دمائھم کدمائنا (۶)

انہوں نے ہم سے معاہدہ اسی لیے تو کیا ہے تاکہ ان کے اموال ہمارے اموال کی طرح اور ان کے خون ہمارے خون کی طرح ہوجائیں۔

عزت کی حفاظت

جس طرح اسلامی ریاست کسی مسلمان کی عزت کی ضامن ہے اسی طرح غیر مسلم شہری کی عزت کی حفاظت بھی اس کا فرض ہے۔

فقہائے حنفیہ نے یہ مسئلہ وضاحت سے بیان کیا ہے۔ علامہ شعرکانی لکھتے ہیں:

و یجب کف الاخری عنہ و تحرم غیبتہ کالمسلم (۷)

اور غیر مسلم شہری کو تکلیف و نقصان پہنچانے سے باز رہنا ضروری ہے، اور اس کی غیبت کرنا اسی طرح حرام ہے، جیسے کسی مسلمان کی غیبت کرنا۔

اگر کوئی شخص غیر مسلم شہری کو برا بھلا کہے گا تب بھی ایسا کرنے والے پر سزا لاگو ہو گی،

فقہا نے لکھا ہے:

ان المسلم اذا سب الذمی یعزر به (۸)

اگر مسلمان کسی غیر مسلم کو گالی دے گا تو اسے سزا دی جائے گی۔

حتیٰ کہ اگر کسی نے کسی غیر مسلم کو طنزاً کافر بھی کہا اور اس سے غیر مسلم کو تکلیف پہنچی تو بھی مسلمان گناہ گار ہو گا۔ (۹)

مذہبی آزادی

جب ہم اسلام اور غیر اسلام کی تفریق کرتے ہیں، تو یہ خالصتاً عقائد اور مذہب کی بنیاد پر ہوتی ہے، اور غیر مسلموں سے اتحاد کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ ہم انہیں مکمل مذہبی تحفظ فراہم کریں تاکہ وہ مذہبی ریاست میں اپنے آپ کو غیر محفوظ تصور نہ کریں۔ اسی بنا پر اسلام، مذہب اختیار کرنے کے معاملے کو شخصی مسئلہ قرار دیتا ہے، وہ اس معاملے میں کسی جبر کا قائل نہیں۔اخروی اعتبار سے کامیابی صرف اس کا مقدر ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے احکامات پوری طرح بجا لائے، مگر دنیا میں اسلام نے اپنی دعوت پوری طرح کھول کر سب کے سامنے پیش کردی ہے، اب ہر ایک کو اختیار ہے۔ قرآن کہتا ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (۱۰)

دین میں کوئی جبر نہیں، راہِ ہدایت گم راہی سے ممتاز ہوچکی ہے۔

اسی بنا پر اسلام غیر مسلم رعایا کو پوری مذہبی آزادی دیتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے جب نجران کی عیسائی آبادی سے معاہدہ فرمایا تو اس میں یہ شقیں بھی شامل تھیں:

ا۔ ان کی جان محفوظ رہے گی

ب۔ ان کی زمین، جائیداد اور مال وغیرہ ان ہی کے قبضے میں رہیں گے۔

ج۔ ان کے مذہبی عہدے کسی تبدیلی کے بغیر برقرار رہیں گے۔

د۔ صلیبوں اور مورتیوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔(۱۱)

اسی طرح عہدِ فاروقی میں جب بیت المقدس فتح ہوا، اور حضرت عمرؓ نے وہاں رہنے والوں سے معاہدہ کیا تو اس میں یہ بھی مذکور تھا:

یہ امان ان کی جان، مال، عبادت گاہوں، صلیب، بیمار و تندرست اور تمام اہلِ مذہب کے لیے ہے، ان کی عبادت گاہوں میں نہ تو سکونت اختیار کی جائے گی،

نہ وہ گرائی جائیں گی، نہ ان کو اور ان کے احاطوں کو کوئی نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں سے کوئی کمی کی جائے گی، نہ مذہب کے معاملے میں ان پر جبر کیا جائے گا، نہ ان میں سے کسی کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا۔ (۱۲)

اور صاحبِ بدائع الصنائع لکھتے ہیں:

ولا یمنعون من اظہار شیٔ مما ذکرنا من بیع الخمر و الخنزیر و ضرب الناقوس فی قریتہ او موضع لیس من امصار المسلمین و لو کانوا فیہ عدد کثیر من اہل الاسلام (۱۳)

ان کی آبادی میں ان مذکورہ چیزوں کے اظہار سے ان کو نہیں روکا جائے گا، جیسے خمر و خنزیر اور ناقوس بجانا، اور ایسے ہی اس شہر میں بھی منع نہیں کیا جائے گا جو مسلمانوں کے شہر نہیں ہیں، اگرچہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اس آبادی میں رہتی ہو۔

ریاستی امور میں غیر مسلموں کا حصہ

اس کے باوجود کہ اسلامی ریاست ایک نظریاتی ریاست ہوتی ہے، اس کے امور کو خاص اسلامی نقطۂ نظر سے چلانا ضروری ہوتا ہے، مگر اسلام اس قدر گنجائش ضرور فراہم کرتا ہے کہ بعض امور میں غیر مسلموں کو ریاستی امور کا ذمے دار بنایا جا سکے۔ چناں چہ ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں، جب ریاستی معاملات میں مسلمان حکمرانوں نے غیر مسلموں کو براہِ راست شریک کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں جو نئے علاقے اسلامی ریاست کا حصہ بنے، وہاں کے انتظامی امور جن غیر مسلموں کے سپرد تھے، بعد میں بھی کم و بیش وہی رہے، اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں حمص میں زکوۃ اور دیگر واجبات کی وصولی کے لیے ایک عیسائی شخص کو ذمے دار مقرر کیا گیا تھا۔ (۱۴)

اس نوعیت کی دوسری مثالیں بھی موجود ہیں۔

شخصی معاملات

اسلام شخصی معاملات (Personal Law) میں بھی اپنی ریاست کے غیر مسلم شہریوں کو مکمل شخصی آزادی دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ آزادی مسلمانوں اور غیر مسلموں کے باہمی روابط میں اضافے کا باعث بنتی ہے، اور اس سے ان کے مابین ہم آہنگی اور یگانگت پروان چڑھتی ہے۔ اسلام کا مزاج یہ

ہے کہ غیر مسلموں کے شخصی معاملات میں ان کے اپنے قانون کو مدنظر رکھا جائے گا، اور اس حوالے سے اسلامی قوانین کو زیر غور نہیں لایا جائے گا۔ چناں چہ اگر ان کے ہاں بغیر گواہ کے نکاح جائز ہو، یا محرمات کے ساتھ نکاح ان کے مذہب میں درست سمجھا جاتا ہو تو انہیں اس کی اجازت دی جائے گی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک بار حضرت حسن بصریؒ سے پوچھا تھا کہ کیا بات ہے خلفائے راشدین نے ذمیوں کو محرمات کے ساتھ نکاح اور شراب اور خنزیر کے معاملے میں آزاد چھوڑ دیا؟ تو حضرت حسن بصری نے جواب میں فرمایا:

انما بذلوا الجزیة ما یعتقدون و انما انت متبع و لا مبتدع (۱۵)

انہوں نے جزیہ دینا اسی لیے قبول کیا ہے تاکہ انہیں ان کے عقیدے کے مطابق زندگی بسر کرنے کی اجازت دی جائے۔ اور تمہارا کام تو سلف کے طریقے کی پیروی کرنا ہے، نہ کہ کوئی نیا طریقہ ایجاد کرنا۔

عدل و انصاف

اسلام عدل و انصاف کا مذہب ہے، اس کی نظر میں عدل و انصاف یہ نہیں ہے کہ صرف مسلمانوں کا خیال رکھا جائے، بلکہ انصاف کا جو بھی تقاضا ہو اسے ہر صورت میں نبھانا اسلام کا مزاج بھی ہے اور مسلمانوں کو اسی کی تاکید کی گئی ہے۔ چناں چہ قرآن کہتا ہے کہ دشمن کے معاملے میں فیصلہ کرتے ہوئے بھی انصاف سے کام لینا ازبس ضروری ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (۱۶)

اے ایمان والو! اللہ کے لیے انصاف سے گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ترک نہ کرو (اور) عدل کیا کرو، یہی پرہیزگاری سے قریب تر ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تمہارے اعمال سے با خبر ہے۔

اس آیت کریمہ سے ان غیر مسلموں کے بارے میں اسلام کا حکم واضح ہے جو اسلامی ریاست میں ہر طرح کے قوانین کی پاس داری کرتے ہوئے رہتے اور بستے ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان حکمران کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے:

ان السلطان ظل اللہ فی الارض یاوی الیہ کل مظلوم من عبادہ فاذا عدل کان لہ الاجر وعلی الرعیۃ الشکر، و اذا جار کان علیہ الاصر وعلی الرعیۃ الصبر (۱۷)

سلطان روئے زمین پر اللہ کا سایہ ہے، جس کی طرف خدا کے مظلوم بندے پناہ لیتے ہیں، جب وہ انصاف کرتا ہے تو وہ مستحق اجر ہوتا ہے اور رعایا پر شکر گزاری واجب ہوتی ہے، اور جب ظلم و جور کرتا ہے تو وہ گناہ گار ہوتا ہے اور اس وقت رعایا کو صبر سے کام لینا چاہیے۔

مسلمانوں کا یہ حد درجہ مبنی برانصاف رویہ غیر مسلموں کے غیر جانب دار طبقے کے لیے بھی متاثر کن ہے۔ چناں چہ اسلامی ریاست میں عدل و انصاف کی فراہمی کے حوالے سے اسلامی روایات کو سراہتے ہوئے گستاؤ لیبان کہتا ہے:

خلفائے راشدین کے زمانے میں ہر شخص برابر سمجھا جاتا تھا، اور ایک ہی قانون سب کے لیے تھا، حضرت علی بہ نفس نفیس خود عدالت کے سامنے مدعی بن کر آئے، اور ایک شخص پر دعویٰ کیا جس نے آپ کی زرہ چرائی تھی۔ جس وقت غسان کا نصرانی بادشاہ مسلمان ہوگیا تھا، حضرت عمر سے ملنے آیا تو ایک اعرابی نے نادانستہ اسے دھکا دیا، اس پر بادشاہ نے خفا ہو کر اسے مارا، اعرابی کی نالش پر حضرت عمر نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ بھی بادشاہ کو مارے، اس پر بادشاہ نے کہا اے امیرالمومنین کہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک شخص بادشاہ کو ہاتھ لگائے، خلیفہ نے جواب دیا کہ اسلام کا قانون یہی ہے، اسلام میں نہ درجے کی عزت ہے، نہ ذات کی، ہمارے پیغمبرِ خدا کی نظر میں سب برابر ہیں اور ان کے خلفا میں بھی یہی روایات قائم رہیں گی۔ (۱۸)

دفاعی امور میں غیر مسلموں کی شرکت

دفاعی امور میں بھی غیر مسلم براہِ راست شریک ہوسکتے ہیں، اور ان کی صلاحیتوں پر اعتماد کرتے ہوئے، ان سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ چناں چہ امام ابو بکر جصاصؒ لکھتے ہیں :

غیر مسلموں سے جنگ کے موقع پر مدد لی جا سکتی ہے۔ (۱۹)

اسی طرح جنگ کی صورت میں جو وصولی مالِ غنیمت کی شکل میں حاصل ہوگی، اس میں بھی غیر مسلموں کا حصہ ہوگا، اور ان کی شرکت جس نوعیت کی ہوگی، اس کے بہ قدر ان کو حصہ دیا جائے

گا۔ (۲۰)

غیر مسلموں سے تعلقات کی نوعیت اور اس کی مختلف صورتیں

معاشرتی اعتبار سے غیر مسلموں کو وہ تمام سہولتیں حاصل ہیں، جو کسی اسلامی ریاست کے مسلمان شہری کو حاصل ہوتی ہیں۔ اس کی بہت سی مثالیں اور بہت سے نظائر ہمیں عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں اور پھر عہد صحابہ میں ملتے ہیں۔ ذیل میں ہم انہیں علیحدہ علیحدہ عنوانات کی روشنی میں بیان کرتے ہیں۔

خاندانی تعلقات

خاندان وہ پہلی اکائی ہے جو انسانی معاشرے کی بنیاد بنتی ہے، اور انسانی معاشرہ ہی وہ جوہر ہے جس نے بڑھتے ہوئے آج پوری دنیا کو گلوبل ویلج کی صورت دے دی ہے۔ اسلام خاندان کی اس حیثیت کو تسلیم کرتا ہے، اور اسے بھرپور اہمیت دیتا ہے، بلکہ بطور مذہب بھی اور بہ اعتبار نظام بھی وہی تنہا خاندان کو اس کی صحیح حیثیت دینے کا علم بردار ہے۔ خاندان کی یہ اہمیت فقط مسلمانوں کے لیے نہیں، اسلام کی اپنے ماننے والوں کو ہدایت یہ ہے کہ ان کے غیر مسلم اقربا بھی ان کی خیر خواہی سے کسی طور پر بھی محروم نہیں رہنے چاہییں۔ اسلام کی یہ جامع ہدایات غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کی رواداری، ان سے ہم آہنگی اور مسلم معاشرے میں انسان دوستی پر مبنی یگانگت کے فروغ کے لیے نہایت اہم اور بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔ چند مثالیں دیکھیے:

والدین سے حسنِ سلوک

والدین کسی بھی خاندان کی بنیاد ہوتے ہیں، اس لیے خاندان کی سطح پر اسلام نے سب سے زیادہ جس کا خیال رکھنے کی تلقین کی ہے، وہ والدین ہی ہیں۔ پھر اسلام کی ہدایات یہ ہیں کہ والدین خواہ غیر مسلم بھی ہوں، ان سے عزت و احترام ہی کا معاملہ کیا جائے گا، اور ہر اعتبار سے ان کی خیر خواہی کی جائے گی۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ ہم نے انسان کو وصیت کی ہے کہ وہ والدین کا حق پہچانے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ والدین کا بھی شکر گزار بنے، آگے فرمایا:

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ" ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا (۲۱)

اور اگر وہ تجھے مجبور کریں کہ تو میرے ساتھ شرک کر جس کا تجھے علم نہیں ہے تو تو

ان کی بات نہ ماننا، اور ان کے ساتھ اچھائی کے ساتھ برتاؤ کرنا۔

یہ آیت وضاحت سے بتاتی ہے کہ غیر مسلم والدین کے ساتھ انسانی روابط کی حدود کیا ہیں؟ وہ اگر کسی غیر شرعی بات کا حکم دیں، کسی نافرمانی پر ابھاریں یا کسی اچھائی سے منع کریں تو بے شک ادب و احترام کے ساتھ ان سے اختلاف کیا جائے، مگر پھر بھی ان سے روابط میں تلخی نہ آنے پائے، اور ان کے ساتھ رویہ ہر اعتبار سے خیر خواہی والا ہی برقرار رہنا چاہیے۔ امام جصاصؒ کہتے ہیں کہ ''ان کا کفر و شرک، ان کے ساتھ کسی قسم کی بد سلوکی کے لیے جواز نہیں بن سکتا''۔ (۲۲)

فقہا نے وضاحت سے لکھا ہے کہ غیر مسلم والدین کا نان نفقہ اور ان کی ضرورتوں کی تکمیل انسان پر واجب ہے، علامہ مرغینانیؒ لکھتے ہیں:

لیس من المعروف ان یعیش فی نعم اللہ تعالٰی و یترکھما جوعا (۲۳)

یہ کوئی نیکی کا کام نہیں کہ انسان خود تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتا رہے اور والدین کو بھوکا چھوڑ دے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کی والدہ ان سے ملنے آئیں، انہوں نے حضور ﷺ دریافت فرمایا کہ کیا میں ان کی مدد کر سکتی ہوں؟ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں اپنی ماں کے ساتھ صلۂ رحمی کرو۔(۲۴)

اسی طرح غیر مسلم والدین سے تحائف کا تبادلہ بھی ہو سکتا ہے، اور ان کے ہدایا بھی قبول کیے جا سکتے ہیں۔ حضرت اسماءؓ کے اس واقعے میں یہ تفصیل بھی مذکور ہے کہ وہ چند چیزیں بطور تحفہ لائی تھیں، حضرت اسماءؓ کے پوچھنے پر نبی کریم ﷺ نے ان کے تحفے کو قبول کرنے کا بھی حکم فرمایا۔(۲۵)

رشتے داروں سے تعلقات

والدین کے بعد دوسرے رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کا مرحلہ آتا ہے، اسلام نے اس حوالے سے جہاں مسلمان رشتے داروں کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں جامع ہدایات دی ہیں، وہیں غیر مسلم رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کی بھی تلقین کی ہے، اور ان سے بھی تعلقات نبھانے کا حکم دیا ہے۔ اسلامی قوانین کی رو سے غیر مسلم، مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا، نبی اکرم ﷺ کا واضح فرمان مبارک ہے:

لا یرث المسلم الکافر، ولا الکافر المسلم (۲۶)

نہ تو مسلمان کافر کا وارث ہو گا، نہ کافر مسلمان کا۔

لیکن وراثت کے علاوہ مسلمان اپنے غیر مسلم رشتے داروں کی مدد و اعانت کر سکتا ہے اوراپنے مال میں سے ان کے لیے وصیت بھی کی جا سکتی ہے۔ ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے اپنے ایک یہودی عزیز کے لیے وصیت فرمانا ثابت ہے۔ چناں چہ حضرت عکرمہؒ کہتے ہیں:

باعت صفية زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم داراً لها من معاوية بماۃ الف، فقالت لذی قرابة لها من اليهود اسلم، فلك ان اسلمت ورثتنی، فابی، فاوصت له، قال بعضهم بثلاثين الفاً (۲۷)

ام المومنین حضرت صفیہؓ نے اپنا مکان حضرت معاویہؓ کو ایک لاکھ میں فروخت کیا، انہوں نے اپنے ایک یہودی عزیز سے کہا کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو میرے وارث بن جاؤ گے، اس نے انکار کر دیا، پھر انہوں نے اس کے لیے وصیت کی، جو بعض لوگوں کے قول کے مطابق تیس ہزار کی تھی۔

اس بنا پر امام شعبیؒ کا قول ہے کہ مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ نصرانی کے لیے وصیت کر سکتا ہے۔ (۲۸)

رشتے داروں سے حسنِ سلوک کا ایک طریقہ اس کے قرض دار ہونے کی صورت میں اس کا قرض معاف کرنا بھی ہے، اس کی مثال بھی ہمیں ملتی ہے، چناں چہ عبداللہ بن دوان نے ایک بار حضرت مجاہد سے سوال کیا کہ کیا میں اپنے مشرک رشتے دار کا قرض معاف کر دوں، جو میرا مقروض ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو، اور اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔ (۲۹)

غیر مسلم والدین کی طرح اپنے دیگر غیر مسلم اعزا و اقارب کے ساتھ ہدایا کا تبادلہ بھی ثابت ہے۔ حضرت عمرؓ کو ایک بار ریشم کا قیمتی جوڑا آپؐ سے ہدیے میں ملا تھا، انہوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ نے تو مردوں کو ریشم کے استعمال سے منع فرمایا ہے، پھر اس کا میں کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا: ''یہ اس لیے نہیں دیا کہ تم اسے پہنو، بلکہ اسے کسی استعمال میں لاؤ، اور اس سے فائدہ اٹھاؤ''، یہ سن کر انہوں نے اپنے ایک مشرک بھائی کو وہ جوڑا ہدیہ کر دیا۔ (۳۰)

عام معاشرتی روابط

اسلام میں جیسا کہ سب واقف ہیں تمام معاشرتی روابط پر بڑا زور دیا گیا ہے، اور معاشرے کے تمام طبقات کے مابین اچھے تعلقات کی تاکید کی گئی ہے، مگر یہ تعلقات بھی خالصتاً انسانی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں، اس میں مسلمان اور غیر مسلم کی تخصیص نہیں ہے۔ اسلام اپنے عقائد اور نظریات کے

بارے میں ادنیٰ مداہنت کا رویہ اختیار کیے بغیر ان سب تعلقات کو نبھانے اور معاشرے میں ہم آہنگی اور مکمل اتحاد کی دعوت دیتا ہے۔ ان معاشرتی روابط کی بہت سی صورتیں ہیں:

غیر مسلم پڑوسیوں سے تعلقات

پڑوس اگر اچھا ہو تو انسان کی بہت سی پریشانیاں از خود ختم ہو جاتی ہیں، اس لیے پڑوسی سے خیر خواہی پر مبنی تعلقات از حد ضروری ہیں، اسلام نے اس حوالے سے جو ہدایات دی ہیں،وہ اسی تناظر میں دی گئی ہیں، اور ان میں مسلم اور غیر مسلم یکساں ہیں، چناں چہ علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

قال العلماء الاحادیث فی اکرام الجار جاۃ مطلقۃ غیر مقیدۃ حتیٰ الکافر (۳۱)

علما نے کہا ہے کہ پڑوسی کے اکرام و احترام میں جو احادیث آئی ہیں وہ مطلق ہیں، اس میں کوئی قید نہیں ہے، کافر کی بھی قید نہیں ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ہاں بکری ذبح ہوئی تو انہوں نے گھر والوں سے دریافت کیا کہ یہودی پڑوسی کو اس میں سے کچھ بھیجا ہے؟ اس لیے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جبرئیل مجھے پڑوسی کے سلسلے میں اس قدر تاکید کرتے تھے کہ مجھے خیال ہوتا تھا کہ کہیں وہ اسے وارث نہ بنادیں۔ (۳۲)

غیر مسلموں کی مالی مدد

غیر مسلم اگر تنگ دست اور محتاج ہو تو اس کی بھی مالی مدد صدقات و خیرات کی شکل میں کرنی چاہیے، چناں چہ قرآن حکیم کی آیت: لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ (۳۳)(تم ان لوگوں کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں ہو بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے)کے ذیل میں آپؐ سے منقول ہے کہ آپ نے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد فرمایا کہ کسی بھی دین کے ماننے والا تم سے سوال کرے تو اس پر خرچ کرو۔ (۳۴)

چناں چہ حنفیہ کے ہاں یہی مسئلہ ہے، صاحبِ ہدایہ وضاحت سے فرماتے ہیں:

ولا یجوز ان یدفع الزکوٰۃ الیٰ ذمی و یدفع الیہ ما سوی ذٰلک من الصدقۃ (۳۵)

کسی ذمی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے، اس کے علاوہ دوسرے صدقات اسے دیے جا سکتے ہیں۔

غیر مسلم کا ذبیحہ

غیر مسلموں میں سے اہلِ کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں سے روابط میں یہ مزید سہولت

حاصل ہے کہ خود قرآن حکیم کے حکم کے مطابق ان کا ذبیحہ حلال ہے، اور اسے استعمال میں لانا جائز ہے:

اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ ۔ وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ ۔ وَطَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّھُمْ (۳۶)

آج تمہارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں، اور ان لوگوں کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے جو اہل کتاب ہیں، اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔

اس آیتِ مبارکہ میں طعام کا لفظ استعمال ہوا ہے، مفسر اعظم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تصریح کے مطابق اس سے ذبیحہ مراد ہے۔ امام بخاریؒ لکھتے ہیں:

قال ابن عباس طعامھم ذبائحھم (۳۷)

اسی طرح اس آیت کے آخری حصے سے یہ بھی متبادر ہوتا ہے کہ مسلمان بھی انہیں اپنے طعام میں شریک کر سکتے ہیں، اور ان کے ساتھ کھانا کھا سکتے ہیں۔ واللہ اعلم

غیر مسلم کو سلام کرنا اور دعا دینا

اسلامی معاشرت میں ایک دوسرے کو سلام کرنا، اس سے خندہ پیشانی سے ملنا اور بات کرنا، اس سے خیر خواہی کا معاملہ کرنا اور اسے دعائیں دینا بنیادی امر سمجھا جاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان امور کی نہایت سخت تاکید فرمائی ہے، اس حوالے سے بھی مسلمان اور غیر مسلم کی تفریق نہیں ہے، چناں چہ حضرت امامہ ابو امامہؓ نے فرمایا کہ یہ سلام مسلمانوں کے لیے برکت کی دعا اور ذمیوں کے لیے امن و امان کا اظہار ہے۔ (۳۸)

اور حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

اذا کانت لك حاجة عند یھودی او نصرانی فابداہ بالسلام (۳۹)

جب تمہیں کسی یہودی یا نصرانی سے کوئی حاجت درپیش ہو تو اس سے ملاقات کا آغاز سلام سے کرو۔

اسی طرح اگر غیر مسلم سلام کرے تو اس کا جواب بھی دیا جائے گا، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

ردوا السلام علی من کان یھودیا او نصرانیا او مجوسیا (۴۰)

ہر شخص کے سلام کا جواب دیا کرو، خواہ وہ یہودی ہو، نصرانی ہو یا مجوسی ہو۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ سے ایک یہودی کو دعا دینا بھی ثابت ہے، جس سے غیر مسلموں کو دعا دینے کا بھی اثبات ہوتا ہے۔ چناں چہ حضرت انس ؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے ایک یہودی سے پینے کی کوئی چیز طلب کی، اس نے وہ پیش کی تو آپؐ نے اسے دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حسین و جمیل رکھے۔ چناں چہ مرتے وقت تک اس کے بال سیاہ رہے۔ (۴۱)

عیادت

سماجی تعلقات میں ایک اہم چیز مریضوں کی عیادت ہے۔ بیمار پڑ جانے والے بھائی کی عیادت اور تیمارداری کرنا، اس کی راحت کا سامان کرنا اور اس کے لیے کلماتِ خیر کہنا بھی بہت بڑی بھلائی شمار ہوتا ہے جس کی اسلام نے بڑی تاکید کی ہے، اس بارے میں بھی اسلامی تعلیمات کے مطابق مسلمان اور غیر مسلم دونوں برابر ہیں۔ چناں چہ احادیث سے اس بات کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غیر مسلموں کی عیادت فرمائی ہے، چناں چہ عبدالرزاق کی روایت میں مذکور ہے کہ ایک یہودی لڑکا آپؐ کا پڑوسی تھا، وہ ایک بار بیمار پڑگیا، آپؐ کو علم ہوا تو صحابہ کے ہم راہ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے، اور اس سے فرمایا کہ اس بات کی گواہی دے دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، یہ سن کر اس لڑکے نے اپنے باپ کی طرف دیکھا، وہ چپ رہا، اس پر لڑکا بھی چپ ہو گیا، آپؐ نے پھر اپنی بات دہرائی، پھر تیسری بار فرمایا تو اس کے باپ نے اسے کہا کہ تمہیں جو کہا جا رہا ہے وہ جملے دہرا دو (یعنی اسلام قبول کرلو) چناں چہ اس نے وہ جملے کہہ دیے، اس پر اس کا انتقال ہو گیا، اس کے انتقال کے بعد یہودیوں نے اس کی تدفین کرنی چاہی تو آپؐ نے فرمایا کہ ہم اس کے زیادہ حق دار ہیں، چناں چہ آپؐ ہی نے اس کے غسل اور بعد میں کفن دفن کا انتظام فرمایا اور اس کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔ (۴۲)

اسی طرح آپؐ نے اپنے چچا ابو طالب کی بھی ان کے مرضِ وفات میں عیادت فرمائی تھی۔ (۴۳)

غیر مسلم کے جنازے کے ساتھ چلنا بھی ثابت ہے۔ عبدالرزاق ہی کی روایت ہے، عطاء بن ابی رباحؒ کہتے ہیں کہ اگر مسلمان اور کافر کے مابین قریبی قرابت داری ہے تو اسے چاہیے کہ جنازے میں شرکت کرے۔ (۴۴) اور جنازے کے احترام میں کھڑے ہونا تو خود نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے، چناں چہ بخاری کی روایت ہے کہ آپؐ ایک جگہ تشریف فرما تھے کہ سامنے سے جنازہ گزرا تو آپؐ کھڑے ہو گئے، عرض کیا گیا کہ یہ یہودی کا جنازہ تھا، آپؐ نے فرمایا کیا وہ نفس (جان) نہیں؟۔ (۴۵)

اسی طرح غیر مسلم سے اس کے اعزا کے انتقال پر تعزیت بھی کی جا سکتی ہے۔ ابن جریج اور سفیان ثوری سے منقول ہے کہ مسلمان تعزیت کرتے ہوئے غیر مسلم سے یوں کہے:

لله السلطان و العظمة، عش یا ابن آدم ما عشت، لا بد من الموت (۴۶)

اللہ ہی کے لیے تمام قوت اور عظمت ہے، اے بنی آدم جب تک زندگی ہے مزے کرو، آخر موت نے تو آنا ہی ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ اگر کسی یہودی یا نصرانی کے کسی عزیز کا انتقال ہو جائے تو اس سے کیسے تعزیت کی جائے؟ امام صاحب نے فرمایا کہ یوں کہو:

ان اللہ کتب الموت علی خلقه، فنسال الله ان یجعله خیر غائب ینتظر، وانا لله وانا الیه راجعون، علیك بالصبر فیما نزل بك، لا ینقص الله لك عددا (۴۷)

اللہ نے موت کو اپنی ہر مخلوق کے لیے مقدر کر دیا ہے، ہماری دعا ہے کہ موت جو ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے، جب آئے تو خیر کے ساتھ آئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، جو مصیبت آئی ہے اس پر صبر کرو، اللہ تعالیٰ تمہاری تعداد کم نہ کرے۔

کاروباری تعلقات

اسلام غیر مسلموں کو مکمل معاشی آزادی بھی دیتا ہے، چناں چہ اسلام انہیں اس امر کی اجازت دیتا ہے کہ وہ صنعت و حرفت، تجارت و زراعت اور دوسرے تمام شعبوں اور میدانوں میں اپنی پیشہ ورانہ سرگرمیاں مکمل آزادی اور اپنی پسند و دل چسپی کے ساتھ جاری رکھیں، ان پر ایسی کوئی پابندی عائد نہیں کی جاسکتی جو ریاست کے مسلم شہریوں پر نہ ہو، یا غیر مسلموں کے حوالے سے امتیازی سمجھی جائے۔ حتیٰ کہ وہ چیزیں جو ان کے ہاں جائز سمجھی جاتی ہیں مگر مسلم معاشرے میں ان کا داخلہ منع ہے، غیر مسلموں کو ان کے بارے میں بھی مکمل آزادی حاصل ہے، چناں چہ غیر مسلموں کو اپنے درمیان شراب اور خنزیر کی خرید و فروخت کی بھی مکمل آزادی حاصل ہے، حتیٰ کہ اگر مسلمان کسی غیر مسلم کی مملکت میں موجود خنزیر یا شراب کو نقصان پہنچاتا ہے، اور وہ ضائع ہو جاتی ہے تو مسلمان اس کا تاوان ادا کرنے کا ذمے دار ہوگا، فقہا کی وضاحت ملاحظہ ہو:

و یضمن المسلم قیمة خمره و خنزیره اذا اتلفهٔ (۴۸)

مسلمان شراب اور خنزیر کی قیمت کا ضامن ہوگا، اگر اسے تلف کرے گا۔

دوسری جانب اسلام یہ گنجائش بھی دیتا ہے کہ اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں سے کاروباری لین دین بھی ہو سکتا ہے، ان سے خرید و فروخت کی جا سکتی ہے، ان سے ادھار لیا جا سکتا ہے، اور ان تمام امور میں خیر خواہی کا جذبہ بیدار رہنا چاہیے، اور عدل و انصاف سے کام لینا چاہیے۔

چناں چہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہود سے ادھار لینا بھی ثابت ہے، زید بن سعنہؓ جب اسلام نہیں لائے تھے اور لین دین کا کاروبار کرتے تھے، اس دور میں آپؐ نے ان سے کچھ قرض لیا، معیاد پوری ہونے میں ابھی وقت باقی تھا کہ انہوں نے آ کر تقاضا کیا اور آں حضرت ﷺ کی چادر کھینچ کر آپؐ کو سخت سست کہا اور کہنے لگے کہ عبدالمطلب کے خاندان والو تم ہمیشہ یوں ہی حیلے بہانے کیا کرتے ہو۔ حضرت عمرؓ یہ سن کر غصے سے بے تاب ہو گئے اور ان سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ اے دشمن خدا تو رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کر تا ہے۔ مگر آپؐ نے ایک یہودی کی جانب سے اس کھلی گستاخی اور اشتعال انگیزی کو مکمل تحمل اور نہایت اطمینان سے برداشت کیا اور اسے کچھ کہنے کے بجائے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ مجھے تم سے یہ امید تھی کہ تم اسے سمجھاتے کہ نرمی سے تقاضا کرے اور مجھ سے کہتے کہ میں اس کا قرض ادا کر دوں، اور پھر ان سے فرمایا کہ اسے قرض ادا کر کے بیس صاع کھجور زیادہ ادا کر دو۔ (۴۹)

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے کچھ خریدا، اور اپنی زرہ بہ طور رہن اس کے پاس رکھی۔ (۵۰) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کی مزید وضاحت ملتی ہے، فرماتے ہیں:

اشتری رسول الله صلی الله علیه وسلم طعاما من یهودی للنسبة، ورهنه درعاله من حدید (۵۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے طعام خریدا تھا اور اس کے پاس اپنی لوہے کی زرہ رہن رکھی تھی۔

اسی طرح جب آپؐ نے انتقال فرمایا تب بھی آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی، جس سے آپ نے تیس صاع جو اپنے اہل خانہ کے لیے خرید فرمائے تھے۔(۵۲)

یہ وہ تمام نظائر تھے، جن کی روشنی میں اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کو متعین کیا جا سکتا ہے۔اور ان پر غور کرنے سے یہ حقیقت ہمارے سامنے روشن ہو سکتی ہے کہ اسلامی معاشرہ قانوناً بھی اور اخلاقاً بھی اپنے ہاں بسنے والے کسی بھی غیر مسلم کو کس نظر سے دیکھتا ہے، اس کا کس طرح خیال رکھتا ہے، اس کو کیا کیا حقوق عطا کرتا ہے اور اسے کس کس اعتبار سے مکمل آزادی عطا کرتا ہے، جس کا بعض صورتوں میں وہ اپنی ہم مذہب ریاست میں بھی تصور نہیں کر سکتا۔

غیر مسلموں سے بین الاقوامی تعلقات

دوسرا نکتہ جو بین المذاہب ہم آہنگی اور یگانگت کے اسلامی تصور کو واضح کرتا ہے، وہ ہے اسلامی ریاست اور مسلمانوں کا دوسری غیر اسلامی ریاستوں اور وہاں بسنے والے غیر مسلموں سے تعلق۔ اس میں دوسری غیر مسلم مذہبی ریاستیں بھی شامل ہیں، اور وہ ریاستیں بھی شامل ہیں جو سیکولر ہونے کی دعوے دار ہیں۔

غیر مسلموں سے تعلقات کی بہت سی نوعیتیں ہیں، جن پر تفصیل سے گفتگو کا یہ موقع نہیں ہے، لیکن اس کے چند پہلوؤں کو یہاں اجاگر کرنے کی کوشش کی جائے گی:

بین الاقوامی معاہدے

غیر مسلم ریاستوں سے اسلامی حکومت معاہدے کر سکتی ہے، اور یہ معاہدے صلح، امن، دفاع و سلامتی اور ایک دوسرے سے تعاون پر مبنی ہو سکتے ہیں، پھر ان معاہدوں میں جو بھی شرائط طے ہو جائیں، ان کی پاس داری لازمی اور ناگزیر ہے۔ ہر قسم کے عہد اور معاہدے کی پاس داری کے لیے قرآن کریم میں یہ حکم موجود ہے:

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا (۵۳)

اور عہد کو پورا کرو، بلاشبہ عہد کے بارے میں سوال ہو گا۔

دوسری جانب عہد توڑنے پر سخت وعید دی گئی ہے، حضرت انسؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لکل غادر لواء یوم القیامة یریٰ یوم القیامة یعرف به (۵۴)

ہر دھوکے باز کے لیے قیامت کے روز ایک جھنڈا ہو گا، جس سے وہ پہچانا جائے گا۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تو یہ قانونِ قدرت بھی بیان کرتے ہیں:

ماختر قوم بالعهد الا سلّط الله علیهم العدو (۵۵)

جب کوئی قوم عہد شکنی کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ لازماً دشمن کو اس پر مسلط کر دیتا ہے۔

اسلام کے نقطۂ نظر سے عہد کی پاس داری کے سلسلے میں مسلمان اور غیر مسلم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ چناں چہ میمون بن مہران فرماتے ہیں:

من عاهد ته اوف بعهده مسلما کان او کافرا، فانما العهد لله تعالی (۵۶)

جب بھی تم کوئی معاہدہ کرو تو اسے ضرور پورا کرو، خواہ تم نے مسلمان سے معاہدہ کیا ہو یا کافر سے، اس لیے کہ یہ معاہدہ تو تم نے درحقیقت خدا سے کیا ہے۔

اسلام میں معاہدوں کو حاصل ہونے والے اسی اعزاز و احترام کا نتیجہ تھا کہ جب صلح حدیبیہ کے موقع پر جب کہ ابھی معاہدے پر دستخط بھی نہیں ہوئے تھے، ابو جندل بن سہیل بن عمروؓ بیڑیاں پہنے ہوئے گرتے پڑتے مسلمانوں کے پاس پہنچے تو سہیل نے جو مشرکین مکہ کی جانب سے معاہدے میں شریک تھا، یہ اعتراض کیا کہ معاہدے کی شق کے مطابق آپ اس کو واپس بھیجنے کے پابند ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ابھی تو تحریر مکمل نہیں ہوئی، سہیل نے کہا کہ اے محمد (ﷺ) یہ پہلی بات ہے جس پر میں نے آپ سے صلح کی ہے کہ آپ اس کو (ابوجندل) مجھے واپس کر دیں۔ آپؐ نے فرمایا بے شک ہم نے ابھی تحریر مکمل نہیں کی ہے۔ سہیل نے کہا خدا کی قسم پھر ہم کبھی بھی آپ سے کسی بات پر مصالحت نہیں کریں گے۔ آپؐ نے فرمایا تم اس کو میری ضمانت میں دے دو، اس نے کہا میں اس کو آپ کی ضمانت میں نہیں دے سکتا۔ آپؐ نے پھر فرمایا، ہاں تم اس کو میری ضمانت میں دے دو۔ سہیل نے کہا میں ایسا نہیں کروں گا۔ ابو جندلؓ نے کہا اے مسلمانو! کیا مجھے مشرکوں کی طرف لوٹا دیا جائے گا، جب کہ میں مسلمان ہو کر آیا ہوں، کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں نے کیا کیا تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوجندل صبر کرو اللہ تعالیٰ جلد تم لوگوں کے لیے سامان پیدا کرے گا۔ (۵۷)

اس طرح صلح کے بعد جب آپؐ مدینہ منورہ واپس پہنچے تو ابو بصیرؓ عتبہ بن اسد مسلمان ہو کر اور مکہ سے فرار ہو کر مدینہ پہنچے، قریش نے فوراً معاہدے کا حوالے دے کر دو آدمی بھیجے، آپؐ نے ابو بصیر کو واپس کر دیا، مگر انہوں نے ذوالحلیفہ پہنچ کر اہل مکہ کے ایک ہرکارے کو قتل کر دیا، دوسرا بھاگ کر مدینہ پہنچا، ابو بصیر بھی وہاں آن پہنچے، مگر رسول اللہ ﷺ نے انہیں پھر واپس کرنے کی بات کی تو وہ از خود وہاں سے نکل کر سمندر کے کنارے پہنچ گئے، رفتہ رفتہ وہاں کئی افراد مکہ سے آ کر جمع ہو گئے، اور انہوں نے وہاں گھات لگا کر اہل مکہ کے قافلوں پر حملہ کرنا شروع کر دیا، جس پر قریش نے خود آپؐ سے درخواست کی کہ ابو بصیرؓ کو منع کریں، چناں چہ آپؐ نے انہیں منع کر دیا اور مدینہ آنے کی اجازت دے دی۔ قرآن حکیم میں یہ آیات نازل ہوئیں:

وَهُوَ الَّذِىْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ ۢبَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْىَ

مَعْكُوفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّه (۵۸)

اور وہی تو ہے جس نے تمہیں مکہ شہر میں ان پر فتح یاب کرنے کے بعد ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیے اور جو کچھ تم کرتے رہتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ اور یہ کافر وہی تو ہیں جنہوں نے انکار کیا اور تمہیں مسجد الحرام سے روک دیا اور قربانی کے جانوروں کو بھی ان کی جگہ پر پہنچنے سے روک دیا۔

ان واقعات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ غیر مسلموں سے کیے گئے معاہدوں کے بارے میں بھی اسلام کس قدر حساس ہے، اس کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگر فریقِ ثانی معاہدے کی خلاف ورزی کرے یا آپ اس پر اطمینان نہ رکھتے ہوں اور معاہدہ ختم کرنے کی نوبت آ جائے تو علانیہ اس کا خاتمہ کیا جائے۔(۵۹) اس معاملے میں کسی خفیہ فیصلے یا خفیہ پیش رفت کی قطعاً اجازت نہیں، نہ خاموشی سے ایسی کسی قوم پر حملہ کیا جاسکتا ہے۔

قرآن حکیم میں فرمایا:

اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ(۶۰)

جن لوگوں سے آپ نے معاہدہ کیا تھا، پھر ہر بار وہ اپنے عہد کو توڑ ڈالتے ہیں اور وہ ڈرتے نہیں، پھر اگر کبھی آپ ان کو لڑائی میں پا لیں تو ان کو ایسی سزا دیں کہ جو لوگ ان کے پیچھے ہیں وہ ان کو دیکھ کر بھاگ جائیں، تاکہ ان کو عبرت ہو۔ اور اگر آپ کو کسی قوم کی دغا بازی کا اندیشہ ہو تو ان کا عہد ان کی طرف پھینک دیجیے تاکہ وہ اور آپ برابر ہو جائیں، بے شک اللہ تعالیٰ دغا بازوں کو پسند نہیں کرتا۔

اس آیت مبارکہ کی تشریح نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد مبارک میں ملتی ہے، فرمایا جس کسی نے کسی قوم سے معاہدہ کیا تو وہ اسے نہ توڑے، حتیٰ کہ عہد کی مدت گزر جائے، یا اسے علانیہ ختم کر دو۔ (۶۱)

اس کی وضاحت کرتے ہوئے ملا علی قاری علامہ طیبی کا قول نقل کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

ای یعلمهم انه یرید ان یغزوهم و ان الصلح قد ارتفع، فیکون الفریقان فی علم ذالك سواء (۶۲)

انہیں بتا دیا جائے کہ ہم اب ان سے جنگ کا ارادہ رکھتے ہیں، اور صلح ختم ہو چکی ہے، اور اب دونوں فریق اس معاملے میں برابر یعنی اس معاہدے سے آزاد ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ حضرت امیر معاویہ ؓ کے عہد میں جب ایک بار اس قسم کا واقعہ پیش آیا تو ایک صحابیِ رسول کی طرف سے توجہ دلانے پر انہوں نے اپنا طریقۂ کار تبدیل کر دیا۔ واقعہ یہ تھا کہ حضرت معاویہؓ نے اپنے عہدِ حکومت میں ایک متعین مدت کے لیے رومیوں (عیسائیوں) سے صلح کا معاہدہ کیا تھا، ابھی وہ مدت ختم نہیں ہونے پائی تھی کہ انہوں نے رومی سرحد پر اپنی فوج اس ارادے سے جمع کرنی شروع کر دی کہ جوں ہی معاہدے کی مدت ختم ہو، ان پر حملہ کر دیا جائے، عین اسی حالت میں جب کہ فوجیں سرحد پر جمع ہو رہی تھیں مشہور صحابی حضرت عمرو بن عبسہ ؓ کو اس صورتِ حال کا علم ہوا، وہ فوراً وہاں پہنچ گئے اور کہا اللہ اکبر، اللہ اکبر، معاہدے کی بد عہدی کی جارہی ہے اور انہوں نے اس کارروائی کے خلاف سخت احتجاج کیا۔ حضرت معاویہؓ نے اس احتجاج کی وجہ پوچھی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد سنایا کہ جس نے کوئی معاہدہ کیا ہے وہ اس کو نہ توڑے اور نہ اس پر حملہ کرے، الا یہ کہ مدت ختم ہو جائے اور پھر ان کو معاہدہ ختم کرنے کی اطلاع دے، چناں چہ حضرت معاویہؓ نے اپنی جنگی کارروائی روک دی اور واپس لوٹ آئے۔ (۶۳)

مختلف معاہدے

غیر مسلم حکمرانوں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف نوعیتوں کے معاہدے کیے ہیں، جن سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اسلامی ریاست غیر مسلموں سے اس سلسلے میں اپنی ضرورت، ترجیحات، مقاصد اور مصالح کو مدنظر رکھتے ہوئے معاہدے کر سکتی ہے۔ چناں چہ نبی اکرم ﷺ سے بہت سی نوعیتوں کے معاہدے ثابت ہیں۔ذیل میں ان کی تفصیل پیش کی جاتی ہے:

معاہدات امن و صلح

یہ معاہدے دو ممالک یا زائد آپس میں صلح و امن کے لیے کرتے ہیں۔ یہ معاہدے دونوں حکومتوں کے سربراہ اور ان کے معاونین باہم مشاورت سے ترتیب دیتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قریشِ مکہ سے معاہدۂ صلح حدیبیہ اسی نوعیت کا معاہدہ تھا، جس میں یہ طے کیا گیا تھا:

۱۔دس سال تک دونوں فریقوں میں جنگ بند رہے گی، اس دوران میں کوئی ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار نہ اٹھائے گا اور نہ کوئی کسی سے خیانت کرے گا۔
۲۔عرب قبائل کو اختیار ہوگا کہ وہ جس فریق کے ساتھ چاہیں معاہدے میں شریک ہو جائیں۔
۳۔محمد (ﷺ) کے ساتھیوں میں سے جو شخص قریش کے پاس مکہ چلا جائے گا،اس کو واپس نہیں کیا جائے گا۔
۴۔قریش کا جو شخص اپنے ولی یا آقا کی اجازت کے بغیر بھاگ کر مدینہ جائے گا اس کو واپس کیا جائے گا، اگرچہ وہ مسلمان ہوکر جائے۔
۵۔ مسلمان اس سال عمرہ کیے بغیر واپس چلے جائیں گے، آئندہ سال آئیں اور کوئی ہتھیار اپنے ساتھ نہ لائیں سوائے تلوار کے اور وہ بھی نیام یا غلاف میں ہو۔ صرف تین دن مکہ میں قیام کریں گے اور عمرہ کرکے واپس چلے جائیں گے۔(۶۴)

معاہدۂ جوار

معاہدے کی دوسری نوعیت یہ ہوتی ہے کہ دو یا زائد فریق جو آپس میں پڑوسی ہوتے ہیں، حکومتی سطح پر یہ طے کرتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کا خیال رکھیں گے، اور باہمی مفادات میں مشترکہ اقدامات کریں گے، میثاقِ مدینہ سے اس بارے میں ہمیں راہ نمائی ملتی ہے، اس معاہدہ میں دیگر جو قبائل شریک تھے، ان میں یہی بات دہرائی گئی تھی کہ وہ تمام قبائل جو مدینے کی اسلامی ریاست سے معاہدہ کریں گے، اپنے معاملات میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کے مکمل پابند ہوں گے، چند شقیں دیکھیے:

۱۔ یہ ایک تحریری معاہدہ ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے رسول کا مسلمان قریش (مہاجرین) اور اہل یثرب (انصار وغیرہ) کے درمیان اور جو ان کے تابع ہیں ان کے درمیان، اور جو لوگ بھی ان کے تابع ہیں اور ان کے ساتھ جہاد کریں۔
۲۔ تمام (دنیا کے) لوگوں کے مقابلے میں ان کی علیحدہ وحدت (امت) ہو گی۔
۳۔ قریش یعنی مکہ سے آنے والے اپنے محلے کے ذمہ دار ہوں گے اور اپنا خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور اپنے یہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑایا کریں گے، تاکہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔
۴۔ اور متقی ایمان والوں کے ہاتھ ہر اس شخص کے خلاف اٹھیں گے جو ان میں سرکشی کرے یا جبراً کوئی چیز حاصل کرنا چاہے یا گناہ یا ظلم کا ارتکاب کرے یا کوئی شخص ایمان والوں میں فساد پھیلانا چاہے تو ایسے شخص کے خلاف بھی ان کے ہاتھ اٹھیں گے خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی

کیوں نہ ہو۔

۵۔ اور یہ کہ یہودیوں میں سے جو ہماری اتباع کرے گا تو اسے مدد اور مساوات حاصل ہو گی، نہ ان پر ظلم کیا جائے گا اور نہ ان کے خلاف کسی کو مدد دی جائے گی۔

۶۔اور یہ کہ جب کبھی تم میں کسی چیز کے بارے میں اختلاف ہو تو اس کے بارے میں خدا اور محمد (ﷺ) سے رجوع کیا جائے۔

۷۔ اور یہود اس وقت تک مومنین کے ساتھ اخراجات برداشت کرتے رہیں گے جب تک وہ مل کر جنگ کرتے رہیں۔

۸۔اور اگر کوئی یثرب یعنی مدینہ منورہ پر حملہ کرے گا تو مسلمان اور یہودی مل کر ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

۹۔ (الف) اور اگر ان کو کسی صلح میں مدعو کیا جائے تو وہ بھی صلح کریں گے اور اس میں شریک رہیں گے اور اگر وہ کسی ایسے ہی امر کے لیے بلائیں تو مومنین کا فریضہ ہو گا کہ ان کے ساتھ ایسا ہی کریں، بہ جز اس کے کہ کوئی دینی جنگ کرے۔

(ب) ہر گروہ کے حصے میں اس رخ کی (مدافعت) آئے گی جو اس کے بالمقابل ہو۔(۶۵)

معاہدۂ امان

کوئی حکومت اگر کسی دوسری متحارب قوت سے چند شرائط پر معاہدہ کرے، اور اس میں اسے مشروط طور پر امن سے زندگی گزارنے کا حق دیا جائے تو یہ معاہدۂ امان کہلاتا ہے۔ عہد نبوی میں اس کی مثال معاہدۂ نجران ہے جو نجران کے عیسائیوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین طے پایا تھا، یہ معاہدہ خصوصیت کے ساتھ اسلامی رواداری اور وسعتِ قلبی کا آئینہ دار ہے، اسی وجہ سے اسے ہر دور میں انسانیت کے اعلیٰ ترین اخلاقی تصور کی بنیاد کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

اس معاہدے کا متعلقہ حصہ ملاحظہ ہو:

و لنجران و حاشيتها جوار لله وذمة محمد النبي رسول الله على اموالهم و انفسهم و ارضهم و مالهم و غائبهم و شاهدهم و عشيرتهم و بيعهم وكل ما تحت ايديهم من قليل او كثير، لا يغير اسقف من اسقفيه و لا راهب من رهبانيته ولا كاهن من كهانته وليس عليه دية ولا دم جاهلية ولا يخسرون و لا يعسرون ولا يطأ ارضهم جيش، ومن سأل منهم حقا فبينهم النصف غير ظالمين و لا مظلومين، ومن اكل ربا من ذى قبل فذمتى منه بريئة، ولا يؤخذ رجل منهم بظلم آخر وعلى ما فى هذا الكتاب جوار الله و ذمة محمد النبى رسول الله أبداً حتى يأتى الله بامره، مانصحوا و اصلحوا ما عليهم غير متفلتين بظلم (٦٦)

نجران اور ان کے ماتحت اور ہم نوا لوگوں کے لیے اللہ کی پناہ اور محمد رسول اللہؐ کی ذمہ داری ہے ان کے مال، جان، زمین اور مذہب کی، اس میں وہ تمام لوگ جو موجود ہیں اور ان کے خاندان اور گرجے اور جو کچھ کم و بیش ان کے پاس ہے، وہ سب اس ذمہ داری میں داخل ہیں۔ کوئی پادری اپنے عہدے اور کوئی راہب اپنی رہبانیت سے روکا نہیں جائے گا، اور نہ کوئی کاہن اپنی کہانت سے روکا جائے گا۔ ان کے لیے کوئی دیت یا جاہلیت کے خون کا بدلہ نہیں ہے اور نہ ان کو نقصان میں ڈالا جائے گا اور نہ سختی میں، اور ان کی سرزمین کو فوج کے ذریعے سے پامال نہیں کیا جائے گا۔ اور ان میں سے جو کوئی اپنے حق کا سوال کرے گا اس سے انصاف برتا جائے گا، نہ وہ ظالم ہوسکیں گے اور نہ مظلوم۔ اور جو ان میں سے سود کھاتے ہوں گے ان کے لیے ہماری کوئی ذمہ داری نہیں ہے، اور کوئی آدمی کسی دوسرے کے جرم میں پکڑا نہیں جائے گا، ان کے لیے وہ تمام حقوق ہیں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اس وقت تک ذمہ داری ہے جب تک وہ صلاح و خیر خواہی سے رہیں اور اپنی ذمہ داری ادا کرتے رہیں، اور خود ظلم و زیادتی کی صورت اختیار نہ کریں۔

اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا معاہدہ بیت المقدس بھی اسی نوعیت کا ایک عظیم معاہدہ ہے، جس نے نہ صرف غیر مسلموں سے مسلمانوں کی رواداری پر مبنی تعلقات کا خوش گوار آغاز کیا، بلکہ اس نے آگے چل کر غیر مسلموں کے قلوب و اذہان کو اسلام کی جانب مائل کرنے میں بھی اہم کردار ادا کیا، معاہدہ ملاحظہ کیجیے:

هذا ما اعطى عبدالله عمر امير المومنين اهل ايليا من الامان اعطاهم امانا لانفسهم و اموالهم و لكنسائهم و صلبانهم سقيمها و بريئها و سائر ملتها انه لا تسكن كنائسهم و لا تهدم ولا ينتقص منها ولا من حيزها ولا من صليبهم ولا من شيئ من اموالهم و لا يكرهون على دينهم ولا يضار احد منهم ولا يسكن بايليا معهم أحد من اليهود وعلى اهل ايليا ان يعطوا الجزية كما يعطى اهل المدائن و عليهم ان يخرجوا منها الروم واللصوت فمن خرج منهم فانه آمن على نفسه و ماله حتى يبلغوا مأمنهم و من أقام منهم فهو آمن و عليه مثل ما على اهل ايليا من الجزية ومن احب من اهل ايليا ان يسير بنفسه و ماله مع الروم يخلي بيعهم و صلبهم فانهم آمنون على انفسهم و على بيعهم و صلبهم حتى يبلغوا مأمنهم، وعلى ما في هذا الكتاب عهد

الله ذمة رسوله ذمة الخلفاء و ذمة المومنين اذا اعطوا الذى عليهم من الجزية (٦٧)

یہ وہ امان ہے، جو خدا کے بندے امیر المومنین عمر نے ایلیا کے لوگوں کو دی، یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام اہل مذہب کے لیے ہے۔ ان کے گرجوں میں نہ سکونت اختیار کی جائے گی، نہ وہ گرائے جائیں گے اور نہ ان کو اور ان کے احاطوں کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی نہ کی جائے گی۔ نہ مذہب کے معاملے میں ان پر جبر کیا جائے گا، نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ ایلیا میں ان کے ساتھ کوئی یہودی نہ رہے گا۔ ایلیا والوں پر فرض ہے کہ وہ دوسرے شہر والوں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں کو اپنے یہاں سے نکال دیں۔ یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا اس کی جان و مال محفوظ رہے گی، جب تک وہ اپنی جائے پناہ تک نہ پہنچ جائے، اور جو ایلیا ہی میں رہنا چاہے، اس کو بھی امن ہے، اس کو جزیہ دینا ہو گا۔ اور ایلیا والوں میں سے جو شخص اپنی جان مال لے کر یونانیوں کے ساتھ جانا چاہے تو وہ، ان کے گرجے اور صلیب بھی مامون ہیں، یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں۔ جو کچھ اس میں تحریر ہے اس پر خدا، اس کے رسول، خلفا اور عام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے، بہ شرطے کہ یہ لوگ مقررہ جزیہ ادا کرتے رہیں۔

ان معاہدات سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلم حکومتوں سے بھی اسلامی حکومت برابری کی سطح پر امن و صلح کی بنیاد پر تعلقات استوار کرتی ہے، اور اس کا مقصد اصل امن و امان ہے، جس کے لیے وہ ہر ایک سے تعاون کرنے کو تیار ہے، بہ شرطے کہ اسلام کو اس سے نقصان پہنچنے کا خدشہ نہ ہو، اور مسلمان اس صورت میں اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔

تجارت

غیر مسلم ریاستوں سے تجارتی تعلقات بھی استورا کیے جا سکتے ہیں، چناں چہ صلح حدیبیہ سے پہلے کا واقعہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی عمدہ ترین کھجور عجوہ ابو سفیان کے پاس بھیجی اور معاوضے کے طور پر چمڑا طلب کیا۔ (٦٨)

بہ قول ڈاکٹر حمیداللہ یہ چمڑا طائف کا تھا، اور شامی راستے بند ہونے کے وجہ سے وہاں پڑا

ہوا خراب ہو رہا ہو گا۔ (۶۹)

مالی مدد

غیر اسلامی ریاست کی ضرورت کے وقت مالی مدد بھی کی جا سکتی ہے، اور انسانی بنیادوں پر مشکل وقت میں ان کا ہاتھ بھی بٹایا جا سکتا ہے، چناں چہ فتح مکہ سے پہلے ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں سخت قحط پڑا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سفیان کے پاس پانچ سو اشرفیوں کی خطیر رقم بھیجی کہ مکہ کے غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کرے، اگر چہ یہ صورتِ حال مشرکینِ مکہ کے لیے پریشان کن تھی، کیوں کہ اس کے نتیجے میں رائے عام میں تبدیلی آنے اور مسلمانوں کے لیے اچھے جذبات پیدا ہونے کا قوی امکان تھا، اسی بنا پر اس وقت کے سردارِ مکہ ابو سفیان نے کہا تھا کہ محمد چاہتا ہے کہ اب مکہ کے غربا اور نوجوانوں کو ورغلا کر بھٹکائے اور ہمارے خلاف کھڑا کردے۔ (۷۰)

جب یمامہ کے رئیس ثمامہ بن آثال ﷺ نے اسلام لانے کے بعد مکے کو غلے کی سپلائی بند کر دی اور مکہ مکرمہ میں قحط پڑا، تو اہلِ مکہ آپؐ سے مدد کے طالب ہوئے، آپؐ نے ثمامہؓ کو پیغام بھیجا کہ پابندی اٹھا لو، چناں چہ غلے کی فراہمی پھر شروع ہوگئی۔(۷۱)یہ بھی یقیناً مالی مدد کی ایک اہم شکل تھی۔

ہدایا کا تبادلہ

غیر مسلم حکمرانوں اور معززین سے ہدایا کا تبادلہ بھی آپؐ کے اسوۂ حسنہ سے ثابت ہے۔ آپؐ نے ہدایا دیے بھی ہیں، اور قبول بھی فرمائے ہیں، چناں چہ حضرت علی‎ؓ فرماتے ہیں:

> اھدیٰ کسریٰ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقبل منه و اھدیٰ له قیصر فقبل منه و اھدت له الملوك فقبل منھم (۷۲)
>
> کسریٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ہدیہ دیا، آپ نے قبول کیا، اسی طرح قیصر نے ہدیہ دیا،آپؐ نے قبول کیا اور (دوسرے) بادشاہوں نے آپؐ کو ہدیے دیے، آپؐ نے قبول فرمائے۔

چناں چہ ایلیا کے بادشاہ نے ایک مرتبہ آپؐ کو بطور تحفہ ایک سفید خچر پیش کیا اور ایک چادر آپؐ کو پہنائی، آپؐ نے اس کا قبضہ اس کے علاقے پر برقرار رکھا۔ (۷۳)

اسی طرح روایت میں آتا ہے کہ اکیدر دومہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ریشمی کرتہ بطور ہدیہ بھیجا تھا، جسے لوگ تعجب سے دیکھنے لگے تو آپؐ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات

کی جس کے قبضے میں محمد (ﷺ) کی جان ہے، بلاشبہ جنت میں سعد بن معاذ کے رومال بھی اس سے عمدہ ہوں گے۔ (۷۴) بزار نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ حمیر کے بادشاہ ذی یزن نے آپ کی خدمت میں مَن (شہد کی ایک خاص قسم) کا ایک گھڑا بھیجا تھا، جو آپؐ نے قبول فرمایا۔ (۷۵)

اسی طرح آپؐ نے مختلف ممالک کے حکمرانوں کو تحفے بھی عطا فرمائے۔ مثال کے طور پر حمیر کے بادشاہ ذی یزن کے لیے آپؐ نے بیس سے زیادہ اونٹوں کے عوض ایک جوڑا خرید کر تحفہ میں بھیجا۔ (۷۶)

سفیروں کا احترام

اسلام میں سفیروں کو مکمل احترام حاصل ہے اور انہیں کسی قسم کی تکلیف دینا اسلام کا مزاج نہیں۔ وہ انسان کے بنیادی حقوق کبھی سلب نہیں کرتا اور سفرا کو مکمل عزت دینے کا قائل ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ (۷۷)

اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص آپ سے پناہ طلب کرے تو آپ اس کو پناہ دے دیجیے، تاکہ وہ اللہ کا کلام سن لے، پھر آپ اس کو اس کے امن کی جگہ پہنچا دیجیے، یہ اس لیے ہے کہ وہ علم نہیں رکھتے۔

کسریٰ کے سفیروں کا واقعہ مشہور ہے، جب آپؐ نے ان کی گستاخی پر فرمایا تھا کہ اگر سفرا کو قتل نہ کرنے کی روایت نہ ہوتی تو میں تمہیں قتل کرا دیتا۔

اس لیے سفرا کے احترام کی روایت اسلام میں بھی متواتر چلی آرہی ہے، اور ان کے مقام کا پاس رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔

غیر مسلموں سے دوستی یا تعلقات؟ اسلام کا نقطۂ نظر

اوپر بیان کی گئی تفصیلات اس حوالے سے ہمارے لیے کامل و مکمل راہنمائی فراہم کرتی ہیں کہ اسلام غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کے سلسلے میں مکمل ہدایات عطا کرتا ہے اور اس کا پیغام یہ ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ کسی قسم کا تعصب یا امتیاز نہیں برتا جائے گا، لیکن یہاں ایک سوال بے حد اہم ہے وہ ہے غیر مسلموں کے ساتھ دوستی اور قلبی تعلق رکھنے کا حکم؟ قرآن حکیم میں واضح طور پر اس امر کی مخالفت آئی ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ دوستی کا معاملہ کیا جائے۔

چناں چہ اس سلسلے میں جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ ولی کا ہے، ولی کے بہت سے معنیٰ ہیں، اس کے ایک معنیٰ ناصر یعنی مدد کرنے والے کے ہیں، ایک معنی اس کے متولی یعنی امورِ عالم کا اہتمام اور مخلوق کی ضرورتیں پوری کرنے والے کے ہیں۔(۷۸) اللہ تعالیٰ کے اسما میں ایک نام الوالی ہے، جس کے معنی ہیں تمام اشیا کا مالک اور ان میں ہر طرح کے تصرف کا مکمل اختیار رکھنے والا۔ (۷۹) اسی طرح ولایت، امارت کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتی ہے۔(۸۰) ولی سرپرست کو بھی کہتے ہیں، جیسے یتیم کا سرپرست وغیرہ، اور نکاح وغیرہ کے امور میں اپنی سرپرستی میں پرورش پانے والے بچوں پر اختیار رکھنا وغیرہ (۸۱)

پھر ولی دوست کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ لغات وغیرہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولیٰ اور اولیا جو مولیٰ کی جمع ہے، یہ الفاظ رب، مالک، سردار، محسن، مدد کرنے والے، تابع دار، پڑوسی، قریبی عزیز، حلیف وغیرہ بہت سے معنیٰ میں استعمال ہوتے ہیں (۸۲) غیر مسلموں سے دوستی کی ممانعت کے لیے قرآن حکیم نے یہی لفظ استعمال کیا ہے۔ قرآن حکیم میں یہ لفظ متعدد مقامات پر استعمال ہوا ہے جہاں واضح طور پر غیر مسلموں خصوصاً یہود و نصاریٰ سے دوستی کی ممانعت کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر سورۂ آل عمران میں فرمایا گیا :

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ (۸۳)

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو کوئی ایسا کرتا ہے تو اس کو اللہ سے کوئی واسطہ نہیں، ہاں اگر تم ان سے کوئی بچاؤ کرنا چاہتے ہو(تو کوئی مضائقہ نہیں) اور اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اور سورۂ توبہ میں ارشاد ہوا :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَي الْاِيْمَانِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (۸۴)

اے ایمان والو! تم اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ، اگر وہ ایمان کے مقابلے میں کفر کو عزیز رکھیں اور تم میں سے کوئی ان کو دوست رکھے، سو ایسے ہی لوگ بڑے نافرمان ہیں۔

جب کہ مائدہ میں حکم ہوا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۗىِٕمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (۸۵)

اے ایمان والو! تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ بہت جلد ایسی قوم کو پیدا کر دے گا جن کو وہ دوست رکھتا ہو گا اور وہ اللہ کو دوست رکھتے ہوں گے، وہ مومنوں کے ساتھ نرم ہوں گے اور کافروں کے ساتھ سخت، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال نہ کریں گے، یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جس کو چاہے عطا فرما دے اور اللہ بڑی وسعت والا (اور) علم والا ہے۔

ان آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام غیر مسلموں سے اچھے تعلقات کا تو خواہاں ہے، اور اس کے لیے جزئیات تک پر محیط جامع ترین ہدایات اپنے پیروکاروں کو دیتا ہے، مگر ان سے دوستی اور قلبی تعلق کو وہ قطعاً پسند نہیں کرتا، یہ اس کے مزاج ہی کے خلاف ہے، کیوں کہ اسلام کی آمد اور نبی آخر الزماںﷺ کی بعثتِ مبارکہ کے بعد اب اسلام سے ہٹ کر کسی مزید دین کی کوئی ضرورت یا گنجائش باقی نہیں رہی، اخروی کامیابی صرف اور صرف اسی پیغامِ ہدایت میں پنہاں ہے جو محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوری انسانیت کے سامنے واضح فرما دیا، اسی لیے قرآن واضح الفاظ میں کہتا ہے:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَھُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (۸۶)

اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو چاہے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو گا۔

اس مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یقیناً ہر نیک تحریک کے بانی کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی تحریک کے قیام و بقا اور حفاظت کی خاطر اس تحریک کے پیروؤں کو اس کے ان مخالفوں کے ساتھ میل جول، رازداری اور رفاقت سے روک دے جو زور یا سازش سے اس کے مٹانے اور برباد کر دینے کے درپے ہوں، خصوصاً ایسے وقت میں جب اس تحریک کو تیغ و خنجر و لشکر سے مٹا دینے کی کوششیں ہو رہی ہوں۔اور طرفین میں لڑائی کی سی حالت قائم ہو۔ یا غلط شبہے اور افواہیں پھیلا کر اس کے پیروؤں کو برگشتہ کرنا

چاہتے ہوں۔(۸۷)

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا یہ مؤقف بالکل بجا، معروضی حالات کے بالکل موافق اور عقل و نقل ہر ایک سے ثابت شدہ اور مسلمہ اصولوں کے عین مطابق ہے، قرآن غیر مسلموں کی ولایت اور دوستی کے مقابلے میں اللہ کی دوستی کی تلقین کرتا ہے۔وہ کہتا ہے:

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۗ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (۸۸)

(اے نبیؐ) آپ کہہ دیجیے کہ کیا میں اللہ کے سوا جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے، کسی اور کو اپنا مددگار بنا لوں، حال آں کہ وہی سب کو کھلاتا ہے اور اس کو کوئی نہیں کھلاتا۔ آپ کہہ دیجیے کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے میں فرماں برداری کروں اور یہ بھی کہ مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہوں۔

اسی طرح وہ مومنوں کو باہم ایک دوسرے کے دوست اور مددگار بننے اور آپس میں مودت و ولایت قائم کرنے کی تلقین کرتا ہے، اس کے الفاظ ہیں:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ (۸۹)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا اور وہ لوگ (انصار) جنہوں نے (مہاجروں کو) رہنے کی جگہ دی اور ان کی مدد کی، وہی ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔

نیز فرمایا:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ (۹۰)

اور مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور رفیق ہیں۔

یہ ایسی بات ہے جس کا ثبوت بائبل سے بھی ملتا ہے، عہد نامۂ جدید میں ہے:

میں نے خط میں تم کو یہ لکھا تھا کہ تم حرام کاروں اور لالچیوں یا ظالموں یا بت پرستوں سے نہ ملو کیوں کہ اس صورت میں تم کو اس جہان سے نکلنا ضرور ہوتا۔ مگر میں نے اب تمہیں یہ لکھا ہے کہ اگر کوئی بھائی کہلاکر حرام کار یا لالچی یا بُت پرست یا طعنہ زن یا شرابی یا ظالم ہو تو تم اس سے میل نہ رکھو۔ بلکہ ایسے کے ساتھ کھانا تک نہ کھانا ۔کیوں کہ باہر والوں پر فتوئی دینے سے مجھے کیا واسطہ۔ کیا

تم ان کا جو اندر ہیں انصاف نہیں کرتے؟ خدا ہی باہر والوں پر فتویٰ دے گا۔پس اُس برے شخص کو اپنے درمیان سے نکال دو۔ (۹۱)

اور دوسری جگہ پر حکم ہے :

تم غیر مومنین کے ساتھ ناہموار جوئے میں نہ جُتو، کیوں کہ صداقت اور غیر صداقت میں کیا شراکت ہے؟ یا روشنی کا تاریکی سے کیا میل؟ مسیح کو بلیعال کے ساتھ کون سی موافقت ہے؟ یا مومن کا غیر مومن سے کیا واسطہ؟ اور خدا کی ہیکل کو بتوں سے کون سی مناسبت ہے؟ کیوں کہ ہم تو زندہ خدا کی ہیکل ہیں۔(۹۲)

دوستی کے لیے دوسرا لفظ مودت استعمال ہوتا ہے،قرآن حکیم میں ایک مقام پر لفظ مودت بھی استعمال ہوا ہے، اور غیر مسلموں کا ذکر کرکے ان سے رشتۂ مودت استوار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔سورۂ ممتحنہ میں ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ (۹۳)

اس سے بھی یہی مراد ہے کہ اسلام غیر مسلموں سے دوستی، قرابت داری اور قلبی رشتوں کو پسند نہیں کرتا اور سماجی تعلقات اور معاشرتی روابط سے منع نہیں کرتا، جب کہ سیاسی سطح پر غیر مسلم ریاستوں سے مسلمانوں کے مصالح کو پیش نظر رکھ کر ان سے تعاون اور تعلقات استوار کرنے کی بھی اجازت دیتا ہے۔

اس تمام بحث کا خلاصہ علامہ خازن نے یوں بیان کیا ہے:

فان قلت قد اجمعت الامة علی انه تجوز مخالطتهم و معاملتهم و معاشرتهم فما هٰذه المودة المحظورة؟ قلت المودة المحظورة هی مناصحتهم وارادة الخیرلهم دینا و دنیانا مع کفرهم فاما ماسوی ذٰلك فلاحظر فیه (۹۴)

اگر تم یہ سوال کرو کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ کفار کے ساتھ میل جول رکھنا، معاملات کرنا اور معاشرتی تعلقات رکھنا جائز ہے تو وہ یہ کون سی مودّت ہے جس سے منع کیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ ان کے کفر کے باوجود ان کے ساتھ دین و دنیا کے پہلو سے اخلاص اور خیر خواہی کا رویہ اختیار کیا جائے۔ اس کے علاوہ دوسرے تمام معاملات میں ان سے موالات ممنوع نہیں ہیں -

خلاصۂ کلام

اوپر مذکورہ بحث سے ہمیں جو ہدایات اور راہنمائی حاصل ہوتی ہے اس کا خلاصہ چند نکات کی صورت میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

۱۔ اسلام امن اور سلامتی کا داعی ہے اس لیے وہ پوری کائنات میں امن و استحکام قائم کرنے کا خواہاں ہے۔ وہ جہاد کی دعوت دیتے ہوئے بھی یہی کہتا ہے کہ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (۹۵) یہی وجہ ہے کہ وہ فتنے کے خاتمے اور امن و استحکام کے قیام کے لیے سخت سے سخت اقدامات تجویز کرتا ہے۔

۲۔ اسلام کسی خاص گروہ کا مذہب نہیں، اس کی نظر میں سب برابر ہیں اور ہر شخص اسلام کی تعلیمات تسلیم کرکے اس کی عالم گیر برادری کا رکن بن سکتا ہے۔

۳۔ اسلام عملی زندگی میں سماجی اور معاشرتی تعلقات کو اہمیت دیتا ہے۔

۴۔خالص مذہبی اور اعتقادی معاملات کے علاوہ تمام تعلقات اور روابط میں اسلام غیر مسلموں کے ساتھ کسی قسم کے امتیازی اقدامات کو پسند نہیں کرتا۔

۵۔ اسلامی ریاست میں بسنے والے غیر مسلموں کو نہ صرف ہر طرح کی مکمل آزادی حاصل ہے، بلکہ ان کے ساتھ مسلمانوں کے معاشرتی تعلقات بھی غیر امتیازی بنیاد پر استوار ہوتے ہیں۔

۶۔ اسلامی ریاست، غیر مسلم ریاستوں کے ساتھ بھی برابری کی بنیاد پر اچھے تعلقات کی علم بردار ہوتی ہے۔

۷۔غیر مسلم خواہ یہودی اور عیسائی ہوں یا دیگر، ان سے سیاسی سطح پر ہر طرح کے تعلقات استوار کیے جا سکتے ہیں، بہ شرطے کہ ان تعلقات سے مسلمانوں کو کسی صورت میں کسی بھی نوعیت کا نقصان نہ ہو، یعنی مسلم حکومت مسلمانوں کا مفاد ہر صورت میں پیش نظر رکھے، جیسا کہ ہر حکومت کا مطمح نظر ہوتا ہے۔

۸۔غیرمسلموں سے تعلقات کے اثبات کے ساتھ ساتھ ان سے دوستی اور قلبی تعلقات کی ممانعت ہے ،جو قرآن کی نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے، دونوں کی حدود میں فرق کرنا اور اس فرق کو مدِ نظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔

۹۔ اسرائیل سے تعلقات کا معاملہ بے حد اہم ہے لیکن اوپر مذکور تفصیل سے اس کی حیثیت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اگرچہ شرعاً دیگر ریاستوں کی طرح وہ بھی ایک ریاست ہے، مگر چوں کہ پوری

امتِ مسلمہ اس کے حوالے سے ایک خاص نقطۂ نظر رکھتی ہے، جس کے پیچھے نصف صدی پر مبنی اسرائیل کے اقدامات اور خود اس کی تأسیس کا طریقۂ کار ہے، اس لیے اس بارے میں کوئی بھی اقدام جو امتِ مسلمہ کی اکثریت کی رائے کے خلاف ہو، قطعاً غیر شرعی تصور ہوگا۔ نیز پرانے دوستوں کو کھو کر نئے دوستوں کی تلاش کا رویہ نفسیاتی اعتبار سے بھی، اخلاقاً بھی اور مذہبی اعتبار سے بھی سود مند ثابت نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ صحیح راہ نمائی فرمائے اور گم راہی سے محفوظ رکھے۔ آمین

حواشی و حوالہ جات

۱۔ المائدہ ۵: ۳۲

۲۔ بخاری کتاب الدیات، باب اثم من قتل ذمیا

☆ ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید/ المسند: ج ۳، ص ۱۸۹، رقم ۲۶۸۶

۳۔ شوکانی/ نیل الاوطار۔ مصر، مکتبہ الدعوۃ اسلامیہ: ج ۷، ص ۵۵

۴۔ بیہقی/ السنن الکبری۔ مصر: ج ۸، ص ۱۳۲

۵۔ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث (ل ۲۷۵ھ) السنن۔ بیروت، دار الفکر، ۱۹۹۴ء: ج ۳، ص ۳۶۸، رقم ۳۸۰۶

☆ طبرانی، سلیمان بن احمد، ابو القاسم (م ۳۶۰ھ)/ المعجم الکبیر۔ موصل، مکتبۃ العلوم و الحکم، ۱۹۸۳ء: ج ۴، ص ۱۱۰

۶۔ البرہان شرح مواہب الرحمٰن: ج ۲، ص ۲۰۲

۷۔ نیل الاوطار: ج ۷، ص ۸

۸۔ السیوطی/ الاشباہ و النظائر۔ دارالکتب العلمیہ: ص ۵۰۹

۹۔ ایضاً: ص ۲۵۷

۱۰۔ البقرہ ۲: ۲۵۶

۱۱۔ اس معاہدے کا مکمل متن آگے بیان ہو رہا ہے، ملاحظہ کیجیے حوالہ نمبر ۷۵

۱۲۔ اس معاہدے کا مکمل متن آگے بیان ہو رہا ہے، ملاحظہ کیجیے حوالہ نمبر ۷۶

۱۳۔ کاسانی، بدائع الصنائع: ج ۷، ص ۱۱۳

۱۴۔ تاریخ یعقوبی: ج ۲، ص ۲۶۵

۱۵۔ سرخسی محمد بن ابی سہیل/ المبسوط۔ بیروت، دار المعرفہ ۱۴۰۶ھ: ج ۵، ص ۳۸۔

☆ کتاب الاموال: ص ۳۶

۱۶۔ المائدہ ۵: ۸

۱۷۔ بیہقی/ شعب الایمان۔ بیروت، دارالکتب العلمیہ ۱۴۱۰ھ: ج ۶، ص ۱۶۔ رقم ۷۳۶۹

۱۸۔ گستاؤلیبان/ تمدن عرب۔ لاہور: ص ۱۳۵

۱۹۔ جصاص، ابوبکر احمد بن علی الحنفی احکام القرآن۔ مصر، ۱۳۴۷ء: ج ۲، ص ۵۴۴

۲۰۔ مرغینانی، برہان الدین ابو الحسن/ ہدایہ۔ کتب خانہ رشیدیہ، دہلی: ج ۴، ص ۳۲۷

☆ ابن العابدین/ رد المحتار علی الدر المختار۔ مصر، ۱۳۲۷ھ/ ج ۳، ص ۲۵

۲۱۔ لقمان ۳۱: ۱۵

۲۲۔ احکام القرآن: ج ۳، ص ۴۳۳

۲۳۔ ہدایۃ: ج۲، ص۴۲۵

۲۴۔ بخاری، کتاب الھبہ، باب ہدیۃ المشرکین۔ مسلم، کتاب الزکوۃ، باب فضل النفقۃ علی الاقربین

۲۵۔ نیل الاوطار: ج۶، ص ۱۰۶

۲۶۔ بخاری فی الفرائض، باب لایرث المسلم الکافر۔ مسلم، فرائض

۲۷۔ عبد الرزاق، ابو بکر بن ہمام الصغانی (م۲۱۱ھ)/ المصنف۔ کراچی، مجلس علمی، ۱۹۷۲ء: ج۶، ص ۳۳۔ رقم ۹۹۱۳

۲۸۔ ایضاً: رقم ۹۹۱۵

۲۹۔ ابو عبید، قاسم بن سلام (م۲۲۴ھ) / کتاب الاموال۔ قاہرہ، دارالفکر، ۱۹۹۸ء: ص۵۴۳

۳۰۔ بخاری، کتاب الھبہ، باب ۲۶

☆ مسلم / ج۳، ص ۳۶۰، رقم ۲۰۶۸

۳۱۔ قرطبی/ الجامع لاحکام القرآن: ج۵، ص ۱۸۴

۳۲۔ ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی حق الجوار

۳۳۔ بقرہ، ۲:۲۷۲

۳۴۔ ابن کثیر/ التفسیر: ج۱، ص ۳۲۴

۳۵۔ ہدایہ: ج۱، ص ۱۸۵

۳۶۔ المائدہ، ۵: ۵

۳۷۔ بخاری، کتاب الذبائح والصید

۳۸۔ قرطبی: ج۱۱، ص ۱۱۲

۳۹۔ قرطبی: ج۱۱، ص ۱۱۲

۴۰۔ بخاری / الادب المفرد: ج۲، ص ۵۳۳

۴۱۔ عبدالرزاق/ المصنف: ج۱۰، ص۳۹۲

۴۲۔ ایضاً: ج۶، ص۳۵۔ رقم ۹۹۱۹

۴۳۔ ایضاً: رقم ۹۹۲۴

۴۴۔ ایضاً: رقم ۹۹۲۵

۴۵۔ بخاری، کتاب الجنائز، باب من قام لجنازۃ الیھودی

۴۶۔ عبدالرزاق: ج۶، ص ۴۲، رقم ۹۹۴۷

۴۷۔ ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم (م۱۸۲ھ)/ کتاب الخراج۔ بیروت، دارالمعرفہ: ص۲۱۶

۴۸۔ رد المختار: ج ۳، ص ۲۷۳

۴۹۔ سید فضل الرحمٰن / ہادی اعظم ﷺ۔ کراچی، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز ۲۰۰۰ء: ج۱، ص ۶۳۰

۵۰۔ مسلم: رقم ۱۶۰۳

☆ ابن ماجہ: رقم ۲۴۳۶

۵۱۔ مسلم: رقم ۱۶۰۲

۵۲۔ ابن ماجہ: رقم ۲۴۳۹

۵۳۔ بنی اسرائیل،۱۷:۳۴

۵۴۔ بخاری، کتاب الجزیۃ الموادعۃ، باب اثم الغادر للبر و الفاجر

۵۵۔ امام مالک بن انس(م۱۷۹ھ) / الموطاء۔ مصر، دار احیاء التراث العربی: ج۲، ص ۴۴۸، رقم۹۶۷

۵۶۔ امام فخر الدین رازی/ تفسیر کبیر۔ بیروت دارالفکر: ج ۱۰، ص۱۰۹

۵۷۔ بخاری: ج۲، ص۸۲، مسلم کتاب الجہاد و السیر باب صلح الحدیبیہ

۵۸۔ الفتح، ۴۸: ۲۴، ۲۵

۵۹۔ بخاری / ج۲، ص۸۲، ۸۰۔

☆ مسند احمد: ج۵، ص۴۴۳

۶۰۔ الانفال، ۸: ۵۶ تا ۵۸

۶۱۔ خطیب عمری (م۷۴۳ھ) مشکوٰۃ، باب الامان، فصل دوم

۶۲۔ ملا علی قاریؒ (م۱۰۱۴ھ)/ المرقاۃ المفاتیح۔ ملتان، مکتبہ امدادیہ: ج۸، ص ۲۲

۶۳۔ مشکوٰۃ، باب الامان، فصل دوم

۶۴۔ اس معاہدے کی تفصیلات یہی ہیں، مآخذ میں تھوڑا تقدم وتاخر ہے۔ یہ روایت واقدی کے مطابق ہے، واقدی، محمد بن عمر (م۲۰۷ھ) / کتاب المغازی۔ بیروت، عالم الکتب ۱۹۸۴ء: ج۲، ص ۶۱۱

☆ ابن ہشام، ابو محمد عبدالملک (م۲۱۳ھ)/ السیرۃ النبویۃ۔ بیروت، دارالمعرفہ ۱۹۷۸ء: ج۳، ص ۲۸

☆ ابن کثیر، عماد الدین/ السیرۃ النبویہ۔ داراحیاء، التراث العربی: ج ۳،ص۳۲۲

☆ محمد بن سعد / الطبقات الکبریٰ۔ بیروت، دارالکتب العلمیہ ۱۹۹۷ء/ ج۲، ص ۷۴

۶۵۔ مکمل متن کے لیے دیکھئے کتاب الاموال: ص۲۰۲، رقم ۵۱۷۔

☆ ابن ہشام: ج۲، ص ۲۴۱

☆ ڈاکٹر حمید اللہ / الوثائق السیاسیہ۔ بیروت، دارالنفائس ۱۹۸۵ء: ص۵۷

۶۶۔ کتاب الخراج/ امام ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم (م ۱۸۲ھ)۔ بیروت دارالمعرفہ: ص۷۲۔

☆ الوثائق السیاسیہ: ص۱۷۵۔

☆ ابن قیم جوزیہ/ زاد المعاد۔ بیروت، موسسۃ الرسالہ۱۹۸۷ء: ج۳، ص ۶۳۴

۶۷۔ طبری، محمد بن جریر(م۳۱۰ھ)/ تاریخ الامم والملوک۔ بیروت، دارالکتب العلمیہ ۱۴۰۷ھ: ج۵، ص ۲۴۰۵

۶۸۔ کتاب الاموال: ص۲۵۷، رقم ۶۳۱

۶۹۔ ڈاکٹر حمید اللہ/ عہد نبوی میں نظام حکمرانی۔ کراچی، اردو اکیڈمی، سندھ ۱۹۸۷ء: ص۲۵۸

۷۰۔ سرخسی/ المبسوط: ج۱۰، ص ۹۱

۷۱۔ ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک، (۲۱۳ھ) / السیرۃ النبویہ۔ بیروت، دارالمعرفہ، ۱۹۷۸ء: ج۴، ص۲۴۵

۷۲۔ احمد بن محمد بن حنبل ابو عبد اللہ بن الشیبانی، (۲۴۱ھ)/ المسند۔ داراحیاء التراث العربی، ۱۹۹۳ء: ج۲، ص ۱۰۷، رقم ۷۴۷

۷۳۔ بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب خرص التمر ۔مسلم، کتاب الفضائل، باب معجزات النبی

۷۴۔ بخاری، کتاب الھبہ، باب قبول الھدیہ من المشرکین۔

☆ مسلم: رقم ۲۴۶۸

۷۵۔ شامی، محمد بن یوسف الصالحی (م ۹۴۲ھ) / سبل الھدی والرشاد۔ بیروت دارالکتب العلمیہ، ۱۹۹۳ء: ج۹، ص ۲۸

۷۶۔ ابو داؤد، کتب اللباس، باب لبس المرتفع

۷۷۔ التوبہ، ۹:۶

۷۸۔ ابن اثیر، مجدالدین ابو السعادات المبارکین محمد الجزری/ النھایۃ۔ قم، ایران موسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان: ص ۲۲۷

۷۹۔ ابن منظور، ابوالفضل جمال الدین بن مکر الافریقی/ لسان العرب۔ قم، ایران نشر ادب الحوزہ، ۱۴۰۵ھ: ج ۱۰، ص ۶۰۴

۸۰۔ شان العرب: ایضاً

۸۱۔ ایضاً: ص ۴۰۷

۸۲۔ ملاحظہ کیجیے، ابن اثیر/ ایضاً، ص ۲۲۷ تا ۲۳۰

☆ ابن منظور: ص ۴۰۶، ۴۱۰

☆ راغب اصفہانی، ابوالقاسم الحسین بن محمد (۵۰۲ء) المفردات۔ مصر، مصطفیٰ البابی الحلبی ۱۹۶۱ء: ص ۵۳۳، ۵۳۵

۸۳۔ آل عمران، ۳ : ۲۸

۸۴۔ توبہ، ۹:۲۳

۸۵۔ المائدہ، ۵:۵۴

۸۶۔ آل عمران، ۳:۸۵

۸۷۔ سیرت النبیؐ: ج۶، ص ۸۴

۸۸۔ انعام، ۶: ۱۴

۸۹۔ انفال، ۸:۷۲

۹۰۔ توبہ، ۹:۷۱

۹۱۔ قرنتیون ا۔باب ۵ :۹، ۱۳

۹۲۔ قرنتیون ۲۔باب ۶ :۱۴، ۱۶

۹۳۔ الممتحنہ، ۶۰:۱

۹۴۔ خازن ، علاؤ الدین علی بن محمد البغدادی/ لباب التاویل فی معانی التنزیل۔ مصر، التقدم العلمیہ، ۱۳۴۹ھ: ج ۱، ص ۳۶

۹۵۔ الانفال، ۸: ۳۹

ماہنامہ دعوۃ.......... اسلام آباد جلد: ۱۶ شمارہ: ۷-۱۰

وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین

ڈاکٹر محمد شاہد رفیع

دنیا میں انسان کو بھیجتے وقت ہی اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کر دیا کہ:

فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى (۱)

جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو (اس کی پیروی کرنا)۔

گویا اللہ تعالیٰ نے ابتدا ہی سے انسانوں کو ہدایت و رہنمائی فراہم کرنے کی ذمہ داری خود اپنے اوپر لی اور آخری ہدایت نامۂ قرآن مجید کے نزول کے وقت بھی اس کا اعادہ کیا اور کہا کہ:

إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ (۲)

ہدایت پہنچانا ہماری ذمہ داری ہے۔

ترسیل ہدایت کے لیے سلسلۂ رسل قائم کیا گیا اور انبیائے کرام انسانوں کے لیے رحمت و مغفرت کا پیغام لے کر آتے رہے اور نبی آخر الزماںؐ تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اور ہر مخلوق کے لیے رحمت بن کر تشریف لائے۔ گو انبیا کو بشیر اور نذیر دونوں ہی کہا گیا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا (۳)

اور (اے نبیؐ) ہم نے تم کو تمام لوگوں کے لیے خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو نبی کا اصل کام رحمت و بشارت ہی ہوتا ہے کیوں کہ کوئی بھی فرد اپنی دعوت اس لیے پیش نہیں کرتا ہے کہ اسے رد کر دیا جائے اور انبیا اپنی دعوت قبول کرنے والوں کو بشارت دیتے ہیں اس لیے وہ سراپا رحمت ہوتے ہیں۔ کفر کرنے والوں کو ڈراوا بھی اس لیے دیا جاتا ہے کہ وہ اس دعوت کو قبول کر کے بشارت کے مستحق بن جائیں اور دامنِ رحمت میں پناہ لے لیں۔ اس سلسلۂ ہدایت کے قیام کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے ہر امت میں رسول بھیجا:

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ (۴)

اور ہر ایک امت کی طرف پیغمبر بھیجا گیا۔

اور ہر قوم میں ہادی و رہنما بھیجے:

وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ(۵)

اور ہر ایک قوم کے لیے رہنما ہوا کرتا ہے۔

اور جب وہ وقت آ پہنچا جب رب العالمین نے آخری نبی کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجنے کا فیصلہ کیا تو نبی رحمت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ آپؐ کے تمام جہانوں کے لیے رحمت ہونے کے بے شمار پہلوؤں پر ہر زمانے میں اہلِ علم غور و فکر کرتے اور اس کا تذکرہ کرتے رہے ہیں۔ اس وقت ہمارے پیش نظر صرف قرآن مجید کی آیت "وما ارسلنك الا رحمة للعالمین" ہے۔ اور اس میں بھی فی الواقت ہم صرف یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ مختلف مفسرین نے اس آیت کے حوالے سے کون سے تفسیری نکات پیش کیے ہیں۔

سورۃ الانبیاء

زیر نظر آیت سورۃ الانبیاء کی آیت نمبر ۱۰۷ ہے۔ اس سورۃ میں کل ۱۱۲ آیتیں ہیں۔ یہ مکی سورۃ ہے۔ ترتیبِ تلاوت کے لحاظ سے یہ قرآن مجید کی ۲۱ ویں سورۃ ہے جب کہ نزول کے اعتبار سے اسے ۶۵ویں سورۃ کہا جاتا ہے یعنی اس سے پہلے ۶۴ مکی سورتیں نازل ہو چکی تھیں۔ اس کے بعد مکہ ہی میں مزید ۲۵ اور پھر ۲۴ سورتیں ہجرت کے بعد مدنی دور میں نازل ہوئیں۔ اس سورہ میں ۱۷ انبیا کا ذکر آیا ہے اس لیے اس سورۃ کا نام بھی بطور علامت ''سورۃ الانبیاء'' رکھا گیا ہے۔(۶)

اس سورۃ میں جلیل القدر انبیا کے تذکرے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا:

وما ارسلنك الا رحمة للعالمین

اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے۔ (۷)

اس آیت کی تشریح، بالخصوص آپؐ کے رحمۃ للعالمین ہونے کے حوالے سے مختلف مفسرین نے اپنی اپنی تفاسیر میں جو گراں قدر روشنی ڈالی ہے، یہاں انہیں پیش کیا جا رہا ہے۔ ان تفسیری نکات پر نظر ڈالنے ہی سے آپؐ کی رحمت اور اس کے تمام عالمین پر محیط ہونے کے گونا گوں پہلو واضح ہو جاتے ہیں۔

تفاسیر کی ترتیب الف بائی لحاظ سے رکھی گئی ہے اور دو مقامات پر جہاں کتبِ تفاسیر کے نام ایک جیسے تھے (احسن البیان اور درسِ قرآن کے نام سے دو دو تفاسیر موجود ہیں)'ان میں مصنفین کے ناموں کی الف بائی ترتیب کا خیال رکھا گیا ہے۔

۱) تفسیر ابن کثیر

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک موقع پر اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا کہ حضور ان کافروں کے لیے بددعا کیجیے۔ آپؐ نے فرمایا میں لعنت بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ ایک اور حدیث میں ہے آپؐ فرماتے ہیں میں تو صرف رحمت و ہدایت ہوں۔ ایک اور روایت میں اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ مجھے ایک قوم کی ترقی اور دوسری کے تنزل کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ طبرانی میں ہے کہ ابوجہل نے کہا''اے قریشیو! محمد یثرب میں چلا گیا ہے' وہ اپنے چھوٹے لشکر ادھر ادھر تمہاری جستجو میں بھیج رہا ہے' وہ بھوکے شیر کی طرح تاک میں ہے' وہ خار کھائے ہوئے ہے کیوں کہ تم نے اسے نکال دیا ہے۔ واللہ اس کے جادوگر بے مثال ہیں' میں تو اسے یا اس کے ساتھیوں میں سے جس کسی کو دیکھتا ہوں تو مجھے ان کے ساتھ شیطان نظر آتے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ اوس اور خزرج ہمارے دشمن ہیں۔ اس دشمن کو ان دشمنوں نے پناہ دی ہے''۔ اس پر مطعم بن عدی کہنے لگا'' ابوالحکم سنو! تمہارے اس بھائی سے جسے تم نے اپنے ملک سے جلاوطن کر دیا ہے' میں نے تو کسی کو زیادہ سچا اور زیادہ وعدے کا پورا کرنے والا نہیں پایا۔ اب جب کہ ایسے بھلے آدمی کے ساتھ تم یہ بدسلوکی کر چکے ہو تو اب اسے چھوڑ دو۔ تمہیں چاہیے کہ اس سے بالکل الگ تھلگ رہو''۔ اس پر ابو سفیان بن حارث کہنے لگا ''نہیں' تمہیں اس پر پوری سختی کرنی چاہیے۔ یاد رکھو اگر اس کے طرف دار تم پر غالب آ گئے تو تم کہیں کے نہ رہو گے' نہ وہ رشتہ دیکھیں گے نہ کنبہ۔ میری رائے میں تو تمہیں مدینے والوں کو تنگ کر دینا چاہیے کہ یا تو وہ محمد کو نکال دیں اور وہ بیک بنی و دوگوش تنِ تنہا رہ جائے یا ان مدینے والوں کا صفایا کر دینا چاہیے۔ اگر تم تیار ہو جاؤ تو میں مدینے کے کونے کونے پر لشکر بٹھا دوں گا اور انہیں ناکوں چنے چبوا دوں گا''۔ جب حضورؐ کو یہ باتیں پہنچیں تو آپؐ نے فرمایا: ''خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں ہی انہیں قتل کروں گا اور قید کر کے پھر احسان کر کے چھوڑ دوں گا۔ میں رحمت ہوں' میرا بھیجنے والا خدا ہے' وہ مجھے اس دنیا سے نہ اٹھائے گا جب تک کہ اپنے دین کو دنیا پر غالب نہ کر دے۔ میرے پانچ نام ہیں محمدؐ' احمدؐ' ماحیؔ' کہ میری وجہ سے اللہ کفر کو مٹا دے گا' حاشرؔ' کہ لوگ میرے قدموں پر جمع کیے جائیں گے اور عاقبؔ''۔ مسندِ احمد میں ہے

کہ حضرت حذیفہؓ مدائن میں تھے۔ بسا اوقات احادیثِ رسول کا مذاکرہ رہا کرتا تھا۔ ایک دن حضرت حذیفہؓ حضرت سلمانؓ کے پاس آئے تو حضرت سلمانؓ نے فرمایا: ''اے حذیفہ! ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبے میں فرمایا کہ جسے میں نے غصے میں برا بھلا کہہ دیا ہو یا اس پر لعنت کر دی ہو تو سمجھ لو کہ میں بھی تم جیسا ایک انسان ہی ہوں۔ تمھاری طرح مجھے بھی غصہ آ جاتا ہے' ہاں البتہ میں چوں کہ رحمۃ للعالمین ہوں تو میری دعا ہے کہ خدا میرے الفاظ کو بھی ان لوگوں کے لیے موجبِ رحمت بنا دے۔ رہی یہ بات کہ کفار کے لیے آپؐ رحمت کیسے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ابن جریر میں حضرت ابن عباسؓ سے اسی آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ مومنوں کے لیے تو آپؐ دنیا اور آخرت میں رحمت تھے اور غیر مومنوں کے لیے آپؐ دنیا میں رحمت تھے کہ وہ زمین میں دھنسائے جانے سے' آسمان سے پتھر برسائے جانے سے بچ گئے جیسے کہ اگلی امتوں کے منکروں پر یہ عذاب آئے۔ (۸)

۲) تفسیر احسن البیان فی تفسیر القرآن

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ تو سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں جو مخلوق کے لیے نعمتِ عظمٰی ہے۔ پس اس نعمت کی شکر گزاری کرنے والا دنیا و آخرت میں شادمان ہے اور ناقدری کرنے والا دونوں جہان میں ذلیل و رسوا ہے' اگر کوئی بدبخت اس رحمتِ عامہ سے خود ہی نفع نہ اٹھائے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے۔ آفتابِ عالم سے روشنی اور حرارت کا فیض ہر طرح پہنچتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے اوپر تمام دروازے اور سوراخ بند کر لے تو یہ اس کی دیوانگی ہو گی۔ رحمۃ للعالمین کا حلقۂ فیض تو اس قدر وسیع ہے کہ اگر کوئی شخص اس سے مستفید نہ ہونا چاہے تب بھی اس کو کسی نہ کسی شکل میں بلا اختیار رحمت کا حصہ پہنچ جاتا ہے۔ چناں چہ دنیا میں علومِ نبوت کی عام اشاعت سے ہر مسلمان و کافر اپنے ذوق کے موافق فائدہ اٹھاتا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک موقع پر صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ آپؐ ان کافروں کے لیے بددعا کیجیے۔ آپؐ نے فرمایا کہ'' مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے''۔ ایک اور روایت میں ہے کہ'' میں تو صرف رحمت و ہدایت ہوں''۔

ابن جریر میں حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ مومنوں کے لیے تو آپؐ دنیا و آخرت میں رحمت تھے اور غیر مومنوں کے لیے آپؐ دنیا میں رحمت تھے کہ وہ زمین میں دھنسائے جانے سے اور آسمان سے پتھر برسائے جانے سے بچ گئے جیسا کہ اگلی امتوں کے منکروں پر

یہ عذاب آئے۔ (۹)

۳) تفسیر احسن البیان

جو آپ کی رسالت پر ایمان لے آئے گا' اس نے گویا اس رحمت کو قبول کر لیا اور اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کیا' نتیجۃً دنیا و آخرت کی سعادتوں سے ہم کنار ہو گا اور چوں کہ آپ کی رسالت پورے جہان کے لیے ہے' اس لیے آپ پورے جہان کے لیے رحمت بن کر یعنی اپنی تعلیمات کے ذریعے سے دین و دنیا کی سعادتوں سے ہم کنار کرنے کے لیے آئے ہیں۔ بعض لوگوں نے اس اعتبار سے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جہان والوں کے لیے رحمت قرار دیا ہے کہ آپ کی وجہ سے یہ امت' بالکلیہ تباہی و بربادی سے محفوظ کر دی گئی۔ جیسے پچھلی قومیں اور امتیں حرف غلط کی طرح مٹا دی جاتی رہیں' امت محمدیہ پر(جو امتِ اجابت اور امتِ دعوت کے اعتبار پوری نوع انسانی پر مشتمل ہے) اس طرح کا کلی عذاب نہیں آئے گا اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کے لیے بددعا نہ کرنا' یہ بھی آپ کی رحمت کا ایک حصہ تھا (انی لم ابعث لعانا و انما بعثت رحمة) (صحیح مسلم ص ۲۰۰۷' کتاب البر' باب النھی عن لعن الدواب......) اسی طرح غصے میں کسی مسلمان کو لعنت یا سبّ کرنے کو بھی قیامت والے دن رحمت کا باعث قرار دینا' آپ کی رحمت کا حصہ ہے۔ (مسند احمد۵/۴۳۷' ابو داؤد رقم ۴۶۵۹۔ والاحادیث الصحیحۃ للالبانی رقم ۱۷۵۸) اسی لیے ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (انما انا رحمة مهداة) (صحیح الجامع الصغیر۔ رقم ۲۳۴۵) ''میں رحمت مجسم بن کر آیا ہوں' جو اللہ کی طرف سے اہلِ جہان کے لیے ایک ہدیہ ہے''۔ (۱۰)

۴) احسن التفاسیر

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت سے لے کر خلفائے عباسیہ کے عروج کے زمانہ تک دنیا کی جو کچھ حکومت و ثروت قرآن کی نصیحت کے پابند لوگوں میں رہی اس کا حال تاریخ الخلفا کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد کے لوگ قرآن کی نصیحت کے پابند نہ رہے۔ اس واسطے سے وہ حکومت اور ثروت بھی نہ رہی۔ صحیح بخاری و مسلم کے حوالہ سے ابوہریرہؓ کی روایت سے حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نیک بندوں کے لیے جنت میں جو عیش و عشرت کا سامان پیدا کیا ہے وہ نہ کسی نے آنکھوں سے دیکھا اور نہ کانوں سے سنا' نہ کسی کے دل میں اس کا خیال گزر سکتا ہے۔ اس حدیث سے یہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آ سکتا ہے کہ عقبیٰ میں جو عیش و عشرت کا سامان نیک بندوں کو ملے گا وہ انسان کے وہم و گمان سے باہر ہو گا۔ سورہ انفال میں گزر چکا ہے کہ مشرکین مکہ

نے سرکشی سے جب عذاب کے نازل ہونے کی خواہش کی تو اللہ تعالیٰ نے اس سورہ کی آیتیں نازل فرما کر یہ فرما دیا کہ اے رسولؐ اللہ کے' یہ اللہ کی ایک رحمت ہے کہ جب تک تم ان لوگوں میں موجود ہو اس وقت تک جس طرح پچھلی امتوں پر عام عذاب آئے اس طرح کا کوئی عام عذاب ان سرکش لوگوں پر نہ آوے گا۔(۱۱)

۵) اسرار التنزیل

آپ کی ہر ادا رحمتِ الٰہی کا ایک روپ ہے۔ آپ کی ہر سنت انعاماتِ باری کا سبب ہے اور آپ کا وجودِ مسعود ہی انوار و تجلیات کا برستا ہوا بادل ہے۔ جہاں جہاں کوئی کرشمہ رحمتِ الٰہی کا ہے اس کا ذریعہ آپؐ کی ذاتِ گرامی ہے' جو اس سے محروم ہے اس کا سبب اس کی آپؐ کی ذات سے دوری ہی تو ہے۔ اللہ کا یہ کرم کہ انسانوں کو یہ شرف بخشا کہ آپؐ فخر انسانیت ہیں' سارے جہان سے ممتاز کر رہا ہے۔ پھر بھی جو آپؐ کی برکات سے محروم ہیں ان سا بدنصیب کون ہو گا۔ اب بھلا آپؐ کے بعد وہ کسے چاہیں گے۔ ایسا محبوب کہاں سے لائیں گے جو ظاہر باطن کے ہر کمال میں صرف اور صرف اللہ کے بعد سب سے اعلیٰ اور مخلوق میں بے مثل ہو۔ (۱۲)

۶) اشرف التفاسیر

وما ارسلنك الا رحمة للعالمين میں تو یہی امر محل سوال ہے کہ عالمین سے مراد کیا ہے اور عالمین کے لیے رحمت ہونے کا کیا مطلب ہے۔ مشہور یہ ہے کہ عالمین اپنے عموم پر ہے اور اس عموم میں کفار بھی داخل ہوں گے۔ اور چوں کہ آیت میں کوئی تحدید و توقیت نہیں ہے تو لازم آئے گا کہ کفار کے لیے دنیا و آخرت دونوں میں سبب رحمت ہیں اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ کفار پر آخرت میں آپ کی رحمت کس طرح ظاہر ہو گی۔

بعض علما نے جواب دیا ہے کہ اگر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود نہ ہوتا تو کفار کو آخرت میں اب سے زیادہ عذاب ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اس میں کچھ کمی تجویز کی گئی ہے۔ مگر میرے دل کو یہ جواب نہیں لگتا کیوں کہ اس دعوے پر کوئی دلیل قائم نہیں کی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو عذاب زیادہ تجویز کیا جاتا۔ دوسرے جہنم کا عذاب قلیل بھی ایسا شدید ہے کہ ہر شخص یوں سمجھے گا کہ میں سب سے زیادہ عذاب میں ہوں تو اس قلت سے ان کو نفع کیا ہوا۔

میرے ذہن میں جو اس کا جواب آیا ہے وہ یہ ہے کہ عالمین سے مراد تو معنی عام ہی

ہیں۔ مگر رحمت سے مراد خاص وہ رحمت ہے جس کا تعلق ارسال سے ہے یعنی رحمت فی الدنیا۔ کیوں کہ ارسال دنیا ہی کے ساتھ خاص ہے آخرت سے اس کو کوئی علاقہ نہیں اور دنیا میں جو آپ کی رحمت مومنین و کفار سب کو عام ہے وہ رحمتِ ہدایت و ایضاحِ حق ہے۔ چناں چہ قرینہ مقام اسی پر دلالت کر رہا ہے اس لیے کہ پہلے تبلیغ ہی کا ذکر ہے۔

ان فی هذا بلاغاً اس میں کافی مضمون ہیں۔

لقوم عابدین ایسے لوگوں کے لیے جو بندگی کرتے ہیں۔

رہا یہ سوال کہ پھر اس میں آپ کی تخصیص کیا ہے۔ ہدایت ایضاح حق میں تو تمام انبیا آپ کے شریک ہیں' تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تخصیص محض رحمت کے اعتبار سے نہیں بلکہ مجموعہ رحمۃ للعلمین کے اعتبار سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمام عالمین سے مراد تمام مکلفین کے لیے ہادی بن کر آپ ہی معبوث ہوئے ہیں اور عالمین کے لیے چناں چہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وما ارسلناك الا رحمة للعالمين یعنی نہیں بھیجا ہم نے آپ کو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مگر جہانوں کی رحمت کے واسطے۔ دیکھیے عالمین میں کوئی تخصیص انسان یا غیر انسان یا مسلمان یا غیر مسلمان کی نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باوجود ہر شے کے لیے بارِ رحمت ہے' خواہ وہ جنس بشر سے ہو یا غیر جنس بشر سے اور خواہ حضور سے زمانہ متاخر ہو یا متقدم۔

متاخرین کے لیے رحمت ہونا تو بعید نہیں لیکن پہلوں پر رحمت ہونے کے لیے بھی حضورؐ کا ایک وجود سب سے پہلے پیدا فرمایا اور وہ وجود نور کا ہے کہ حضور اپنے وجود نوری سے سب سے پہلے مخلوق ہوئے ہیں اور عالم ارواح میں اس نور کی تکمیل و تربیت ہوتی رہی۔ آخر زمانہ میں اس امت کی خوش قسمتی سے اس نور نے جسد عنصری میں جلوہ گر و تاباں ہو کر تمام عالم کو منور فرمایا۔ پس حضور اولاً و آخراً تمام عالم کے لیے باعث رحمت ہیں۔ پس حضورؐ کا وجود تمام نعتوں کی اصل ہونا عقلاً و نقلاً ثابت ہوا تو ایسا کون مسلمان ہو گا کہ جو حضورؐ کے وجود باوجود پر خوش نہ ہو یا شکر نہ کرے۔(۱۳)

۷) انوار القرآن

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے انبیا یا رسول آئے' وہ خاص قوم' خاص علاقے اور خاص وقت کے لیے تھے لیکن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت اور آپؐ کی رسالت آفاقی ہے۔(۱۴)

۸) تدبر قرآن

اسی انذار و بشارت کے لیے ہم نے تمہیں لوگوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے کہ ان کو اس حقیقت سے آگاہ کر دو۔ تمہارے اوپر ذمہ داری صرف بلاغ اور منادی کی ہے' تم یہ فرض ادا کر دو۔ اگر مغرور و سرکش لوگ تمہارے انذار کا مذاق اڑاتے اور اس وقتِ موعود کے دکھا دینے کا مطالبہ کرتے ہیں تو تم ان سے کہہ دو کہ مجھے خدا نے رحمت بنا کر بھیجا ہے' عذاب بنا کر نہیں بھیجا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ عذاب کب آئے گا۔ اس کے وقت کا علم صرف میرے رب ہی کو ہے۔(۱۵)

۹) تذکیر القرآن

خدا کی طرف سے جتنے پیغمبر آئے سب ایک ہی مقصد کے لیے آئے۔ ان کے ذریعہ خدا یہ چاہتا تھا کہ انسانوں کو حقیقت کا وہ علم دے جس کو اختیار کر کے وہ ابدی جنت کے باشندے بن سکتے ہیں۔ مگر انسان ہر بار پیغمبروں کو رد کرتا رہا ہے۔

اس اعتبار سے تمام پیغمبر خدا کی رحمت تھے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیاز یہ ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے ایک خصوصی عنایت کا ذریعہ بنایا۔ خدا نے یہ فیصلہ فرمایا کہ آپ کے ذریعہ ہدایت کے اس دروازے کو ہمیشہ کے لیے کھول دے جو اب تک ان کے اوپر بند پڑا ہوا تھا۔ اس بنا پر آپ کی مدعو قوم کے لیے اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی فیصلہ تھا کہ اس کو بہرحال حق کے راستہ پر لانا ہے تاکہ پیغمبر کے ساتھ ایک طاقت ور جماعت تیار ہو اور وہ دنیا میں انقلاب برپا کر کے تاریخ کے رخ کو موڑ دے۔ رحمت خداوندی کا یہ خصوصی منصوبہ آپؐ اور آپؐ کے اصحاب کے ذریعہ بہ تمام و کمال انجام پایا۔(۱۶)

۱۰) ترجمان القرآن

جس طرح ان سے پہلے خدا کے صالح بندوں کی وراثت میں زمین آ چکی ہے۔اسی طرح عن قریب ان کی وراثت میں بھی آنے والی ہے۔ اور پھر یہ انقلاب کیوں ہونے والا ہے؟ اس لیے کہ ما ارسلناك الا رحمة للعالمين' پیغمبر اسلام کا ظہور کرۂ ارضی کے لیے رحمت الٰہی کا ظہور ہے۔ پس ضروری ہے کہ انسانی شقاوت کا خاتمہ ہو۔ ضروری ہے کہ اس کی جگہ رحمتِ الٰہی کا سایہ کرۂ ارضی پر چھا جائے۔

اس کے بعد واضح کر دیا کہ پیغمبر اسلام کی دعوت کا ماحصل کیا ہے؟ انما الهكم الله واحد. فهل انتم مسلمون؟

باقی رہی یہ بات کہ یہ انقلابِ حال کب ظہور میں آنے والا ہے؟ تو: ان ادری' اقریب ام بعید

ما توعدون میں جانتا ہوں کہ یقیناً ایسا ہونے والا ہے لیکن ابھی اس میں کچھ دیر ہے یا بالکل سامنے آ گیا' یہ میں نہیں کہہ سکتا۔ کیوں کہ اس بارہ میں بھی اللہ کے مقررہ قوانین ہیں اور وہ کام کر رہے ہیں و ان ادری. لعله فتنة لكم متاع الى حين کون جانتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جو تاخیر ہو رہی ہے وہ اس لیے ہو کہ تمہیں ابھی کچھ دنوں اور آزمائش میں ڈالنا ہے یا اس لیے کہ تمہارے تمتع حیات کے کچھ دن ابھی باقی ہیں۔

یہ سورت کا کتنا اہم مقام ہے؟ سورت کے تمام بیانات کس طرح وقت کی سب سے بڑی موعظت پر ختم ہو رہے ہیں؟ اور پھر کیسی فیصلہ کن بات ہے جس میں مومنین صالحین کے لیے پیام اقبال اور منکرین مفسدین کے لیے پیام ادبار ہے۔

یہاں پیغمبر اسلام کے ظہور کا ایک ایسا وصف بیان کیا گیا ہے جو قرآن کے بیان کردہ اوصاف میں سب سے زیادہ اہم اور نمایاں ہے۔ یعنی رحمۃ للعالمین۔ یہ ظہور صرف کسی ایک ملک' کسی ایک قوم' کسی ایک نسل ہی کے لیے نہیں بلکہ تمام دنیا کے لیے رحمت کا ظہور ہے' یہ وصف بیان کر کے قرآن نے ایک کسوٹی ہمارے حوالہ کر دی ہے۔ اس پر ہم اس ظہور کی ساری صداقتیں پرکھ سکتے ہیں۔ اگر یہ فی الحقیقت تمام نوع انسانی کے لیے رحمت کا ظہور ثابت ہوا ہے' تو اس کی سچائی میں کوئی شک نہیں۔ اگر ایسا نہیں ہوا ہے تو پھر سچائی نے قرآن کا ساتھ نہیں دیا۔ ہمارا فرض ہے کہ حقیقت کا اعتراف کر لیں۔

یہ جانچ تاریخ کی بے لاگ اور بے رحم جانچ ہونی چاہیے۔ ہر طرح کی مذہبی خوش اعتقادیوں سے منزہ' ہر طرح کی خود پرستانہ طرف داریوں سے پاک۔ کیوں کہ یہاں حقیقت کی عدالت موجود ہے' اور وہ صرف حقیقت ہی کی شہادت پر کان دھرتی ہے۔

جہل و تعصب نے ہمیشہ اعلانِ حقیقت کی راہ روکنی چاہی ہے' لیکن روک نہیں سکی ہے۔ اس فیصلہ میں بھی تاریخ نے دیر لگائی' لیکن بالآخر اسے کرنا پڑا۔ ضروری ہے کہ یہ فیصلہ خود اسی کی زبانی سنا جائے اور ایک معتقد کی طرح نہیں بلکہ ایک مورخ کی طرح عالم انسانیت کے ایک ایک گوشہ سے شہادت طلب کی جائے۔(۱۷)

۱۱) تفہیم القرآن

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت دراصل نوع انسانی کے لیے خدا کی رحمت اور مہربانی ہے کیوں کہ آپ نے آ کر غفلت میں پڑی ہوئی دنیا کو چونکایا ہے اور اسے وہ علم دیا ہے جو حق اور

باطل کا فرق واضح کرتا ہے اور اس کو بالکل غیر مشتبہ طریقہ سے بتا دیا ہے کہ اس کے لیے تباہی کی راہ کون سی ہے اور سلامتی کی راہ کون سی۔ کفارِ مکہ حضورؐ کی بعثت کو اپنے لیے زحمت اور مصیبت سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ اس شخص نے ہماری قوم میں پھوٹ ڈال دی ہے ناخن سے گوشت جدا کر کے رکھ دیا ہے۔ اس پر فرمایا گیا کہ نادانو! تم جسے زحمت سمجھ رہے ہو یہ درحقیقت تمہارے لیے خدا کی رحمت ہے۔(۱۸)

۱۲) جواہر القرآن

آپ تمام جہانوں کے لیے باعثِ رحمت اس طرح ہیں کہ آپ نے اللہ کے حکم سے سب کے لیے توحید کا اعلان کیا اور صراط مستقیم جو جنت کی سیدھی راہ ہے وہ سب کے لیے واضح کر دی اور اللہ کی طرف سے جو پیغام آپ لے کر آئے وہ تمام بنی آدم کے لیے سعادت دارین کا باعث ہے البتہ کافروں نے سوء استعداد اور ضد و عناد کی وجہ سے فائدہ نہ اٹھایا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا آپ مومن و کافر دونوں کے لیے باعث رحمت ہیں۔ مومن آپ پر ایمان لانے سے خوش نصیب ہو گا اور کافر غرق و خسف اور دیگر دنیوی عذابوں سے بچ گئے جن سے اقوام سابقہ کو ہلاک کیا گیا۔ عن ابن عباس کان محمد صلی اللہ علیہ وسلم رحمة لجمیع الناس فمن امن به و صدق به سعد و من لم یومن به سلم مما لحق الامم من الخسف والغرق (قرطبی، ج ۱۱، ص ۳۲۵۰) والظاهر ان المراد بالعٰلمین مایشتمل الکفار و وجه ذلك علیه انه علیه الصلوة والسلام ارسل بما هو سبب لسعادة الدارین و مصلحة النشأتین الا ان الکافر فوت علیٰ نفسه لانتفاع بذلك و اعرض لفساد استعداده عما هنالك (روح ج۱۷ص۱۰۴) (۱۹)

۱۳) درس قرآن

اس آیت میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے کہ ہم نے تجھے یہ قرآن دے کر سارے جہان والوں کے لیے رحمت بنا دیا ہے جس کا جی چاہے اس سے مستفید ہو اور دو جہان کی حکمرانی کی قابلیت پیدا کرے۔ ان لوگوں سے یہ بھی صاف طور پر کہہ دے کہ ایسی قابلیت کے پیدا کرنے کا گر صرف توحید ہے یعنی سوا ایک اللہ عزوجل کے کسی کی عبادت اور تابعداری نہ کرنا۔ اسی عقیدے سے انسان کی سب پر غالب رہنے کی استعداد بڑھتی ہے۔ اب بولو کہ اسلام قبول کرتے ہو یا نہیں۔ اتنا صاف سمجھانے کے بعد بھی اگر یہ لوگ نہ مانیں تو ان سے کہہ دے کہ میں تم سب کو بھلائی برائی کے معنی اور ان کے نتیجوں سے پوری طرح آگاہ کر چکا۔ نہ مانو گے تو پچھتاؤ گے اور ہمیشہ درد ناک عذاب میں مبتلا رہو گے۔ (۲۰)

۱۴) درس قرآن

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اگر کوئی بدبخت اس رحمتِ عامہ سے خود ہی منتفع نہ ہو تو یہ اس کا قصور ہے۔ آفتاب عالم تاب سے روشنی وگرمی کا فیض ہر جگہ اور ہر طرف پہنچتا ہے لیکن کوئی شخص اپنے اوپر تمام دروازے اور سوراخ بند کر لے تو یہ اس کی دیوانگی ہو گی' آفتاب کے فیضِ عام میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم کے لیے رحمت تھے یعنی آپ نے دنیا کو ایسا درسِ ہدایت دیا اور تمام اہلِ عالم کے سامنے ایسا قانون پیش کیا کہ جو بھی اس کو مانے اور اس کی ہدایت پر چلے وہ کامران و بامراد ہو سکتا ہے۔ عربی ہو یا عجمی' مغربی ہو یا مشرقی' گورا ہو یا کالا' ادنیٰ ہو یا اعلیٰ' امیر ہو یا غریب ہر کسی کو قرآنِ کریم سے یکساں فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین فرمایا۔ دوسرے انبیا چوں کہ اپنی اپنی قوم کے لیے ہادی تھے اس لیے وہ صرف اپنی قوم کے لیے رحمت تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والے قرآن اور آپ کی لائی ہوئی شریعت میں یہ صلاحیت ہے کہ قیامت تک کی تمام ضروریات کو پورا کر سکے اور جوں کا توں اپنی اصلی شکل پر قائم رہتے ہوئے تمام دنیا کے لیے پیامِ ہدایت اور درسِ نصیحت اور ضابطۂ عمل بن سکے۔(۲۱)

۱۵) ضیاء القرآن

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جن کمالاتِ صوری و معنوی' خلقی' وہبی و کسبی سے مشرف فرمایا وہ بلاشک و شبہ بے مثال اور بے نظیر ہیں اور ان کمالات کو قرآن کریم کی آیاتِ طیبہ میں جس انداز سے بیان فرمایا اس کا بھی جواب نہیں۔ ان آیات کو پڑھ کر اگر ایک طرف عبد محبوب کے مرتبہ کمال کا پتہ چلتا ہے تو دوسری طرف ان کمالات کو بخشنے والے کی شانِ کریمی اور ادائے بندہ نوازی دیکھ کر بے ساختہ دل و زبان سے سبحان اللہ! سبحان اللہ! کی صدا بلند ہوتی ہے۔ لیکن اس آیتِ کریمہ میں جو جامعیت ہے اس نے اس کو دیگر آیات سے ممتاز کر دیا ہے۔ جو کمالات اور صفاتِ عالیہ متفرق اور منتشر تھیں ان سب کو یہاں یکجا کر دیا ہے۔ اس آئینہ میں حسن محمدی اور جمالِ احمدی کی ساری رعنائیاں اور دلربائیاں بکمال لطافت جلوہ نما ہیں۔

ارشاد ہے اے محبوب جو کتاب مجید' دینِ حنیف' شریعتِ بیضاء' خلق عظیم' دلائل قاہرہ' حجج باہرہ' آیاتِ بینات اور معجزات ساطعات غرضیکہ جن ظاہری اور باطنی' جسمانی اور روحانی نعمتوں سے

مالامال کر کے ہم نے آپ کو مبعوث فرمایا ہے اس کی غرض و غایت یہ ہے کہ آپ سارے جہانوں کے لیے' سارے جہان والوں کے لیے' اپنوں اور بیگانوں کے لیے' دوستوں اور دشمنوں کے لیے سراپا رحمت بن کر ظہور فرمادیں۔

لغت میں رحمت دو چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے: الرحمة. الرقة والتعطف (الصحاح)
یعنی رحمت رقت اور احسان و مہربانی کے مجموعے کا نام ہے۔ علامہ راغب اصفہانی کی تشریح ملاحظہ ہو: الرحمة:رقة تقتضی الاحسان الی المرحوم یعنی رحمت اس رقت کو کہتے ہیں جو اس شخص پر احسان کرنے کا تقاضا کرے جس پر رحمت کی جا رہی ہے۔ پھر فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت میں رقت نہیں کیوں کہ وہ اس سے پاک ہے۔ بلکہ صرف تعطف اور احسان ہے اور کہیں صرف رقت ہوتی ہے اور یارائے احسان نہیں ہوتا۔ (المفردات)

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو رحمت جامعہ یعنی رحمت کے دونوں مفہوموں سے نوازا ہے۔ عزیز علیہ ما عنتم (جس سے تمہیں تکلیف ہوتی ہے وہ چیز میرے محبوب کو بڑی شاق گزرتی ہے) میں رقت کا اظہار ہے اور بالمومنین رؤوف رحیم میں شان تعطف و احسان کا۔ یعنی ہر دردمند کے درد کا احساس بھی ہے۔ اور ہر درد کا درماں بھی ہے۔ کسی غم زدہ اور دکھ درد کے مارے کو دیکھ کر غایت رافت سے آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں اور نوک مژگان پاک پر دریتیم سے ارجمند تر اور تابندہ تر آنسوؤں کے موتی سراپا التجا بن کر بارگاہِ رب العالمین میں گرتے ہیں تو مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ غم و اندوہ کی کالی گھٹائیں کافور ہو جاتی ہیں۔

آپ خود غور فرمایئے کہ جن افراد نے یا جن قوموں نے حضورؐ کے دامنِ رحمت کو تھاما' حضورؐ کے لائے ہوئے دین کو صدق دل سے قبول کیا اور حضورؐ کے پیش کردہ نظامِ حیات کو اپنی عملی زندگی میں اپنایا وہ لوگ کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ گمراہ تھے لیکن اس نور مبین سے اکتساب نور کرنے کے بعد ظلمت کدہ عالم میں ہدایت کے چراغ روشن کر گئے۔ جاہل تھے لیکن اس چشمۂ علم و عرفان سے سیراب ہونے کے بعد دنیا کے جس جس گوشہ میں گئے علم و حکمت کے چمن کھلاتے گئے۔ گنوار اور اجڈ تھے لیکن پاکیزہ تہذیب و تمدن کے بانی بن گئے۔ جہانگیری و جہانبانی کا ایک اچھوتا تصور دنیا کے سامنے پیش کیا جس میں کسی ایسے بادشاہ کی گنجائش نہیں جو مطلق العنان ہو' جو قانون کی گرفت سے بالا تر ہو' جو سب کا محاسبہ کر سکے لیکن اس سے باز پرس کرنے کی کسی کو اجازت نہ ہو بلکہ جو قوم و ملک کا سربراہ ہو گا اسے خلیفہ کہا جائے گا جس کا معنی نائب ہے اور نائب وہ ہوتا ہے جسے کسی نے

مقرر کیا ہو اور جس پر لازم ہو کہ وہ جو کچھ کرے گا اپنے مقرر کرنے والے کی منشا اور ہدایت کے مطابق کرے گا۔ ان رحمتوں سے وہ افراد اور قومیں سرشار ہوئیں جنہوں نے حضورؐ کی رسالت کو تسلیم کیا اور حضورؐ کے لائے ہوئے دین پر ایمان لانے کا شرف حاصل کیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم۔

لیکن جو لوگ اپنی کج فہمی کے باعث یا بیجا تعصبات میں مبتلا ہو کر اس چشمۂ حیواں سے براہِ راست اور بلا واسطہ سیر کام نہ ہوئے وہ بھی اس فیضان سے دانستہ یا نادانستہ فیض یاب ہوتے رہے۔ آفتاب کی شعاعیں ہر وادی و کوہسار کو روشن کرتی رہیں حتیٰ کہ وہ مذاہب جن کی بنیاد ہی اصنام پرستی اور شرک پر تھی وہ بھی اپنے مشرکانہ عقائد میں ترمیم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ چناں چہ ہندوستان میں آریہ سماج اور عیسائی دنیا میں پروٹسٹنٹ نظریات کا فروغ اس دعویٰ کی صداقت پر شاہد عادل ہیں۔ ملوکیت اور ڈکٹیٹر شپ کے نظام ہائے حکومت کی جگہ جمہوری اور شورائی طرزِ حکومت کی مقبولیت اسلام کے پیش کردہ نظریۂ سیاست کی فتح نہیں تو اور کیا ہے۔ اور پھر یہ رحمت کیا کم ہے کہ اپنے فسق و فجور اور کفر و شرک کے باوجود پہلی قوموں کی طرح ان پر فوری عذاب نازل کر کے انہیں نیست و نابود نہیں کر دیا گیا۔

یہ تو عالمِ ناسوت میں حضور کی گوناگوں رحمتوں کا ظہور ہے لیکن صرف یہاں ہی نہیں بلکہ عالمِ ملکوت میں بھی حضورؐ کی رحمت کا پرچم لہرا رہا ہے اور حضورؐ کا دستِ شفقت گل افشانی کر رہا ہے۔ وہاں رحمتِ محمدی کے ظہور میں جو بانکپن ہے اور بحرِ کرم میں جو مٹھاس اور روانی ہے اس کا حال تو فقط وہ نفوسِ قدسیہ ہی جانتے ہیں جنہیں اس عالم کی سیاحت ارزانی ہوئی ہو۔

غرض یہ کہ یہ وہ آفتاب ہے جس کی تابانیوں سے صرف عالمِ رنگ و بو ہی روشن نہیں بلکہ وہ جہانِ لطیف بھی درخشاں ہے جو رنگ و بوُ کم و کیفؔ بالا و پست کے تعینات سے ماورا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہاں اس آفتاب کی نور افشانی کا رنگ ہی نرالا ہے جو نہ زبان پر لایا جا سکے اور نہ قلم سے لکھا جا سکے۔ اس رحمتِ عامہ کی برکتوں سے عقل بھی بہرہ ور ہے اور دل کی دنیا میں بھی شاد کام ہے۔

ترجمانِ حقیقت شاعرِ مشرق نے کیا خوب کہا ہے:

تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے — عقل غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب

شوکت سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود — فقرِ جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب

حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی شانِ رحمت سے نقاب سرکاتے ہوئے فرمایا

انما انا رحمۃ مھداۃ یعنی میں وہ رحمت ہوں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو بطور تحفہ عطا فرمائی۔

ایک مرتبہ کفار کے لیے جب بددعا کرنے کی التجا کی گئی تو حضور نے فرمایا انما بعثت رحمۃ ولم ابعث عذابا یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے عذاب بنا کر نہیں بھیجا بلکہ سراپا رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

وکونہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للجمیع باعتبار انہ علیہ الصلوۃ والسلام واسطۃ الفیض الالٰھی علی الممکنات علی حسب القوابل ولذا کان نورہ صلی اللہ علیہ و سلم اول المخلوقات و فی الخبر "اول ما خلق اللہ تعالیٰ نور نبیك یا جابرؓ و جاء اللہ تعالیٰ المعطی و انا القاسم" وللصوفیۃ قدست اسرارھم فی ھذا الفصل کلام فوق ذالك . (روح المعانی)

حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تمام کائنات کے لیے رحمت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ عالمِ امکان کی ہر چیز کو حسبِ استعداد جو فیضِ الٰہی ملتا ہے وہ حضور کے واسطہ سے ہی ملتا ہے اسی لیے حضورؐ کا نور تمام مخلوقات سے پہلے پیدا فرمایا گیا۔ حدیث شریف میں ہے کہ اے جابر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کے نور کو پیدا فرمایا' اور دوسری حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ دینے والا ہے اور میں (اس کی رحمت کے خزانوں کو) بانٹنے والا ہوں اور صوفیائے کرام قدست اسرار ھم نے اس ضمن میں جو اسرار و معارف بیان کیے ہیں وہ اس سے بلند ہیں جو ہم نے بیان کیے ہیں۔

حضرت علامہ اقبال نے حامل لواء الحمد اور صاحبِ مقامِ محمود کی مدح سرائی میں جب یوں گل فشانی کی ہو گی تو کیا عجیب سماں ہو گا۔

وہ دانائے سبل' ختم الرسل' مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل' وہی آخر
وہی قرآن' وہی فرقاں' وہی یٰسین' وہی طٰہٰ

و نسئل اللہ تعالیٰ ان یجعل حظنا من رحمتہ الحظ الوافروان ییسرلنا امور الدنیا والاخرۃ بلطفہ المتواتر. (روح المعانی)

الٰہی ہمیں اپنے محبوب کی رحمت سے حظ وافر عطا فرما اور حضورؐ کے لطفِ پیہم سے ہمارے دینوی اور اخروی کاموں کو آسان فرما۔ آمین ثم آمین و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ رحمۃ للعالمین وعلیٰ آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین۔

رحمۃ للعالمینی کا اہم اور مبارک ترین پہلو یہ ہے کہ کفر و شرک میں ڈوبی ہوئی دنیا کو پھر نورِ توحید سے جگمگا دیا۔ بندے کا تعلق اپنے رب سے جوڑ دیا۔ اس کا دل جو دنیا بھر کی خواہشات کا کباڑ خانہ بنا ہوا تھا اسے تمام آلائشوں سے پاک کیا اور اللہ تعالیٰ کی محبت کا روشن چراغ اس میں رکھا۔ انسانیت کا کارواں اپنی منزل کی تلاش میں صدیوں سے بھٹک رہا تھا اسے اپنی منزل کا پتہ بھی دیا اور وہ راہ بھی بتائی جو اسے منزل تک لے جا سکتی تھی صرف اسی پر بس نہیں بلکہ مسافر کے دل میں منزل کا اتنا شوق پیدا کر دیا کہ وہ ہر طرف سے پہلو کو بچا کر اپنی منزل کی طرف بیتابانہ وار گامزن ہو گیا۔ (۴۲)

۱۶) فی ظلال القرآن

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانیت کے لیے ایک ہادی بنا کر بھیجا ہے تاکہ وہ لوگوں کو پکڑ پکڑ کر اللہ کی راہ کی طرف لے آئیں۔ لیکن ہدایت تو وہی پاتے ہیں جو ہدایت پانے کے لیے تیار ہوں، ارادہ کریں، اگرچہ اللہ کی رحمت مومنین اور غیر مومنین دونوں کے لیے عام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو نظام اور جو منہاج لے کر آئے ہیں وہ اس دنیا میں بھی پوری انسانیت کے لیے سعادت مندی کا باعث ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی رسالت اس دور میں آئی جس دور میں انسانیت سنِ رشد اور بلوغ کو پہنچ گئی تھی۔ یہ رسالت ایک کھلی کتاب کی صورت میں آئی اور یہ کتاب اور یہ رسالت تمام آنے والی نسلوں کے لیے ایک ایسا نظام زندگی پیش کرتی ہے جس میں کسی تبدیلی کی آئندہ بھی کوئی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ یہ نظام انسان کی ان تمام ضروریات کو پورا کرتا ہے جو قیامت تک اسے پیش آ سکتی ہیں۔ یہ نظام اس خالق کا ارسال کردہ ہے، جو انسانوں کی ضروریات کو خود انسانوں سے زیادہ جانتا ہے، کیوں کہ وہ لطیف و خبیر ہے۔

اللہ نے قرآن مجید کے اندر ایسے اصول وضع کیے ہیں جو قیامت تک آنے والی انسانی زندگی کی نئی نئی ضروریات کو بھی پورا کرتے ہیں۔ فروع اور جزئیات خود انسان پر چھوڑ دی ہیں کہ وہ ان اصولوں کی روشنی میں قیامت تک آنے والی انسان کی ترقی یافتہ سے ترقی یافتہ زندگی کی ضروریات کے لیے خود قانون وضع کریں۔ ہر دور کے ظروف و احوال کے مطابق جزوی مسائل کو اجتہاد کر کے اس کے لیے قانون بنائیں بہ شرطے کہ وہ قوانین قرآن کے اصولوں سے متصادم نہ ہوں جو دائمی ہیں۔

قرآن انسان کو عقل اور سوچ کی پوری آزادی دیتا ہے وہ ایک ایسا معاشرہ اٹھاتا ہے جس

میں لوگوں کے دماغوں پر تالے نہ پڑے ہوں۔ لیکن آزادی فکر و عمل اس دائرے کے اندر ہے جو اسلامی منہاج نے کھینچ دیا ہے تاکہ انسان اس دنیا کی زندگی میں نشوونما پائے' ترقی کے عمل کو جاری رکھے اور اسے دائرہ کمال تک پہنچائے۔

آج تک کے انسانی تجربات یہ بتاتے ہیں کہ اسلام نے جو نظام زندگی وضع کیا ہے وہ تمام انسانیت کے فکر و عمل کے نظاموں سے آگے ہے۔ وہ اس قابل ہے کہ اس کی روشنی میں انسان مسلسل ترقی کر سکے۔ یہ نظام انسان کو ہر لحہ آگے ہی بڑھاتا ہے' نہ اسے جامد کرتا ہے اور نہ اسے پیچھے کی طرف لے جاتا ہے' کیوں کہ یہ ایک ایسا نظام ہے جس کا مقصد ہی خلافت فی الارض ہے۔ اس دنیا کو ترقی دیتا ہے' ہمیشہ آگے ہی بڑھتا ہے اور اس کے قدم آگے ہی جاتے ہیں۔

یہ نظام انسان کے داعیۂ ترقی کی حوصلہ افزائی کرتا ہے' اور اس کے آگے بڑھنے کے شوق کو پورا کرتا ہے۔ کسی انسان کی انفرادی یا اجتماعی صلاحیتوں پر کوئی قدغن نہیں لگاتا۔ نہ یہ نظام انسان کو اس کی جدوجہد کے ثمرات سے فائدہ اٹھانے سے محروم کرتا ہے اور نہ یہ پابندی لگاتا ہے کہ وہ زندگی کی پاک چیزوں سے استفادہ نہ کرے۔

اس نظام کا مقام یہ ہے کہ یہ متوازن اور ہم آہنگ ہے۔ یہ جسم کو اس لیے نہیں کچلتا کہ روح کو بالیدگی نصیب ہو اور روح کو اس لیے نہیں دباتا کہ جسم موٹا ہو۔ انسان کی صحت مند جسمانی ضروریات اور خواہشات کو پورا کرتا ہے' اس طرح کہ وہ انفرادی اور اجتماعی ترجیحات کے مطابق ہوں۔ فرد کو اپنی ذاتی خواہشات کو اس قدر بڑھانے' اس قدر آزاد اور بے لگام چھوڑنے کی اجازت نہیں دیتا جن سے سوسائٹی کے حقوق متاثر ہوں' یا کسی فرد یا افراد کے مفاد میں سوسائٹی کے مفادات کو قربان کیا جائے۔

یہ نظام انسان پر جو فرائض اور ذمہ داریاں عائد کرتا ہے ان میں یہ بات پیش نظر ہوتی ہے کہ انسان ان کو برداشت کر سکتا ہے۔ یہ اس کی وسعت اور طاقت کے حدود میں ہیں' اس کے مفاد میں ہیں اور اس کے اندر ان فرائض کو ادا کرنے کی استعداد موجود ہے۔ پھر یہ فرائض ایسے ہوتے ہیں کہ یہ فرد ان کی ادائیگی پر آمادہ ہو' بلکہ یہ ایسے فرائض ہیں کہ لوگ نہ صرف یہ ہے کہ دل و جان سے انہیں قبول کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں بلکہ لوگ ان کے لیے جان دینے کو تیار ہوتے ہیں کیوں کہ یہ فرائض ان کی خواہشات کے مطابق ہوتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رسالت تمام انسانوں کے لیے ایک

رحمت ہے۔ یہ رسالت جن اصولوں کو لے کر آئی تھی ابتدا میں لوگوں نے اسے عجیب و غریب سمجھا اور یہ اصول لوگوں کے لیے بوجھ سمجھے گئے کیوں کہ ابتدا میں اسلامی اصولوں اور لوگوں کی روحانی اور عملی زندگی کے درمیان بہت بُعد تھا۔ لیکن اسلام کے آنے کے بعد انسانیت پوری کی پوری روز بروز اسلامی نظام کے قریب آتی گئی۔ انسانیت اسلامی نظام سے مانوس ہو گئی اور پھر ان اصولوں کو انہوں نے آہستہ آہستہ اپنے ہاں رائج کیا مگر دوسرے عنوانات سے' اسلامی عنوان سے نہیں۔

اس آخری رسالت نے انسانیت کے راستے میں حائل' لسانی' قومی اور جغرافیائی حدود کو مٹا دیا تاکہ تمام لوگ ایک ہی عقیدے' ایک ہی نظام میں' خالص انسانی نظام میں ایک ہو جائیں۔ اس وقت لوگوں کے لیے یہ ایک عجیب و غریب دعوت تھی۔ اس دور میں اشراف اور بڑے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ ان کو اس مٹی سے نہیں پیدا کیا گیا جس سے غربا کو پیدا کیا گیا ہے لیکن آج سے چودہ سو سال قبل اسلام نے جو انسانی اصول وضع کیے تھے ان کی طرف انسانیت آج بھی آہستہ آہستہ بڑھ رہی ہے۔ اگرچہ اس عرصہ میں انسانیت نے بہت بڑی ٹھوکریں کھائیں اس لیے کہ وہ نور اسلام سے محروم تھی۔ آج اسے اسلامی اصولوں میں روشنی نظر آتی ہے اور کم از کم زبانی طور پر وہ اسلام کے انسانی اصولوں کی بات بہرحال کرتی ہے اگرچہ یورپ و امریکہ اب بھی قومی' لسانی اور جغرافیائی لعنتوں میں گرفتار ہیں۔

اسلام جب آیا تو اس نے تمام انسانوں کو قانون اور عدالت کے سامنے مساوی درجہ دیا۔ اس وقت دنیا کی صورت حالات یہ تھی کہ انسانیت کو طبقات میں بانٹ دیا گیا تھا اور ہر طبقے کے لیے جدا قانون تھا۔ بلکہ غلامی اور جاگیرداری کے دور میں تو مالک کا ارادہ ہی قانون ہوا کرتا تھا اس لیے اس دور میں لوگوں کو یہ بات عجیب و غریب لگی کہ اسلام میں بندہ و آقا' امیر و غریب سب ایک ہی قانون اور ایک ہی عدالت کے ماتحت ہیں۔ لیکن اسلام نے قانونی مساوات اور عدالتی چارہ جوئی کی مساوات کا جو اصول آج سے چودہ سو سال پہلے دیا' انسانیت آج بھی اسی اصول کی طرف بوجھل قدموں کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔

ان باتوں کے علاوہ بھی بے شمار اجتماعی اور سماجی امور ایسے ہیں جن میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت لوگوں کے لیے ایک عظیم رحمت ثابت ہوئی ہے۔ آپؐ انسانیت کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں چاہے کوئی آپؐ پر ایمان لایا ہو یا نہ لایا ہو کیوں کہ جو نظام آپؐ لے کر آئے تھے تمام انسان اس سے متاثر ہوئے چاہے خوشی سے چاہے مجبور ہو کر' دانستہ طور پر یا نادانستہ طور پر۔ اس

رحمت کا سایہ اب بھی پھیلا ہوا ہے' جو چاہے اس کے نیچے آ کر ستائے اس میں سماوی بادِ نسیم کے خوشگوار جھونکے ہیں' اس کے شجر طیبہ کی گہری چھاؤں ہے جب کہ اس کے ارد گرد کی دنیا اس طرح ہے جس طرح سخت گرمی کے موسم میں کوئی چٹیل میدان میں سرگرداں ہو اور گرمی سے جھلس رہا ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ انسانیت جس طرح آج رحمتِ اسلام کی محتاج ہے اس طرح کبھی نہ تھی۔ وہ اذیت ناک قلق میں مبتلا ہے' وہ مادیت کے بے آب و گیاہ میدان میں سرگرداں و پریشان ہے' وہ اسلحہ کے ڈھیرں اور جنگل کے قانون جنگ میں گرفتار ہے اور مادیت نے لوگوں کے دلوں کو خشک کر دیا ہے۔ لوگوں کی روح خوفناک حد تک اذیت میں ہے اور ان کے دل پریشان ہیں۔

چناں چہ یہ بتانے کے بعد کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رسالت تمام انسانیت کے لیے رحمت ہے' حضورؐ کو بتایا جاتا ہے کہ آپؐ مذاق کرنے والوں اور تکذیب کرنے والوں کو بتا دیں کہ آپؐ کی رسالت کے رحمت ہونے کا خلاصہ کیا ہے۔

قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (۲۱:۱۰۸)

ان سے کہو' میرے پاس جو وحی آتی ہے وہ یہ ہے کہ تمہارا خدا صرف ایک خدا ہے' پھر کیا تم سر اطاعت جھکاتے ہو؟

اس رسالت میں رحمت ہونے کا حقیقی عنصر ہی یہ کلمہ ہے۔ عقیدۂ توحید' جو انسانیت کو جاہلیت کے اوہام' بت پرستی کی ذلت اور خرافات اور رسومات کے بوجھ سے نجات دلاتا ہے' اس رسالت میں پوری زندگی کو اس مضبوط عقیدے کی بنیاد پر استوار کیا جاتا ہے۔ یوں یہ زندگی اس پوری کائنات سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے۔ انسانیت اپنی زندگی انہی فطری قوانین پر استوار کرتی ہے جو ایک طرف اس کائنات میں جاری و ساری ہیں اور دوسری طرف اسلامی نظام اور رسالتِ رحمت میں جاری ہیں۔ اس نظام کی روشنی میں ہر انسان ے لیے یہ موقع ہے کہ وہ اس کرۂ ارض پر سر اٹھا کے چلے۔ اگر اس کا سر جھکے تو صرف خدائے واحد قہار و جبار کے آگے۔ یہی ہے صحیح طریقِ زندگی۔(۲۳)

۱۷) تفسیر عثمانی

آپ تو سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اگر کوئی بدبخت اس رحمت عامہ سے خود ہی منتفع نہ ہو تو یہ اس کا قصور ہے۔ آفتاب عالم تاب سے روشنی اور گرمی کا فیض ہر طرف پہنچتا ہے۔ لیکن کوئی شخص اپنے اوپر تمام دروازے اور سوراخ بند کر لے تو یہ اس کی دیوانگی ہو گی۔ آفتاب کے عموم فیض میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ اور یہاں تو رحمۃ للعالمین کا حلقۂ فیض اس قدر وسیع

ہے کہ جو محروم القسمت مستفید ہونا نہ چاہے اس کو بھی کسی نہ کسی درجہ میں بے اختیار رحمت کا حصہ پہنچ جاتا ہے۔ چناں چہ دنیا میں علومِ نبوت اور تہذیب و انسانیت کے اصول کی عام اشاعت سے ہر مسلم و کافر اپنے اپنے مذاق کے موافق فائدہ اٹھاتا ہے۔ نیز حق تعالیٰ نے وعدہ فرما لیا ہے کہ پہلی امتوں کے بر خلاف اس امت کے کافروں کو عام و مستاصل عذاب سے محفوظ رکھا جائے گا۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ حضور کے عام اخلاق کے علاوہ جن کافروں پر آپ جہاد کرتے تھے وہ بھی مجموعہ عالم کے لیے سراسر رحمت تھا کیوں کہ اس کے ذریعہ سے اس رحمت کبریٰ کی حفاظت ہوتی تھی جس کے آپ حامل بن کر آئے تھے اور بہت سے اندھے جو آنکھیں بنوانے سے بھاگتے تھے اس سلسلہ میں ان کی آنکھوں میں بھی خواہ مخواہ ایمان کی روشنی پہنچ جاتی تھی۔ ایک حدیث میں ہے والذی نفسی بیدہ لاقتلنھم و لاصلبنھم و لاھدینھم و ھم کارھون انی رحمۃ بعثنی اللہ ولا یتوفانی حتی یظھر اللہ دینہ (ابن کثیر) ان الفاظ سے آپ کے ''رحمۃ للعالمین'' ہونے کا مطلب زیادہ وسعت کے ساتھ سمجھ میں آ سکتا ہے۔(۲۴)

۱۸) تفسیر فاضلی

اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے۔ اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ اللہ کی یہ رحمت اتنی وسعت رکھتی ہے کہ سارے عالمین کے لیے پوری ہے۔ استفادہ وہی کر سکتے ہیں جو رحمۃ للعالمین کی نصیحت کو غور سے سنیں' ادب سے اس پر تدبر کریں اور محبت سے اپنی تسلیم کو سچا ثابت کریں۔ جو اس رحمتِ الٰہی سے فائدہ نہ اٹھائے' وہ خود اس رحمت سے دور رہنے کی سعی کر رہا ہوتا ہے' اللہ کی رحمت اس سے دور نہیں ہوتی۔ اسوۂ رسول جن حضرات کا حال ہے' ان کے اتباع سے یہ ثابت ہو گا کہ ہم رحمۃ للعالمین کی معیت کے طالب ہیں۔

حاصل: رحمتِ الٰہی کی طلب ہو تو رحمۃ للعالمین کی حضوری نصیب ہوتی ہے۔ (۲۵)

۱۹) کشف الرحمٰن

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام اقوامِ عالم کے لیے موجب رحمت بن کر تشریف لائے ہیں کیوں کہ آپ جو شریعت اور تہذیب لے کر آئے ہیں اس نے تمام دنیا کو ایک صحیح راستہ دکھا دیا ہے۔ جو آپ پر ایمان لے آئے وہ تو اس رحمت خداوندی سے مستفید ہو ہی گئے لیکن جو ایمان نہیں لائے ان کو بھی کچھ نہ کچھ نفع ضرور پہنچا۔ وہ بھی اس دنیا میں خسف اور مسخ اور عذاب استیصال سے محفوظ ہو گئے اور بہت سے لوگوں نے قانونِ شریعت سے اپنی اصلاح کر لی اگرچہ شریعت محمدیہ علی صاحبہا التحیہ پر ایمان نہیں لائے اور محض تعصب و ہٹ دھرمی کی وجہ سے انکار کرتے رہے لیکن باوجود اس انکار

کے بھی رحمت للعالمین کی رحمت عامہ سے کم و بیش مستفید سب ہی ہوئے۔ (۲۶)

۲۰) تفسیرِ ماجدی

جو کوئی بھی اپنے کو آپ کے لائے ہوئے پیام کے سانچے میں ڈھال دے گا' دنیا و عقبیٰ کی فلاح اس کے حصہ میں آ جائے گی' اور یہ حکم فرد و جماعت دونوں کے لیے عام ہے۔

آپؐ کے غزا و قتال تک دنیا کے حق میں سر تا سر رحمت ہی ہوئے ہیں۔ بہ قول اقبالؒ

لطف و قہر او سراپا رحمتے

آں بہ یاراں ایں بہ اعدا رحمتے

لفظ العالمین کی وسعت اور عموم بہت قابلِ غور ہے' محض ملک عرب نہیں' آپؐ کے معاصرین ہی نہیں' ہر قوم' ہر ملک کے لوگ آپؐ کی لائی ہوئی رحمت سے یکساں مستفید ہو سکتے ہیں۔

مرشد تھانویؒ نے آیت سے ایک نکتہ یہ بھی استنباط کیا ہے کہ مقبولین کی برکات ان کے قصد کے بغیر ہی عالم کو پہنچتی رہتی ہیں' جیسے آفتاب کی شعاعیں کہ بلا اس کے قصد و علم کے سب کو پہنچتی رہتی ہیں۔(۲۷)

۲۱) تفسیر مظہری

تم کو رسول بنا کر ہم نے اس وجہ سے بھیجا کہ ہم انس و جن پر رحم کرنا چاہتے تھے پس تم کو ہم نے ہادی بنا کر بھیجا تا کہ لوگ تمہارے بتائے ہوئے راستے پر چلیں۔ دوسرے ترجمہ پر رحمۃً ک سے حال ہو گا یعنی ہم نے تم کو نہیں بھیجا مگر اس حالت میں کہ تم سب کے لیے سبب رحمت ہو۔ حاکم نے حضرت ابوہریرۃ کی روایت سے اور ابن سعد و حکیم نے ابو صالح کی روایت سے مرسل حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا' میں (اللہ کی طرف سے) فرستادۂ رحمت ہوں۔ بخاری نے تاریخ میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ حدیث نقل کی ہے کہ مجھے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے عذاب بنا کر نہیں بھیجا گیا۔

اس جملہ کا عطف ان فی ھذا لَبَلٰغًا پر ہے کیوں کہ قرآن جب جنت کا زادِ راہ ہے تو جس رسول پر قرآن کا نزول ہوا اس کا مبعوث ہونا رحمت ہو گیا۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ میری نبوت اور پیام نبوت لوگوں کو سعادت مند بنا دینے کا سبب ہے اور معاش و معاد کی درستی کا کفیل ہے۔ اب جو شخص اس کو قبول نہیں کرتا اور رحمت کے زیر سایہ آنے سے انکار کرتا ہے وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتا ہے' میری نبوت کے رحمت ہونے میں کوئی کمی نہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا' رسول اللہؐ کافروں

کے لیے دنیا میں رحمت تھے کہ آپ کی وجہ سے دنیا میں ان پر عذاب نہیں آیا' صورت مسخ ہونے' زمین میں دھنسائے جانے اور بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے عذاب سے مامون ہو گئے۔ خلاصہ یہ کہ رسول اللہؐ بر قول ابن عباس کافروں کے لیے بھی دنیا میں رحمت تھے' اور بر تفسیر اول کافروں کا ابتلاءِ عذاب ہونا خود ساختہ اور خود آوردہ ہے۔ انہوں نے رحمت کے زیر سایہ آنے سے خود انکار کر دیا۔ رسول اللہؐ کے رحمت ہونے میں کوئی کمی نہیں تھی۔ (٢٨)

٢٢) معارف القرآن

عالمین' عالم کی جمع ہے جس میں ساری مخلوقات انسان' جن' حیوانات' نباتات' جمادات سبھی داخل ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سب چیزوں کے لیے رحمت ہونا اس طرح ہے کہ تمام کائنات کی حقیقی روح اللہ کا ذکر اور اس کی عبادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس وقت زمین سے یہ روح نکل جائے گی اور زمین پر کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا تو ان سب چیزوں کی موت یعنی قیامت آ جائے گی۔ اور جب ذکر اللہ اور عبادت کا ان سب چیزوں کی روح ہونا معلوم ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سب چیزوں کے لیے رحمت ہونا خود بخود ظاہر ہو گیا' کیوں کہ اس دنیا میں قیامت تک ذکر اللہ اور عبادت آپ ہی کے دم قدم اور تعلیمات سے قائم ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے انا رحمة مهداة میں اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی رحمت ہوں' (اخرجہ ابن عساکر عن ابی ہریرۃ)۔ اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انا رحمة مهداة برفع قوم و خفض آخرين یعنی میں اللہ کی بھیجی ہوئی رحمت ہوں تاکہ (اللہ کے حکم ماننے والی) ایک قوم کو سربلند کر دوں اور دوسری قوم (جو اللہ کا حکم ماننے والی نہیں' ان کو) پست کر دوں (ابن کثیر)۔

اس سے معلوم ہوا کہ کفر و شرک کو مٹانے کے لیے کفار کو پست کرنا اور ان کے مقابلے میں جہاد کرنا بھی عین رحمت ہے جس کے ذریعہ سرکشوں کو ہوش آ کر ایمان اور عمل صالح کا پابند ہو جانے کی امید کی جا سکتی ہے واللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم۔ (٢٩)

٢٣) مفہوم القرآن (منظوم)

ساری دنیاؤں کے لوگوں کے لیے ہم نے تجھے
بھیجا ہے رحمتِ کامل کا بنا کر پیکر

کہہ دے بس یہ ہی وحی ہوتی ہے میری جانب
اک ہی معبود ہے کیا چلتے ہو اس کے ہو کر؟(۳۰)

۲۴) مواہب الرحمٰن

تیرے بھیجنے میں کوئی علت نہیں سوائے اس کے کہ رحمت ہے واسطے عالمین کے یعنی انسانوں و جنوں کے لیے اور صحیح یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں اور کافروں سب کے واسطے رحمت ہیں۔ و قد قال تعالیٰ وما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم یعنی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں مشرکوں کو عذاب کرے اور حال یہ کہ تو ان میں ہے۔ اور ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا تو آپ کی رحمت اس پر دنیا و آخرت میں پوری ہو گئی اور جو آپ پر ایمان نہ لایا وہ آخرت سے محروم رہا اور دنیاوی عذاب سے جو خسف و مسخ و عذاب عقوبت سے ہوتا تھا بچ رہا۔ شیخ ابن کثیرؒ نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے یعنی سب کے لیے آپ کو رحمت کیا ہے پس جن لوگوں (جس) نے اس رحمت کو قبول نہ کیا وہ بدبخت ہے اس نے آخرت میں عذاب جہنم اختیار کیا۔ کما قال تعالیٰ الم تر الی الذین بدلوا نعمۃ اللہ کفرا و احلوا قومھم دارالبوار جھنم یصلونھا و بئس القرار. یعنی تو نہیں دیکھتا ایسے لوگوں کو جنہوں نے بدل لیا اللہ تعالیٰ کی نعمت سے کفر کو اور اتارا اپنی قوم کو دارالبوار جہنم میں جس میں ضرور داخل ہوں گے اور وہ برا ٹھکانا رہنے کا ہے۔ امام مسلم نے صحیح میں ابوہریرہؓ سے روایت کی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ آپ مشرکوں پر بددعا نہیں فرماتے۔ آپ نے فرمایا کہ میں لعنت کرنے والا نہیں بھیجا گیا میں تو فقط رحمت ہی بھیجا گیا ہوں۔ اور دوسری حدیث میں مرفوع و مرسل روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انما انا رحمۃ مھداۃ میں تو رحمت مہداۃ ہوں یعنی رحمت ہدیہ بھیجا گیا ہوں۔ اور بخاریؒ نے کہا کہ یہ حدیث حفص بن غیاث رحمۃ اللہ کے پاس مرسل تھی۔ اقول کی مراد یہ ہے کہ اس شیخ کے پاس مرفوع متصل نہ تھی اور صحابی کا نام روایت میں نہ تھا لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے اماموں کے پاس متصل مرفوع نہ ہو۔ ابن کثیرؒ نے کہا کہ حافظ امام ابن عساکر نے اس کو دو متصل مرفوع اسناد سے روایت کیا۔ ایک تو ابوہریرہؓ سے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انما انا رحمۃمھداۃ اور دوسری روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رحمت مہداۃ بھیجا ہے۔ میں بھیجا گیا ہوں کہ ایک قوم کو اونچا کروں اور ایک کو نیچا کر دوں۔ اقول اور بیہقیؒ نے ابوہریرہؓ سے مثل

روایت ابن عساکر کے روایت کیا ہے۔ اور مہداۃ کے یا تو معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انس و جن سب لوگوں کے واسطے مجھے ہدیہ رحمت بھیجا ہے۔اور شاید کہ مہداۃ کے یہ معنی ہوں کہ ایسی رحمت جس سے ہدایت پائی جاوے۔چناں چہ امام احمد ابو داؤد طیالسی و طبرانی و ابو نعیم نے ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم انّ اللہ بعثنی رحمۃ للعالمین و ھدی للمتقین یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے عالمین کے لیے رحمت اور متقیوں کے لیے ہدایت بھیجا ہے۔ امام ابن کثیرؒ نے لکھا کہ طبرانیؒ نے جبیر بن مطعم سے روایت لکھی ہے کہ ابوجہل جب خمرہ سے لوٹ کر مکہ میں آیا تو کہا کہ اے گروہ قریش کے محمد تو جا کر یثرب میں اترا ہے اور اس نے اپنے طلائعہ کو بھیجا ہے یعنی جو لوگ اس کو موقع کی اطلاع کرتے رہیں اور وہ چاہتا ہے کہ تم کو کچھ مصیبت پہنچادے پس تم اس سے پرہیز رکھو کہ اس کی راہ سے گزرو یا اس سے نزدیک ہو۔ وہ مثل شیر حملہ آور کے ہے اور اس کو تم سے کینہ ہو گیا ہے کیوں کہ تم نے اس کو یہاں سے نکال دیا ہے اور قسم اللہ کی کہ اس کے پاس جنیہ ہے اور میں نے تو کبھی نہ دیکھا کہ اس کے پاس یا اس کے کسی ساتھی کے پاس شیطان نہ ہو' جب دیکھا تو ان کے ساتھ شیطانوں کو پایا اور تم کو عداوت دونوں فرزند قیلہ کی معلوم ہے یعنی گروہ اوس و خزرج۔ پس محمد ایک دشمن ہے کہ اس نے جا کر دشمنوں سے پناہ و مدد لی ہے۔

مطعم بن عدی نے یہ سن کر کہا کہ اے ابوالحکم یعنی ابو جہل میں نے تو واللہ سچی زبان و وعدہ کا آدمی تمہارے اس بھائی سے بڑھ کر کبھی نہیں دیکھا جس کو تم نے اس طرح نکال دیا ہے اور خیر جو تم نے کیا وہ تو کر چکے اب یہی کرو کہ تمام عرب کوئی اس کے ساتھ دشمنی نہیں کرتے ہیں' تم اوروں سے بڑھ کر اس سے عداوت کرنے سے باز رہو۔ ابوسفیان بن الحارث نے کہا کہ نہیں واللہ تم اس پر اور زیادہ سخت ہو جاؤ اور دونوں گروہ اوس اور خزرج' تو اگر تم پر قابو پاویں گے تو تمہارے حق میں کسی عذر و قرابت کا پاس و لحاظ نہ کریں گے۔ اور اگر تم میری بات مانو گے تو تم ان دونوں کو ایسا کر دو گے کہ نہایت لاچار ہو جاویں یا دے محمد کو اپنے درمیان سے نکال دیں گے اور وہ اکیلا کہیں مر جائے گا اور اوس و خزرج تو تمہارے غلاموں کے ساتھ خواری میں برابر ہیں اور کچھ اشعار کہے۔ یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہونچی تو آپؐ نے فرمایا کہ قسم اس کی کہ جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ میں ان کو قتل کروں گا اور ان کو سولی دوں گا اور ان کو ہدیہ کر دوں گا اس حالت میں کہ دے ناچار' برا مانتے ہوں گے۔ میں' تو ایک رحمت ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے اور وہ مجھے موت نہ دے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو غالب ظاہر کر دے۔اور میرے پانچ نام ہیں۔

میں محمد و احمد ہوں اور میرا نام ماحی ہے' اللہ تعالیٰ میرے سبب سے محو کر دے گا کفر کو۔ اور میرا نام حاشر ہے کہ میرے ہی قدموں پر لوگوں کا حشر ہو گا اور میرا نام عاقب ہے۔قال ابن کثیرؒ اور احمد بن صالح نے کہا کہ مجھے امید ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور امام احمد نے سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا اور کہا کہ جس شخص کو میں نے اپنی امت سے برا کہا یا لعنت کی اپنے غصہ کی حالت میں' تو میں ایک شخص ہوں اولادِ آدم سے' جیسے لوگ غصہ ہو جاتے ہیں میں بھی غصہ ہو جاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے عالمین کے لیے رحمت بھیجا ہے تو اللہ تعالیٰ میرا کہنا اس کے حق میں قیامت کے روز صلاۃ و رحمت کر دے۔ (و قد رواہ ابوداؤد) قول مانند اس کے ایک قصہ کی حدیث میں ثابت ہے کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے جا کر عرض کیا جب آپ نے ایک یتیم لڑکے کی نسبت کچھ ارشاد فرمایا ہے تو آپ نے ام سلیم سے اسی کے مانند کہا کہ جو بات میں کسی کے حق میں کہتا ہوں جس سے اس کو بددعا کا خوف ہو تو وہ خوف نہ کرے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کرلی ہے کہ میں آدمی ہوں آدمیوں کی طرح غصہ ہو جاتا ہوں پس جو بات میں غصہ میں کسی کے حق میں کہوں الٰہی تو اس کے لیے رحمت کر دے اور یہ معنی اس حدیث کے ہیں اور اصل حدیث مشکوۃ میں ہے اور واضح ہو کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی غصہ نہیں ہوتے تھے مگر ایسے وقت کہ شرع سے کچھ مخالفت ہو تو اللہ تعالیٰ کے واسطے غصہ ہو جاتے تھے کما صح فی الصحاح. قال ابن کثیرؒ اور اگر کہا جاوے کہ کافروں کو آپ سے کیا رحمت پہنچی تو جواب یہ ہے کہ ابن جریرؒ اور ابن ابی حاتم اور طبرانیؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی اس آیت میں کہ جس نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی اس کے واسطے رحمت دنیا و آخرت میں پوری ہوئی اور جس نے آپ کی اتباع نہیں کی تو خسف و مسخ و قذف جس سے دیگر امتیں مبتلا ہوتی تھیں اس سے بچ گیا۔ یہ لفظ طبرانی کا ترجمہ ہے اور یہی حاصل روایت ابن جریر کا ہے۔ اور مترجم کہتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رحمت ہونا ایسی عظیم شان پر ہے کہ اس کا قیاس نہیں ہو سکتا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ علم ازلی قدیم میں ہے کہ جنت کی زمین میراث بندگان صالحین ہے جو زاہد و ابرار و اخیار و عابدین ہیں کیوں کہ یہی لائق عوض و ثواب و درجات جنت ہیں اور مشاہدہ جمال ازلیت میراث اہل معرفت و محبت و شوق و عشق ہے کیوں کہ وے مشاہدۂ ربوبیت میں ہیں اور جنت والے مشاہدہ عبودیت میں ہیں۔ شیخ سہل رحمۃ اللہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان بندوں کو اپنی طرف منسوب کیا اور ان کی صفت صلاح بیان فرمائی بقولہ عبادی الصالحین۔ اور معنی یہ ہیں کہ میرے واسطے لائق نہیں مگر وہی جو میرے لیے خالص ہو

اور میرے سوائے کسی چیز کا اس میں اثر نہ ہو اور یہ وے بندے ہیں کہ انہوں نے اپنے سرائر کو اللہ تعالیٰ کے واسطے خالص کیا اور تمام ماسوائے سے منقطع ہو گئے۔ قوله ان فی هذا لبلاغا الآیة۔ کلام ازلی بندگان صالحین و صدیقین کو ان کی مراد دیدار صفات و اعلیٰ کو پہنچاتا ہے۔ شیخ سہلؒ نے کہا کہ بلاغ تمام بندوں کے واسطے نہیں رکھا بلکہ مخصوص قوم عابدین کے لیے فرمایا اور یہ وے لوگ ہیں کہ انہوں نے خلوص عقیدت سے اپنے رب عز و جل کی عبادت کی اور اسی کے واسطے اپنے نفس کو قربان کیا کسی جنت کی طمع یا دوزخ کا خوف درمیان میں نہیں رکھا بلکہ خالص اللہ تعالیٰ کی محبت سے بندگی کی اور یہ فخر کیا کہ رب عز و جل نے ان کو اس لائق کیا کہ اس کی عبادت کریں۔ قوله. و ما ارسلناك الا رحمة للعالمین. یہ وصف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع خلق کے واسطے رحمت بھیجا ہے اور رحمت الٰہی اس کے غضب پر سابق ہے کما فی الحدیث۔ اور واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو آگاہ فرمایا کہ اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو سب سے اوّل پیدا فرمایا ہے۔

پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمام خلائق کو پیدا فرمایا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے تمام خلائق کا ظہور ہوا ہے۔ پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا عدم سے ارسال واسطے مشاہدہ قِدَم کے تمام خلائق کے لیے رحمت ہے کیوں کہ سب کا صدور اسی سے ہے تو وجود محمد صلی اللہ علیہ وسلم باعث ایجاد تمام خلائق ہے اور تمام خلائق پر رحمت و جود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پس آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمت کافیہ ہیں اور واضح ہو کہ تمام خلائق ایک صورت تھی مخلوقہ جو قضائے قدرت میں بغیر روح کے پڑی تھی اور قدوم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی منتظر تھے پس جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم میں آئے تو آپ کے وجود سے یہ عالم زندہ ہو گیا کیوں کہ آپ تمام خلائق کے لیے روح ہیں۔ اور واضح ہو کہ تمام مخلوق کا خروج عدم سے ناقص ہوا ہے کیوں کہ کوئی ان میں سے اسرار قدم پر بکمال معرفت و تمام علم مطلع نہیں ہوا تو اسرار الوہیت تک پہنچنے سے سب عاجز تھے پس آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ جسم عالم کے لیے اکسیر ہو گئے اور آپ کی برکت سے یہ سفر دراز ان تمام عالم کے لیے ایضاح راہ حق و ہدایت تمام سے ایک قدم ہو گیا اور اسی معنی میں تمام انبیا علیہم السلام نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی اور نماز معراج ہے تو سب کو اپنے مقام پر وصول ہوا۔ پس جب آپ بارگاہ عزت سے مبعوث ہوئے تو سبحان الذی اسریٰ کے سیر سے ایک مقام کمال پر اور قرب وصال میں کہ بشر کے خیال سے باہر ہے پہنچے پس آپ کے قدم مبارک کی برکت سے حق عز و جل نے جمیع خلائق کو بخش دیا تو مومن و کافر و ہرن و بھیڑیا و باز و

کبوتر و دوزخ و جنت و دنیا و آخرت سب اس کے سایۂ رحمت میں ہیں کیوں کہ وہ رحمت ازلی ابدی ہے اور رحمت الرحمٰن سے ایک قطرہ ہے۔ شیخ ابوبکر بن طاہرؒ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ و سلم کو زینت رحمت سے مزین فرمایا تو آپ کا وجود رحمت ہے اور جس کو دیکھا اس پر رحمت ہے اور آپ کا خوش ہونا بلکہ ناراض ہونا اور آپ کا نزدیک کرنا بلکہ دور کر دینا اور تمام شمائل و صفات آپ کی رحمت ہیں پس جس کو آپ کی رحمت سے کچھ پہنچا وہ دونوں جہاں میں ہر مکروہ سے نجات پانے والا ہے اور اپنی مراد کو پہنچ گیا۔ پس آپ کی زندگی رحمت ہے اور آپ کا وفات فرمانا رحمت ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری زندگی تمہارے واسطے رحمت ہے اور میری موت تمہارے لیے رحمت ہے۔ ابن عطاءؒ نے کہا کہ دونوں جہان کی رحمت تو اس شخص کے واسطے ہے جو آپ پر ایمان لایا اور آپ کی پیروی کی اور صرف دنیاوی رحمت اس شخص کے لیے جو آپ پر ایمان لانے سے محروم رکھا گیا وہ اس طرح کہ آخرت تک اس پر سے عذاب دور رکھا گیا ہے۔ قال المترجم بعض دیگر انبیا علیہم السلام نے اپنے مومنوں کے لیے نافرمانی کی صورت میں عذاب مانگا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کے لیے باوجود نافرمانی کے عذاب نہ چاہا بلکہ مغفرت چاہی۔ و ھو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ و سلم. (۳۱)

۲۵) موضح القرآن

تیری ذات کو صرف انعام اور بخشش پیدا کیا خلقت کے واسطے جو تیرے طفیل تیری امت کو بخشوں گا قیامت کو اور اب تیرے ہونے سے مکے کے لوگوں پر عذاب نہیں ہوتا جو تو ان کے بیچ میں ہے اسی سبب سے یہ عذاب سے بچے ہوئے ہیں۔ (۳۲)

نبی کریمؐ آخر تمام عالمین کے لیے رحمت و رافت کیوں نہ ہوں' جن و انس کے علاوہ جمادات و نباتات تو کیا کسی ذی روح مخلوق کی بھی مجال نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے سر مو انحراف کر سکے۔ نبی مہربان تو ان لوگوں کے لیے بھی جو اللہ اور اس کے احکام کی نافرمانی ہی نہیں بغاوت کے بھی مرتکب ہوں' اگر وہ بھی توبہ کر لیں تو ان کے لیے بھی اللہ سے مغفرت اور بخشش طلب کرتے ہیں۔ (۳۳) اور ایسا کیوں نہ ہو کہ خود اللہ تعالیٰ جو خالقِ رحمت ہے اور اسی نے اپنے بندوں پر احسان کرتے ہوئے نبی کریم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا' اور کہا کہ:

و رحمتی وسعت کل شیء (۳۴)

اس نے اپنے خاص الخاص فرشتوں پر یہ فرض عائد کر دیا ہے کہ وہ اس کے بندوں کے

لیے مغفرت اور جہنم سے براءت کی التجائیں کرتے رہیں۔ (۳۵) صرف توبہ کرنے' اپنے اعمال کی اصلاح کرنے اور اس کی طرف پلٹ آنے کی سچی نیت کی ضرورت ہے۔ تو کوئی ہے جو اپنے رب کی رحمت کی طرف پلٹے۔

حوالہ جات

:۱ البقرۃ ۲: ۳۸ :۲ اللیل ۹۲: ۱۲

:۳ سبا ۳۴: ۲۸ :۴ یونس ۱۰: ۴۷

:۵ الرعد ۱۳: ۷

:۶ محمد احمد' درس قرآن' تبلیغ القرآن ٹرسٹ کراچی' ۱۹۸۴ء' ج۷' ص۱۰۵

:۷ یوسف' صلاح الدین' تفسیر احسن البیان فی تفسیر القرآن' (ترجمہ مولانا محمد جونا گڑھی)' دارالسلام پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز' ریاض' سعودی عرب' ۱۹۹۸ء' ص ۷۸۶

:۸ ابن کثیر' عماد الدین' تفسیر ابن کثیر' مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور' سن ندارد' ج ۳' ص ۴۵۲۔۴۵۳

:۹ فضل الرحمٰن' سید' احسن البیان فی تفسیر القرآن' زوار اکیڈمی پبلی کیشنز' کراچی' ۲۰۰۰' ج۵

:۱۰ تفسیر احسن البیان' دارالسلام پبلشرز' ص ۷۸۶۔۷۸۷

:۱۱ حسن' سید احمد' احسن التفاسیر' المکتبہ السلفیہ لاہور' اشاعت دوم ۱۹۸۴' ج ۲' ص ۲۵۶۔۲۵۷

:۱۲ اعوان' محمد اکرم' اسرار التنزیل' ادارہ نقشبندیہ اویسیہ چکوال' اشاعت دوم' ۱۹۹۹ء' ج۶' ص ۱۰۱

:۱۳ تھانوی' اشرف علی' اشرف التفاسیر' ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان' ج۳' ص ۹۴۔۹۵

:۱۴ مرتضیٰ' ملک غلام' انوار القرآن' ملک سنز لاہور' ج۱' ص ۳۹۵

:۱۵ اصلاحی' امین احسن' تدبر قرآن' فاران فاؤنڈیشن لاہور' ۱۹۹۷ء' ج۵' ص ۱۹۹

:۱۶ خان' وحید الدین' تذکیر القرآن' المکتبہ الاشرفیہ لاہور' سن ندارد' ج۲' ص ۱۲۷

:۱۷ آزاد' ابوالکلام' ترجمان القرآن' اسلامی اکادمی لاہور' ۱۹۷۶ء' ج۲ ص ۳۹۴۔۳۹۵

:۱۸ مودودی' سید ابوالاعلیٰ' تفہیم القرآن' ادارہ ترجمان القرآن لاہور' اشاعت چہارم' ۱۹۸۴ء' ج ۳' ص ۱۹۲

:۱۹ حسین علی' مولانا' تفسیر جواہر القرآن' کتب خانہ رشیدیہ راولپنڈی' سن ندارد' ج۲' ص۷۲۷

:۲۰ فاروقی' خواجہ عبدالحیٰ' درس قرآن' ادارہ اصلاح و تبلیغ لاہور' سن ندارد ج۴' ص ۳۰۴

:۲۱ محمد احمد' مولانا' درس قرآن' تبلیغ القرآن ٹرسٹ کراچی' ۱۹۸۴ء' ج ۷' ص ۲۱۷

:۲۲ کرم شاہ' محمد' پیر' ضیاء القرآن' ضیاء القرآن' پبلی کیشنز لاہور' ۱۳۹۹ھ ج ۳' ص۱۹۰۔۱۹۳

:۲۳ سید قطب' فی ظلال القرآن' ادارہ منشورات اسلامی لاہور' اشاعت دوم' ۱۹۹۷ء' (مترجم سید معروف شاہ شیرازی) ج۴' ص ۲۱۶۔۲۱۷

:۲۴ عثمانی' شبیر احمد' دارالاشاعت' کراچی ۱۹۹۳ء' ج۲' ص ۱۲۶۔

۲۵: فضل شاہ، تفسیر فاضلی، فاضلی فاؤنڈیشن لاہور، ۱۹۹۵ء، ج۴، ص ۲۵۴

۲۶: دہلوی، احمد سعید، کشف الرحمٰن، مکتبہ رشیدیہ کراچی، سن ندارد، ج۲، ص ۵۲۸

۲۷: دریا بادی عبدالماجد، تفسیر ماجدی، مجلس نشریات قرآن کراچی، ۲۰۰۲ء، ج ۳، ص ۳۳۹۔۳۴۰

۲۸: پانی پتی، قاضی محمد ثناء اللہ، تفسیر مظہری، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، سن ندارد، ج۷، ص ۵۳۴

۲۹: شفیع، مفتی محمد، معارف القرآن، ادارہ المعارف کراچی، ۱۹۸۴ء، ج٦، ص ۲۳۳۔۲۳۴

۳۰: قاضی، عطا، مفہوم القرآن (منظوم)، ادبی سبھا سیالکوٹ، ۲۰۰۴ء، ج۲، ص ۵۲۴

۳۱: امیر علی، سید، تفسیر مواہب الرحمٰن، مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ لاہور، ۱۹۷۸ء، ج ۱۷، ص ۱۲۵۔ ۱۲۷

۳۲: دہلوی، شاہ عبدالقادر، محدث، تفسیر موضح القرآن، شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی، سن ندارد، ص ۳۴۲

۳۳: النساء ۴: ٦۴

۳۴: الاعراف ۷: ۱۵۷

۳۵: مومن ۴۰: ۷

ماہنامہ دعوۃ .... اسلام آباد
جلد: ۱٦ شمارہ: ۷۔۱۰

احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں
نبی کریم ﷺ بطور رحمۃ للعالمین

افتخار احمد کاکڑ

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو رحمۃ للعالمین کے طور پر بھیجا جیسا کہ ارشاد باری ہے:
وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (۱)
اور اے نبیؐ! ہم نے تم کو تمام جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔
یہی وجہ ہے کہ آپؐ انس و جن' مومن و کافر ہر ایک کے لیے رحمت اور ان کو اللہ کی طرف دعوت دینے والے ہیں تا کہ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ِ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (۲)
آپ کہہ دیجیے (دنیا جہان کے) لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا (پیغمبر) ہوں (وہ) جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہی زندگانی بخشا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ تو اللہ پر اور اس کے رسول پیغمبرِ امّی پر جو اللہ پر' اور اس کے تمام کلام پر ایمان رکھتا ہے' ایمان لاؤ اور اس کی پیروی کرو تا کہ ہدایت پاؤ۔
رسول اللہ ﷺ سارے عالم کے لیے رحمت اور سب مخلوقات پر حجت ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنوں پر احسان ہیں' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:
لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۳)

اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انھیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا اور ان کو پاک کرتا اور (اللہ کی) کتاب اور دانائی سکھاتا ہے۔ پہلے تو یہ لوگ صرف گمراہی میں تھے۔

ابو نضرۃؓ سے روایت ہے کہ مجھے اس بندے نے جس نے ایام تشریق کے دوران میں آں حضرت ﷺ کا خطبہ سنا تھا بتایا کہ آپؐ فرما رہے تھے: اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے' اور تمہارا باپ ایک ہے' خبردار! کسی عربی کو عجمی پر برتری حاصل نہیں اور نہ کسی عجمی کو عربی پر' نہ کسی سرخ کو کالے پر اور نہ کسی کالے کو سرخ پر برتری حاصل ہے مگر تقویٰ سے(۴)۔ اس حدیث سے یہ واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ کسی شخص کو دوسرے پر برتری حاصل نہیں اور نہ ان میں کوئی فرق ہے مگر تقویٰ کے لحاظ سے۔ جتنا انسان زیادہ تقویٰ رکھتا ہو وہ دوسری رنگت رکھنے والوں اور زبان بولنے والوں سے زیادہ افضل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان و فضل سے اپنے پیارے رسول ﷺ میں مکارمِ اخلاق کی ساری صفات مثلاً سخاوت' کرم' عفو درگزر' بردباری' درست سوچ' نرمی' صبر' تواضع' عدل و انصاف' رحمت' احسان' شجاعت و قوت وغیرہ جمع کر دی تھیں جو بے شمار لوگوں کے اسلام قبول کرنے اور ان کے جہنم سے آزاد ہونے کا سبب بنیں۔آپؐ کے حسنِ خلق کی وجہ سے لوگوں کے اسلام قبول کرنے کی کچھ مثالیں حسبِ ذیل ہیں:

۱: ثمامۃ بن اثال ؓ نے آں حضرتؐ کے عفو اور درگزر کی وجہ سے اسلام قبول کیا' فرماتے ہیں: (اے نبیؐ) اللہ گواہ ہے روئے زمین پر کسی کا چہرہ مجھے آپ کے چہرے سے زیادہ ناپسندیدہ نہیں تھا لیکن آج آپ کے چہرے سے زیادہ مجھے کوئی اور محبوب نہیں' اللہ گواہ ہے کسی اور دین سے مجھے آپ کے دین سے زیادہ نفرت نہیں تھی لیکن آج آپ کا دین مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے' اللہ گواہ ہے کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ مجھے مبغوض نہیں تھا لیکن آج آپ کا شہر میرا سب سے زیادہ محبوب شہر ہے۔ (۵)

۲: ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کر دیا جب صحابہ نے اسے ڈانٹا تو آپؐ نے ان کو روک دیا۔ یہ اعرابی آپؐ کے عفو اور مہربانی سے متاثر ہو کر کہنے لگا: ''اے اللہ! مجھ پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم فرما' اور ہم دونوں کے سوا کسی اور پر رحم نہ فرما''۔ اس موقع پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نصیحت آمیز اور تعلیمی انداز میں فرمایا: ''تم نے اللہ

کی وسیع رحمت کو تنگ کر دیا''۔(۶)

۳: جب آپؐ نے معاویہ بن الحکمؓ سے ان کے تعلیم و تربیت کے سلسلے میں نرمی فرمائی تو انہوں نے کہا: ''میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہو جائیں میں نے آپؐ سے قبل اور نہ آپؐ کے بعد آپؐ سے زیادہ اچھا معلم اور بہترین تعلیم دینے والا دیکھا۔ اللہ کی قسم! آپؐ نے نہ مجھے جھڑکا' نہ مارا' نہ برا بھلا کہا''۔ (۷)

۴: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہﷺ سے کوئی چیز ایسی نہیں جو اسلام کے واسطہ سے مانگی گئی ہو اور آپؐ نے وہ عطا نہ فرمائی ہو۔ ایک بار ایک شخص آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے اسے دو پہاڑوں کے درمیان بھیڑ بکریاں عطا فرما دیں۔ (یعنی اتنی زیادہ بھیڑ بکریاں دیں کہ جن سے دو پہاڑوں کے درمیان وادی بھر جائے)۔ وہ آدمی اپنی قوم کے پاس واپس لوٹا اور کہا : اے قوم! اسلام قبول کر لو کیوں کہ محمدؐ ہدیہ دیتے ہیں تو پھر فاقہ وغیرہ کا خوف نہیں رہتا۔(۸)

۵: صفوان بن امیہؓ کو (جو قریش کے سادات اور بزرگوں میں سے تھے) سو اونٹ عطا فرمائے' پھر سو اونٹ عطا فرمائے' جو صفوان کے اسلام لانے کا سبب بنے اور وہ کہنے لگے: اللہ کی قسم رسول اللہؐ نے مجھے دیا جو کچھ دیا' آپؐ میرے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض تھے پھر آپ ہمیشہ مجھ کو دیتے رہے حتی کہ میرے سب سے زیادہ محبوب بن گئے۔ (۹)

۶: عبداللہ بن سلام ؓ اسلام لانے سے پہلے یہود کے علما میں سے تھے۔ وہ آں حضرت ﷺ کی مدینہ آمد پر ان سے اپنی ملاقات کا واقعہ سناتے ہوئے فرماتے ہیں:'' میں لوگوں کے مجمع میں داخل ہو کر آپؐ کی طرف دیکھنے لگا تو مجھے یقین ہوا کہ یہ شخص جھوٹا نہیں ہے۔ اس کے بعد جو پہلی چیز میں نے آپؐ سے سنی وہ یہ تھی کہ ''اے لوگو! سلام پھیلاؤ' کھانا کھلاؤ' صلہ رحمی سے کام لو اور رات کو ایسی حالت میں نماز پڑھو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں' تو تم جنت میں سلامتی سے داخل ہو گے''۔

۷: ایک اور یہودی نے اپنی موت کے وقت اسلام لا کر کہا: ''قسم اس ذات کی جس نے تورات نازل فرمائی ہے کہ آپؐ کا وصف اور مخرج ہماری کتاب میں ذکر ہے۔میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ سوا کوئی معبود نہیں ہے' اور آپ اللہ کے رسول ہیں'' (۱۰)۔

۸: نصرانیوں کے بادشاہ نجاشی نے جب حبشہ میں آں حضرت ﷺ کی دعوت کے بارے میں سنا

اور ان تک عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپؐ کا یہ قول پہنچا کہ عیسیٰؑ اللہ کا بندہ اور رسول ہے تو انہوں نے آپؐ کے وفد کو کہا: ''میں آپ کو اور جس کی طرف سے آپ آئے ہیں مرحبا اور خوش آمدید کہتا ہوں' اور میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ وہ (محمدؐ) اللہ کے رسول ہیں اور وہی بندے ہیں جس کی بشارت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی۔اگر مجھے بادشاہی اور حکومت کے کام نہ روکتے تو میں ان کے پاس جا کران کے پاؤں کو چومتا''۔(۱۱)

۹: جب ابو سفیانؓ نے روم کے نصرانی بادشاہ ہرقل کے سامنے آں‌حضرتؐ کے بارے میں کہا کہ ''وہ دھوکا نہیں دیتے اور شرک سے منع کر کے ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیتے ہیں' بتوں کی عبادت سے منع کر کے نماز' سچائی اور عفت کا امر کرتے ہیں تو ہرقل نے ابوسفیان سے کہا: اگر تمہاری یہ ساری باتیں حقیقت ہیں تو میرے قدموں کی نچلی زمین (یعنی روم) ان کے قبضے میں آئے گی۔ مجھے ان کے ظہور کا علم تھا مگر یہ علم نہیں تھا کہ وہ تم لوگوں (یعنی عرب)میں سے ہو گا' اگر مجھے ان تک رسائی حاصل ہوسکتی تو میں ان کی ملاقات کے لیے ساری تکالیف برداشت کرتا اور ان کے قدموں کو دھوتا'' (۱۲)۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ و انك لعلی خلق عظیم (اور تمہارے اخلاق بڑے (عالی) ہیں۔(۱۳) اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی بالکل بجا فرمایا جب ان سے آں‌حضرتؐ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا گیا تو ان کا جواب تھا کہ آپؐ کے اخلاق قرآن کے اخلاق تھے (۱۴)۔

یہ سارے واقعات کوئی عجیب چیز نہیں' اس لیے کہ آں‌حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں: ''میں (رسول کے طور پر) مبعوث ہوا ہوں تاکہ مکارم الاخلاق کو پورا کروں''۔(۱۵)۔

آنحضرت ﷺ بطور رحمۃ للعالمین

۱: انس و جن' مومن و کافر اور حیوانات پر عمومی رحمت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اور اے نبی! ہم نے تم کو تمام جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اس رحمت کو مومن جن و انس نے قبول کر کے اس کا شکر ادا کیا تاہم دیگر نے ناشکری کر کے اس نعمت کا کفران کیا اور اس رحمت کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔(۱۶) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لایا اس کو دنیا اور آخرت میں رحمت لکھا گیا اور جو اللہ اور

اس کے رسول پر ایمان نہ لایا تو وہ (آپؐ کے رحمت ہونے کی وجہ سے) خسف (زمین میں دھنس جانے) اور قذف (پتھروں کی بارش ہونے) کے عذابوں سے محفوظ رہا جو دیگر امتوں کو پہنچتے رہے''۔ (۱۷)

اس حدیث کی شرح میں امام محمد بن جریر طبری لکھتے ہیں: ''اس موضوع پر ابن عباسؓ کا مذکورہ قول، نہایت درست اور راست ہے، اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو سارے عالم، مومن و کافر کے لیے رحمت کے طور پر بھیجا۔ مومنوں کو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی وجہ سے ہدایت دے کر ان پر ایمان لانے اور شریعت پر عمل کرنے کے باعث جنت میں داخل کر دیا مگر کافروں سے آپؐ کی وجہ سے دنیا کا وہ فوری عذاب دور فرمایا جو دیگر امتوں پر انبیا کو جھٹلانے کی وجہ سے نازل ہوتا تھا''۔ (۱۸)

آپؐ کی عمومی رحمت کے بارے میں ابوہریرہؓ اور حذیفہؓ کی احادیث نہایت اہمیت کی حامل اور قابل ذکر ہیں:

ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! مشرکین پر بد دعا کیجیے۔ فرمایا: ''میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں، میں تو فقط رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں''۔(۱۹)

انھی سے ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطیۂ رحمت ہوں''۔(۲۰)

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے ہمیں اپنے متعدد نام بتلائے تھے، چناں چہ فرمایا: ''میں محمد ہوں اور احمد ہوں اور مقفی (سب سے پیچھے آنے والا) اور حاشر(جمع کرنے والا) ہوں اور نبی التوبۃ اور نبی الرحمۃ ہوں''۔(۲۱) (یعنی توبہ اور رحمت کی وسعت آپؐ ہی نے بیان کی)۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ''میں نے اپنی امت میں سے کسی شخص کو بھی غصہ کی حالت میں لعن طعن کی ہو یا برا بھلا کہا ہو تو میں بھی اولادِ آدم میں سے ہوں، میں بھی ویسے ہی غصہ کی حالت میں آ جاتا ہوں جیسے تم غصہ میں آتے ہو۔ اس (اللہ) نے مجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ میں اس (لعن طعن) کو قیامت کے روز رحمت بنا دیتا ہوں''۔ (یعنی ان کے لیے طلبِ رحمت اور شفاعت کرتا ہوں)(۲۲)

آنحضرت ﷺ کی رحمت کی عملی مثالیں

جہاد میں دشمنوں پر رحمت

رسول اکرم ﷺ کی رحمت اتنی وسیع اور عام تھی کہ قتال اور جہاد کی سخت گھڑی میں بھی آپؐ اپنے اصحاب کو رحم اور رحمت سے بھرپور ہدایات دیتے، اور ارشاد فرماتے تھے کہ وہ سختی اور زیادتی سے

کام نہ لیں بلکہ انصاف اور نرمی کو اختیار کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَلَا تَعْتَدُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (۲۳)

زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

آپؐ دشمنوں کا مثلہ کرنے (کسی کے کان ناک کاٹنا یا چہرے کو خراب کرنا) خیانت، عورتوں، بچوں، بوڑھوں، بیماروں، راہبوں، اندھوں اور ان لوگوں کے قتل سے منع فرماتے تھے جو اپنی عبادت گاہوں میں مشغول رہتے ہیں۔ صرف ان افراد کے قتل کی اجازت دی جو مسلمانوں سے لڑتے تھے یا کافروں کو مسلمانوں کے خلاف مشورے دیتے تھے۔ (۲۴)

اسی طرح اصحابؓ کو بغیر مصلحت کے جانوروں کے قتل کرنے، درختوں کے جلانے، زراعت اور پھلوں کو خراب کرنے، پانی اور کنویں کو گندہ کرنے اور گھروں کو مسمار کرنے سے بھی منع فرمایا تھا۔(۲۵)

جب کسی غزوہ میں ایک مقتول عورت کی لاش ملی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً عورتوں اور بچوں کے قتل کرنے سے منع فرما دیا۔(۲۶)

آپؐ جب کسی آدمی کو کسی لشکر یا سریہ کا امیر بناتے تو اسے خاص طور پر اللہ سے ڈرنے اور اپنے مجاہدین ساتھیوں کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت کرتے، پھر فرماتے:

اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستے میں جہاد کرو۔ جو آدمی اللہ کا انکار کرے اسی سے جنگ کرو اور خیانت نہ کرو، عہد شکنی نہ کرو، مثلہ نہ کرو اور کسی بچے کو قتل نہ کرو، اور جب تمہارا اپنے دشمن مشرکوں سے مقابلہ (آمنا سامنا) ہو تو ان کو تین باتوں کی دعوت دینا، وہ ان میں سے کوئی بھی قبول کر لیں تو ان کے ساتھ جنگ کرنے سے رک جانا:

الف: اسلام اور ہجرت، یا اسلام لانا بغیر ہجرت کے (مگر ان پر دیہاتی مسلمانوں کے حکم کا اطلاق ہو گا)۔

ب: اگر اسلام سے انکار کریں تو ان سے جزیہ طلب کیا جائے۔

ج: اگر وہ جزیہ دینے سے بھی انکار کر دیں تو اللہ کی مدد کے ساتھ ان سے قتال کیا جائے۔(۲۷)

دشمن سے کیے گئے عہد کو نبھانا

جہاد کے اہم آداب و ضوابط میں سے وفا بالعہد اور خیانت سے اجتناب ہے اس لیے کہ اللہ

تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ (۲۸)

اور اگر تم کو کسی قوم سے دغا بازی کا خوف ہو تو ان کا عہد انہیں کی طرف پھینک دو (علانیہ طور پر ختم کر دو) (اور) برابر (کا جواب دو) کچھ شک نہیں کہ اللہ دغابازوں کو دوست نہیں رکھتا۔

مذکورہ آیت کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبیؐ اگر کسی سے تمہارا عہد و پیمان ہوا ہو اور تمہیں خوف ہو کہ یہ بدعہدی اور وعدہ خلافی کریں گے تو تمہیں اختیار دیا جاتا ہے کہ برابر کی حالت میں عہد نامہ توڑ دو اور انہیں اطلاع کر دو تاکہ وہ بھی صلح کے خیال میں نہ رہیں۔ کچھ دن پہلے ہی سے انہیں خبر کر دو۔ روایت میں ہے کہ حضرت معاویہؓ نے لشکروں کو روم کی سرحد کی طرف بڑھانا شرع کیا کہ مدتِ صلح ختم ہوتے ہی ان پر اچانک حملہ کر دیں' تو ایک شخص اپنی سواری پر سوار یہ کہتے ہوئے آیا کہ اللہ بہت بڑا ہے' اللہ بہت بڑا ہے۔وعدہ کو وفا کرو۔ بے وفائی درست نہیں' رسول اللہؐ کا فرمان ہے کہ جب کسی قوم سے عہد و پیمان ہو جائے تو نہ کوئی گرہ کھولو' نہ باندھو' جب تک مدت صلح ختم نہ ہو جائے یا انہیں اطلاع دے کر عہد نامہ چاک نہ ہو جائے۔ جب یہ بات حضرت معاویہؓ کو پہنچی تو آپ نے اسی وقت فوج کو واپسی کا حکم دے دیا۔ یہ سوار شخص عمرو بن عتبہؓ تھے۔ (۲۹)

دشمنوں پر نازل ہونے والے عذاب کو دفع کرنا

آنحضرت ﷺ کے عظیم رحمت ہونے کی ایک عمدہ مثال یہ ہے کہ جب مشرکین مکہ نے آپؐ کو شدید اذیت پہنچائی تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں پر مامور فرشتے کو بھیجا' وہ فرشتہ آپؐ سے کہنے لگا: "اے محمد! اللہ نے آپ کی قوم کی گفتگو سنی اور میں پہاڑوں پر مامور فرشتہ ہوں اور مجھے آپ کے رب نے آپ کی طرف بھیجا ہے تاکہ آپ اپنے معاملہ میں جو چاہیں مجھے حکم دیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں ان دونوں پہاڑوں کو ان پر بچھا دوں"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: "نہیں بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی اولاد میں سے ایسی قوم کو پیدا کرے گا جو اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھیرائیں گے"۔(۳۰)

یہود کے ساتھ خیرخواہی

آپؐ کی اس عظیم رحمت کی ایک مثال حضرت انسؓ کی وہ حدیث ہے جس میں فرماتے ہیں

کہ ''ایک یہودی کا لڑکا نبی کریمؐ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ ایک دن وہ بیمار ہو گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ آپؐ اس کے سرہانے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ ''مسلمان ہو جاؤ''۔ اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو وہاں موجود تھا۔ اس نے کہا: ''ابو القاسم جو کچھ کہتے ہیں' مان لو''۔ چناں چہ وہ اسلام لے آیا۔ پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو آپ نے فرمایا کہ ''شکر ہے اللہ بزرگ و برتر کا کہ اس نے اس بچے کو جہنم سے بچا لیا''۔(۳۱)

نبی اکرم ﷺ کا مومنوں کے لیے رحمت ہونا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مومنوں پر رحمت کے حوالے سے ہمیں قرآن مجید میں بھی بعض آیات ملتی ہیں جو حسبِ ذیل ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (۳۲)

لوگو! تمھارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں۔ تمھاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے اور تمھاری بھلائی کے بہت خواہش مند ہیں اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت ناصح اور خیر خواہ تھے' اور ہمیشہ قوم کی خیرخواہی پسند فرماتے اور ان کو خیر پہنچانے اور شر کو ان سے دفع کرنے اور ان کی ہدایت اور ایمان کے لیے جدوجہد کرتے تھے۔ آپؐ ان پرنہایت رحم اور رأفت کرنے والے تھے' حتی کہ ان کے والدین سے بھی زیادہ۔ اسی لیے آپؐ کے حقوق' تعظیم' توقیر اور احترام' والدین اور ساری مخلوقات کے حقوق و احترام پر برتر ہے''۔(۳۳) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ (۳۴)

پیغمبر مومنوں پر ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں اور پیغمبر کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔

انسان کے قریب ترین اور نفیس ترین چیز اس کا اپنا نفس ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان سے بھی زیادہ ان کے ہمدرد' اور خیرخواہ تھے اس لیے مومن پر واجب قرار دیا گیا کہ آپؐ کی رائے اور خواہش کو اپنے ذاتی مفاد اور مراد پر مقدم کریں اور ان کی محبت کو سب محبتوں پر ترجیح دیں

اور ان کی بات اور قول کے مقابل کسی کی بات یا قول کو برتری نہ دیں۔(۳۵) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (۳۶)

اے نبی! اللہ کی مہربانی سے تمہاری اُفتادِ مزاج ان لوگوں کے لیے نرم واقع ہوئی ہے اور اگر تم بد خو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ تو ان کو معاف کر دو اور ان کے لیے (اللہ سے) مغفرت مانگو اور اپنے کاموں میں ان سے مشورہ کیا کرو۔ اور جب (کسی کام کا)عزمِ مصمم کر لو تو اللہ پر بھروسا رکھو بے شک اللہ بھروسا رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں اور رعیت پر رحم کرنے والے حکام اور امرا کو دعا دیتے ہوئے فرمایا:

اے اللہ! میری امت میں سے جس کو اختیار دیا جائے اور وہ ان پر سختی کرے تو تو بھی اس پر سختی کر' اور میری امت میں سے جس کو کسی معاملہ کا والی بنایا جائے اور وہ ان سے نرمی کرے تو تو بھی اس کے ساتھ نرمی کر۔(۳۷)

اور فرمایا:

میں مومنوں کا خود ان سے زیادہ حق دار ہوں' پس ان میں سے جو کوئی مقروض مرے گا اور ادائیگی کی ذمہ داری کے لیے کچھ بھی نہ چھوڑے گا تو مجھ پر اس کی ادائیگی کی ذمہ داری ہے۔ اور جس نے کوئی مال چھوڑا ہو گا' وہ اس کی وارثوں کا حصہ ہے۔(۳۸)

آپ ﷺ کا تمام لوگوں کے لیے رحمت ہونا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت رحمۃ للعالمین سب لوگوں کے لیے رحمت تھے۔ دوسرے لوگوں کو بھی یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ وہ لوگوں پر رحم کریں اور یہ بھی یاددہانی فرماتے تھے کہ جو لوگوں پر رحم نہیں کرے گا' اللہ اس پر رحم نہیں فرمائے گا جیسا کہ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ اس پر رحم نہیں کرتا''۔(۳۹)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا

کہ ''شقی القلب کو رحمت سے محروم کر دیا جاتا ہے''۔(۴۰) اور عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

رحم کرنے والوں پر رحمٰن بھی رحم کرتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ رَحِمْ بھی رحمٰن کی شاخ ہے' جس نے اس کو جوڑا اللہ تعالیٰ بھی اس سے رشتہ جوڑ لے گا اور جو اسے قطع کرے گا' اللہ بھی اس سے قطع کر لے گا۔(۴۱)

آپ ﷺ کا چھوٹوں اور بڑوں کے لیے رحمت ہونا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف انسانوں بلکہ جانوروں تک کے لیے بھی رحمت تھے۔ آپؐ کی یہ رحمت صرف عام لوگوں اور بزرگوں تک محدود نہ تھی۔ بلکہ بچے بھی اس سے فیض یاب ہوتے تھے جیسا کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بوڑھا شخص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا۔ لوگوں نے اسے راستہ دینے میں تاخیر کی تو آپؐ نے فرمایا:

جو شخص کسی چھوٹے پر شفقت اور بڑے کا احترام نہ کرے' اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔(۴۲)

اور عمر بن شعیبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم اور بڑوں کا شرف کرنا نہیں جانتا۔(۴۳)

آپ ﷺ کا بچیوں کے لیے رحمت ہونا

بچیوں پر رحمت کے حوالے سے آپؐ کا ارشاد ہے کہ:

کسی کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں' یا دو بیٹیاں اور دو بہنیں ہوں اور وہ ان پر احسان کرے اور ان کے حق میں اللہ سے ڈرے' بے شک وہ جنت میں داخل ہو گا۔(۴۴)

اور فرمایا:

جس نے دو یا تین بیٹیوں' یا بہنوں کی اپنی موت تک' یا ان کی (شادیوں تک) پرورش کی تو میں اور یہ بندہ جنت میں یوں ہوں گے''۔ اس وقت آپؐ نے اپنے

دو انگلیوں (درمیانی اور شہادت کی انگلی) کی طرف اشارہ فرمایا۔ (۴۵)

آپ ﷺ کا یتیموں کے لیے رحمت ہونا

آپؐ کے یتیموں کے بارے میں رحمت ہونے کے بارے میں ابوھریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کسی یتیم بچے کی کفالت کرنے والا، اس کا کوئی قریبی رشتہ دار یا اس کے علاوہ اور جو کوئی بھی ہو' میں اور وہ جنت میں اس طرح داخل ہوں گے''۔ اس وقت آپؐ نے اپنی درمیانی اور شہادت کے انگلی کی طرف اشارہ فرمایا۔(یعنی جس طرح یہ دو انگلیاں ساتھ ملی ہوئی ہیں' میں اور یتیم بچے کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح داخل ہوں گے)۔ (۴۶)

ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کسی شخص نے آپؐ کی خدمت میں اپنے دل کی سختی کی شکایت کی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:

یتیم کے سر کو ہاتھ سے مسح کیا کرو اور مسکینوں کو کھانا کھلایا کرو۔ (۴۷)

نبی اکرم ﷺ کی عورتوں اور کمزوروں پر رحمت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کمزوروں اور عورتوں پر نہایت رحیم اور ان کے لیے رحمت تھے' اس لیے کہ یہ دونوں اپنی کمزوری کی وجہ سے بعض اوقات اپنے حقوق حاصل کرنے سے بھی قاصر رہتے ہیں۔ اسی لیے آپؐ نے ان کے حق میں ارشاد فرمایا: ''اے اللہ! میں عورت اور یتیم' دو کمزوروں کی حق تلفی کو حرام قرار دیتا ہوں''۔ (۴۸)

حضرت عامرؓ بن الاحوص سے روایت ہے کہ انہوں نے آں حضرتؐ کو خطبۃ الوداع دیتے ہوئے سنا' آپؐ فرماتے تھے: ''عورتوں سے نیک سلوک کرو وہ تمہارے پاس قیدیوں کی طرح ہیں' اور تمہیں ان سے استمتاع کے سوا کسی چیز کی ملکیت حاصل نہیں ہے''۔ (۴۹)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں ام سلیمؓ (والدہ انسؓ) کے گھر کے سوا (اور کسی کے ہاں بکثرت) نہیں جایا کرتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا: ''مجھے اس پر رحم آتا ہے' اس کا بھائی (حرام بن ملحان) میرے ساتھ تھا اور وہ شہید کر دیا گیا تھا''۔ (۵۰)

رسول اکرمؐ کی بیواؤں اور مسکینوں پر رحمت

اس رحمت کا نمونہ ہمیں ابوھریرہؓ پیش کرتے ہوئے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ''کمزوروں اور لاوارثوں اور مسکینوں کے کام آنے والا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح

ہے، یا رات بھر عبادت اور دن کو روزے رکھنے والے کی طرح''۔(۵۱)

آپؐ بیواؤں اور یتیموں اور مسکینوں کے لیے خاص رحمت تھے۔ اسی لیے تو ابوطالب نے اپنے اشعار میں آپؐ کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: "ثمال الیتامیٰ عصمة للأرامل" کہ آپؐ یتیموں کے مددگار اور بیواؤں کے محافظ اور پالنے والے ہیں۔

ام مجید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مسکین میرے دروازے پر آتا ہے اور میرے پاس اسے دینے کے لیے کوئی چیز نہیں ہوتی (تو میں کیا کروں)؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تیرے پاس اسے دینے کے لیے جلے ہوئے کھر کے سوا کچھ بھی نہ ہو تو وہی اس کے ہاتھ میں دے''۔(۵۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوہ خواتین کے لیے یہ ہمدردی دیکھتے ہوئے ہی حضرت عمرؓ کو عراق میں مسلم شہیدوں کی بیوہ خواتین کی بہت فکر تھی چناں چہ انہوں نے اپنی شہادت سے کچھ عرصہ قبل فرمایا تھا: ''اگر اللہ نے مجھے زندہ رکھا تو میں عراق کی بیوہ عورتوں کے لیے اتنا کر دوں گا کہ میرے بعد وہ کسی کی محتاج نہیں رہیں گی''۔ (۵۳)

ان احادیث سے آپؐ کی مسکینوں اور ناداروں پر رحمت ظاہر ہوتی ہے اور مسلمانوں کو بھی اپنی استطاعت کے مطابق ان سے معاونت اور مدد کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

آپ ﷺ کی طالب علموں پر رحمت اور شفقت

آپؐ کی اس رحمت اور شفقت کے بارے میں ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگ تمہارے تابع ہیں اور دور دراز علاقوں سے (علم سیکھنے کے لیے) تمہارے پاس آئیں گے، چناں چہ وہ لوگ آئیں تو ان کے ساتھ خیر خواہی کا برتاؤ کرنا''۔ اور دوسری روایت کے مطابق آپؐ نے فرمایا: ''مشرق کے جانب سے بہت سے لوگ تمہارے پاس علم حاصل کرنے کے لیے آئیں گے، اگر وہ آئیں تو انہیں بھلائی کی وصیت کرنا''۔ راوی کہتے ہیں کہ ابو سعید رضی اللہ عنہ جب ہمیں دیکھتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے مطابق ہمیں خوش آمدید (مرحبا) کہا کرتے تھے۔(۵۴)

آپ ﷺ کی قیدیوں پر رحمت

آپؐ قیدیوں کے لیے بھی رحمت تھے اس لیے قیدیوں کو رہا کرنے کی تلقین فرمائی، اسی طرح بھوکے کو کھانا کھلانے اور بیمار کی تیمارداری کا حکم فرمایا۔ ابو موسیٰ اشعریؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیدی کو چھڑا لیا کرو، بھوکے کو کھلایا کرو اور بیمار کی عیادت کیا کرو''۔ (۵۵)

بیماروں پر رحمت اور شفقت

بیماروں پر آپؐ کی عملی رحمت کے کچھ نمونے گزشتہ صفحات میں گزر چکے ہیں، اس رحمت کے مزید نمونے درجِ ذیل سطور میں پیش خدمت ہیں:

حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہﷺ نے بیمار کی مزاج پرسی، جنازے کے ساتھ جانے، چھینک مارنے کا جواب دینے، قسم اٹھانے والے کی قسم کو پورا کرنے، مظلوم کی مدد کرنے اور دعوت کرنے والے کی دعوت کو قبول کرنے اور سلام کو عام کرنے کا حکم فرمایا۔(۵۶)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، فرمایا: مسلمان جب اپنے مسلمان بھائی کی مزاج پرسی کرتا ہے تو وہ ''خرفۃ الجنۃ'' میں مصروف رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ واپس آ جائے۔ سوال کیا گیا: یا رسول اللہ! خرفۃ الجنۃ کیا ہے؟ فرمایا: ''جنت کے پھلوں کا چننا''۔ (۵۷)

اور فرماتے ہیں: ''جو مسلمان کسی مسلمان کی صبح کے وقت بیمار پرسی کرتا ہے تو شام تک اس کے لیے ستر ہزار فرشتے مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں، اگر شام کے وقت مزاج پرسی کرے تو صبح شام ستر ہزرا فرشتے اس کے لیے مغفرت طلب کرنے میں مصروف رہتے ہیں اور جنت میں اس کے لیے پھلوں کا چننا ہوتا ہے''۔(۵۸)

آپ ﷺ کی حیوانات اور پرندوں پر رحمت

آپؐ حیوانات اور پرندوں پر بھی نہایت رحم کرنے والے تھے اور صحابہ کرام کو بھی اس کی تلقین فرماتے اور حیوانات اور پرندوں پر رحم کرنے کے اجر و ثواب سے آگاہ کرتے تھے جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ''ایک شخص نے ایک کتا دیکھا جو پیاس کی وجہ سے گیلی مٹی چاٹ رہا تھا تو اس شخص نے اپنا موزہ لیا اور اس سے پانی بھرنے لگا حتیٰ کہ (خوب پانی پلا کر) اس کو سیراب کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو اس فعل کا اجر یہ دیا کہ اسے جنت میں داخل کر دیا۔(۵۹) اور دوسری روایت کے مطابق صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ کیا ہمیں جانوروں (سے احسان اور ان پر رحم کرنے) میں بھی اجر ملتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہر زندہ جگر (چیز) میں اجر ہے''۔ اور ابوہریرہؓ ہی سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: ''ایک فاحشہ عورت کی اس وجہ سے مغفرت ہو گئی تھی کہ وہ ایک کتا کے قریب سے گزر رہی تھی جو ایک کنویں کے قریب کھڑا ہانپ رہا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پیاس کی شدت کی وجہ سے

ابھی مر جائے گا' اس عورت نے اپنا جوتا نکالا اور اس میں اپنا دوپٹہ باندھ کر اس کے لیے پانی نکالا اور اس کو پانی پلا کر اس کی جان بچائی تو اس عمل کی وجہ سے اس کی مغفرت ہو گئی"۔(۶۰)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ایک عورت ایک بلی کی وجہ سے جہنم میں گئی۔ اس نے بلی کو باندھ رکھا تھا' نہ تو اسے کھانے کے لیے دیتی تھی اور نہ چھوڑتی تھی کہ کیڑے مکوڑے کھا کر (اپنی جان بچا لے)"۔(۶۱)

انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: "کوئی بھی مسلمان جو ایک درخت کا پودا لگاتا ہے' یا کھیت میں بیج بوتا ہے' پھر اس سے پرندہ' انسان یا جانور کھائیں' وہ اس کے طرف سے صدقہ ہے"۔(۶۲)

آپؐ جانوروں پر نہایت رحیم تھے۔ آپؐ نے ایک شخص کو دیکھا جس نے اپنا دنبہ زمین پر ذبح کرنے کے لیے گرا رکھا تھا اور اس کے بعد اپنی چھری تیز کر رہا تھا تو فرمایا: "کیا تم اس کو دو بار قتل کر رہے ہو' کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ تم پہلے چھری تیز کر تے' پھر اس کو ذبح کرنے کے لیے گراتے"۔

حضرت شداد بن اوسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول ﷺ کی دو باتوں کو یاد کر رکھا ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر بھلائی فرض کر دی ہے تو جب تم ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو' اور تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ اپنی چھری کو تیز کرے اور اپنے جانور کو آرام دے"۔(۶۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: "جس نے ایک چڑیا کو بھی بغیر حق کے قتل کر دیا تو قیامت کے دن اس سے اس کے بارے پوچھا جائے گا"۔ کسی نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس کا حق کیا ہے؟ فرمایا: "اچھے طریقے سے ذبح کیا جائے' اور کھایا جائے' نہ کہ اس کا سر کاٹ کر پھینک دیا جائے"۔(۶۴)

سعید بن جبیر نے روایت کیا ہے کہ میں عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ تھا۔ وہ چند جوانوں یا (یہ کہا کہ) چند آدمیوں کے پاس سے گزرے جنہوں نے ایک مرغی باندھ رکھی تھی اور اس پر تیر کا نشانہ کر رہے تھے۔ جب انہوں نے ابن عمرؓ کو دیکھا تو وہاں سے بھاگ گئے۔ ابن عمرؓ نے فرمایا: یہ کون کر رہا تھا؟ ایسا کرنے والوں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے"۔(۶۵)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہﷺ کے رفیق سفر تھے' ایک دفعہ آپؐ رفع حاجت کے لیے تشریف لے گئے تو ہم نے ایک چڑیا دیکھی جس کے دو چھوٹے چھوٹے بچے تھے' ہم نے وہ دونوں پکڑ لیے تو وہ چڑیا (بے قراری کے باعث) پر پھڑپھڑانے لگی۔ اتنے میں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو آپؐ نے فرمایا: ''اسے کس نے اس کے بچوں کے وجہ سے تکلیف پہنچائی ہے؟ اسے اس کا بچہ لوٹا دو''۔ اور آپؐ نے چیونٹیوں کی بستی کو دیکھا جسے ہم نے جلا دیا تھا' آپ نے فرمایا ''انہیں کس نے جلایا؟'' ہم نے کہا' ہم نے۔ آپؐ نے فرمایا: ''رب کے سوا کسی شخص کے لیے زیبا نہیں کہ وہ کسی کو آگ سے تکلیف پہنچائے''۔(٦٦)

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرے پر مارنے اور چہرے پر داغ لگانے سے منع فرمایا۔ اور فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے سے ایک گدھا گزرا جس کے چہرے کو داغ دیا گیا تھا' آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ اس آدمی پر لعنت کرے کہ جس نے اس گدھے کے چہرے کو داغا ہے''۔(٦٧)

آپؐ کی جانوروں پررحمت کے حوالے سے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے ساتھ سواری پربٹھایا تو آپؐ نے مجھے ایک راز کی بات بتائی جو میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ آپؐ کو قضائے حاجت کی غرض چھپنے کے لیے دو مقامات بہت پسند تھے ایک بلند مقام یا کھجوروں کے جھنڈ۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ آپؐ ایک انصاری کے باغ میں داخل ہوئے تو اچانک ایک اونٹ نے آپؐ کو دیکھ کر رونا شروع کر دیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس آئے اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگے تو وہ خاموش ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا: ''اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ ایک انصاری نوجوان آیا تو اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ میرا اونٹ ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جانور کو تمہاری ملکیت میں دیا ہے' تم اس کے بارے میں اللہ سے نہیں ڈرتے ہو''؟ اس نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اسے بھوکا پیاسا رکھتے ہو اور کام لے کر تھکا دیتے ہو''۔(٦٨)

یہ تھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کے کچھ نمونے جس سے دشمن' احباب' مسلم' کافر' مرد' عورت' بچے بوڑھے' حیوان' پرند' حشرات اور دیگر چیزیں فیض یاب ہوئیں۔ اس رحمت کے نمونے بے شمار ہیں مگر گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ و صلی اللہ علیہ سیدنا محمد و علی آلہ و صحبہ وسلم.

حوالہ جات

:۱ سورۃ الانبیاء ۲۱:۱۰۷

:۲ سورہ اعراف ۷:۱۵۸

۳: سورہ آل عمران ۳:۱۶۴

۴: امام ھیثمی مجمع الزوائد و منبع الفوائد ج ۳ ص ۲۶۶ میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی روایت امام احمد نے کی ہے اور اس کی سند کے رجال صحیح بخاری کے رجال میں سے ہیں۔

۵: صحیح البخاری' کتاب المغازی باب وفد بنو حنیفہ اور ثمامہ بن آثال کا واقعہ ج ۲ ص ۶۳۰ حدیث ۱۴۶۹ اردو ترجمہ از مولانا ظہور الباری۔

۶: صحیح بخاری کتاب الادب باب رحمۃ الناس والبھائم حدیث ۶۰۱۰

۷: صحیح مسلم کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ' باب تحریم الکلام فی الصلاۃ حدیث ۱۰۹۱

۸: صحیح مسلم' کتاب الفضائل باب فی سخاۃ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث نمبر ۱۴۹۴

۹: ایضاً حدیث ۱۴۹۴

۱۰: مسند امام احمد ج ۵' ص ۴۱۱ اور حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر ج ۲ ص ۲۵۲ میں اس روایت کو قوی قرار دیا ہے۔

۱۱: سیر اعلام النبلاء تالیف حافظ شمس الدین الذھبی ج۱ ص ۴۳۸

۱۲: صحیح بخاری کتاب بدء الوحی باب ۶' حدیث ۷

۱۳: سورہ القلم ۶۸:۴

۱۴: صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین و قصرھا باب جامع صلاۃ اللیل و من نام عنہ او مرض حدیث ۷۴۶

۱۵: سنن البیہقی ج ۱۰ ص ۱۹۲' اور مسند امام احمد ج۲ ص ۳۸۱

۱۶: تیسیر الکریم الرحمٰن فی تفسیر کلام المنان تالیف' عبدالرحمٰن السعدی ص ۵۳۵

۱۷: تفسیر جامع البیان' تالیف محمد بن جریر الطبری ج ۱۸' ص۵۵۲

۱۸: ایضاً

۱۹: صحیح مسلم' کتاب البر و الصلۃ باب النھی عن لعن الدواب و غیرھا حدیث ۲۰۸۱

۲۰: المصنف تالیف: ابن ابی شیبہ ج ۱۱' ص ۵۰۴

۲۱: صحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب فی اسماۂ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث ۱۵۷۹

۲۲: سنن ابی داؤد' کتاب السنۃ باب فی النھی عن سب اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم حدیث ۴۶۵۹

۲۳: سورہ البقرۃ ۲:۱۹۰

۲۴: المغنی' تالیف:ابن قدامۃ الحنبلی ج۱۳' ص ۱۷۵-۱۷۹

۲۵: تفسیر القرآن العظیم' تالیف ابوالفداء اسماعیل بن کثیر ج۱ ص ۲۲۷

۲۶: صحیح البخاری' کتاب؟؟؟

۲۷: اس حدیث کوامام مسلم نے صحیح مسلم کتاب الجہاد باب تامیر الامام الامراء علی البعوث ووصیۃ ایاھم بآداب الغزو و غیرھا' حدیث ۳' میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے

:۲۸ سورہ الانفال ۸:۵۸

:۲۹ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۳۴' اور سنن ابی داوٗد کتاب الجہاد باب فی الامام یکون بینہ و بین العدو عھد فیسیر الیہ حدیث ۲۷۵۹

:۳۰ صحیح مسلم' کتاب الجہاد' باب ما لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اذی المشرکین' حدیث ۱۳۳

:۳۱ صحیح البخاری کتاب الجنائز باب اذا اسلم الصبی فمات ھل یصلی علیہ و ھل یعرض علی الصبی الاسلام' حدیث ۱۲۷۳

:۳۲ سورہ توبہ ۹:۱۲۸

:۳۳ تفسیر تیسیر الکریم الرحمٰن فی تفسیر کلام المنان تالیف: عبدالرحمٰن سعدی ص ۳۵۷

:۳۴ سورہ احزاب ۳۳: ۶

:۳۵ تیسیر الکریم الرحمٰن ص ۶۵۹

:۳۶ سورہ ال عمران ۳:۱۵۹

:۳۷ صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب فضیلۃ الامام العادل وعقوبۃ الجائر حدیث ۲۰۱

:۳۸ صحیح البخاری' کتاب الفرائض باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ترک مالا فلاھلہ حدیث ۱۶۳۹

:۳۹ صحیح مسلم کتاب الفضائل باب رحمتہ الصبیان والعیال و تواضعہ وفضل ذلک حدیث ۲۳۱۹

:۴۰ جامع ترمذی کتاب البرو والصلۃ' باب ما جاء فی رحمۃ الیتیم و کفالۃ حدیث ۱۷۵۳

:۴۱ ایضا حدیث ۱۷۵۴

:۴۲ ایضاً حدیث ۱۷۵۱ باب ماجاء فی رحمۃ الصبیان

:۴۳ ایضا

:۴۴ ایضا حدیث ۱۷۴۵

:۴۵ مسند امام احمد ج ۹' ۱ ص ۴۸۱

:۴۶ صحیح مسلم کتاب البروالصلۃ باب الاحسان الی لأرملۃ والمسکین والیتیم حدیث ۲۹۳۳

:۴۷ اس حدیث کو حافظ منذری نے الترغیب و الترہیب ج ۳ ص ۳۲۳ میں ذکر کے فرمایا: اس کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند کے رجال صحیح بخاری کے رجال ہیں۔

:۴۸ سنن ابن ماجہ

:۴۹ ایضاً

:۵۰ صحیح بخاری کتاب الجہاد والسیر' باب فضل من جھز غازیا او خلفہ بخیر حدیث ۱۰۷

:۵۱ صحیح البخاری کتاب النفقات باب فضل النفقہ علی الاھل حدیث ۳۲۱

:۵۲ سنن ابن ماجہ کتاب الزکوۃ باب حق السائل حدیث ۱۶۶۷

:۵۳ صحیح البخاری کتاب المناقب' باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ حدیث ۸۹۶

۵۴: جامع ترمذی، ابواب العلم، باب ماجاء فی الاستیصاء لمن یطلب العلم حدیث ۲۴۵۷۔ ۲۴۵۸

۵۵: صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب فکاک الاسیر حدیث ۲۹۱

۵۶: صحیح البخاری کتاب الجنائز باب الامر باتباع الجنائز حدیث ۱۲۴۰

۵۷: صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل عیادة المریض حدیث ۴۲

۵۸: جامع ترمذی کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عیادة المریض حدیث ۹۶۹

۵۹: صحیح البخاری کتاب الوضوء، باب اذا شرب الکلب فی اناء احدکم حدیث ۱۸۲

۶۰: صحیح بخاری کتاب بدء الخلق باب: اذا وقع الذباب فی شراب احدکم فلیغمسه حدیث ۵۴۶

۶۱: صحیح البخاری کتاب بدء الخلق باب خمس من الدواب فواسق یقتلن فی الحرم حدیث ۵۴۳

۶۲: صحیح البخاری، کتاب الحرث والمزارعة باب فضل الزرع والغرس اذا اکل منه حدیث ۲۱۶۸

۶۳: صحیح مسلم کتاب الصید والذبائح باب الأمر باحسان الذبح والقتل وتحدید الشفرة، حدیث ۵۳۵

۶۴: اس حدیث کو امام نسائی نے (سنن النسائی) میں روایت کیا ہے حدیث ۴۴۴۵

۶۵: صحیح بخاری، کتاب الذبائح، بب ما یکره من المثلة والمصواة والمجثمة حدیث ۴۷۸

۶۶: سنن ابی داوٗد، کتاب الجهاد باب فی کراهیة حرق العدو بالنار، حدیث ۲۶۷۵

۶۷: صحیح مسلم کتاب اللباس والزینة باب النهی عن ضرب الحیوان فی وجهه ووسمه فیه، حدیث ۱۰۲۵، و ۱۰۲۷

۶۸: سنن ابی داوٗد کتاب الجهاد باب ما یومر به من القیام علی الدواب والبهائم حدیث ۲۵۴۹

ماہنامہ دعوۃ............ اسلام آباد　　جلد: ۱۶　　شمارہ: ۷-۱۰

کشف الدجیٰ بجمالہ

محمد سفیر الاسلام

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات تمام انسانوں میں اس لحاظ سے انفرادیت کی حامل ہے کہ آپؐ جیسی جسمانی و خلقی صفات اور انسانوں میں نہیں ملتیں۔ ما اجمل منك لم تلد النساء. جو لوگ عقلی و خلقی طور پر شہرت رکھتے ہیں، اس میں ان کی جسمانی صفات کا بڑا کردار ہوتا ہے۔ جسم کا اعتدال اور اس کے اجزا کا متناسب ہونا عقل اور نفس کی استقامت پر دلیل ہوتا ہے۔ انسان نفسیاتی طور پر کامل مزاج اسی وقت بنتا ہے جب جسمانی مزاج صحیح اور سالم ہو گا۔ یہ توازن فرد کی شخصیت میں نکھار لاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح سے خلق کیا گیا جو قابلِ دید ہو اور جس کا دیکھنا آنکھوں کو بھلا معلوم ہو۔

و احسن منك لم ترقط عيني

وہ جسمانی طور پر بھی اتنے ہی حسین و جمیل تھے جتنا آپؐ کا اخلاق خوب صورت تھا۔ اس میں شک نہیں آپؐ کی یہ جسمانی خوب صورتی اور تناسب اعضا بھی آپؐ کی دعوت کو قبول کرنے کا اہم ذریعہ ثابت ہوئے ۔

خلقت مبرا من کل عیب
کانك قد خلقت کما تشاء

طبقات ابن سعد میں ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو حیران رہ گیا اور بالآخر آپ کے جمال کے چمک کی تاب نہ لا سکا۔ اس نے آپؐ سے پوچھا: ''آپؐ کون ہیں''؟ آپؐ نے جواب دیا: ''محمد بن عبداللہ''۔ کہنے لگا: ''کیا آپؐ وہی ہیں جس کے بارے میں قریش کہتے ہیں کہ یہ جھوٹا ہے''؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ''ہاں''۔ اعرابی نے کہا:

اللہ کی قسم، یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔

پھر اس نے پوچھا : ''آپ کس چیز کی طرف بلاتے ہیں؟''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اسلام کی حقیقت سمجھائی اور وہ مسلمان ہو گیا۔

لم لا يعنى بك الوجود و ليلة
فيه صباح من جمالك مسفر

آپؐ کے اوصاف بیان کرنے والوں نے اکثر رسول اللہ کی حیثیت سے' اور آپؐ کی جسمانی ساخت پر تعجب و حیرت ظاہر کرتے ہوئے آپؐ کے محاسن بیان کیے ہیں۔

آپؐ کے دیکھنے والوں مثلاً علیؓ انسؓ ابوہریرہؓ براء بن عازبؓ عائشہؓ ہند بن ابی ہالہؓ ابو حذیفہؓ جابر بن سمرہؓ ام معبدؓ ابن عباسؓ زیدؓ معرض بن معیقبؓ ابوطفیل اور حکیم بن حزام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی یہ متفقہ شہادت ہے کہ قدرت نے آپؐ کو مردانہ حسن و وجاہت کا انتہائی حسین اور باوقار پیکر بنایا تھا۔

ترمذی نے "الشمائل المحمدیہ" میں، اور بیہقی و طبرانی نے حسن بن علی سے روایت کیا ہے:
''میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے رسول اللہﷺ کے حلیہ مبارکہ کے بارے میں پوچھا۔ وہ کسی بھی چیز کی حقیقت بیان کرنے میں مہارت رکھتے تھے۔ مجھے یہ توقع تھی کہ وہ آپؐ کی تعریف و توصیف اس طرح بیان کریں گے جسے میں ہمیشہ یاد رکھوں گا' انہوں نے کہا:

رسول اللہﷺ لوگوں کی نگاہوں میں بڑے جلیل القدر اور عظیم الشان دکھائی دیتے تھے۔ آپؐ کا چہرہ اس طرح چمکتا تھا جس طرح چودھویں رات کا چاند۔ چھوٹے قد والے سے لمبے' اور طویل قد والے سے کم۔ سر مبارک بڑا تھا۔ بال زیادہ گھنگریالے نہ تھے' اگر الجھ جاتے تو آپؐ مانگ نکال لیتے۔ آپؐ کے بال کانوں کی لو سے نیچے نہ جاتے بلکہ کانوں کی لو تک رہتے۔

چہرہ روشن و تاباں تھا' پیشانی کشادہ تھی' ابرو باریک بھرے ہوئے لیکن باہم ملے ہوئے نہ تھے' دونوں ابروؤں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت پھول جاتی۔ ناک اونچی تھی اس پر نور برس رہا ہوتا۔ دیکھنے والا گمان کرتا کہ یہ بہت اونچی ہے۔ ڈاڑھی گھنی تھی' دونوں رخسار ہموار تھے' منہ کشادہ اور دانت چمک دار اور شاداب تھے۔ دانت کھلے تھے۔ بالوں کا خط جو سینہ سے ناف تک چلا گیا تھا' باریک تھا۔

گردن مبارک ایسی تھی جیسے کسی چاندی کی گڑیا کی گردن ہو۔ تمام اعضا معتدل تھے اور ان کا اعتدال ظاہر و بین تھا۔ شکم اور سینہ ہموار تھا۔ سینہ کشادہ بھی تھا۔

دونوں کندھوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔ ہڈیوں کے جوڑ ضخیم' سینہ کی ہڈی اور ناف کے درمیان بالوں کا خط ملا ہوا تھا۔ سینہ اور شکم بالوں سے صاف تھا۔ دونوں بازوؤں' کندھوں اور سینے کے اوپر والے حصے میں بال تھے۔

بازوؤں کی ہڈی لمبی تھی' ہاتھ کشادہ تھے۔ دونوں ہتھیلیاں گوشت سے بھری ہوئی تھیں' اسی طرح پاؤں بھی۔ تمام اندام ہموار تھے۔ دونوں پاؤں کا درمیانی حصہ اٹھا ہوا تھا۔ جب قدم اٹھاتے تو قوت سے اٹھاتے اور رکھتے تو جما کر رکھتے۔ آہستہ' سبک خرام مگر تیز رفتار۔ جب چلتے تو یوں معلوم ہوتا کہ بلندی سے پستی کی طرف تشریف لے جا رہے ہیں۔ جب کسی کی طرف التفات فرماتے تو پوری طرح متوجہ ہوتے۔ نگاہیں جھکی ہوتیں۔ آپ کی نظر زمین کی طرف طویل ہوتی تھی اور آسمان کی طرف کم۔ آپ کا دیکھنا گہرا مشاہدہ ہوتا تھا' آپ حسنِ تدبیر سے اپنے اصحاب کو چلاتے اور جس سے ملتے اسے سلام میں پہل کرتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کا منظر بہت دل کش ہوتا تھا۔ نظریں آپ کو دیکھنے سے تھکتی نہیں تھیں' کیوں کہ آپ جمال و کمال کا مرقع تھے۔آپؐ میں وجاہت تھی' کمالِ انسان آپ کی ذات تھی اس وجہ سے جو آپؐ کو دیکھتا وہ محبت کرنے لگتا۔

مسلم میں جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے' ان سے پوچھا گیا' کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ لمبا تھا؟ آپ نے جواب دیا: ''نہیں' آپ کا چہرہ چاند اور سورج کی طرح جگمگاتا تھا''۔

بخاری نے کعبؓ بن مالک سے روایت کیا ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خوش ہوتے تو آپؐ کا چہرہ چمکنے لگتا۔ یوں محسوس ہوتا گویا چاند کا ٹکڑا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بشرہ اور آنکھوں کا رنگ کیسا تھا' اس بارے میں بیہقی' علیؓ سے روایت کرتے ہیں:

آپؐ کا رنگ سفید سرخی مائل تھا۔ آنکھیں بڑی تھیں۔ پلکیں بڑی تھیں' آنکھوں میں سرخ ڈورے تھے۔یہ تمام وہ اوصاف اور شمائل ہیں جن کی وجہ سے جو کوئی آپؐ سے ملتا وہ آپ سے ہیبت زدہ ہو جاتا اور بالآخر محبت کرنے لگتا۔

آپؐ کی جسمانی ساخت میں جمال اور اعضا و اجزا میں کمال تناسب تھا۔ آپ کا دل طاہر

اور نفس صادق تھا۔ یہی وہ چمک تھی جو آپؐ کے چہرے پر آشکار ہوتی تھی جس میں تکبر اور بڑائی نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ آپؐ دیکھنے میں ایسے تھے جیسا علیؓ نے فرمایا: ''جس نے آپؐ کو اچانک دیکھا' وہ ہیبت زدہ ہو گیا اور جس نے کچھ عرصہ آپؐ کے ساتھ گزارا وہ آپؐ سے محبت کرنے لگا''۔ (ترمذی)

اوصافِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آپؐ کی شخصیت میں بلا کی جاذبیت اور ہیبت تھی جو ان کو دوسروں پر حاوی کر دیتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ قریش آپؐ کو قبائل سے ملنے میں رکاوٹ بنتے تھے۔ وہ اس بات سے خوف زدہ تھے کہ آپؐ اپنی شخصیت اور ہیبت سے ان پراثر انداز ہو جائیں گے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے کلام مبین عطا فرمایا تھا جو خود اپنی جگہ پر ایک پر ہیبت چیز تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی آپؐ کی قوت' جمال اور کمال کا اعلان کر رہی تھی۔ آپؐ کی عمر ساٹھ سال سے تجاوز کر چکی تھی مگر آپؐ چہرے سے جوان دکھائی دیتے تھے۔

آپؐ کی ذات میں عافیت وافر مقدار میں پائی جاتی تھی۔ آپؐ کے بال سیاہ تھے اگر کوئی آپؐ کے سفید بال ڈھونڈتا تو انہیں انگلیوں پر گن لیتا۔ بیہقی انسؓ بن مالک' خادمِ رسول ﷺ سے روایت کرتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بال گنے جو سر اور ڈاڑھی میں سترہ یا اٹھارہ سے زیادہ نہ تھے''۔

آپؐ خوش بو کو پسند کرتے تھے۔ آپؐ خوش بو ہاتھ پر مل لیتے اور اگر کسی چھوٹے بچے کے سر پر ہاتھ رکھتے تو خوش بو اس کے ساتھ ساتھ پھیلتی چلی جاتی یہاں تک کہ لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ اس بچے کو رسول اللہ ﷺ نے چھوا ہے۔ آپؐ کو صفائی پسند تھی۔ جو کوئی آپؐ کے پاس بیٹھتا' آپؐ نے خوشبو نہ بھی لگائی ہوتی تو وہ راحت اور سکون محسوس کرتا۔

شیخان سے روایت ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انس بن مالکؓ کے گھر میں سوئے' آپؐ کو پسینہ آ گیا' انس کی والدہ آئیں' ان کے ہاتھ میں برتن تھا' انہوں نے آپؐ کے پسینے کو برتن میں نچوڑ لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا: '' اے اللہ کے رسول' آپؐ کے پسینے کو ہم اپنی خوش بو میں استعمال کریں گے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے بچوں کو اس کی برکت ملے۔ آپؐ نے فرمایا: ''ٹھیک ہے''۔ یہ تھی آپؐ کے پسینے کی قدر جو خوش بو کے طور پر آپؐ کے اصحاب استعمال کرتے تھے۔

جسمِ اطہر کی ایک خوبی اور بھی تھی کہ اس پر مہرِ نبوت تھی۔ یہ آپؐ کے گوشت کا حصہ تھی اور آپؐ کے کندھوں کے درمیان تھی۔ وہ تمام روایات جن میں آپؐ کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں'

اس کے وجود کی واضح اور بیّن دلیل ہیں۔ یہ چھوٹی سی تھی جو کپڑوں میں نظر نہیں آتی تھی۔

مسلم اور بیہقی جابرؓ سے روایت کرتے ہیں:

میں نے آپؐ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت دیکھی جو کبوتر کے انڈے جیسی تھی جو آپؐ کے جسم میں ذرا سی ابھری ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ مہر گوشت سے بنائی تھی۔ اس کی خوبی یہ تھی یہ آپؐ کی جسمانی ذات کا حصہ تھی' الگ سے نہیں لگتی تھی۔ کتب سماویہ میں اس کا ذکر کیا جا چکا تھا کہ ایک نبیؐ عن قریب مبعوث کیا جائے گا جس کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت ہو گی لیکن جب یہ نبی آیا' جس کا یہ شدت سے انتظار کر رہے تھے تو اسی کا انکار کر بیٹھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (البقرہ۲:۱۴۶)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے' وہ اس کو ایسا پہچانتے ہیں' جیسا اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں' مگر ان میں سے ایک گروہ جانتے بوجھتے حق کو چھپا رہا ہے۔

صفاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باعث لوگوں کو آپؐ کے بارے میں جاننے سے روکا نہیں جا سکتا تھا' اور یہ بات چھپائے چھپ نہیں سکتی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو منتخب فرمایا ہے کسی اور کو نہیں۔

یہ صفات وہ ہیں جن کے ذریعہ سے صاحب رسالت ﷺ کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ ان کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ اوصاف کتب سابقہ میں بھی بیان ہوئے ہیں اور قرآن نے بھی لنت لهم اور لعلك باخع نفسك کے جو الفاظ استعمال کیے وہ رسول رحمتﷺ کے جذبات کی عکاسی کرتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ آپؐ جسم و اخلاق میں بھی سراپا رحمت تھے' اسی لیے تو ہمارے لیے نمونہ عمل ہیں:

فجماله مجلى لكل جميلة

و له منار كل وجه نير

لاکھوں درود و سلام اس پر جو میرا رہنما ہے۔

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ھدایت پہ لاکھوں سلام

شہر یارِ ارم تاجدار حرم
نو بہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام

شب اسریٰ کے دولہا پہ دائم درود
نوشۂ بزم جنت پہ لاکھوں سلام

مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضا
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

(مولانا احمد رضا خان بریلویؒ)

ماہنامہ دعوۃ.......... اسلام آباد جلد: ۱۶ شمارہ: ۷۔۱۰

موضوعاتی فہرستِ کتب بہ عنوان رحمۃ للعالمین ﷺ

حافظ محمد عارف گھانچی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کے بے شمار پہلوؤں پر ان گنت کتب اردو میں موجود ہیں، اور یہ سلسلہ دراز سے دراز تر ہورہا ہے، الحمد للہ، مگر سب سے زیادہ جس پہلو سے اردو میں لکھنے والے اہلِ قلم نے اعتنا کیا ہے وہ آپ ؐ کی ذات کا وہ پہلو ہے جو تمام عالموں کے لیے رحمت کا حامل ہے۔ اس پہلو پر اس قدر چھوٹی بڑی کتب اردو میں موجود ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ یہ فہرست اس موضوع پر لکھی گئی کتب کا احاطہ کرتی ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات پیش نظر رہے کہ اس فہرست میں ان تمام کتب کو شامل کیا گیا ہے جن کے نام میں رحمت کا لفظ موجود ہے، قطع نظر اس بات کے کہ کتاب کے مباحث میں اس موضوع کے حوالے سے کس قدر معلومات موجود ہیں۔

(پاکستانی کتب)

آزادؒ، ابوالکلام، مولانا — رحمت للعالمین رحمت ﷺ
کراچی (لسبیلہ)، صدیقی ٹرسٹ، س۔ن/۲۸ص

☆ رسول رحمت ﷺ
لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۰ء/۷۹۹ص

الحسینیؒ، قاضی محمد زاہد — رحمت کائنات ﷺ
ایبٹ آباد، مولوی محمد ابراہیم، ۱۹۵۸ء/ن۔م

☆ رحمت کائنات ﷺ
کیمبل پور، دارالاشاعت، س۔ن/۲۳۰ص

احمد شجاع، حکیم
رحمۃ للعالمین ﷺ
ملتان، کاروان ادب، ۱۹۸۶ء/ ۸۰ص

احمد رضا خانؒ، مولانا
سیرت مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ
لاہور، شبیر برادرز، ۲۰۰۷ء/ ج۱، ۹۶۰ص۔ ج ۲، ۹۱۲ص۔ ج۳، ۹۱۲ص۔ ج۴، ۹۷۶ص
☆مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
مشتاق بک کارنر، لاہور، ۲۰۰۸ء/ ج۱، ۱۱۵۲ص۔ ج۲، ۱۱۵۲ص

العمری، اکرم ضیاء، ڈاکٹر
سیرت رحمت عالم ﷺ
مترجم: خدا بخش کلیار
لاہور، نشریات، ۲۰۰۷ء/ ۸۵۶ص
☆سیرت رحمت عالم ﷺ
مترجم: خدا بخش کلیار
کراچی، فضلی سنز، ۲۰۰۷ء/ ۸۵۶ص

حالوری، محمد اسلم
رحمت عالم ﷺ اور سماجی بہبود
اسلام آباد، المصطفیٰ ویلفیئر سوسائٹی، ۱۴۱۲ھ/ ۳۱ص

ام عبد منیب
رحمۃ للعالمین ﷺ کی شفقت جانوروں پر
لاہور (ندیم ٹاؤن)، مشربہ علم و حکمت، ۲۰۰۱ء/ ۲۴ص

انجم، آغا غیاث الدین
رحمت للعالمین ﷺ
لاہور (کرشن نگر)، الکتاب، ۱۹۷۶ء/ ۸۱ص

انصار الحق
رب العالمین ورحمۃ للعالمین ﷺ
انصار گہر اعظمی/ ۱۷۶ص

انعام اللہ، پروفیسر
رحمت کائنات ﷺ کی تابانیاں
پشاور، یونیورسٹی بک ایجنسی، ۱۹۹۸ء/ ۱۲۰ص

اوصاف علی، سید
واقعات رسول رحمت ﷺ
کراچی، مکتبہ ندوہ، ۲۰۰۵ء/ ۱۷۵ص

اہل قلم کی ایک جماعت	سیرت رحمت للعالمین ﷺ (تاریخ اسلام) قم،(ایران)، انصاریان پبلشرز، پوسٹ بکس ۱۸۷/۱۸۵/۱۳۱۷، ۲۰۰۹ء/ ۳۷۷ص
بٹ، فرحان ولایت	ذکر رحمت للعالمین ﷺ قبل از اسلام کی مذہبی اور الہامی کتب میں لاہور، فیکٹ پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء/ ۱۱۲ص
بشیر الدین محمود احمد،مرزا	رحمتہ للعالمین ﷺ لاہور، دار التجدید،۱۹۳۶ء/ ۴۸ص ☆رحمتہ للعالمین ﷺ گوجرانوالہ (ایمن آباد)،مکتبہ تریاق ، س۔ن/ ۶۴ص
بنگش، عبدالمؤمن،مولوی	تجارت رحمت للعالمین ﷺ کی نظر میں کراچی، مکتبہ عمر فاروق، ۱۹۸۶ء/ ۱۷۱ص
بھٹو، اسد اللہ	رحمتہ للعالمین ﷺ کراچی، مطبع اسحاقیہ پریس، ۱۹۸۲ء/ ۳۲۳ص
بیگم خورشیدہ	رحمت عالم ﷺ کراچی (ناظم آباد)،عزیز لاج، ۶/۸۴، ۱۹۸۹ء/ ۱۲۰ص
تاج، ظہیر الدین ،علامہ	سیرت اقدس رحمت للعالمین ﷺ کراچی (لسبیلہ)،صدیقی ٹرسٹ ، س۔ن/۲۰ص
ترمذی، سید شیر محمد	شان مصطفیٰ (پیکر رحمت اور پیکر نور) لاہور،مکتبہ فریدیہ، س۔ن/ ۱۱۷ص
ثانی، حافظ محمد ، ڈاکٹر	فتح مکہ ، پیغمبر رحمت ﷺ کی رواداری اور عفو و درگزر کا تاریخ ساز واقعہ کراچی (لسبیلہ)،صدیقی ٹرسٹ، س۔ن/۲۰ص
ثناء اللہ سعد،مولانا	رحمت عالم ﷺ کی رحمت اور شفقت کے واقعات کراچی، مکتبہ عمر فاروق، ۲۰۰۷ء/ ۳۲۰ص
جانگڑا،عبدالرزاق	شانِ رحمت عالم ﷺ کراچی، منور پبلشر، ۱۴۰۵ھ/ ۲۲۰ص

جناحؒ، محمد علی	رحمت للعالمین ﷺ لاہور، دفتر تنظیم ساجد مصری شاہ، س۔ن/ ۱۶ص
چاٹگامی، عبدالسلام، مفتی	رحمت عالم ﷺ کی مستند دعائیں کراچی، اسلامی کتب خانہ، ۱۹۹۸ء/ ۳۰۴ص
چوہدری، علی اصغر	رحمت اور رحمت للعالمین ﷺ لاہور، رابعہ بکس، س۔ن/ ۱۶۶ص
حامد محمود، حافظ (مترجم)	خواتین اسلام کے لیے نبی رحمت ﷺ کی ۵۰۰ نصیحتیں لاہور، دارالسنہ پبلی کیشنز ۔ ۲۰۰۶ء/ ۴۱۷ص
حبیب حسین، مولوی	تذکرہ رحمت للعالمین ﷺ لاہور، عبد الرزاق تاجر کتب، ۱۹۲۶ء/۱۲۳ص
حکیم محمد اختر، مولانا	خصوصیات رحمۃ للعالمین ﷺ کراچی (لسبیلہ)، صدیقی ٹرسٹ، س۔ن/ ۲۰ص
حمزہ محمد صالح، شیخ	رحمت دو عالم ﷺ کی ۵۵ نصیحتیں مترجم: مفتی عبدالعظیم لاہور، دار القلم، ۲۰۰۸ء/ ۱۹۲ص
خالدہ جمیل	اطاعت رسول رحمت ﷺ لاہور، ۱۸۲۔ بلاک بی، ای ایم ای کو آپریٹو سوسائٹی، ۲۰۰۴ء/ ۲۳۲ص
خان، حبیب الرحمان، مولانا	رحمت للعالمین ﷺ مترجم: مولانا مسعود عالم کراچی (لسبیلہ)، صدیقی ٹرسٹ، س۔ن/۶۴ص
خان، محمد نعیم اللہ	سیرت رحمۃ للعالمین ﷺ لاہور، شبیر برادرز، ۲۰۰۴ء/ ۱۱۲۹ص
خان، شاہ عطا محمد	رحمت دو عالم ﷺ نذیر سنز پبلشرز۔ ۱۹۸۸ء/ ۱۸۹ص
رشید محمود، راجہ	تسخیر عالمین اور رحمۃ للعالمین ﷺ لاہور، اختر کتاب گھر۔ ۱۹۹۲ء/ ۲۵۶ص

رضوی، سیدواجد — پیغمبر رحمت ﷺ اورانسان کے بنیادی مسائل (خوف، بھوک، جہالت)
لاہور، مکتبہ مدینہ۔ ۱۹۹۱ء/ ۴۲۹ص
☆ پیغمبر رحمت ﷺ
لاہور،مقبول اکیڈمی، ۲۰۰۷ء/ ۲۹۶ص

ریاض احمد،سید — رسول رحمت ﷺ
لاہور، انسٹی ٹیوٹ آف سیرت اسٹڈیز۔ ۱۹۸۵ء/ ۲۴۳ص

سالک، علیم الدین،مولانا — رحمۃ للعالمین ﷺ کا عزم واستقلال
لاہور، انجمن حمایت اسلام، ۱۳۵۴ھ/ ۱۶ص

سالک، علیم الدین،مولانا — رحمت للعالمین ﷺ کا عزم و استقلال
لاہور، انجمن ہلال اسلام، ۱۳۵۴ھ/ ۱۶ص

سعید بن علی، ڈاکٹر — پیغمبر رحمت ﷺ
مترجم: حافظ محمد امین
لاہور، دارالسلام، ۲۰۰۹ء/۴۶۱ص

سلام الدین نیاز، ڈاکٹر — رسول رحمت ﷺ
لاہور، کلاسک،س۔ن/ ۶۹۴ص

سیالکوٹی،محمد صادق،مولانا — شرح خطبۂ رحمت للعالمین ﷺ
لاہور، نعمانی کتب خانہ، ۱۹۸۰ء/ ۴۰۴ص

سید محمد عابد — رحمت للعالمین ﷺ
کراچی، قرآن محل، اردو بازار، س۔ن/۵۶۰ص
سیرت اقدس رحمت للعالمین ﷺ
ظہیر احمد۔ ۱۹۷۰ء/۱۶ص

سیالکوٹی، محمد صادق — رحمت عالم ﷺ کی دعائیں
گوجرانوالہ، مکتبہ نعمانیہ، ۱۹۶۶ء/۱۷۶ص

سید افضل حیدر و امیر حسین — رحمۃ للعالمین ﷺ
لاہور، کلاسک پبلشرز۔ ۱۹۹۱ء/ ۲۲۰ص

شاہ علی انور،مولانا اورملتانی،	رحمۃ للعالمینﷺ کے والدین شریفین جنتی ہیں
عبدالخالق،مولانا(مترجمین)	کراچی، الرحیم اکیڈمی۔۲۰۰۴ء/ ۱۵۵ص
شاہد، محمد حنیف	رحمت للعالمین ﷺ، قائد اعظم کی نظر میں
	لاہور، ٹیکنیکل پبلشرز، جی سی سینٹر، اردو بازار،س۔ن/۲۵۶ص
شیروانی، مولانا حبیب الرحمٰن	پیغام رحمت ﷺ
	رسالہ ایمان ،۱۹۳۳ء/۳۲ص
صدر الدین، مولوی	رحمتہ للعالمین ﷺ (غریبوں کے والی)
	لاہور، احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، س۔ن/ ۲۴۳ص
صدیقی،امیر حسین	سحاب رحمت ﷺ
	کراچی، جمیعت الفلاح، ۱۹۶۷ء/۱۴۰ص
صدیقی،محمد سلیم	رحمت للعالمینﷺ کی دعائیں
	لاہور، گوہر پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء/ ۲۷۶ص
	صدیقی، القادری،احمد عبد القیوم
	اوصاف رحمۃ اللعالمین
	......جولائی ۲۰۰۲ء/ ۷۶ص
طارق عظیم الدین	رحمت للعالمین ﷺ غیر مسلم مشاہیر کی نظر میں
	کراچی(لسبیلہ)،صدیقی ٹرسٹ، س۔ن/ ۲۰ص
طالب الہاشمیؒ	رحمت عالم ﷺ کی شان جہانبانی
	کراچی(لسبیلہ)، صدیقی ٹرسٹ،س۔ن/ ۵۰ص
طالب الہاشمیؒ	خیر مجسم رحمت عالم ﷺ
	کراچی(لسبیلہ)،صدیقی ٹرسٹ، س۔ن/۲۸ص
طالب ہاشمیؒ	رحمت دارین ﷺ
	لاہور، القمر انٹر پرائز۔ ۲۰۰۵ء/ ۸۷۰ص
	ظہور رحمۃ اللعالمین ۲/عبدالحی ،ابو سلیم محمد/ پھلواری مطبع مجیبی،س۔ن/ن۔م

عبد الحیؒ، ڈاکٹر	نبی الرحمۃ ﷺ کے معمولات یومیہ کراچی (لسبیلہ)، صدیقی ٹرسٹ، س۔ن/۱۲ص
عبد الرحیم، مولوی	مولد رحمت الرحیم لاہور، ملک بشیر احمد، س۔ن/ ۸۰ص
غلام نبی	رحمت دوعالم ﷺ مولوی عظمت اللہ دہلوی/ مولوی عظمت اللہ دہلوی، س۔ن/۱۶۰ص
غلام نبی، حافظ	ذکر رحمت للعالمین ﷺ مع حقیقۃ المغضوبین ولا الضالین کراچی، ڈالڈا ٹیکسٹائل، س۔ن/ ۶۴ص
فاروقی، محمد ادریس	نبی رحمت کوئٹہ، مسلم پبلی کیشنز، ۱۹۸۰ء/ ۴۸ص
فاروقی، محمد ادریس	نبی رحمت ﷺ گوجرانوالہ، مسلم پبلی کیشنز، س۔ن/ ۴۸ص
فتح محمد، حاجی	نبی رحمت ﷺ لاہور، مکتبہ جمال کرم، ۲۰۰۷ء/ ۲۲۴ص
فرخ ملک، ڈاکٹر	رحمۃ للعالمین ﷺ ایک نظر میں لاہور، ڈاکٹر فرخ ملک ٹرسٹ، ۲۰۰۴ء/ ۲۳۷ص
قاری احمد	شان رحمت للعالمین ﷺ مولوی عظمت اللہ دہلوی، س۔ن/ن۔م
قاری احمد، مولانا	رحمت عالم ﷺ کراچی، محمد سعید اینڈ سنز، س۔ن/۱۷۶ص
قاسمی، محمد اکرام اللہ جان، ڈاکٹر	پیغمبر رحمت ﷺ اور نونہالان اسلام کراچی، دار الاشاعت، ۲۰۰۶ء/ ۱۷۵ص
قدسی، عبید اللہ	رحمت للعالمین ﷺ کراچی، رشید اینڈ سنز، ۱۹۷۹ء/۳۱۰ص ☆ رحمت للعالمین ﷺ اسلام آباد، نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۸۹ء/ ن۔م ☆ رحمت للعالمین ﷺ کراچی، احمد جمال، ۱۹۷۹ء/۳۱۰ص

قریشی،عبدالمجید	رحمت للعالمین ﷺ
	امرتسر،(انڈیا)، ثنائی برقی پریس، س۔ن/ ۴۸ص
کیلانی،محمد اقبال	حقوق رحمۃ للعالمین ﷺ
	لاہور، حدیث پبلی کیشنز، س۔ن/ ۲۰۸ص
	☆فضائل رحمت للعالمین ﷺ
	لاہور، حدیث پبلی کیشنز،۲۰۰۹ء/۳۰۴ص
کیولڈ، لیڈی ایوان	رحمت للعالمین ﷺ
	بیورو آف اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۶۴ء/۶۴ص
ماہر القادریؒ	نبی رحمت ﷺ کی اطاعت ہی راہ نجات ہے
	کراچی(لسبیلہ)، صدیقی ٹرسٹ، س۔ن/۲۰ص
محمد ادریس،حافظ	رسولِ رحمت ﷺ تلواروں کے سائے میں
	لاہور، مکتبہ احیائے دین۔ ۱۹۹۱ء/ ج۱، ۳۴۴ص۔ ج۲، ۳۸۹ص
محمد ارشد علی	رسول رحمت ﷺ
	لاہور، ادارہ تحقیق و تخلیق، ۲۰۰۰ء/۲۷۲ص
محمد انور،کرنل	نکاح خوان رحمت للعالمین ﷺ حضرت ابو طالب
	لاہور، محمد آصف، ۱۴۲۰ھ/ ۱۲۸ص
محمد حسین	نبی رحمت ﷺ
	وزیر آباد، س۔ن/۱۶۰ص
محمد رفیق	رحمت لقب ﷺ
	کراچی، اسلامک ریسرچ اکیڈمی۔۲۰۰۵ء/ ۹۶ص
محمد عابد،سید	رحمت للعالمین ﷺ
	کراچی، محمد سعید اینڈ سنز،۱۳۴۴ھ/ ۵۷۸ص
محمد فاروق،مفتی	رحمت دو عالم ﷺاور اسلامی اخلاق
	لاہور، بیت العلوم، س۔ن/ ۵۷۴ص

محمد مسعود احمد، پروفیسر، ڈاکٹر	رحمۃ للعالمین ﷺ کراچی، ادارہ مسعودیہ، ۲۰۰۴ء/ ۱۶اص
محمد یعقوب، پروفیسر	جان رحمت ﷺ لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز۔ ۲۰۰۷ء/ ۶۴۴ص
مطلوب حسین	رحمۃ للعالمین ﷺ، ایک اعلان، ایک چیلنج کراچی، مکان نمبر ۱۳۴، پی، ای ، سی، ایچ، ایس، بلاک ۲، ۱۹۷۸ء/ ۲۰۰ص
منصور پوریؒ، قاضی محمد سلیمان سلمان (مؤلف)	مختصر رحمۃ للعالمین ﷺ مرتب: پروفیسر مولانا محمد رفیق چودھری لاہور، مکتبہ قرآنیات، س۔ن/ ۳۸۳ ص
منصور پوریؒ، قاضی محمد سلیمان سلمان	رحمت للعالمین ﷺ کون ہو سکتا ہے؟ کراچی (لسبیلہ)، صدیقی ٹرسٹ ، س۔ن/ ۱۲اص
منصور پوری، قاضی محمد سلیمان سلمان	رحمۃ للعالمین ﷺ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۵۲ء/ ج۱، ۲۱۸ص۔ج۲، ۵۱۲ص۔ ج۳، ۴۷۸ص ☆ رحمۃ للعالمین ﷺ آفتاب عالم پریس، لاہور، ۱۹۵۰ء/ ج۱، ۳۸۰ص ☆ رحمۃ للعالمین ﷺ گوجرانوالہ، اخبار مسلمان، ۱۹۳۳ء/ جلد اول
منیر احمد	سیرت و شمائل رحمت للعالمین ﷺ فرینڈز سنز، لاہور، س۔ن/ ۱۴۰اص
مہر، امیر الدین، مولانا	سراپا رحمت ﷺ غزالی اکیڈمی، مکان نمبر اے۔۳، بلاک اے، سٹیلائٹ ٹاؤن۔ میرپور خاص۔ ۲۰۰۸ء/ ۱۴۰ ص
ندویؒ، محمد عبد القیوم	رحمت کا خزانہ تاج کمپنی ، لاہور/ ۲۸۲ص

ندوی، سید ابو الحسن علی — نبی رحمت ﷺ
مترجم: مولوی سید محمد الحسن
کراچی، مجلس نشریات، ۱۹۷۸ء/ ج۱، ۳۲۴ص۔ ج۲، ۲۶۴ص

ندوی، ابو مسعود اظہر — رسول اللہ ﷺ کی رحمتیں
لاہور، منشورات منصورہ۔ ۱۹۹۸ء/ ۱۱۴ص

ندوی، عبد القیوم — رحمت کا خزانہ
مولوی عظمت اللہ دہلوی، س۔ن/ ۱۴۱ص

ندوی، سید سلیمان — ☆رحمت عالم ﷺ
کراچی، محمد سعید اینڈ سنز، ۱۹۵۹ء/ ۱۵۱ص
☆رحمت عالم ﷺ
کراچی، مجلس نشریات اسلام۔ س۔ن/ ۱۵۰ص
☆رحمت عالم ﷺ
لاہور، اکیڈمی، س۔ن/ ۱۵۰ص
☆رحمت عالم ﷺ
کراچی، دارالاشاعت، ۱۴۱۱ھ/ ن۔م
☆رحمت عالم ﷺ
ملتان، دارالفلاح، ۲۰۰۴ء/ ۱۱۲ص
☆رحمت عالم ﷺ
لاہور، مکتبہ شاہکار، ۱۹۷۶ء/ ۱۵۰ص
☆رحمت عالم ﷺ
لاہور، ناشران قرآن، ۱۹۸۰ء/ ۱۵۰ص
☆رحمت عالم ﷺ
رحیم یار خان، مکتبہ شیخ الاسلام، ۱۹۸۰ء/ ۲۴۰ص

نذر احمد، حافظ — محسن کائنات رحمت عالم ﷺ کی سیرت مبارکہ کے چند پہلو
لاہور، مسلم اکادمی۔ ۱۹۸۴ء/ ۸۸ص

نعیمی،محمد یامین	رحمت خدا نعیمی کتب خانہ، س۔ن /۶۴ص
	ولادت با سعادت رحمت للعالمین سید المرسلین ﷺ کراچی، مولانا حسین احمد، مکتبہ مدنیہ، س۔ن/ ۳۱ص
ہادی عبدالرحیم ،مولوی	رحمت الرحیم لاہور، ملک دین محمد اینڈ سنز، س۔ن/۸۰ص
ہاشمی، سید اکبر علی	رحمۃ للعالمین ﷺ کراچی، سید خورشید علی، س۔ن/۶۲ص
ہاشمی،سید اکبر علی	رحمت للعالمین ﷺ کراچی، سید خورشید علی، س۔ن/ ۶۲ص
ہلال احمد،قاری	رحمۃ للعالمین ﷺ اسلام آباد، دعوۃ اکیڈمی، ۱۹۹۵ء/ ۲۴ص
یزدانی ،چوہدری برکت علی شمیم	رحمت عالم،سیرت رسول مقبول کا دل آویز مرقع فیصل آباد، مکتبہ رحمت غلام محمد آباد ،۱۹۷۳ء/۱۹۶ص

(ہندوستانی کتب)

سید نواب علی،مولانا	رسول رحمت ﷺ جونا گڑھ (انڈیا)،س۔ن/ ۲۴ ص
عبداللہ طارق، مولانا	نبی رحمت ﷺ کا پیام رحمت نئی دہلی، (انڈیا)ایم اے آر سی۔ بی۔ ۲۶۔ ذاکر باغ، اوکھلا،س۔ن/۱۴۰ص
عرفانی الکبیر(مرتب)	رحمت للعالمین ﷺ فی کتاب مبین حیدر آباد دکن،(انڈیا) مطبع دستگیری ، ۱۹۵۰ء / ج۱، ۳۲۰ص۔ ج۲، ۴۳۲ص

مصلح الدین،سید	تجلیات رحمت عالم ﷺ (منظوم)
	پہاڑ پور، اعظم گڑھ(انڈیا)، س۔ن/ ۲۳۲ص
منصور پوری، قاضی محمد سلیمان	رحمۃ للعالمین ﷺ
سلمان	پٹیالہ،(انڈیا)،۱۹۱۶ء/ جلداوّل
ندوی ،سید سلیمان	رحمت عالم ﷺ
	اعظم گڑھ،(انڈیا)۱۳۵۵ھ /۱۷۶ص
	☆رحمت عالم ﷺ
	حیدرآباد دکن،(انڈیا)،رضوی کمپنی، ۱۳۶۹ھ/ ۱۱۲ص
ندوی، سید ابو الحسن علی،مولانا	نبیؐ رحمت ﷺ
	لکھنؤ، (انڈیا) مجلس تحقیقات و نشریات اسلام۔ ۱۹۷۶ء/ ۶۹۴ص

ماہنامہ دعوۃ.......... اسلام آباد جلد: ۱۶ شمارہ: ۷۔۱۰

دعوۃ اکیڈمی لائبریری میں سیرت النبیؐ پر اردو کتب

محمد رفیق چوہدری

دعوۃ اکیڈمی کو قائم ہوئے پچیس سال ہونے کو آئے ہیں۔دعوۃ اکیڈمی کے قیام کے ساتھ ہی ایک لائبریری کا قیام عمل میں لایا گیا تھا تاکہ درس و تدریس اور تحقیقی عمل میں مدد فراہم کی جاسکے۔ گزشتہ پچیس سالوں میں اس لائبریری کے لیے بہت سی اچھی کتب خریدی گئی ہیں۔ اب جب کہ اکیڈمی اپنے مجلّہ ماہنامہ ''دعوۃ'' کا ''رسولِ رحمت نمبر'' شائع کر رہی ہے، مناسب سمجھا گیا کہ سیرت النبیؐ کے موضوع پر لائبریری میں موجود اردو کتب کی فہرست مرتب کی جائے تاکہ اکیڈمی سے باہر علم کے متلاشی افراد کی معاونت ہوسکے اور وہ دعوۃ اکیڈمی کی لائبریری سے استفادہ کرسکیں۔

۱: آبِ حیات ﷺ / مولانا محمد قاسم نانوتوی۔لاہور: ادارہ تالیفات اشرفیہ، ت.ن . ۲۲۸ ص .

۲: آداب الاخلاق یعنی اخلاق محمدی ﷺ / اما م محمد الغزالی ۔ ملتان: ادارہ تالیفات اشرفیہ،ت.ن .۵۶ ص .

۳: آداب النبی ﷺ / مفتی محمد شفیع ۔ لاہور: ادارہ اسلامیات ، ۱۹۹۵۔ ۹۶ص.

۴: آفتا ب عالم ﷺ / صادق حسین صدیقی۔ لاہور: جہانگیر بک ڈپو، ت .ن.۹۱۲ص.

۵: آفتاب نبوت ﷺ / قاری محمد طیب ۔ لاہور: ادارہ اسلامیات، ۱۹۸۰۔ ۲۴۰ ص .

۶: آمنہ کا لال ﷺ / علامہ راشد الخیری۔ لاہور: زاویہ ، ۲۰۰۰۔ ۱۱۱ ص .

۷: ابدی پیغام کے آخری پیغام بر ﷺ / ضیاء الدین کرمانی ۔ کراچی : محمد عتیق الرحمٰن تھانوی ، ۱۹۸۹۔ ۶۱۸ ص.

۸: اخلاق پیغمبری ﷺ / غالب ہاشمی ۔ لاہور: القمر انٹر پرائزز، ۱۹۹۴۔ ۲۰۵ ص .

۹: اخلاق نبوی ﷺ / تنویر مبشر ۔ لاہور: نگارشات، ۱۹۹۶۔ ۱۶۸ص .

۱۰: ارتداد اور توہین رسالت ﷺ اسلامی شریعت کی رو سے / ڈاکٹر محمد اسرار مدنی ، مترجمہ مقبول

الٰہی ۔ـ لاہور: ادارہ اسلامیات ، ۱۹۹۵ـ ۲۲۳ص۔

۱۱: اردو میں سیرت رسول ﷺ / انور محمود خالد ۔ـ لاہور: اقبال اکادمی ، ۱۹۸۹ـ ۸۵۲ص ۔

۱۲: اردو میں میلاد النبی ﷺ تحقیق، تنقید، تاریخ / محمد مظفر عالم، جاوید صدیقی۔ـ لاہور: فکشن ہاؤس ، ۱۹۹۸ـ ۹۱۹ ص ۔

۱۳: اردو نثر میں سیرت رسول ﷺ / انور محمود خالد ۔ـ لاہور: اقبال اکادمی ، ۱۹۸۹ـ ۸۵۲ص ۔

۱۴: ارشادات رحمۃ للعلمین ﷺ / منیر احمد ۔ـ لاہور: منیر احمد ، ۱۹۹۴ـ ۱۴۴ ص ۔

۱۵: اسلامی قیادت سیرت رسول اللہ ﷺ کے آئینے میں / خرم جاہ مراد ۔ـ لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۸۵ـ ۹۶ص ۔

۱۶: اسماء النبی الکریم / محمد برکت علی ۔ـ فیصل آباد: دار الاحسان ، ۱۹۷۸ـ ۵ جلدیں۔

۱۷: اسمائے مصطفیٰ ﷺ / طاہر القادری ۔ـ لاہور: منہاج القرآن، ۲۰۰۲ـ ۳۵۷ ص۔

۱۸: اسمائے نبوی ﷺ / سید آل احمد رضوی ۔ـ اسلام آباد: ماڈرن بک ڈپو، ۱۹۹۳ـ ۱۱۸ص۔

۱۹: اسوہ حسنہ / بنت الاسلام ۔ـ لاہور: بزم مقبول، ۱۹۸۳ـ ۳ جلدیں۔

۲۰: اسوہ حسنہ ﷺ / حمید احمد خان۔ـ لاہور: سیرت فاونڈیشن ، ۲۰۰۳ـ ۷۲ ص ۔

۲۱: اسوہ حسنہ ﷺ / قاضی محمد شریف ۔ـ لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۸۲ـ ۵۲۸ ص ۔

۲۲: اسوہ حسنہ اور علم نفسیات / سیدہ سعدیہ غزنوی ۔ـ لاہور: الفیصل ناشران، ۱۹۹۴ـ ۱۶۰ص ۔

۲۳: اسوہ حسنہ محمد رسول اللہ ﷺ / اختر احسن ۔ـ لاہور: اسلامی مشن، ت ۔ ن ۔ ۱۱۹ص ۔

۲۴: اسوہ رسول ﷺ / اسرار احمد ۔ـ لاہور: انجمن خدام القرآن ، ۱۹۹۰ـ ۹۵ ص ۔

۲۵: اسوہ رسول ﷺ / سید حیدر فوق بلگرامی ۔ـ لاہور: علی پبلی کیشنز، ت ۔ ن ۔ ۵۲۰ ص ۔

۲۶: اسوہ رسول اکرم ﷺ / محمد عبد الحیٔ ۔ـ کراچی : ادارہ المعارف، ت ۔ن۔ ۶۰۸ ص ۔

۲۷: اسیران جمال مصطفیٰ ﷺ / محمد طاہر القادری ۔ـ لاہو: منہاج القرآن، ۲۰۰۴ـ ۱۱۷ص ۔

۲۸: اصح السیر مختصر فضائل نبوی ﷺ / عبدالرؤف قادری ۔ـ کراچی : مرکز علوم و ادب، ت ۔ن۔ ۷۳۶ص۔

۲۹: اطاعت رسول ﷺ / آغا اشرف۔ـ لاہور: بستان ادب ، ت۔ ن ۔ ۱۰۷ص ۔

۳۰: اطلس سیرت نبوی ﷺ / ابو خلیل شوقی ۔ـ لاہور: دار السلام ، ۱۴۲۴ھـ ۵۱۲ ص ۔

۳۱: افضل المواعظ / محمد ابراہیم دہلوی ۔ـ کراچی : مدینہ پبلشنگ کمپنی ، ت ۔ ن ۔ ۱۹۲ ص۔

:۳۲ اقضیہ الرسول ﷺ / ضیاء الرحمٰن اعظمی ۔۔ ملتان: ادارہ معارف اسلامی، ۱۹۹۱۔ ۷۸۲ص ۔

:۳۳ امام الانبیاء ﷺ / محمد اقبال انجم ۔۔ لاہور: فروغ ادب اکادمی ، ۲۰۰۶۔ ۲۴۰ ص ۔

:۳۴ الامین ﷺ / محمد رفیق ڈوگر۔۔ لاہور: دیدشنید پبلشرز، ۱۹۹۹۔ ۳ جلدیں۔

:۳۵ انتخاب نعت / عبد الغفور قمر ۔۔ لاہور: عبد الغفور قمر، ۱۹۹۴۔ ۲۳۲ ص۔

:۳۶ انسان اور رہبر انسانیت/ مبشر حسین ۔۔ لاہور: مبشر اکیڈمی، ۲۰۰۶۔ ۱۸۲ص ۔

:۳۷ انسان کامل ﷺ / محمد منیر قریشی ۔۔ لاہور: نذیر سنز پبلشرز، ۱۹۸۷۔ ۱۶۴ ص۔

:۳۸ انسان کامل ﷺ / محمد بن علوی مالکی ۔۔ لاہور: ضیاء القرآن، ۱۹۸۸۔ ۴۵۰ ص ۔

:۳۹ انسان کامل ﷺ / خالد علوی ۔۔ لاہور: الفیصل ناشران، ۲۰۰۱۔ ۷۶۰ ص۔

:۴۰ انسان کامل و نبی اکمل ﷺ / ممتاز منظور۔۔ لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت ، ۱۹۹۴۔ ۱۷۶ ص ۔

:۴۱ انسانیت کی موجودہ مشکلات اور سیرت رسول ﷺ / اختر حجازی ۔۔ لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، ت ۔ ن ۔۱۲۴ص۔

:۴۲ انسائیکلوپیڈیا بریٹینکا میں اسلام اور محمد ﷺ پر بہتانات / غلام مرتضی ۔۔ لاہور: زیب تعلیمی ٹرسٹ، ت۔ن۔ ۹۷ص ۔

:۴۳ انعام یافتہ تقریریں اور فن تقریر/رشید احمد گوریجہ ۔۔ لاہور: مقبول اکیڈمی ، ۱۹۹۳۔ ۲۱۴ص۔

:۴۴ انوار الحق فی الصلاۃ علی سید الحق محمد ﷺ / عبد المقصود محمد سالم ، مترجمہ سید سلیمان حسین کاظمی ۔۔عبد المقصود محمد سالم، ۱۹۸۲۔ ۲۰۰ص۔

:۴۵ انوار محمدیہ ﷺ / یوسف بن اسماعیل ۔۔ لاہور: مکتبہ نبویہ ، ۱۹۸۲۔ ۷۵۲ص۔

:۴۶ انوار نبوۃ ﷺ / ابو احمد محمد دلپذیر ۔۔ اسلام آباد: جامعہ اسلامیہ مدینہ ، ت.ن. ۱۱۲ص۔

:۴۷ اوج نعت نمبر/ میاں مقبول احمد۔۔ لاہور: گورنمنٹ کالج شاہدرہ، ۱۹۹۲۔ ۷۲۰ ص ۔

:۴۸ ایمان کا مرکز و محور ذات مصطفیٰ ﷺ / طاہر القادری۔۔ لاہور: منہاج القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۰۴۔ ۱۳۲ ص ۔

:۴۹ بارگاہ رسالت ﷺ میں / محمد متین خالد۔۔ لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۹۸۔ ۲۹۲ص۔

:۵۰ بحضور محمد ﷺ / اختر احسن ۔۔ لاہور: اسلامی مشن، ت.ن. ۲۹۱ص۔

:۵۱ بدن خیر البشر ﷺ / محمد اول رضوی ۔۔ لاہور: رشید بک ڈپو، ۱۹۸۱۔ ۱۸۴ص۔

:۵۲ برکات مصطفیٰ ﷺ / طاہر القادری۔۔ لاہور: منہاج القرآن، ۲۰۰۵۔ ۹۰ص۔

:۵۳ بعثت نبوی ﷺ پر مذاہب عالم کی گواہی / شریں زادہ خدوخیل ۔۔ لاہور: الفیصل ناشران، ۲۰۰۶۔ ۱۳۹ص .

:۵۴ پیارے بچوں کے لیے پیارے نبی ﷺ کی سیرت طیبہ/ بشری امام الدین ۔۔ اسلام آباد: دعوۃ اکیڈمی، ت.ن.۴۵۷ص.

:۵۵ پیارے حضور ﷺ / صابر قرنی ۔۔ لاہور: حسنات اکیڈمی، ۱۹۸۶۔ ۳۵۰ ص.

:۵۶ پیارے رسول ﷺ/ پروفیسر رفیع اللہ شہاب ۔۔ لاہور: مقبول اکیڈمی، ۱۹۸۹۔ ۲۰۵ص.

:۵۷ پیارے نبی ﷺ کی پیاری صاحبزادی/ حقانی میاں۔۔ کراچی: دار الاشاعت، ت.ن.۱۰۸ص.

:۵۸ پیغام اور پیغام بر ﷺ / محمد عزیز۔۔ کراچی : نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۴۔ ۵۰۰ص.

:۵۹ پیغمبر اخلاق ﷺ/ صاحبزادہ ساجد الرحمٰن ۔۔ اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ت.ن. ۲۵۶ ص.

۶۰ پیغمبر اسلام ﷺ / مولانا وحید الدین خاں۔۔ نئی دہلی: مکتبہ الرسالہ، ۱۹۸۷۔ ۳۲ص.

:۶۱ پیغمبر اسلام ﷺ / محمد وحید اللہ ، مترجمہ خالد پرویز۔۔ لاہور: بیکن بکس، ۲۰۰۵۔ ۶۷۲ ص.

:۶۲ پیغمبر اسلام ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں / محمد یحیی خان۔۔ لاہور: پیام پبلشرز، ۱۹۹۹۔ ۴۶۴ ص.

:۶۳ پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت کے عملی پہلو/ ابو الکلام آزاد۔۔ کراچی : اسلامیکا فاونڈیشن، ۲۰۰۰۔ ۱۸۷ص.

:۶۴ پیغمبر اسلام کے پیغام کی آفاقیت ۔۔ اسلام آباد: بین الاقوامی سیرت کانفرنس وزارت مذہبی امور، ۱۹۸۶۔ ۲ جلدیں.

:۶۵ پیغمبر اعظم و آخر ﷺ / نصیر احمد ناصر۔۔ لاہور: فیروز سنز، ت.ن. ۶۵۵ص.

:۶۶ پیغمبر انسانیت ﷺ/ مولانا محمد شاہ محمد جعفر پھلواروی۔۔ لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۰۔ ۴۵۲ص.

:۶۷ پیغمبر انقلاب ﷺ/ مولانا وحید الدین خان۔۔ کراچی : فضلی سنز، ۱۹۸۵۔ ۲۰۸ص.

:۶۸ پیغمبر رحمت ﷺ اور انسان کے بنیادی مسائل خوف، بھوک، جہالت / سید واحد رضوی۔۔ لاہور: مکتبہ مدینہ، ۱۹۹۱۔ ۴۲۹ص.

:۶۹ پیغمبر صحرا ﷺ / کے ایل گابا۔۔ کراچی: شاہکار بک فاونڈیشن، ت.ن. ۲۳۹ص.

:۷۰ تاریخ احمدی ﷺ / احمد حسین ۔۔ لاہور: حق برادرز تاجران کتب، ت.ن. ۳۵۸ص.

:۷۱ تاریخ محمد ﷺ / فاروق ایم ڈی۔۔ لاہور: ادارہ اشاعت قرآن و تاریخ اسلام، ۱۹۹۳۔

۵۷۶ص .

۷۲: تجلیات رسالت ﷺ / ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی۔ لاہور: مکتبہ زاویہ، ۱۹۹۹۔ ۲۹۸ ص .

۷۳: تجلیات سیرت ﷺ / حافظ محمد ثانی ۔ کراچی : فضلی سنز، ۱۹۹۶۔ ۴۵۱ص .

۷۴: تجلیات نبوت / صفی الرحمٰن مبارکپوری۔ لاہور: دار السلام، ۲۰۰۱۔ ۳۶۰ ص .

۷۵: تحریک ختم نبوت / شورش کاشمیری۔ لاہور: الفیصل ناشران، ۱۹۹۴۔ ۲۵۶ ص .

۷۶: تحفظ ناموس رسالت ﷺ اور گستاخ رسول ﷺ کی سزا/ ایچ ساجد اعوان ۔ ملتان: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ۱۹۹۶۔ ۸۹ ۷ص .

۷۷: تحقیقی اور ادبی جائزہ ، حافظ احمد رضا کا نعتیہ کلام/ شمس بریلوی ۔ کراچی : مدینہ پبلشنگ کمپنی، ت.ن . ۳۴۰ص .

۷۸: تذکرہ المصطفیٰ / محمد اسلم عمر ۔ کراچی: مطبوعہ ایجوکیشنل پریس، ۱۹۴۹۔ ۱۸۳ص.

۷۹: تسہیل نشر الطیب / اشرف علی تھانوی ۔ کراچی: مکتبہ النور، ۱۹۷۹۔ ۲۰۷ص .

۸۰: تصور دین اور حیات نبی ﷺ کا سیاسی پہلو/ محمد طاہر القادری۔ لاہور: منہاج القرآن، ۲۰۰۰۔ ۶۴ص.

۸۱: تعلیمات نبوی ﷺ اور جدید سائنس / حکیم محمد طارق محمود چغتائی۔ لاہور: علم و عرفان پبلشرز، ۲۰۰۱۔ ۶۳۱ص.

۸۲: تفہیم سیرت / محمد معین اختر: لاہور: دارالتذکیر، ۱۹۹۹۔ ۷۶ص.

۸۳: تلخیص سیرت النبی ﷺ/ شبلی نعمانی ۔ لاہور: مقبول اکیڈمی ، ت.ن.۴۴۸ص.

۸۴: تہذیب سیرت ابن ہشام / محمد مالک بن ہشام ، مترجمہ غلام احمد حریری۔ لاہور: مکتبہ القریش، ۱۹۹۱۔ ۴۰۸ص.

۸۵: ثنا خوان رسول ﷺ / نشاط احمد شاہ ساقی ۔ لاہور: عمیر پبلشرز، ۱۹۹۴۔ ۳۳۶ص.

۸۶: ثنا ئے رسول ﷺ نعتیہ دیوان/شکارپور: بزم گلشن لطیف اکیڈمی ، ۱۹۹۲۔ ۴۸ص.

۸۷: جان جہاں نعتیہ مجموعہ / ساجد علوی ۔ اسلام آباد: بزم علم وفن پاکستان ، ۲۰۰۳۔ ۱۲۰ص.

۸۸: جمال مصطفیٰ ﷺ/ محمد صادق سیالکوٹی۔ سیالکوٹ: دائرہ التبلیغ، ت.ن. ۵۴۴ ص.

۸۹: جنگ خندق / صادق حسین صدیقی سردھنوی۔ لاہور: مکتبہ القریش، ۱۹۸۸۔ ۳۱۶ ص.

۹۰: جواہر البحر فی فضائل النبیؐ المختار/ لاہور: مکتبہ حمدیہ ، ۱۹۷۵۔ ۲ جلدیں

۹۱: چہرہ نبوتؐ قرآن کے آئینے میں / محمد حنیف ندوی۔ لاہور: علم و عرفان پبلشرز، ۱۹۹۹۔ ۳۲۶ص.

۹۲: حبیب خدا ﷺ/ اشرف علی تھانوی ۔ لاہور: عرفان پبلشرز، ت.ن. ۲۷۴ص.

۹۳: حرف حرف روشنی/ قمر صدیقی۔ راولپنڈی: مطبوعات حرمت، ۱۹۸۲۔ ۱۱۱ص.

۹۴: حسان بن ثابتؓ سے حفیظ تائب تک / سید امتیاز احمد ۔ لاہور: نستعلیق مطبوعات، ۲۰۰۶۔ ۱۸۶ص.

۹۵: حضرت محمد ﷺ حیات و خدمات/ موسیٰ خان جلال زئی ۔ لاہور: بک بز، ۲۰۰۳۔ ۴۹۶ص.

۹۶: حضرت محمد ﷺ ولادت سے نزول وحی تک/ علی اصغر چوہدری۔ لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۸۴۔ ۲۵۲ص .

۹۷: حضرت محمد ﷺ کی عظیم شخصیت/ اختر محمود اختر۔ کراچی : اختر محمود اختر، ت.ن. ۵۲۲ص.

۹۸: حضور ﷺ بحیثیت سپہ سالار/ محمد فتح اللہ گلن، مترجمہ پروفیسر خالد ندیم ۔ لاہور: بیت الحکمت، ۲۰۰۶۔ ۱۶۰ص.

۹۹: حضور اکرم ﷺ اور ہجرت/ اسد گیلانی۔ لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۸۱۔ ۲۱۶ص.

۱۰۰: حضور ﷺ بحیثیت وزیراعظم کائنات/ فضل احمد حبیبی ۔ لاہور: علم و عرفان پبلشرز، ۲۰۰۳۔ ۴۰۵ ص.

۱۰۱: حضور پاک ﷺ کا جلال و جمال / امیر افضل خان۔ پشاور: امیر افضل خان، ۱۹۹۳۔ ۵۵۱ص.

۱۰۲: حضور ﷺ کا بچپن / شہناز کوثر۔ لاہور : مقبول اکیڈمی، ت.ن. ۳۵۲ص.

۱۰۳: حیات رسول ﷺ سوال و جواب/ علی اصغر۔ لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۸۶۔ ۲۵۵ص.

۱۰۴: حیات رسول ﷺ کے دس دن / خالد محمد خالد۔ لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت، ت.ن. ۲۵۱ص.

۱۰۵: حیات سرور کائنات محمد ﷺ / مارٹن لنگس ۔ لاہور: الفیصل ناشران، ۱۹۹۴۔ ۷۵۸ص.

۱۰۶: حیات طیبہ/ محمد عبد الحی ۔ لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۹۳۔ ۲۷۲ص.

۱۰۷: حیات طیبہ رسول عربی ﷺ/ حسن جان۔ ایبٹ آباد: حسن جان، ۱۹۹۸۔ ۸۶ص/

۱۰۸: حیات محمد ﷺ/ محمد حسین ہیکل ، مترجمہ یحییٰ امام خان۔ لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۸۷۔ ۷۴۴ص.

۱۰۹: حیات مقدسہ / آغا سید واصف حسین نقوی ۔ جہلم: مکتبہ السادات، ۱۹۸۴ء۔ ۴۵۴ص۔
۱۱۰: خاتم النبین ﷺ / مصباح الدین ۔ راولپنڈی : مصباح الدین ، ت۔ن۔ ۶۷۲ص۔
۱۱۱: ختم الرسل ﷺ / ابو ناصر نبی احمد خان لودھی۔ راولپنڈی : فانوس پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء۔ ۲۷۸ص۔
۱۱۲: ختم نبوت / مفتی محمد شفیع۔ کراچی : ادارہ المعارف، ۱۹۸۴ء۔ ۴۰۶ص۔
۱۱۳: ختم نبوت نمبر کامل / حبیب الرحمٰن قاسمی۔ لاہور: مکتبہ مدینہ، ت۔ن۔ ۳۴۴ص۔
۱۱۴: الخصائص الکبریٰ / علامہ جلال الدین سیوطی ۔ کراچی : مدینہ پبلشنگ کمپنی، ۱۹۷۸ء۔ ۲ جلدیں۔
۱۱۵: خطبات بہاولپور / حمید اللہ۔ اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی ، ۱۹۸۵ء۔ ۴۷۶ص۔
۱۱۶: خطبات رسول ﷺ / امتیاز سعید۔ راولپنڈی : مطبوعات حرمت، ۱۹۸۱ء۔ ۱۲۸ص۔
۱۱۷: خطبات رسول ﷺ / میاں محمد صدیقی۔ لاہور: اسلامک بک فاؤنڈیشن ، ۱۹۸۷ء۔ ۲۰۸ص۔
۱۱۸: خطبات سیرت النبی ﷺ / سرسید احمد ۔ لاہور: دوست ایسوسی ایٹس ، ۱۹۹۷ء۔ ۴۴۸ص۔
۱۱۹: خطبات محمدی / محمد صاحب محدث ۔ دہلی : الدار السّلفیہ ، ت۔ن۔ ۹۰۴ص۔
۱۲۰: خطبات مدراس سیرت نبوی ﷺ کے مختلف پہلوؤں پر آٹھ خطبے / سید سلیمان ندوی۔ لاہور: مکتبہ العلم، ۱۹۸۴ء۔ ۱۹۴ص۔
۱۲۱: خطبہ حج الوداع / نثار احمد۔ لاہور: بیت الحکمت، ۲۰۰۵ء۔ ۲۵۵ص۔
۱۲۲: خلق عظیم / خالد علوی۔ اسلام آباد: دعوۃ اکیڈمی، ۱۹۹۲ء۔ ۱۰۹ص۔
۱۲۳: خلق عظیم / میر ولی اللہ۔ ایبٹ آباد: بادہ ناب، ۱۹۹۹ء۔ ۱۸۳ص۔
۱۲۴: داعی اعظم / محمد یوسف اصلاحی۔ لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۸۵ء۔ ۱۸۹ص۔
۱۲۵: داعی اعظم ؐ کی حیات طیبہ / ابو سلیم محمد عبد الحئی ۔ لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء۔ ۲۷۲ص۔
۱۲۶: دروس سیرت / محمد رضی اللہ الاسلام ندوی۔ کراچی: نشریات اسلام، ۲۰۰۷ء۔ ۶۵۲ص۔
۱۲۷: در یتیم / ماہر القادری۔ لاہور: گوشہ ادب، ۱۹۸۳ء۔ ۴۰۰ص۔
۱۲۸: دلائل النبوۃ / ابو نعیم احمد بن عبد اللہ، مترجمہ محمد طیب ۔ لاہور: ضیاء القرآن، ۱۹۹۶ء۔ ۵۶۷ص/
۱۲۹: دور نبوی ﷺ کا نظام حکومت / محمد عبد الحئی کتانی۔ کراچی : ادارہ القرآن و العلوم اسلامیہ، ۱۹۹۱ء۔ ۳۸۳ص۔

۱۳۰: ذکر رسول ﷺ / شاہ محمد صدیقی۔ کراچی: المرکز الاسلامی، ۱۹۷۱۔ ۸۸ص۔

۱۳۱: ذکر رسول ﷺ / کوثر نیازی۔ لاہور: جنگ پبلشرز، ۱۹۸۹۔ ۱۳۳ص۔

۱۳۲: ذکر محمد ﷺ آسمانی صحیفوں میں / محمد یحیی خان ۔ لاہور : نگارشات پبلشرز، ۲۰۰۸ ۔ ۳۲۴ص۔

۱۳۳: ذکر طاعت و شان رسول ﷺ / محمد برکت علی ۔ فیصل آباد :النجاف الصحاف المقبول المصطفیین ، ۱۴۲۰ھ ۔ ۶۲۸ص

۱۳۴: رحمت عالم ﷺ / سید سلیمان ندوی ۔ کراچی :مجلس نشریات اسلام، ۱۹۹۳ ۔۱۵۰ص

۱۳۵: رحمت عالم ﷺ /خورشید عبدالحفیظ ۔کراچی :عزیز پبلی کیشنز ،۱۹۹۸ ۔۱۲۰ص ۔

۱۳۶: رحمۃ للعالمین ﷺ/ قاضی محمد سلیمان منصورپوری ۔ لاہور:پروگریسو بکس ،۱۹۹۴ ۔ ۹۱۹ص ۔

۱۳۷: الرحیق المختوم / مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری ۔لاہور :المکتبۃ السلفیہ ،۱۹۹۵ ۔۶۵۶ص ۔

۱۳۸: رسالت محمدی ﷺ/ سید سلیمان ندوی۔ اسلام آباد : اکادیمی دعوت ، ۱۹۹۷ ۔۳۸۰ ص۔

۱۳۹: رسول اکرم ﷺ اور یہود حجاز /مشیر الحق ۔لاہور : مکتبہ عالیہ ، ۱۹۹۸ ۔۲۰۷ص ۔

۱۴۰: رسول اکرم ﷺ / محمد شفیع ۔ کراچی: ادارہ المعارف،۱۹۸۲۔ ۶۱ص۔

۱۴۱: رسول اکرم ﷺ اور رواداری / حافظ محمد ثانی ۔ کراچی : فضلی سنز، ۱۹۹۸۔ ۳۵۶ص۔

۱۴۲: رسول اکرم ﷺ بحیثیت سپہ سالار/ عبد الرحمٰن کیلانی ۔ لاہور: مکتبہ السلام، ت.ن. ۳۳۶ص۔

۱۴۳: رسول اکرم ﷺ کا پیغام/ سید اسد گیلانی۔ لاہور: فیروز سنز، ۱۹۹۲۔ ۴۸۷ص۔

۱۴۴: رسول اکرم ﷺ کا نظام جاسوسی/ محمد صدیق قریشی ۔ لاہور: شیخ غلام علی ، ۱۹۹۰۔ ۲۴۶ص۔

۱۴۵: رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات و معمولات/ محمد کلیم آرائیں۔ لاہور: سنگ میل ، ۱۹۹۴۔ ۴۴۷ص۔

۱۴۶: رسول اکرم ﷺ کی حکمت انقلاب/ اسد گیلانی ۔ لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۸۱۔ ۶۷۴ص۔

۱۴۷: رسول اکرم ﷺ کی سیاست خارجہ / محمد صدیق قریشی۔ لاہور: شیخ غلام علی ، ۱۹۸۷۔ ۴۵۲ص۔

۱۴۸: رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی / حمید اللہ ۔ کراچی : دار الاشاعت، ۱۹۸۰۔ ۳۶۸ص۔

۱۴۹: رسول اکرم ﷺ کی وصیتیں/ محمد صدیق ہزاروی ۔ لاہور: پروگریسو بکس، ۱۹۹۶۔ ۶۳ص۔

۱۵۰: رسول اللہ ﷺ کے آنسو اور مسکراہٹیں / محمد رفیق ۔ لاہور: مکتبہ قرآنیات، ۲۰۰۶۔ ۲۰۸ص۔

۱۵۱: رسول اللہ ﷺ کی حکمرانی و جانشینی / حمید اللہ ، مترجمہ خالد پرویز۔ لاہور: بیکن ہاؤس،

۲۰۰۶ء۔ ۲۰۰ص۔

۱۵۲: رسول اللہ ﷺ کے دن اور رات/ شیخ ابو بکر احمد بن محمد، مترجمہ محمد فاروق ۔۔ لاہور: بیت العلوم، ت.ن.۳۷۴ص۔

۱۵۳: رسول اللہ ﷺ میدان جہاد میں/ احسان بی اے ۔۔ لاہور: برادرز پبلشرز، ۱۹۹۳ء۔ ۲۵۸ص۔

۱۵۴: رسول اللہ ﷺ و خاتم النبیین / مصباح الدین ۔۔ راولپنڈی: مصباح الدین، ت.ن.۶۷۲ص۔

۱۵۵: رسول حکمت ﷺ / مسعود احمد شاہ۔۔ لاہور: نگارشات، ۱۹۹۲ء۔ ۱۹۲ص۔

۱۵۶: رسول خاتم ﷺ/ محمد جمیل احمد ۔۔ لاہور: نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۸ء۔ ۱۸۴ص۔

۱۵۷: رسول خدا ﷺ کا طریق تربیت/ سراج الدین ندوی ۔۔ لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء۔ ۱۲۰ص۔

۱۵۸: رسول رحمت ﷺ / ابو الکلام آزاد۔۔ لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ت.ن. ۷۹۹ص۔

۱۵۹: رسول رحمت ﷺ / سلام الدین آزاد۔۔ لاہور: کلاسک بکس، ۲۰۰۰ء۔ ۶۹۴ص۔

۱۶۰: رسول رحمت ﷺ/ ریاض احمد سید۔۔ اسلام آباد: انسٹیوٹ آف سیرت اسٹیڈیز، ۱۹۸۵ء۔ ۲۴۰ص۔

۱۶۱: رسول رحمت ﷺ تلواروں کے سائے میں / محمد ادریس۔۔ لاہور: حرا پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء۔ ۳۵۹ص۔

۱۶۲: رسول صادق ﷺ/ عنایت اللہ مشرقی۔۔ لاہور: جنگ پبلشرز، ۱۹۹۲ء۔ ۹۸ص۔

۱۶۳: رسول عربی ﷺ / عمر ابو النصر۔۔ لاہور: مقبول اکیڈمی، ت.ن. ۱۸۱ص ۔

۱۶۴: رسول عربی ﷺ/ جی ایس دارا۔۔ لاہور: اپنا ادارہ، ت.ن.۱۸۴ص۔

۱۶۵: رسول کامل ﷺ / اسرار احمد۔۔ لاہور: انجمن خدام القرآن، ۱۹۸۹ء۔ ۸۸ص۔

۱۶۶: رسول کریم ﷺ / مائل خیر آبادی ۔۔ لاہور: مکتبہ اردو ادب، ت.ن.۲۴۲ص۔

۱۶۷: رسول کریم ﷺ فی قرآن عظیم / پیرزادہ شمس الدین۔۔ لاہور: الفیصل ناشران، ۱۹۹۴ء۔ ۱۶۰ص۔

۱۶۸: رسول کریم ﷺ کی ۵۵ وصیتیں/ حجاج حمزہ محمد صالح ۔۔ لاہور: فرنٹیئر پبلشنگ کمپنی، ت.ن. ۵۶ص۔

۱۶۹: رسول کریم ﷺ کی جنگی اسکیم/ عبد الباری۔۔ لاہور: الفیصل ناشران، ت.ن. ۲۱۶ص۔

۱۷۰: رسول مبین ﷺ / محمد احسان الحق سلیمانی ۔ لاہور: مقبول اکیڈمی، ۱۹۹۳ء۔ ۶۷۹ص.
۱۷۱: رسول ﷺ میدان جنگ میں / سید واجد رضوی۔ لاہور: مقبول اکیڈمی، ت۔ن۔ ۳۱۲ص.
۱۷۲: الرشید نعت نمبر / عبد الرشید ارشد ۔ لاہور: مکتبہ رشیدیہ، ۱۹۹۰ء۔ ۲ جلدیں.
۱۷۳: روح ایمان / محمود احمد رضوی۔ لاہور: مکتبہ رضوان، ۱۹۸۶ء۔ ۱۷۶ص.
۱۷۴: روشنی/ محمود احمد رضوی ۔ لاہور: شعبہ تبلیغ دار العلوم حزب الاحناف ، ۱۹۸۵ء۔ ۳۰۴ص.
۱۷۵: رؤف الرحیم / مقبول انور داؤدی ۔ لاہور: فیروز سنز، ۱۹۸۴ء۔ ۵۲ص.
۱۷۶: رہبر زندگی معہ طب نبوی ﷺ / سعید الحسن شاہ۔ فیصل آباد: الشفاء، ۱۹۹۴ء۔ ۲۷۲ص.
۱۷۷: رہبر کامل ﷺ / عبد الاحد ۔ نئی دہلی : ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس ، ۱۹۹۰ء۔ ۱۸۴ص.
۱۷۸: زاد المعاد/ حافظ ابن قیم ، مترجمہ رئیس احمد جعفری۔ کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۶۳ء۔ ۴ جلدیں.
۱۷۹: زاد راہ نذرانہ صلوۃ و سلام/ حامد بلگرامی ۔ حامد بلگرامی، ۱۹۸۶ء۔ ۱۶۰ص.
۱۸۰: زبور نعت/ ابو امتیاز س مسلم ۔ لاہور: مقبول اکیڈمی، ۲۰۰۸ء۔ ۲۳۷ص.
۱۸۱: زخمہ دل / سروسہارنپوری۔ لاہور: القمر انٹر پرائزز، ۱۹۹۵ء۔ ۱۳۲ص.
۱۸۲: زیارت نبی ﷺ بحالت بیداری / محمد عبد المجید صدیقی۔ لاہور: فیروز سنز، ۱۹۹۲ء۔ ۱۵۹ص.
۱۸۳: ساز حجاز نعتیں اور نظمیں / سیماب اکبر آبادی ۔ کراچی : سیماب اکیڈمی، ۱۹۸۶ء۔ ۱۹۲ص.
۱۸۴: سراجاً منیرا/ شاہدہ ناز قاضی ۔ لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء۔ ۲۸۸ص.
۱۸۵: سراج منیر/ بنت الاسلام ۔ لاہور: ادارہ بتول، ۱۹۹۶ء۔ ۲۰۸ص.
۱۸۶: سراج منیر ﷺ سیرت نبی قرآن کی روشنی میں / مظہر اقبال نظامی ۔ لاہور: ضیاء ادب، ۲۰۰۷ء۔ ۳۳۵ص.
۱۸۷: سرکار مدینہ / لاہور: تاج کمپنی، ت۔ن۔ ۱۲۰ص.
۱۸۸: سرور القلوب بذکر المحبوب/ نقی علی خان بریلوی۔ لاہور: شبیر برادرز، ۱۹۸۵ء۔ ۳۶۸ص.
۱۸۹: سرور عالم ﷺ کاشانہ مبارک میں/ علی اصغر ۔ لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۸۸ء۔ ۲۴۰ص.
۱۹۰: سرور عالم ﷺ کی چند انقلاب آفرین راتیں/ محمد کلیم آرائیں۔ لاہور: حرا پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء۔ ۲۷۲ص.
۱۹۱: سرور عالم ﷺ کے سفر مبارک / محمد کلیم آرائیں۔ لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۹۵ء۔ ۴۰۸ص.
۱۹۲: سرور کونین ﷺ کی مہک بلوچستان میں / انعام الحق کوثر۔ کوئٹہ : سیرت اکادمی بلوچستان،

۱۹۹۷ء۔ ۴۵۸ص۔

۱۹۳: سلطان ما محمد ﷺ مقالات سیرت/ عبد الماجد دریا آبادی۔ لاہور: مکہ بکس، ت.ن.۱۹۲ص۔

۱۹۴: سنت کی آئینی حیثیت/ ابو الاعلیٰ مودودی ۔ لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء۔ ۳۶۵ص۔

۱۹۵: سنت نبوی ﷺ اور جدید سائنس/ حکیم محمد طارق محمود چغتائی۔ بہاولپور: دار المطالعہ ، ت.ن. ۴۶۴ص۔

۱۹۶: سنت نبوی ﷺ پر عمل واجب اور اس کا انکار کفر ہے / عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز۔۔ ریاض: ادارہ البحوث الاسلامیہ و الافتاء ، ۱۹۹۵ء۔ ۳۹ص۔

۱۹۷: سومولو رسول ﷺ/ اکبر حسین اکبر۔ اسلام آباد: ماڈرن بک ڈپو، ۱۹۸۵ء۔ ۲۲۴ص۔

۱۹۸: سیارہ ڈائجسٹ عکس سیرت رسول نمبر ﷺ/ لاہور: سیارہ ڈائجسٹ، ۱۹۹۳ء۔ ۴۹۲ص۔

۱۹۹: سید المرسلین ﷺ / شاہ ولی اللہ ۔ لاہور: شبیر اکیڈمی، ۱۹۶۶ء۔ ۹۶ص۔

۲۰۰: سید انسانیت ﷺ / نعیم صدیقی۔ لاہور: ادارہ معارف اسلامی ، ۱۹۸۲ء۔ ۲۲۳ص۔

۲۰۱: سیدنا ﷺ / سلیم گیلانی۔ لاہور: علم و عرفان پبلشرز، ۲۰۰۳ء۔ ۲۸۴ص۔

۲۰۲: سیرت ابن اسحاق / محمد بن اسحاق ۔ لاہور: مقبول اکیڈمی ، ۱۹۹۲ء۔ ۵۲۶ص ۔

۲۰۳: سیرت احمد مجتبیٰ ﷺ غزوہ تبوک سے سفر آخرت تک / مصباح الدین شاہ شکیل۔ کراچی : پی ایس او، ۱۹۹۱ء۔ ۸۰ص۔

۲۰۴: سیرت المصطفیٰ ﷺ / محمد ابراہیم میر سیالکوٹی ۔ لاہور: نعمانی کتب خانہ، ت.ن. ۵۵۱ص۔

۲۰۵: سیرت المصطفیٰ ﷺ / محمد ادریس کاندھلوی۔ لاہور: مکہ پبلشنگ کمپنی، ت.ن. ۲ جلدیں

۲۰۶: سیرت النبی ﷺ / عبد الجلیل صدیقی۔ لاہور: شیخ غلام علی ، ت.ن. ۲ جلدیں

۲۰۷: سیرت النبی ﷺ / شبلی نعمانی ۔ لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۹۱ء۔ ۷ جلدیں ۔

۲۰۸: سیرت النبی ﷺ / مصطفیٰ السباعی ۔ قطر: الاتحاد الاسلامی العالمی ، ۱۹۹۷ء۔ ۲۱۵ص۔

۲۰۹: سیرت النبی ﷺ انجیل مقدس کی روشنی میں / طالب حسین کریالوی ۔ لاہور: اسلامیہ دار التبلیغ، ۱۹۹۱ء۔ ۱۰جلدیں ۔

۲۱۰: سیرت النبی ﷺ بعد از وصال النبی / محمد عبد المجید صدیقی۔ لاہور: فیروز سنز، ۱۹۹۲ء۔ ۴۰۰ص۔

۲۱۱: سیرت پاک ﷺ / محمد اسلم قاسمی ۔ لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۸۲ء۔ ۶۲۴ص۔

۲۱۲: سیرت پاک رسول ﷺ / قاضی سعید اللہ ۔ اسلام آباد: دعوۃ اکیڈمی ، ت.ن. ۱۶۶ص۔

۲۱۳: سیرت پاک سرکار ﷺ اور خلفائے راشدین کی پاک زندگی کے حالات/ فیاض محمد خان افغانی ۔۔ لاہور: سیٹھ آدم جی عبد اللہ، ت.ن. ۱۸۴ص۔

۲۱۴: سیرت پاک ﷺ کی خوشبو/ انعام الحق کوثر۔ کوئٹہ: سیرت اکاڈمی بلوچستان، ۱۹۹۳۔ ۱۷۶ص.

۲۱۵: سیرت خاتم الانبیاء ﷺ / مفتی محمد شفیع۔ کراچی : دار الاشاعت، ۱۹۷۳۔ ۱۶۰ص.

۲۱۶: سیرت خاتم النبیین ﷺ / صدر الدین رفاعی۔ راولپنڈی : مدنی پبلی کیشنز، ۱۹۹۴۔ ۴۰۰ص.

۲۱۷: سیرت خاتم النبیین ﷺ / ماجد علی خان ۔۔ دہلی : اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن، ۱۹۹۸۔ ۵۶۰ص.

۲۱۸: سیرت رحمۃ اللعالمین ﷺ / محمد اختر حسین بن فضل کریم ۔۔ لاہور: درسی بک ڈپو، ت.ن. ۲۸۶ص.

۲۱۹: سیرت رسول ﷺ / اسلم جیراجپوری۔ لاہور: مکتبہ اردو ادب، ت.ن. ۱۱۹ص.

۲۲۰: سیرت رسول ﷺ / محمد شفیع۔ لاہور: ادارہ اسلامیات، ۱۴۰۴ھ۔ ۶۳۲ص.

۲۲۱: سیرت رسول اکرم ﷺ / اشرف علی تھانوی ۔۔ لاہور: نذیر سنز، ۱۹۸۸۔ ۱۷۶ص.

۲۲۲ سیرت رسول ﷺ اور ملت اسلامیہ کے موجودہ مسائل / حافظ محمد سلیم ۔۔ لاہور: کاروان ادب، ۱۹۸۹، ۳۰۴ص.

۲۲۳: سیرت رسول عربی ﷺ / نور بخش توکلی ۔۔ لاہور: علی کامران پبلشرز، ۱۹۸۸۔ ۵۴۴ص.

۲۲۴: سیرت رسول ﷺ کا حسین وجمیل مرقع / ساجد الرحمٰن ۔۔ لاہور: اسلامک فاؤنڈیشن، ۱۹۸۴۔ ۱۵۲ص.

۲۲۵: سیرت سرور دو عالم ﷺ / مولانا سید ابو الاعلی مودودی۔ لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۸۳۔ ۲ جلدیں.

۲۲۶: سیرت سید المرسلین ﷺ / خورشید عالم گوہر قلم ۔۔ لاہور: سنگ میل، ۲۰۰۳۔ ۱۷ص.

۲۲۷: سیرت طیبہ ﷺ/ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی ۔۔ اسلام آباد. علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۱۹۸۶۔ ۲۲۷ص.

۲۲۸: سیرت طیبہ ﷺ / از شبلی نعمانی ۔ لاہور: یونیورسل بکس، ۱۹۸۲۔ ۱۴۴ص.

۲۲۹: سیرت طیبہ ﷺ / از غلام ربانی۔ لاہور: تعمیر انسانیت، ۱۹۹۰۔ ۲ جلدیں.

۲۳۰: سیرت طیبہ تاجدار رحمت ﷺ / از خورشید عالم گوہر قلم۔ لاہور: ریاض برادرز، ۱۹۹۶۔ ۲۵۷ص

۲۳۱: سیرت طیبہ سے رہنمائی اکیسویں صدی میں ﷺ / از پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر۔ کوئٹہ: سیرت اکادمی بلوچستان، ۲۰۰۱۔۱۶۵ص

۲۳۲: سیرت قرآنیہ سیدنا رسول عربی ﷺ/ از محمد اجمل خان۔ لاہور: الفیصل ناشران کتب، ۱۹۹۵۔۶۹۱ص.

۲۳۳: سیرت مجمع کمالات ﷺ / از پروفیسر محمد عبدالجبار شیخ۔ سیالکوٹ: ادارہ تعلیمات سیرت، ۱۹۸۸۔۳۸۰ص.

۲۳۴: سیرت محمد رسول اللہ ﷺ / از محمد فاروق کمال۔ لاہور: ڈیفینڈر آف اسلام ٹرسٹ، ت۔ن۔۶۷ص.

۲۳۵: سیرت محمدی ﷺ / سرسید احمد خان۔لاہور: مقبول اکیڈمی، ۱۹۹۲۔۵۱۵ص.

۲۳۶: سیرت نبوی ﷺ پر ایک محققانہ نظر جلد اول / از خلیفہ محمد سعید۔ سیالکوٹ: دارالتصنیف والنشر، ت۔ن۔۴۵۲ص.

۲۳۷: سیرت نبوی ﷺ پر ایک محققانہ نظر / از محمد سعید۔ سیالکوٹ: دارالتصنیف والنشر، ت۔ن۔۲ جلدیں.

۲۳۸: سیرت نبوی رسول کریم ﷺ / حفظ الرحمن سیوھاروی۔ کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۶۔۲۹۲ص.

۲۳۹: سیرت نبوی ﷺ قرآنی: خطبات ماجدی / از عبدالماجد دریاآبادی۔ کراچی: مجلس نشریات اسلام، ۱۹۹۰۔۲۴۰ص.

۲۴۰: سیرت نبوی ﷺ کے منہاج / از پروفیسر سمیع اللہ قریشی۔ لاہور: سنگ میل، ۱۹۹۵۔۲۰۷ص.

۲۴۱: سیرت نبوی ﷺ اور افادات مہریہ / از حضرت پیر مہر علیشاہ۔ گولڑہ شریف: پیر غلام معین الدین شاہ، ۱۹۹۷۔۸۱ص.

۲۴۲: سیرت ہادی برحق ﷺ / گوہر ملیسانی۔لاہور: علم و عرفان پبلشرز، ۲۰۰۵۔۵۹۲ص.

۲۴۳: شاعر نعت راجہ رشیدمحمود / از ڈاکٹر سید محمد سلطان شاہ۔ لاہور: الجلیل پبلشرز، ۲۰۰۴۔۵۳۶ص.

۲۴۴: شان حبیب الرحمن من آیات القرآن/احمد یار خان۔ مکتبہ اسلامیہ، ت۔ن۔۲۵۶ص.

۲۴۵: شان دو کریم حمد و نعت / از جسٹس محمد الیاس۔ راولپنڈی: فیروز سنز، ۱۹۹۳۔۳۹۵ص.

۲۴۶: شان محمد ﷺ /از میاں عابد احمد۔ لاہور: ادارہ ادب و ثقافت، ۱۹۸۸۔۵۳۶ص

۲۴۷: شاہ حبیب الرحمن من آیات القرآن / احمد یار خان۔ لاہور: ضیاء القرآن، ت۔ن۔۳۳۶ص.

۲۴۸: ششماہی السیرۃ عالمی شمارہ نمبر (جون ۱۹۹۹ء تا اکتوبر ۲۰۰۳ء) / از فضل الرحمن۔ لاہور: زوار اکیڈمی، ۲۰۰۳ء۔ ۱۰ جلدیں۔

۲۴۹: شمائل رسول ﷺ / از شیخ یوسف بن اسماعیل، مترجم: محمد میاں صدیقی۔ لاہور: تصوف فونڈیشن، ۱۹۹۸۔ ۱۶۰ص۔

۲۵۰: شمائل ترمذی / از محمد صدیق ہزاروی۔ لاہور: پروگریسو بکس، ۱۹۹۸۔ ۲۲۱ص۔

۲۵۱: شمائل ترمذی مع خصائص نبوی ﷺ / از مولانا محمد زکریا۔ لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ت۔ن۔ ۳۶۲ص۔

۲۵۲: شواہد النبوت / مولانا عبدالرحمن جامی، مترجم: محمد شریف عارف۔ لاہور: شمع بک ایجنسی، ۱۹۹۹۔ ۵۹۲ص۔

۲۵۳: صدقے جاواں محمد ﷺ دی شان اتوں / از ہاجرہ مشکور ناصری۔ لاہور: نذیر سنز پبلشرز، ۱۹۹۹۔ ۱۲۰ص۔

۲۵۴: صلی اللہ علیہ وسلم / راز کاشمیری۔ لاہور: سیرت مشن پاکستان، ۱۴۰۰۔ ۲۰۸ص۔

۲۵۵: صلوٰۃ و سلام (حصہ اول) / از سید محمد ہاشم فاضل شمسی۔ کراچی: ورلڈ فیڈریشن آف اسلامک سنٹر (اسلامک سنٹر)، ۱۹۸۲۔ ۱۳۶ص۔

۲۵۶: ضیاء النبی ﷺ ۳ جلدیں / پیر محمد کرم شاہ الازہری۔ لاہور: ضیاء القرآن، ۱۴۱۵۔ ۳ جلدیں۔

۲۵۷: طبقات ابن سعد / از علامہ محمد بن سعد۔ کراچی: نفیس اکیڈمی، ت۔ن۔ ۷ جلدیں۔

۲۵۸: طلع البدر / از پیر محمد ظہور علی شاہ۔ تحریک اخوت اسلامیہ، ت۔ن۔ ۱۴۰ص۔

۲۵۹: عالمگیر نبوت (حصہ اول) / از سید محمد ھاشم فاضل شمسی۔ کراچی: ورلڈ فیڈریشن آف اسلامک مشنز (اسلامک سنٹر)، ۱۹۸۳۔ ۱۲۰ص

۲۶۰: عدالت نبوی ﷺ کے فیصلے / از عبداللہ قرطبی۔ لاہور: ادبستان، ۱۹۸۲۔ ۳۲۰ص۔

۲۶۱: عرب کا چاند / سوامی لکشمن پرشاد۔ لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت، ت۔ن۔ ۴۱۴ص۔

۲۶۲: عشق رسول ﷺ استحکام ایمان کا واحد ذریعہ / محمد طاہر قادری۔ لاہور: منہاج القرآن، ۲۰۰۴۔ ۱۵۰ص۔

۲۶۳: علوم مصطفےٰ ﷺ / احمد رضا خان بریلوی۔ لاہور: نذیر سنز پبلشرز، ۱۹۹۵۔ ۳۷۶ص۔

۲۶۴: عہد رسالت ﷺ میں اقامت دین اور اس کا طریق کار / از مولانا محمد احمد انصاری۔ لاہور:

مکتبہ دینیات، ت۔ن۔۴۶ص۔

۲۶۵: عہد ساز نعتیں / از ثناء اللہ شاہ۔ لاہور: عمیر پبلشرز، ۱۹۹۷۔۱۶۸ص۔

۲۶۶: عہد نبوی کا ﷺ تعلیمی نظام / محمد یاسین شیخ۔ کراچی: غضنفر اکیڈمی، ۱۹۹۵۔۲۴۷ص۔

عہد نبوی ﷺ کا نظام حکومت / یٰسین مظہر صدیقی۔ لاہور: الفیصل ناشران کتب، ۱۹۹۵۔۱۳۶ص۔

۲۶۷: عہد نبوی ﷺ کے غزوات و سرایا / از ڈاکٹر رؤفہ اقبال۔ لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ت۔ن۔۲۴۷ص۔

۲۶۸: عہد نبوی ﷺ کے فوجی کمانڈر / از راجہ محمد شریف۔ جوہر آباد: زاہد اکیڈمی، ۱۹۷۷۔۵۶۸ص۔

۲۶۹: عہد نبوی ﷺ کے میدان جنگ / از پروفیسر محمد حمید اللہ۔ لاہور: ملت پبلی کیشنز، ۱۹۸۔۱۸۰ص۔

۲۷۰: عہد نبوی ﷺ میں اسلامی ریاست کا داخلی نظم ونسق / از شاہ معین الدین ہاشمی۔ اسلام آباد: شعبہ علوم اسلامیہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ت۔ن۔۱۸۴ص۔

۲۷۱: عہد نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی / از ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۴۴۔۲۹۸+۵۳ص۔

۲۷۲: غریبوں کے والی ﷺ / حافظ محمد سعد اللہ۔ لاہور: دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، ۱۹۹۴۔۴۴۹ص۔

۲۷۳: غزوات النبی ﷺ / از صادق حسین قریشی۔ لاہور: مکتبہ القریش، ۱۹۹۳۔۲۵۶ص۔

۲۷۴: غزوات رسول اللہ ﷺ حصہ اول۔دوم / از بریگیڈئر گلزار احمد۔ لاہور: ضیاء القرآن، ۱۹۸۶۔۴۲۵ص۔

۲۷۵: فضائل میلاد مصطفےٰ ﷺ کامل / از محمد زمان۔ جہلم: دارالعلوم جلالیہ نقشبندیہ، ۱۹۸۲۔۶۰۸ص۔

۲۷۶: فہرست قومی نمائش کتب سیرت ﷺ ۱۹۸۴/از ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔ ۱۹۸۴۔۲۷۳ص۔

۲۷۷: فیضان کرم / از عابد نظامی۔ لاہور: ضیاء القرآن، ت۔ن۔۱۲۰ص۔

۲۷۸: کاروان مدینہ / از سید ابوالحسن علی ندوی۔ کراچی: مجلس نشریات اسلام، ۱۹۸۳۔۲۲۳ص۔

۲۷۹: کتاب الشفاء حقوق مصطفےٰ / از قاضی عیاض اندلسی۔ لاہور: مکتبہ نبویہ، ۱۹۸۵۔۲ جلدیں۔

۲۸۰: کروں تیرے نام پہ جاں فدا / از ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی، مترجم: محمد ساجد الھاشمی۔ فیصل آباد: عالمی دعوت اسلامیہ، ۱۹۹۴۔۲۳۲ص۔

۲۸۱: کلام نبوی ﷺ کی کرنیں / عبدالمالک۔ لاہور: منشورات، ۱۹۹۸۔۹۸ص۔

۲۸۲: کلمات رب العالمین فی حقیقت سید المرسلین ﷺ (نعت رسولؐ بزبان خدا) / از ڈاکٹر محمد عطاء اللہ جلوی قادری۔ پشاور: از مصنف، ۱۹۹۱۔۱۴۴ص۔

۲۸۳: کلمات رب العالمین فی حقیقت سید المرسلین نعت رسول ﷺ بہزبان خرر / از محمد عطاء اللہ۔ پشاور: خیبر پرنٹرز، ۱۹۹۱۔۱۴۴ص۔

۲۸۴: گلہائے عقیدت بحضور نبی آخر الزمان ﷺ / از مشاہیر عالم ۔ لاہور: اسلامی مشن سنت نگر۔ ت۔ن۔۱۴۴ص۔

۲۸۵: ماہتاب عرب ﷺ / محمد عاشق الٰہی میرٹھی۔ ملتان: ادارہ تالیفات اشرفیہ، ۱۹۸۷۔۱۷۵ص۔

۲۸۶: محبوب خدا ﷺ / از چوہدری افضل حق۔ لاہور: الفیصل ناشران کتب، ۲۰۰۵۔۱۷۴ص۔

۲۸۷: محسن اعظم ﷺ اور محسنینؓ / از سید وحید الدین۔ لاہور: آتش فشاں پبلی کیشن، ۱۹۸۸۔۱۷۹ص۔

۲۸۸: محسن انسانیت ﷺ / از نعیم صدیقی۔ لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۸۵۔۶۴۰ص۔

۲۸۹: محمد رسول اللہ ﷺ / از توفیق الحکیم۔ لاہور: مکتبہ پاکستان، ۱۹۸۴۔۴۳۱ص۔

۲۹۰: محمد ﷺ / از عابد نظامی۔ لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۸۵۔۱۶۰ص۔

۲۹۱: محمد ﷺ اور قرآن / ڈاکٹر رفیق ذکریا۔ لاہور: فکشن ہاؤس، ۱۹۹۴۔۴۳۲ص۔

۲۹۲: محمد ﷺ بحیثیت عسکری قائد / از افضل الرحمٰن۔ لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۹۵۔۲۹۲ص۔

۲۹۳: محمد ﷺ: پیغمبر اسلام / از کرشنا راؤ کے ایس۔ کراچی: ادارہ معارف اسلامی، ۲۰۰۰۔۳۲ص۔

۲۹۴: محمد رسول ﷺ / از گیور گو، کونستن ویرژیل۔ لاہور: مکتبہ معین الادب، ت۔ن۔۳۶۴ص۔

۲۹۵: محمد رسول اللہ ﷺ غیر مسلموں کی نظر میں / م۔ن۔ لاہور: مکتبہ نذیریہ، ت۔ن۔۴۳۲ص۔

۲۹۶: محمد ﷺ سید لولاک / از آغا اشرف۔ لاہور: مکتبہ میری لائبریری، ۱۹۸۶۔۴۸۸ص۔

۲۹۷: محمد عربی ﷺ / از محمد عنایت اللہ سبحانی۔ لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۸۹۔۴۷۱ص۔

۲۹۸: محمد ﷺ کی سرکار میں ایک سکھ کی قلمی عقیدت / از سردار گوردت سنگھ۔ لاہور: مکتبہ تعمیر

انسانیت، ۱۹۸۶۔۱۰۴ص۔

۲۹۹: محمد ﷺ کے غیر مسلم مداح اور ثناء خواں / از عنصر صابری۔لاہور: دارالتذکیر، ۲۰۰۱۔۱۸۹ص۔

۳۰۰: محمد ﷺ ہندو کتابوں میں / از ابن اکبر الاعظمی۔ لاہور: دارالاندلس، ت۔ن۔۱۵۰ص۔

۳۰۱: مخزن انقلاب / از ڈاکٹر شمس الحق۔ لاہور: IN FOAXIX ، ۱۹۹۷۔۶۱۱ص۔

۳۰۲: مدنی معاشرہ عہد رسالت میں/اکرم ضیاء العمری، مترجمہ عذرا نسیم فاروقی۔اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۲۰۰۵ء۔۵۶۹ ص۔

۳۰۳: مدینے کی ہوا جمال احمد مرسل/ ڈاکٹر حسن رضوی۔لاہور: سنگ میل، ۲۰۰۰ء۔ ۱۷۴ ص۔

۳۰۴: مذاہب عالم میں تذکرہ خیرالانام ﷺ / سید آل احمد رضوی۔ اسلام آباد: ماڈرن بک ڈپو، ۱۹۹۱ء۔ ۲۲۴ ص۔

۳۰۵: مسجد نبویؐ / محمد معراج الاسلام۔ فیصل آباد: مکتبہ دربار شریف ، ت،ن ۔۲۸۰ ص۔

۳۰۶: مطالعہ سیرت، پیغمبر انقلاب اور قرآن حکیم/پرویز صلاح الدین کاشمیری۔ راولپنڈی: ظلال القرآن فونڈیشن، ۲۰۰۶ء۔ ۲ جلدیں۔

۳۰۷: مطالعہ نقوش سیرت/ محمد خالد اسمعیل۔ کراچی: طاہر سنز، ۲۰۰۰ء۔ ۴۳۹ ص۔

۳۰۸: معجزات خاتم المرسلینؐ / قمر یزدانی۔ لاہور: نذیر سنز،۱۹۸۸ء۔ ۱۴۴ ص۔

۳۰۹: معراج اور سائنس / آغا اشرف۔ لاہور: الفیصل ناشران کتب، ۱۹۹۰ء۔ ۳۶۲ ص۔

۳۱۰: معلم الاخلاق / عشرت رحمانی۔ لاہور: مقبول اکیڈمی، ت.ن۔ ۱۰۰ ص۔

۳۱۱: معمولات مصطفےٰ ﷺ / صوفی محمد اکرم مدنی۔ جہلم : بک کارنر، ت .ن، ۲۳۷ ص۔

۳۱۲: معمولات نبوی ﷺ / عبدالرحمٰن جامی۔ ملتان: ادارہ تالیفات اشرفیہ، ت .ن، ۱۹۴ ص۔

۳۱۳: مغازی رسول ﷺ/ علامہ واقدی۔ لاہور: ادبیات، ۱۹۸۸ء، ۳۵۸ ص۔

۳۱۴: مغازی رسول ﷺ / عروہ بن زبیر۔ لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۸۷ء، ۲۸۶ ص۔

۳۱۵: مقالات خواتین کے مختلف کردار تعلیمات نبوی کی روشنی میں/ گوہر ممتاز قاضی۔ کراچی: پرنٹ لنک، ۱۹۹۵ء، ۲۴۲ ص۔

۳۱۶: مقالات سیرت ۱۹۷۸ء/ اسلام آباد: وزارت مذہبی امور، ۱۹۷۸ء، ۱۸۹ ص۔

۳۱۷: مقالات سیرت پانچویں قومی سیرت کانفرنس/ اسلام آباد: وزارت مذہبی امور، ۱۹۸۱ء، ۱۷۶ ص۔

۳۱۸: مقالات سیرت چھٹی قومی سیرت کانفرنس/ اسلام آباد: وزارت مذہبی امور، ۱۹۸۲ء، ۱۴۰ ص۔

۳۱۹: مقالات سیرت ساتویں قومی سیرت کانفرنس ۱۹۸۳ء/ اسلام آباد: وزارت مذہبی امور، ۱۹۸۳ء، ۲ جلدیں.

۳۲۰: مقالات سیرت آٹھویں قومی سیرت کانفرنس/ اسلام آباد: وزارت مذہبی امور، ۱۹۸۳ء، ۲ جلدیں.

۳۲۱: مقالات سیرت حصہ اول آٹھویں سیرت کانفرنس ۱۹۸۳ء/ اسلام آباد: وزارت مذہبی امور، ۱۹۸۳ء، ۲۲۶ ص.

۳۲۲: مقالات سیرت نویں سیرت کانفرنس ۱۹۸۳ء/ اسلا م آباد: وزارت مذہبی امور، ۱۹۸۴ء، ۲ جلدیں.

۳۲۳: مقالات سیرت دسویں قومی سیرت کانفرنس/ اسلام آباد: وزارت مذہبی امور، ۱۹۸۶، ۲۲۵ ص.

۳۲۴: مقالات سیرت دسویں قومی سیرت کانفرنس ۱۹۸۶/ اسلام آباد: وزارت مذہبی امور، ۱۹۸۶، ۲ جلدیں.

۳۲۵: مقالات سیرت گیارہویں قومی سیرت کانفرنس ۱۹۸۷/ اسلام آباد: وزارت مذہبی امور، ۱۹۸۷، ۲ جلدیں.

۳۲۶: مقالات سیرت خواتین /اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۹۰ء، ۳۱۷ ص.

۳۲۷: مقالات سیرت حصہ اول خواتین/اسلام آباد: وزارت مذہبی امور، ۱۴۰۹ ھ، ۲۵۲ ص.

۳۲۸: مقام رسول ﷺ اپنوں اور غیروں کی نظر میں/ محمد اکرم کمبوہ۔ لاہور: محمد ادریس اعوان دارالکتب، ۱۹۹۹ء، ۲۳۶ ص.

۳۲۹: مقدس رسول ؐ/ مولانا ثناء اللہ امرتسری۔ لاہور : مکتبہ قدوسیہ، ۲۰۰۵ء، ۱۱۹ ص.

۳۳۰: حکایت رسول ؐ/ عزیز ملک۔ راولپنڈی: مطبوعات حرمت، ۱۹۸۱ء، ۹۶ ص.

۳۳۱: مکالمات نبویؐ/ مولانا ابو یحیٰ امام خاں نوشہروی۔ لاہور: مکتبہ نذیریہ، ۱۹۷۹ء، ۲۱۵ ص.

۳۳۲: مکتوبات نبویؐ / سید محبوب رضوی۔ لاہور: نذیر سنز پبلیشرز، ۱۹۷۸ء، ۲۶۴ ص.

۳۳۳: منصب نبوت اور اسکے عالی مقام عاملین/ سید ابوالحسن علی ندوی۔ کراچی: مجلس نشریات اسلام، ۱۹۷۶، ۲۸۷ ص.

۳۳۴: مواعظ میلاد النبی ﷺ / اشرف علی تھانوی۔ لاہور: کتب خانہ جمیلی، ۱۹۸۱ء، ۳۰۰ ص.

۳۳۵: میثاق مدینہ کا آئین تجزیہ / محمد طاہر قادری۔ لاہور: منہاج القرآن، ۲۰۰۴ء، ۲۰۰ ص.

۳۳۶: میرے سرکار ﷺ / راجا رشید محمود۔ لاہور : اختر کتاب گھر، ۱۹۸۷ء، ۱۴۴ ص.

۳۳۷: ناموس رسالتؐ اور قانون توہین رسالت / محمد اسماعیل قریشی۔ لاہور: الفیصل ناشران کتب، ۱۹۹۴ء، ۴۶۹ ص.

۳۳۸: نبی اکرم ﷺ بطور رہبر تقویٰ/ لیاقت علی خاں نیازی۔ لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۲۰۰۴ء، ۳۳۸ ص.

۳۳۹: نبی اکرمؐ بطور ماہر نفسیات/سیدہ سعدیہ غزنوی۔ لاہور: الفیصل ناشران کتب، ۱۹۹۶ء، ۲۱۶ ص.

۳۴۰: نبی اکرمؐ کی مسکراہٹیں/ چوہدری علی اصغر۔ لاہور:سنگ میل، ت.ن، ۱۶۵ ص.

۳۴۱: نبی اکرمؐ کاشانہ نبویؐ میں/ علی اصغر چوہدری۔ لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۸۸ء، ۲۴۰ ص.

۳۴۲: النبی الخاتم ﷺ محمد /مولانا مناظر احسن گیلانی۔ لاہور: الفیصل،ت.ن، ۱۳۶ص.

۳۴۳: نبی پاک ﷺ دے خطبے/ اشرف کنجاہی۔ لاہور: اسلامک بک فاؤنڈیشن، ۱۹۸۷ء ، ۲۰۸ ص.

۳۴۴: نبی رحمت / ابو الحسن علی ندوی۔ کراچی: مجلس نشریات اسلام،۱۹۸۳ء، ۲۶۴ ص.

۳۴۵: نبی کریم ﷺ / سلیم یزدانی۔ کراچی: مجلس شاہ فرید، ۱۹۸۳ء، ۳۴۲ ص.

۳۴۶: نبی کریم ﷺ کا ذکر مبارک بلوچستان میں/ انعام الحق کوثر۔ لاہور:اسلامک پبلیکیشنز، ت.ن،۴۳۰ ص.

۳۴۷: نبی کریمؐ کا ذکر مبارک بلوچستان میں/انعام الحق کوثر۔ لاہور: اسلامک پبلیکیشنز،۱۹۸۳ء، ۴۳۲ ص.

۳۴۸: نبی کریمؐ کی عائلی زندگی/حافظ محمد سعد اللہ۔ لاہور:برائٹ بکس ، ۲۰۰۳ء، ۳۹۹ ص.

۳۴۹: نبی کریمؐ کی معاشی زندگی/ نور محمد غفاری۔ اسلام آباد: مکتبہ ابوذر غفاری، ۱۹۸۰ء، ۴۰۵ ص.

۳۵۰: نبی ہمارے سب سے پیارے/محمد جاوید امتیازی: لاہور: مقبول اکیڈمی، ۱۹۸۸ء، ۱۸۸ص.

۳۵۱: نراشنس اور آخری رسولؐ / پنڈت ویدپرکاشی اپا دھیائے، مترجمہ وصی اقبال۔ دہلی: مرکزی مکتبہ اسلامی، ۱۹۹۲ء، ۶۰ ص.

۳۵۲: نسب رسول ﷺ جلد اول۔ دوم۔ سوئم تین جلدیں/ صاحبزادہ سید محمد یونس شاہ کاظمی۔راولپنڈی: کاظمی پبلیکیشن، ۱۹۹۶ء، ۳ جلدیں.

۳۵۳: نشر الطیب فی ذکر الحبیبؐ/ اشرف علی تھانوی۔ لاہور: شیخ اکیڈمی، ت .ن، ۳۷۰ ص.

۳۵۴: نعت ایوارڈ/ سید محمد محسن کاکوروی۔ کراچی: حضرت حان حمد و نعت بک بنک، ۱۹۹۱ء، ۱۵۲ ص.

۳۵۵: نعت کائنات/ راجا رشید محمود۔ لاہور: جنگ پبلیشرز،۱۹۹۳ء، ۸۱۶ ص.

۳۵۶: نقوش رسولؐ نمبر / محمد طفیل ۔ لاہور: ادارہ فروغ اردو، ۱۹۸۲ء، ۱۳ جلدیں.

۳۵۷: نقوش سیرت / پروفیسر مولانا علم الدین سالک۔لاہور: کتب خانہ انجمن حمایت اسلام، ۱۹۸۳ء، ۲۳۲ ص.

۳۵۸: نقوش سیرت/ طہٰ حسین۔ کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۹۵ء، ۳۴۸ ص.

۳۵۹: نور البصر فی سیرۃ خیرالبشر ﷺ / مولانا حفظ الرحمٰن سلوھاروی۔ لاہور: طیب پبلیشرز، ت.ن، ۳۶۱ ص.

۳۶۰: نور مبین ﷺ / حامد حسن بلگرامی۔ کراچی: حسن اختر ایسوسی ایٹس، ۱۹۹۲ء، ۸۰۲ ص.

۳۶۱: نور الیقین فی سیرۃ سید المرسلین/ محمد الخضری۔ دمشق: مکتبہ الفرابی، ۱۹۹۰ء، ۳۰۴ص.

۳۶۲: نہج الفصاحب / نصیر الاجتہادی۔ لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ت.ن، مختلف صفحات.

۳۶۳: والضحیٰ / پدم سری ہیکل۔ دہلی: اے ون آفس پرنٹرز، ت.ن، ۲۴۰ ص.

۳۶۴: الوفا/ امام عبدالرحمٰن ابن جوزی۔ لاہور: فرید بک سٹال، ت. ن، ۸۶۱ ص.

۳۶۵: وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والے ﷺ/ حافظ محمد سعد اللہ۔ لاہور: اقبال پبلیشنگ کمپنی، ۱۹۹۹ء ، ۳۸۳ ص.

۳۶۶: وہی یٰسین وہی طٰہٰ/ حفیظ تائب۔ لاہور: القمر انٹر پرائزز، ۱۹۹۸ء، ۱۳۶ ص.

۳۶۷: ھادئ عالم ﷺ/ محمد ولی رازی۔ کراچی: دارالعلم، ۱۹۸۴ء، ۴۱۶ ص.

۳۶۸: ھادئ کونین ﷺ/ محمد اسماعیل ظفرآبادی۔ فیصل آباد: ملک سنز، ۱۹۷۶ء، ۲۴۰ ص.

۳۶۹: ہمارے آقا ﷺ بچوں کے لیے/علی اصغر چوہدری۔ لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۸۸ء، ۱۵۲ ص.

۳۷۰: ہمارے پیارے نبی ﷺ / محمد اکرام چغتائی۔ لاہور: اردو سائنسی بورڈ، ۱۹۸۴ء، ۵۵ ص.

۳۷۱: ہمارے حضور ﷺ / صابر قرنی۔لاہور: حسنات اکیڈمی، ۱۹۸۶ء، ۳۵۰ ص.

۳۷۲: ہمارے حضور ﷺ / عابد نظامی۔ لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۸۴ء، ۲۲۸ ص.

۳۷۳: ہمارے رسول پاک ﷺ/ طالب ہاشمی۔ لاہور: البدر پبلیکیشنز، ۱۹۸۵ء، ۲۳۲ ص.

۳۷۴: یہ تو کرم ہے اُن کا ورنہ/کوثر بریلوی۔ کراچی: حرا فاؤنڈیشن پاکستان، ۱۹۹۷ء، ۱۹۲ص.

۳۷۵: یہ ہیں کارنامے رسولؐ کے / راجہ محمد عبداللہ نیاز۔ لاہور: دارالتذکیر، ۱۹۹۸ء، ۱۲۰ ص.

ہماری چند مطبوعات



دعوۃ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
پوسٹ بکس: 1485، اسلام آباد، پاکستان، فون: 9261751, 2262031، فیکس: 2261648
ای میل : <research.dawah@iiu.edu.pk>